تاریخ امروہہ

محمود احمد الہاشمی العباسی

قصص الاوّلین موعظۃ الآخرین

تاریخ امروہہ

محمود احمد الہاشمی العبّاسی

سابق سپرنٹنڈنٹ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علیگڑھ

© جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب : تاریخ امروہہ

مصنف : محمود احمد الہاشمی العباسی

پبلیشر : کتاب دار
۵۔اے، ۱۰۸/۱۱۰، جلال منزل، ٹمکر اسٹریٹ،
نزد جے جے اسپتال، ممبئی۔۹

سن اشاعت اول : ۲۰۰۵

قیمت : ۲۵۰ روپے

ترتیب : اکبر قریشی

سرورق : التمش رشید، عمران اکبر

رنگین تصاویر (دور جدید) : اکبر قریشی

TAREEKH-E-AMROHA

by

Mehmood Ahmed Alhashmi Alabbasi

Year of 1st Edition 2005

Price Rs. 250/-

Revised by *Akbar Qureshi*

Cover Design & Old Scathes Colour Enhancing :
Altamash Rashid, Imran Qureshi

New Colour Pictures : *Akbar Qureshi*

email: *akbarqureshi@amroha.info*

Website: *www.amroha.info*

Published by

Kitaab Daar

5-A, 110/108, Jalal Manzil, Temkar Street,
Near JJ Hospital, Mumbai-8.
email: kitabdaar@yahoo.com

بسم الله الرحمن الرحيم

عرض ناشر

تاریخ امروہہ (محمود احمد عباسی) ۱۹۳۰ء میں شائع ہوئی اسکے بعد کوئی دوسرا ایڈیشن منظر عام پر نہ آسکا اور ۷۵ سال کے عرصے میں یہ کتاب نایاب ہوگئی۔ اس بات کی ضرورت تھی کہ اس تاریخی سرمایہ کو پھر سے شائع کیا جائے۔ امروہہ کے تاریخی حالات پر اس سے مکمل اور جامع تاریخ آج تک نہ شائع ہوئی اور نہ اب ہوگی۔ نہ اب وہ قدیم فرامین، میسر ہیں نہ دستاویزات، نہ قلمی و مطبوعہ کتابیں، نہ ہی دس ہزار کاغذات کا مطالعہ ممکن ہے، وہ سب کچھ تو کب کے ضائع ہو چکے۔ پروفیسر نثار احمد فاروقی لکھتے ہیں "تقریباً سارے شہر کے معزز خاندانوں نے اپنے گھروں سے دستاویزوں، قلمی کتابیں، فرامین اور دوسری شہادتیں نکال کر عباسی صاحب کے حوالے کردی تھیں، ان میں سے بیشتر مصادر ان کے مالکوں کو واپس نہ مل سکے۔ میں نے بچشم خود ان دستاویزوں سے بھرا ہوا ایک بڑا چوبی صندوق عباسی صاحب کے پاس دیکھا تھا کچھ کاغذات وہ اپنے ساتھ پاکستان کو لے گئے تھے وہاں نہ جانے ان کا کیا حشر ہوا۔ کچھ یہاں ایک مکان میں رکھ گئے تھے جو کسی وقت برسات کا پانی بھر جانے سے گل سڑ کر برابر ہوگئے ("تحفۃ الانساب" مولف مصباح احمد صدیقی۔ صفحہ ۱۴)

عباسی صاحب مورخ بھی تھے محقق بھی۔ تحقیق میں آپ کی نظر بہت گہری تھی، چھان بین ان کی عادت مطالعہ ان کا شوق۔ انداز تحریر بالکل جداگانہ، ان کے مزاج میں ایک کمزوری نہ ہوتی تو ان کا رتبہ بہت بلند ہوتا۔ عصبیت سے وہ اپنے دامن کو پاک نہ رکھ سکے اپنی تحریروں میں انتہاپسند ہوگئے۔ اسی کمزوری نے انکی تنقید کو اعتبار سے محروم کیا۔ انہوں نے تاریخی حالات پر جو محنت کی ہے اس سے انکار نہیں۔ "تاریخ امروہہ" اہل امروہہ کے لیے ایک قیمتی سرمایہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ لیکن "مسلمان پیشہ ور اقوام" باب میں جو ج پیشہ ور اقوام پر تنقید کی ہے اس سے ہمیں اتفاق نہیں وہ اپنی تحریروں میں حد سے گذر گئے ہیں۔ "عزت افزائی" صرف قصائیوں کے نصیب میں آئی کہ عباسی صاحب نے تاریخ امروہہ کے ۲۵ صفحات قصائیوں کی "شان" میں لکھے۔ کسی اور برادری یا فرقے کی "زبان" "عادات و خصائل" اور نسب پر اتنی Reaserch نہیں کی۔ کیوں وہ قصائیوں سے اسقدر بدظن تھے کیا دشمنی تھی؟ واللہ اعلم۔ لیکن نہ صرف قسائی بلکہ اور بھی کئی برادری فرقوں کی انہوں نے دل آزاری کی ہے۔ میں بھی انہیں قصائیوں میں سے ہوں لیکن مجھے ان سے بیحد عقیدت ہے۔ صرف اس لیے کہ انہوں نے امروہہ کی تاریخ لکھ کر جو اہل امروہہ پر احسان کیا ہے اس کے آگے ان کی تنقید، انتہاپسندی، تعصب سب ہیچ ہیں۔ بڑا آسان تھا کہ "مسلمان پیشہ ور اقوام" اور "ہندی مسلمان اور عرب نژادگی" باب حذف کردیا جائے ۵۹ صفحوں پر پھیلی ہوئی یہ کڑواہٹ ختم ہو جاتی۔ لیکن کسی تاریخی دستاویز میں چھیڑ چھاڑ مناسب نہیں تھا یہ دونوں باب حذف کرنے سے کتاب کے ۵۹ صفحے کم ہو رہے تھے، کتاب کے تسلسل میں فرق آرہا تھا۔ اس لیے ان تمام پیشہ ور برادری سے معذرت کے ساتھ جن کی دل آزاری ہوئی ہے، یہ کتاب اصل متن کے ساتھ شائع کی جارہی ہے تاکہ قاری خود اندازہ لگالیں عباسی صاحب کس حد تک عصبیت سے پاک تھے اور انکا یہ دعوٰہ کس حد تک صحیح ہے "مسلم پیشہ ور اقوام کے نسبی حالات" لکھتے وقت اس مسئلہ کی محض تاریخی حیثیت خاکسار مولف کے پیش نظر ہے اس سے کسی اسلامی برادری

کی تنقیص وتحقیر یا کسی طبقہ کا تعرض وتفاخر ہرگز مقصود نہیں''(''تاریخ امروہہ'' مطبوعہ ۱۹۳۰ء صفحہ ۱۹۸)

امروہہ کی تصاویر کے سلسلے میں کئی بار امروہہ جانا ہوا۔ محمود احمد عباسی کے مکان پر بھی گیا، جو کبھی داود منزل ہوا کرتا تھا اب ریاض منزل ہے۔ (تصویر صفحہ ۱۳۲) اسمیں کوئی کرایہ دار رہتے ہیں جو محمود احمد عباسی کے نام تک سے واقف نہیں۔ گھر اجاڑ پڑا ہے عباسی صاحب کی بیٹھک جہاں ''تاریخ امروہہ'' وجود میں آئی، کے زینے گر چکے ہیں یہ زینے دروازے سے لگ کر اوپر والے کمرے میں جاتے تھے جہاں آپ لکھنے پڑھنے کا کام کیا کرتے تھے۔ اسی بیٹھک کے نیچے ایک کمرہ ہے جو کبھی ان کا کتب خانہ ہوا کرتا تھا۔ اب نہ بیٹھک رہی، نہ کتب خانہ، نہ داود منزل، نہ اسکے رہنے والے۔

پوری کوشش کی گئی ہے کہ تاریخ امروہہ کے اصل متن میں کسی طرح کی کوئی تبدیلی نہ ہو پھر بھی کوئی کمی بیشی رہ گئی ہو تو آپ سے گذارش ہے اپنی قیمتی رائے سے ضرور نوازیں۔ اس بات کی بہت کمی محسوس ہو رہی ہے کہ عباسی صاحب کا کوئی فوٹو شامل کتاب نہ ہو سکا۔ بہت کوشش کے باوجود امروہہ میں کسی کے پاس عباسی صاحب کا فوٹو نہ ملا۔ کسی صاحب کے پاس ہو تو عنایت کریں اور ان سے متعلق کسی بھی طرح کی کوئی معلومات ہو تو ارسال کریں، میں مشکور اور ممنون رہوں گا، انشا اللہ اگلے ایڈیشن میں شامل کروں گا۔ ایک اور گذارش انکے لواحقین میں سے کسی کے پاس ان کے غیر مطبوعہ مسودات ہیں تو مجھ سے رابطہ قائم کریں۔ میری تمنا ہے ان کی غیر مطبوعہ کتابیں شائع کی جائیں۔ جیسا کہ میں نے کئی جگہ پڑھا ہے انہوں نے ''شعرائے امروہہ'' ''اطبائے امروہہ'' کا مسودہ تیار کر لیا تھا جو آج تک شائع نہ ہو سکا۔ دراصل یہ انکی تاریخ امروہہ ہی کا ایک حصہ ہے۔ اگر ان کے پسماندگان ان مسودات کو قیمتاً بھی دینا چاہیں تو میں تیار ہوں۔ عباسی صاحب سے بے پناہ عقیدت کی بناء پر میری تمنا ہے ان کی غیر مطبوعہ تحریریں شائع ہوں۔

محمود احمد عباسی تاریخ پیدائش ۳۱ مارچ ۱۸۸۵ء ۔ جائے پیدائش امروہہ

وفات: ۱۴ مارچ ۱۹۷۴ کراچی میں انتقال ہوا۔ طارق روڈ کراچی پر سوسائٹی کے قبرستان میں دفن ہوئے۔

اکبر قریشی

جدہ

۷ جنوری ۲۰۰۵

پیش لفظ

تاریخ امروہہ، محمود احمد عباسی کی وہ گراں قدر تحقیقی تصنیف ہے جو عرصہ دراز سے نایاب تھی۔ ۱۹۳۰ء میں محمود احمد عباسی نے متذکرہ کتاب کو مکمل کر کے پریس کے سپرد کیا تھا اور یہ ظاہر کیا تھا کہ اس کتاب کے مزید دو حصے شائع ہوں گے۔ دوسرا حصہ **تذکرہ الکرام** ہوگا جس میں امروہہ کے مشاہیر اولیاء، حکماء، علما، اُمراء اور شعراء کے تفصیلی کوائف ہوں گے۔ تیسرا حصہ **تحقیق الانساب** ہوگا جس میں امروہہ کے سادات و شرفاء کے نسبی حالات پر تاریخی لحاظ سے ذکر ہوگا۔ تاریخ امروہہ ایک مکمل تحقیقی تالیف کا پہلا حصہ ہونے کے باوجود اپنے آپ میں ایک مکمل تصنیف ہے۔

یہ کتاب ان معنوں میں ایک مستند تاریخ ہے کہ اس سے قبل امروہہ سے متعلق مولوی محب علی خان عباسی کی تالیف **آئینۂ عباسی** (۱۸۷۸) مولانا آل حسن بخشی کی فارسی تالیف **تحسبۃ التواریخ** (۱۸۸۰) نیز سید اصغر حسین نقوی کی کتاب **تاریخ اصغر** (۱۸۸۹) شائع ہو چکی تھیں۔ بقول محمود احمد عباسی جب انہوں نے محسوس کیا کہ مولف حضرات نے تاریخی واقعات و حالات قلمبند کرتے وقت روایتوں کی صحت کا خیال نہیں رکھا اور مہمل اور غلط روایتیں اور تذکرے بھی اپنی تصانیف میں شامل کر لئے تو انہوں نے تاریخ امروہہ کی تالیف کا قصد کیا اور امروہہ سے متعلق نایاب قلمی نسخوں اور تقریباً دس ہزار کاغذات و دستاویزات کا مطالعہ کرنے کے بعد اس کتاب کی تصنیف کی۔

امروہہ کے آباد ہونے کے حتمی زمانے کا تعین آج تک نہیں کیا جا سکا ہے البتہ محمود احمد عباسی نے اپنی تحقیق یا قیاس سے یہ ثابت کرنے کی کوشش ضرور کی ہے کہ تقریباً پانچ سو سال قبل مسیح میں ہستناپور کے راجہ امر جودہ نے اس شہر کو بسایا تھا۔ لیکن امروہہ اصلاً سنسکرت کے ایک مرکب لفظ امروانم سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں آموں کی جگہ۔ محمود احمد عباسی نے اس حکایت کو مسترد کیا ہے کہ اس علاقے میں آم اور روہو مچھلی کی فراوانی کی وجہ سے امروہہ نام پڑ گیا تھا انہوں نے سنسکرت کے جن لفظوں کے حوالے سے امروہہ نام کی وجہ تسمیہ بیان کی ہے اس سے یہ تو ثابت ہی ہوتا ہے کہ روہو مچھلی کا تعلق اس نام سے بھلے ہی نہ ہو امروہہ نام دیئے جانے میں آم کا دخل ضرور ہے۔

امروہہ پر مغلوں، مرہٹوں، روہیلوں، نوابوں، جاٹوں اور انگریزوں کے سیاسی ثقافتی اور معاشرتی اثرات رہے ہیں محمود احمد عباسی نے ان کا جائزہ ہی نہیں لیا ہے بلکہ تاریخی شواہد بھی پیش کئے ہیں۔ اس طرح امروہہ کی قدیم تاریخ سے ہم روشناش ہوتے ہیں۔ امروہہ کی تاریخی عمارتوں اور مزارات کی تفصیلات کے ساتھ اُن کی قلمی تصاویر کے لئے اُنہوں نے جس قدر عرق ریزی کی ہے اُس نے آثار قدیمہ سے شغف رکھنے والوں کے لئے اس کتاب کو ایک دستاویز کا درجہ عطا کر دیا ہے۔ مولف نے کسی بھی تاریخی عمارت یا شخصیت سے منسوب واقعے یا روایت کو اُس کی تاریخی صحت کے ثابت ہونے پر ہی رقم کیا ہے اور اگر کہیں کسی مشہور واقعے یا روایت کو درج بھی کیا ہے تو اُس کے معتبر نہ ہونے کی صورت میں اُس کا برملا اظہار کر دیا ہے۔ محمود احمد عباسی کو امروہہ سے بے پناہ عشق تھا۔ عشق کا جنون ہی تحقیق کے خارزار میں آبلہ پا سفر کرنے کا حوصلہ بخشتا ہے۔ تاریخ امروہہ کے مقدمہ میں امروہہ سے ان کا عشق کچھ اس طرح عیاں ہوتا ہے۔

پیارے وطن اپنے اوج و عروج کے زمانہ سے جا مل اور ہمیں ایک نظر وہ منظر، وہ سماں دکھا دے، وہ غازیوں کے گھوڑوں کی

ہنہناہٹ، وہ ان کے ٹاپوں کی صدا، وہ نعرۂ تکبیر کی آوازیں، وہ دامنِ گردچیر کی مجاہدین کے گروہ کا باطل کو پامال کرتے آگے بڑھ آنا۔ امروہہ میں پڑاؤ ڈالنا۔ وہ اُن کے غازیانہ ولولے وہ ان کا عربی لب ولہجہ وہ اُن کی ہاشمی شجاعت، وہ حاتم خان کی بہادر فوج وار مسلم نبرد آزماؤں کی چھاؤنی، وہ شہزادہ خضر خان کی قیامگاہ وہ سلطان فیروز تغلق کی مجاہدانہ ترکتاز کا مقام وہ ابن بطوطہ کی سیاحت گاہ خدا کے لئے یہ سماں ہمیں بھی ایک نظر دکھا دے۔

اس عبارت کے ایک ایک لفظ سے اُن کی اپنے وطن عزیز سے محبت کا شہد شیریں ٹپکتا ہوا محسوس ہوتا ہے لیکن طبقاتی نظام کی درجہ بندی سے اُن کی وابستگی چھپائے نہیں چھپتی اور جہاں وہ امروہہ کے مختلف طبقات واقوام کا ذکر کرتے ہیں تو کمزور طبقات کے لوگوں کو کم اصل اور پست اقوام لکھنے میں انہیں ذرا بھی تامل نظر نہیں آتا۔ ایک طرف تو وہ اسلام کے غیر طبقاتی نظام کا ذکر اس طرح کرتے ہیں۔

مسلمانوں کے اعتقاد میں تو بنی آدم سب برابر ہیں۔ علم تقویٰ اور عمل صالح حقیقت میں معیار شرف وفضیلت ہیں۔ حضور سرور کائنات نے فتح مکہ کے وقت ارشاد فرمایا تھا کہ تمام انسان حضرت آدم کی نسل ہیں اور آدم مٹی سے بنے ہیں۔

دوسری جانب وہ کم اصل اور پست اقدام کو مجہول النسب کے نام سے یاد کرتے ہیں اور انہوں نے کمزور اور نچلے طبقات کے مسلمانوں کو زنان بازاری اور بھنگنوں کی اولاد تک کہنے میں کوئی عار محسوس نہ کیا۔ (دیکھئے مجہول النسب)

مسلمانوں کے پیشہ ور اقوام کا جب وہ ذکر کرتے ہیں تو باوجود اس دعوے کے کہ مسلم پیشہ ور اقوام کے نسبی حالات لکھتے وقت اس مسئلے کی محض تاریخی حیثیت اُن کے پیش نظر رہی ہے اور وہ اسلامی برادری کی تنقیص وتحقیر نہیں کرنا چاہتے اور تمام مسلمان آپس میں بھائی ہیں کسی کو کسی پر فوقیت حاصل نہیں ہے۔ نیز قرآن کے بموجب خدا کی بارگاہ میں وہی معتبر ہے جو زیادہ متقی وپرہیز گار ہے۔ قرآن اور رسولؐ کے ان ارشادات کے ساتھ وہ یہ تحریر کرنے میں کوئی گریز نہیں کرتے ہیں کہ ایک ہندی نژاد جولاہہ یا قسائی اگر زیور علم سے آراستہ ہو تو اسے ایک ہاشمی الاصل۔ غریق النسب سید زادہ پر، جو ان اوصاف سے متصف نہ ہو قطع نظر امتیاز نسبی بہ اعتبار حکم مذہبی درجہ امتیاز ومرتبہ فضیلت حاصل ہے۔ جب محمود احمد عباسی امروہہ کے عربی النسل مسلمانوں کا ذکر کرتے ہیں تو وہ یہ ضرور باور کراتے ہیں کہ نسب کے معاملہ میں ایک ہاشمی کو دوسرے ہاشمی پر مطلق فضیلت نہیں جو شخص کسی عباسی، کسی جعفری کسی عقیلی کسی علوی کو کسی فاطمی سے نسبی معاملہ میں جدا کرتا ہے وہ بربنائے جہالت ایسا کرتا ہے، (عربی النسل)

لیکن جب وہ امروہہ کے پیشہ ور اقوام کا ذکر کرتے ہیں تو پہلے تو وہ انہیں ہندی الاصل ثابت کرتے ہیں ہندی الاصل سے اُن کی مراد، اُن اچھوت ہندوؤں سے ہے جنہوں نے اسلام قبول کرلیا تھا۔ اُن کے یہ خیالات اس کتاب میں ان کے فکری تضادات کی چغلی کھاتے نظر آتے ہیں۔

محمود احمد عباسی کی اس گراں قدر تصنیف میں جابجا اعلیٰ نسبی کا غرور اور نچلے طبقات اور پیشہ ور مسلمانوں کے لئے تحقیر کے لہجے کو محسوس کیا جاسکتا ہے۔ وہ اسلامی مساوات میں اپنے یقین اور اعتبار کے اظہار کے باوجود عربی النسل مسلمانوں کو طبقۂ اشرافیہ میں شمار ہی نہیں کرتے ہیں بلکہ انہیں ہی صحیح النسل ثابت کرتے نظر آتے ہیں۔ طبقاتی درجے بندی کی اُن کی عصبیت کا سب سے زیادہ شکار امروہہ کی قصاب برادری اور جولاہا برادری ہی ہوئی ہے۔ قصاب برادری کو کم اصل اور رذیل ثابت کرنے میں انہوں نے تقریباً چھے ہزار لفظوں کا استعمال کیا ہے۔ قصاب برادری خود کو اہل قریش سے جوڑتی ہے تو جولاہے خود کو انصاری کہتے ہیں۔ محمود احمد عباسی کو، جو خود کو بغداد کے خلیفہ عباسی امین الرشید (خلف ہارون رشید) کے سلسلے سے بتاتے ہیں، شاید یہ گوارا نہیں تھا کہ کوئی غیر عربی النسل اپنا نسب اہل قریش اور قبیلۂ

انصار سے جوڑ کر خود کو آلِ رسولؐ سے قریب ظاہر کرنے کی جرأت کرے!

تاریخ کے ایک عام طالب علم کی حیثیت سے پیشہ وراقوام کے باب کو پڑھتے ہوئے یہ تاثر ملتا ہے کہ اُن کے یہاں پیشہ وراقوام کے خلاف شدید تعصب تھا جسے وہ اسلامی مساوات کی تعریف و توصیف کے باوجود بانے میں ناکام رہے ہیں۔ وہ شاید یہ مانتے تھے کہ صحیح النسل اور اعلیٰ نسب مسلمان ہی قوم کے سید (سردار) ہیں۔ آج اگر محمود احمد عباسی حیات ہوتے تو یہ دیکھ کر اُن کا دل خون کے آنسو روتا کہ جنہیں وہ طبقہ اشرافیہ کے امین سمجھتے تھے وہ اپنی اعلیٰ نسبی کے غرور کی وجہ سے زمانے کے ہم رکاب نہ ہو سکے اور آج اسی امروہہ میں انتہائی مالی پسماندگی کا شکار ہیں اور پیشہ ور قوم بالخصوص قصاب برادری نے علم و عمل سے معاشرے میں اپنی سرخروئی قائم کر دی ہے۔

محمود احمد عباسی تاریخ کے محقق تھے اور انہوں نے تاریخی واقعات کے بیان میں نہ تو تخیل سے کام لیا اور نہ ہی تحقیق میں روگردانی کی لیکن وہ بھی سکہ بند محققوں کی طرح یہ تصور کرتے تھے کہ تاریخ صرف حکمراں طبقہ اور طبقہ اشرافیہ ہی سے خلق ہوتی ہے۔ انہوں نے یہ نہیں سوچا کہ تاریخ کے تشکیلی عمل میں اُس طبقے کا سب سے اہم رول ہوتا ہے جسے وہ کم اصل یا رذیل تصور کرتے ہیں۔ انگریز مورخ ایڈورڈ تھامپسن نے انگلستان کی تاریخ میں پیشہ ور قوموں کا تاریخ سے تعلق کچھ اس طرح ظاہر کیا ہے میری خواہش ہے کہ میں غریب ہنر مندوں، دست کاروں اور جولاہوں کو اس بے عزتی اور ذلت سے نکالوں کہ جو کئی نسلوں سے تاریخ میں ان سے وابستہ ہے۔ ان کا فن و ہنر اور روایات چاہے کیوں نہ مر رہی ہوں نئی صنعت سے ان کی دشمنی ان کی پسماندگی کا باعث ہی کیوں نہ ہو۔ اجتماعی زندگی کے بارے میں ان کے خیالات تخیلاتی ہی کیوں نہ ہوں لیکن دیکھنا یہ ہے کہ وہ ان پر شوب اور انتشار کے زمانے میں رہے کہ جس سے ہمارا کوئی واسطہ نہیں ہے اور جن تجربات سے ہم واقف نہیں ہیں۔ اس لئے ان کے ذہن کو سمجھنا انتہائی ضروری ہے۔

محمود احمد عباسی تاریخ امروہہ کو اگر اپنی عصبیت سے پاک رکھتے تو یہ کتاب ہر طبقہ میں مقبول اور معتبر ہوتی لیکن طبقۂ اشرافیہ سے ان کی بے پناہ عقیدت اور کمزور اور نچلے طبقات سے اُن کی عصبیت نے تاریخ امروہہ کو ایسا چاند بنا دیا ہے جو روشن تو ہے لیکن داغدار بھی ہے۔ اس کے باوجود امروہہ کی تاریخی حیثیت اور اہمیت کو منوانے میں اس سے بہتر کوئی دوسری کتاب نہیں ہے۔

ساجد رشید
ممبئی
۷ جنوری ۲۰۰۵

قصص الاولین موعظۃ الآخرین

تاریخ امروہہ

محمود احمد الہاشمی العباسی

فہرستِ مضامین

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱	مقدمہ وانتساب وغیرہ	۱۷
۲	امروہہ کب بسا	۲۵
۳	وجہ تسمیہ	۲۵
۴	امروہہ ہندوؤں کے عہد حکومت میں	۲۶
۵	راجپوتوں کا راج	۲۷
۶	کایستھوں کا راج	۲۷
۷	تگوں کی حکومت	۲۷
۸	ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد	۲۸
۹	سلطان محمود غزنوی کے حملے	۲۹
۱۰	اسلامی سلطنت کی بنیاد	۲۹
۱۱	امروہہ پر مسلمانوں کا تسلط	۳۰
۱۲	امروہہ کی قدیم آبادی	۳۲
۱۳	امروہہ مسلمانوں کے ابتدائی دور حکومت میں	۳۲
۱۴	ہندو رعایا کی بغاوتیں	۳۲
۱۵	بغاوت کا خوفناک انتقام	۳۳
۱۶	ملک امیر حاتم خاں امروہہ کا پہلا جاگیردار	۳۳
۱۷	ملک اعزالدین حاکم امروہہ	۳۵
۱۸	ملک عنبر سلطانی حاکم امروہہ	۳۶
۱۹	ملک چھجو سے نواح امروہہ میں جنگ	۳۶
۲۰	علاؤالدین خلجی کی سخت گیری کا اثر	۳۶
۲۱	غلہ و کپڑے کی ارزانی کے ضوابط	۳۷
۲۲	شرح اجناس کا موازنہ	۳۸

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۲۳	ولایت امروہہ میں مغلوں سے جنگ	۳۹
۲۴	امروہہ میں شاہی فوج کی چھاؤنی	۴۲
۲۵	شہزادہ خضر خان کا امروہہ میں قیام	۴۳
۲۶	حضرت شاہ ولایتؒ کی تشریف آوری	۴۵
۲۷	مشہور سیاح ابن بطوطہ کی آمد	۴۶
۲۸	عزیز خمار حاکم امروہہ	۴۷
۲۹	تین سیدوں کے قتل کا خوفناک انتقام	۴۷
۳۰	ملک محمود بک شیر خان حاکم امروہہ	۴۸
۳۱	ملکی بدنظمی اور فساد	۴۸
۳۲	امروہہ کے ابتدائی جاگیردار	۴۹
۳۳	سلطان علاؤالدین عالم شاہ کا قیام امروہہ میں	۵۰
۳۴	امروہہ اور سنبھل علم و فضل کے مرکز	۵۰
۳۵	امروہہ عہد مغلیہ میں	۵۱
۳۶	قطب الدین خان قتاق خان حاکم امروہہ	۵۱
۳۷	عہد اکبری و جہانگیری کے جاگیردار	۵۱
۳۸	امروہہ کی ناموری و شہرت	۵۲
۳۹	امروہہ کا ضلع مرادآباد سے تعلق	۵۲
۴۰	روہیلوں کا تسلط	۵۴
۴۱	مرہٹہ گردی اور امروہہ کی حفاظت کا انتظام	۵۵
۴۲	نوابان اودھ کی حکومت	۵۶
۴۳	تھے خانی کا حادثہ	۵۶
۴۴	انگریزوں کا تسلط	۵۷

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۴۵	امروہہ میں انگریزی فوج کی چھاؤنی	۵۷
۴۶	غدر ۱۸۵۷ء کے حالات	۵۸
۴۷	امروہہ پر جاٹوں کا حملہ	۶۰
۴۸	اسلامی سلطنت دوبارہ قائم کرنے کا خیال	۶۱
۴۹	اہل امروہہ کی شاہ معزول کو درخواستیں	۶۲
۵۰	عرضداشتوں کی نقول	۶۲
۵۱	عرضداشتوں کے جواب میں شاہی شقہ	۶۷
۵۲	باغیوں کی چند روزہ حکومت	۶۹
۵۳	نواب صاحب رام پور کا انتظام	۷۲
۵۴	انگریزی حکومت کا دوبارہ تسلط	۷۴
۵۵	باغیوں کو عبرتناک سزائیں	۷۵
۵۶	مسلمانوں کی تباہی کی دردناک داستان	۸۰
۵۷	خیر خواہان حکومت کو انعامات	۸۲
۵۸	سنہ ۱۸۵۷ء کے بعد سے	۸۴
۵۹	آثار قدیمہ اہل ہنود	۸۵
۶۰	آثار قدیمہ عہد اسلامی (مساجد)	۸۷
۶۱	مزارات، خانقاہیں اور مقبرے	۱۱۴
۶۲	مزارات شہداء	۱۱۴
۶۳	مزارات اولیاء	۱۱۶
۶۴	خانقاہیں	۱۳۷
۶۵	مقبرے	۱۳۸
۶۶	متفرق عمارتیں	۱۴۰
۶۷	شیخ صدو	۱۴۲
۶۸	اسلامی مدارس	۱۴۵
۶۹	امروہہ کی مصنوعات	۱۵۴
۷۰	امروہہ کے باشندے	۱۵۶
۷۱	ہندو باشندے	۱۵۷
۷۲	امروہہ کے مسلمان	۱۶۹
۷۳	عربی الاصل مسلمان	۱۶۹
۷۴	امروہہ کے ہاشمی خاندان	۱۷۷
۷۵	شیوخ قریشی	۱۸۴
۷۶	شیخ انصاری	۱۸۶
۷۷	عجمی النسل	۱۸۶
۷۸	ہندی الاصل	۱۸۸
۷۹	مسلمان پیشہ ور اقوام	۱۸۸
۸۰	پیشہ ور اقوام کا نسبی تعلق	۱۸۹
۸۱	امروہہ کی مسلم پیشہ ور اقوام	۱۹۰
۸۲	ہندی مسلمان اور عرب نژادگی	۱۹۸
۸۳	عرب نژادگی کا ادعا	۲۰۱
۸۴	میراثی	۲۰۳
۸۵	قصاب یا قسائی	۲۰۵
۸۶	نداف اور باف	۲۲۱
۸۷	آفاقی لوگ	۲۲۶
۸۸	مجہول النسب	۲۲۷
۸۹	امروہہ کے شیعہ و سنی	۲۲۷
۹۰	امروہہ کی معافیات	۲۲۷
۹۱	اسلامی اوقاف	۲۹۳
۹۲	میلے اور تہوار	۳۱۴

انتساب

وطن عزیز کی بہار وخزاں، عروج وزوال کی داستان کا اب آخری صفحہ بھی لکھ چکا، قلم کا مسافر تاریخی حالات کے تجسس وتلاش میں مدتوں سرگردان رہا، سات آٹھ صدیوں کی مسافت طے کرنیکے بعد اب قلمدان میں آ کر رُکا ہے۔ کہنہ اور بوسیدہ کاغذات کا انبار سامنے ہی پھٹے پرانے ٹکڑوں کو، جو برسوں دن کی روشنی اور رات کی تاریکی مین رفیقِ کار رہے حسرت بھرے دل سے رخصت کرر ہا ہون، بار بار یہ خیال ستاتا ہے کہ ابتک جو ہوا سو ہوا آئندہ کیا ہونا ہے؟ ساتھ ہی ساتھ مُلہم غیبی کی آواز بھی سُنائی دیتی ہے کہ عزیزان وطن سے کہدو کہ شہرت و ناموری، عز ووقار کے دربار میں اگر انہیں اپنی موروثی جگہ حاصل کرنی ہے تو سُستی وکاہلی، تعصب وتنگ خیالی دنائت وپستی کی ردائے کہنہ اُتار کر پھینکیں، علم وہنر عسالی ہمّتی وروشن خیالی، محنت وجفا کشی کا نیا لباس زیب تن کرین۔ قوم ووطن کی آئندہ فلاح وبہبود کی جو کچھ توقع ہے وہ آئندہ نسل ہی سے ہے اس لیے

اے میرے ہموطن نوجوانو!

میں اپنی اس ناچیز تالیف کو، جس میں تمہارے وطن کے گذشتہ تاریخی حالات بے کم وکاست بیان کرنے کی کوشش کی ہے، اس توقع اور اُمید پر تمہارے نام معنون کرتا ہوں کہ اس کی روشنی میں تم اپنا فرض اور اپنی ذمہ داریان پہچانو اور

وہ باتیں جن سے قومیں ہورہی ہیں نامور سیکھو! اُٹھو! تہذیب سیکھو! صنعتین سیکھو، ہنر سیکھو!
بڑھاؤ تجربے، اطراف دُنیا مین سفر سیکھو! خواصِ خشک وتر سیکھو، علومِ بحر وبر سیکھو!
خدا کیواسطے اے نوجوانو! ہوش میں آؤ! دلوں میں اپنے غیرت کو جگہ دو، جوش میں آؤ!

اچھا اب رخصت!

تم سے تھے تو تھا سو عزت کو قوم کی کچھ اپنے تو قافلے اب پا در رکاب یاں ہین

داؤد منزل امروہہ

یکم اپریل ۱۹۳۰ء

بندۂ احقر، خستہ جگر

محمود احمد

نامہ آغازم بنامِ ذوالجلال   آنکہ بیرون است از وہم وخیال

مُقدمہ

ابتدا میرا یہ خیال ہرگز نہ تھا کہ امروہہ کے تاریخی حالات میں کوئی کتاب مدون کروں، وطن کے ارباب کمال اور سلف صالحین کے سوانح حیات مرتب کرنے کا البتہ مدت سے شوق دامن گیر تھا۔ یہ شوق بھی اسلاف پرستی کی بنا پر نہیں بلکہ اس خیال اور اس یقین سے پیدا ہوا تھا کہ کوئی قوم وملت اپنے ماضی سے قطعاً بے تعلق بیگانہ نہیں ہوسکتی۔ زمانہ کتنے ہی پلٹے کھائے اور انقلاب زمانہ کچھ سے کچھ ہو جائے یہ ممکن نہیں کہ حال کے چہرہ پر ماضی کے خط وخال کا عکس نہ پڑے اور مستقبل حال کے آغوش تربیت کا شرمندۂ احسان نہ ہو۔

افراد کی طرح قوموں کی زندگی میں بھی مختلف دور آتے، بچپن، جوانی اور بڑھاپے کے آثار ان پر بھی نمایاں ہوتے ہیں۔ کبھی ترقی کا دور ہے تو کبھی تنزل کا۔ بہر کا دامن ہمیشہ خزاں سے وابستہ رہتا ہے۔ تنزل وانحطاط کی بلائیں تو صدیوں سے مسلمانانِ ہند پر مسلط ہے فصل بہار کا انتظار کیسا اس کا تو وہم وخیال بھی اب باقی نہیں لیکن گذشتہ نصف صدی سے قوم وملت میں قحط الرجال نہایت شدید ہے، گلستان ہند میں ہمارے قومی چمن کی پامالی اندوہناک ہے۔ پرانی تعلیم وتربیت، اسلامی تہذیب ومعاشرت اور علوم مشرقی کے جو چند ممتاز نمونے دستبرد زمانہ سے کچھ مدت پیشتر باقی تھے وہ بھی ایک ایک کر کے رخصت ہو چکے۔

لے گئی اُن کو آخر کار   عمرِ فنا کی موج بہا

دوسری طرف انقلاب انیسویں صدی کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ اسے شروع ہوئے کچھ زیادہ مدت نہیں گذری، ابھی تو ایک صدی کا صرف تہائی حصہ اسکے دامن میں آسودہ ہوا ہے، بایں ہمہ مغربی تہذیب وتمدن کی برقی روشنی کی کرنیں ایوان خانوں سے گذر کر محل سراؤں کے تاریک گوشوں تک پہنچ چکی ہیں، انسان ضعیف البنیان نے آب وخاک اور ہواتیوں کرّوں پر قبضہ وتسلط جما رکھا ہے۔ مشرق کی خفتہ اقوام کی آنکھیں اہل مغرب کے محیر العقول کارناموں اور سائنس کی برق پاش صناعیوں سے خیرہ ہو رہی ہیں۔ ترقی یافتہ قوموں کی دیکھا دیکھا خفتگانِ ہند نے بھی بیداری کی کروٹیں بدلنی شروع کی ہیں، تہذیب میں، تمدن میں، معاشرت میں، حتی کہ معتقدات میں انقلاب عظیم بپا ہو رہا ہے۔ اقبال مند قوموں کی تقلید بلکہ نقالی کا جذبہ خیال سے گذر کر عملی صورت اختیار کر چکا ہے۔ ان حالات کے اندر محض اس خیال سے کہ دورِ ماضی کے واقعات اور اسلاف کرام کے سوانح حیات موجودہ نسل کے لیے شاید کچھ مفید اور کارآمد ثابت ہوں تذکرۂ سلف لکھنا شروع کیا، اس کی ترتیب وتدوین کے دوران میں ہزار ہا کہنہ ودیرینہ کاغذات اور کرم خوردہ کتابوں کے مطالعہ کا اتفاق ہوا۔ نیز ان کتابوں کے بھی غور سے پڑھنے کا پہلی مرتبہ موقع ملا جو امروہہ کے تاریخی حالات میں اب تک شائع ہو چکی ہیں۔

ان میں سب سے قدیم کتاب مولوی محب علی خان عباسی کی تالیف آئینہ عباسی ہے جو ۱۸۷۰ء میں طبع ہوئی تھی۔ اس مختصر کتاب میں، جو ایک رسالہ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی، سادات وشرفاء امروہہ کے خاندانوں کا اجمالی تذکرہ ہے، کہیں کہیں چند جملے تاریخی

حالات سے بھی متعلق ہیں۔ آئینہ عباسی کی اشاعت سے دو برس بعد مولانا آل حسن نخشبی نے فارسی زبان میں نخبۃ التواریخ نام ایک کتاب تالیف کی جس میں اہل امروہہ کے خاندانی حالات ذرا تفصیل کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں لیکن اس قدیم بستی کے تاریخی حالات و واقعات کے متعلق ایک حرف بھی نہیں لکھا گیا۔ خاندانی تذکروں میں بھی تحقیق سے مطلق سروکار نہیں رکھا گیا۔ تیسری کتاب سید اصغر حسین نقوی کی مولفہ تاریخ اصغری ہے۔ جو مسٹر اسٹیفن اس زمانے کے اسسٹنٹ کلکٹر مراداباد کی منشاء اور حکیم نیاز علی خان مرحوم کے ایماء سے ۱۸۹۹ء میں لکھی گئی تھی۔ یہ کتاب اس لحاظ سے سابقہ تالیفات سے کچھ بہتر ہے کہ شہر سے متعلق بعض تاریخی حالات کا اس میں اجمالی تذکرہ کیا گیا ہے مگر افسوس ہے مولف تاریخ اصغری نے بھی تاریخی واقعات وحالات لکھتے وقت روایتوں کی تحقیق وتنقید سے مطلق کام نہیں لیا، غلط اور مہمل روایتیں بھی درج کر دی ہیں۔ سب سے آخر لیکن سب سے بدتر تالیف تاریخ واسطیہ ہے جو ۱۳۲۲ھ میں شائع ہوئی تھی۔ یہ کتاب امروہہ کے سادات فاطمی کے چند خاندانوں بالخصوص اولاد حضرت شرف الدین شاہ ولایت" اور قاضی زادگان کے تذکرے پر مشتمل ہے۔ یہ خاندانی تذکرے بھی زیادہ تر مہمل ومضحکہ انگیز روایتوں پر مبنی ہیں۔ [1]

انسان کی طبیعت عجائبات اور مافوق العادت باتوں کی شیفتہ واقع ہوئی ہے اس لیے تاریخ وتذکرہ کی عام کتابوں میں سراپا لغو، مہمل، مضحکہ خیز اور وضعی روایتوں اور قصص وحکایات کا موجود ہونا کوئی غیر معمولی واقعہ نہیں ہے۔ علامہ ابن خلدون نے مورخین کے خرافات واہیہ کا تفصیلی تذکرہ اپنے مشہور "مقدمہ تاریخ" میں کیا ہے اور لکھا ہے کہ:

> نااہلوں نے اس فن (تاریخ) کو اپنی رخنہ اندازی بیہودہ روایات سے خلط ملط کیا، لغو قصہ کہانی اِدھر اُدھر سے لیکر اور خود وضع کر کے بھر دیئے، آنے والی نسلوں نے اُن کے بعد اُن کے آثار واخبار کی پیروی کی اور جیسا سنا سلسلہ بہ سلسلہ ہم تک پہنچا دیا، نہ واقعات کے اسباب کی جانچ پڑتال کی، نہ ان بیہودہ روایتوں کو ترک کیا، نہ ان کی تردید کی۔ یہی وجہ ہے کہ اس زمانہ کی موجودہ تاریخیں اکثر تحقیق سے خالی ہیں، تنقیح کا کہیں پتہ نہیں لگتا، روایتیں اغلاط وموضوعات سے بھری پڑی ہیں، تقلید عام طور سے پھیلی ہوئی ہے، نااہل علوم وفنون کے مدعی بنے ہوئے ہیں۔۔۔۔ لیکن حق ہمیشہ غالب ہے کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ باطل مردود ونامقبول ہے ناقلین رطب ویابس جو چاہیں لکھیں اور نقل کریں مبصر دیکھتے ہی کھوٹا کھرا پرکھ لیتے ہیں۔ [2]

امروہہ کی کتب تاریخ کے صفحات بھی اس قسم کی بہت سی مہمل اور بے سروپا روایتوں اور افسانوں سے پُر ہیں۔ تاریخ واسطیہ کے اوراق پر تو "خرافات واہیہ" کا ایک انبار لگا ہوا ہے اس کے مولف نے بعض جگہ قصداً غلط بیانی سے بھی گریز نہیں کیا۔ ان حالات و واقعات کو پیش نظر رکھ کر باوجود اپنی بے بضاعتی اور ناقابلیت کے میں نے اس کتاب کے لکھنے کا قصد کیا تاکہ اس قدیم بستی کے صحیح تاریخی حالات سے موجودہ اور آئندہ نسلیں باخبر ہو سکیں اور جو مہمل اور بے سروپا افسانے تاریخی واقعات کا درجہ حاصل کر چکے ہیں ان کی حقیقت ناظرین پر منکشف ہو جائے۔

---

1 ان چار کتب تاریخ کے علاوہ بعض خاندانوں کے حالات میں چند اور کتابیں بھی وقتاً فوقتاً شائع ہوئیں جیسی تحفۃ التواریخ مولفہ حکیم نواب علی خان جو ۱۲۹۶ھ میں شائع ہوئی لیکن اسکا ایک حصہ کنز المعرفت مصنفہ حکیم نجف علی خان کے ساتھ اس سے قبل شائع ہو گیا تھا جو منشی سید نبی بخش شیخ مشتاق علی نے تحقیق التواریخ نام سے اسی کتاب کا خلاصہ شائع کیا تھا۔ یہ کتابیں خاندان حضرات کنبوہ سے متعلق ہیں۔ علاوہ ازیں خاندان حضرات سید ... کے شجرہ سیادت نسبی میں ایک رسالہ شجرہ مبارکہ مولفہ مولانا حکیم محمد حسن مرحوم ۱۳۲۳ھ میں طبع ہو کر شائع ہوا، اور شاہ ضیاء الدین احمد نے بھی اپنی تالیف مرآۃ الانساب مطبوعہ ۱۳۱۵ھ میں امروہہ کے مختلف خاندانوں کے انساب درج کیے ہیں۔

2 مقدمہ تاریخ ابن خلدون۔

آٹھ نو صدیوں کے گذشتہ تاریخی حالات کی تلاش و تجسس، روایتوں کی تحقیق و تنقید اغلاط و موہومات کی تردید و تکذیب جس درجہ کٹھن اور مشکل کام ہے اسکا پورا اندازہ وہ ہی حضرات کر سکتے ہیں جن کو اس قسم کی تصانیف پر قلم فرسائی کا موقع حاصل ہوا ہو۔ اگر چہ اس تالیف میں واقعات کا اظہار و بیان کا پورا حق تو ادا نہیں ہوا تاہم یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ بہجوم مشکلات میں جس قدر ہو گیا اس کی بھی امید نہ تھی۔ فَالحمدُلِلّٰہ وَالشُکرُ لہٗ

اس کتاب کے لکھنے میں علاوہ اس کے کہ بعض اُن نایاب قلمی کتابوں کے مطالعہ و اخذِ مطالب کی غرض سے جو ملک کے مشہور کتب خانوں میں محفوظ ہیں، مجھے متعدد بار طویل سفر اختیار کرنے پڑے، کہنہ و دیرینہ کاغذات و دستاویزات کے معائنہ و حصول کے لیے امروہہ میں مہینوں دربدر پھرنا ہوا۔ اہل شہر میں سے معدودے چند حضرات نے میرے مقصد سے کسی قدر عملی دلچسپی کا اظہار کیا اور بخندہ پیشانی کاغذات دکھائے اس سلسلہ میں قاضی سیّد علی حسنؔ صاحب خصوصیت سے قابل تذکرہ ہیں جنہوں نے کہنہ کاغذات کے اس انبار کو، جو قضاۃ امروہہ کے دفتر کے جزوی حصہ کے طور سے دستبرد زمانہ سے محفوظ رہ گیا تھا، میرے حوالہ کر دیا ورنہ بالعموم لوگوں نے کاغذات دکھانے میں بخل سے کام لیا اور کاغذات مطالعہ کرائے بھی تو بار بار کے تقاضوں اور حاضری کے بعد، کچھ کاغذات قیمتاً بھی حاصل کیے گئے غرضکہ اسطرح تقریباً دس ہزار کاغذات مطالعہ ہوئے جن سے بعض تاریخی حالات پر بڑی حد تک روشنی پڑی۔

امروہہ کے قدیم خاندانوں میں جو کاغذات نسلاً بعد نسلٍ محفوظ چلے آتے تھے ان کا بہت بڑا حصہ تو انقلاب سلطنت اور غدر ۱۸۵۷ء کی قیامت خیز ہنگامہ کی تباہیوں میں ضائع ہو گیا، جو حصہ آفات زمانہ سے محفوظ و مصؤن رہا اس میں سے اسناد و فرامین کا معقول حصہ ایک ایسے بزرگوار کے دست تطاول کی نذر ہوا جو وطن کی ان یادگاروں کو مختلف تدابیر سے حاصل کرتے ہیں اور ان کی خرید و فروخت کو انہوں نے اپنی معاش کا ذریعہ بنا لیا ہے بایں ہمہ تلاش و جستجو سے ایسے کہنہ کاغذات بھی حاصل ہو گئے جن سے بعض تاریخی گتھیوں کے سلجھانے میں مدد ملی۔

ان مشکلات و موانعات کے ساتھ ساتھ خاکسار مؤلف کو بعض حضرات کے سوءِ ظن کی بنا پر ہدف ملامت بنا پڑا نسبی و خاندانی حالات کے اظہار کا تعلق جہان تک اس تاریخ سے ہے اس کے اظہار میں نہ دھمکیوں کا ڈر ہوا اور نہ لالچ کا اثر، صدق بیانی کا جو مسلک بتوفیق ایزدی اختیار کیا تھا اس سے قدم کو لغزش نہ ہوئی۔ بعض گمنام تحریرات تو وقتاً فوقتاً موصول ہوتی رہیں ذیل میں ایک مکتوب کی نقل درج کرتا ہوں جو حال ہی میں موصول ہوا ہے، اس میں دھمکی بھی ہے اور لالچ بھی، فرستندہ مکتوب سے کیا عرض کروں کہ خاکسار مؤلف نے کسی تجارتی مقصد کو پیش نظر رکھ کر یہ محنت شاقہ اختیار نہیں کی، صداقت بیانی میں نہ صلہ و تحسین کی آرزو ہے اور نہ نفرت و دشنام کا خوف۔

''تین سو سے زائد'' جلدیں خریدنے اور مالی منفعت کا لالچ دینے سے آپ کا مقصد کیا ہے؟ اگر آپ مجھ کو خریدنا چاہتے ہیں تو یقین کیجئے اس کے لیے یہ بھی بہت ہے، میں تو اپنی قیمت میں خس و خاشاک کے ایک ٹوکری کو بھی گراں سمجھتا ہوں لیکن اگر اس سے میری رائے اور میرا ضمیر خریدنا مقصود ہے تو باادب عرض ہے کہ چند جلدوں کی قیمت یا چند خزف ریزہائے طلائی کی تو کیا حقیقت ہے ایک صداقت پرست ضمیر کو تو دنیا کی کوئی دولت بھی نہیں خرید سکتی!

Serohi .Stat (ep) [1]
Rajputana.
15-2-30

---

[1] اس تحریر میں جہاں جہاں کتابت کی غلطیاں ہیں وہاں علامت تعجب بنا دی گئی ہے لیکن عبارت کی نقل درج کر دی گئی ہے۔

مکرمی بندہ جناب مسٹر محمود احمد صاحب عباسی کرمہ، (؟)

السلامُ علیکم ۔ میں اپنا تعارف خود ہی عرض کرتا ہوں کہ مجھ کو قدوۃ العارفین زبدۃ السالکین حضرت مخدوم سید عبداللہ ابوالفتح المعروف بہ شیخ ابن بدر چشتی امروہوی قدس سرہ السامی کی اولاد میں ہونے کا فخر حاصل ہے۔ نیز کچھ عرصہ سے معتمد عرس (سکریٹری) بھی ہوں۔ میرا نام ۔۔۔۔۔۔ ہے خانقاہ کے متصل ہی غریب خانہ ہے۔

آمدم برسر مطلب۔ گذشتہ سال جبکہ ذالحجہ کے مہینہ میں میں امروہہ حاضر ہوا تھا۔ اس وقت میں نے سنا تھا کہ آپ نے کسی تاریخ کے لکھنے کا کام شروع کر دیا ہے اور جس میں قریب قریب امروہہ شریف کے کل خاندانوں کا حال بالتحقیق اور بالترتیب (؟) لکھا ہے۔ وغیرہ وغیرہ میں صرف پندرا (؟) روز امروہہ قیام کرسکا اور عرس حضرت بدر چشتی کی مشغولیت کے سبب سے آپ سے نیاز حاصل نہ کرسکا۔

مجھ کو یہ عرض کرنا ہے کہ کتاب جو آنجناب نے لکھی ہے وہ غالباً ضخامت پوری رکھتی ہوگی۔ اس لیے ہر شخص کو اس کی خریداری مشکل ہے۔ لہٰذا اتیار ہونے پر آپ مجھ کو مطلع فرمادیں تاکہ متعدد جلدیں میں اس کی اپنے خاندانی حضرات کی خدمت میں بھجواسکوں۔ انشاءاللہ آپ کو مالی فائدہ کثیر پہونچ جائے گا لیکن ہمارا سلسلہ نسب حکیم ۔۔۔ یا مولوی ۔۔۔۔ سے لیکر درج فرمائیں۔ اوسکی تصدیق اور بحث مذکورہ حضرات سے کر لی جاوے بصورت اختلاف ہم کو اس تاریخ سے اختلاف ہوگا اور آپ کی محنت و جانفشانی کی داد جیسی کہ چاہیے نہ مل سکے گی بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ اس کی خریداری ہی نہ ہوگی جس سے آپ کو بعض نقصان پہونچنے کا اندیشہ ہوگا اور مذکورہ حضرات ہی مخالفت کریں گے۔ میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر میرے خاندان میں اختلاف نہ ہوا تو دوسو بلکہ تین سو جلدیں یا کم و بیش میں فروخت کرادوں گا۔ انشاءاللہ تعالیٰ۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ والسلام فقط

آپ کا نیازمند

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ [1]

ریاست سروہی۔ راجپوتانہ

تاریخ نویسی میں صداقت بیانی کو اگر خاص اہمیت نہ دی جائے، واقعات و حالات کے اظہار میں مورخ کے قلم کو خارجی اثرات سے لغزش ہو یا وہ تعصب یا بیجا طرفداری کا اثر قبول کرے تو نہ وہ تاریخ تاریخ کہلائی جانے کی مستحق ہے اور نہ ایسی تالیفات کچھ مفید و کار آمد ہوسکتی ہیں۔ خاکسار مؤلف نے ہر قسم کے اثرات سے بالاتر ہو کر تاریخی حالات و واقعات کے راست راست و بے کم و کاست بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔

اس کتاب کو سہولت کے لحاظ سے تین حصوں پر منقسم کیا گیا ہے -

پہلا حصہ **تاریخ امروہہ** ہے، جو اس وقت ناظرین کے سامنے ہے، اس حصہ میں اس قدیم بستی اور یہاں کے قدیم خاندانوں اور عام باشندگان شہر کے حالات گزیٹر کے طرز پر مرتب کیے گئے ہیں۔ اس میں ہندو مسلمانوں کی بعض قوموں کے نسب پر بھی تاریخ اور علم انساب کی روشنی میں اجمالی بحث کی گئی ہے۔ اس بحث کا تعلق بھی صرف تاریخی مسائل سے ہے، میں اپنے ذاتی خیالات کے اعتبار سے

---

[1] فریسندۂ خط کے نام کے اظہار کو میں نے مناسب نہیں سمجھا۔

نسب کو شرافت ورذالت کا معیار نہیں سمجھتا، افراد اور اقوام کی عزت وذلت خود ان کی اپنی حالت سے وابستہ ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمان جو اپنے شاندار ماضی کے ماتم گسار اور ایک غیر قوم کے محکوم وغلام ہیں، عزت وشرافت کا آج کس منہ سے دعویٰ پیش کر سکتے ہیں۔ غلاموں کی کیا عزت اور محکوموں کو کیا دعویٰ شرافت! شریف وہ ہی ہے جس کی ذات میں شرافت کا جوہر موجود ہو۔ کسی عربی شاعر نے سچ کہا ہے۔

ان الفتیٰ من یقول ھا انا ذا　　　لیس الفتیٰ من یقول کان ابی

بیشک وہ ہی بہادر ہے جو یہ کہہ سکے کہ دیکھو میں ایسا ہوں　　　وہ بہادر نہیں جو یہ کہے کہ میرا باپ ایسا تھا

دوسرا حصہ تذکرۃ الکرام ہے جس میں امروہہ کے مشاہیر اولیاء، وعلماء، وحکماء وامراء، وشعراء کے سوانح حیات اور ان کے خاندانوں کے تفصیلی تذکرے ہیں۔ یہ حصہ زیر طبع ہے۔

تیسرا حصہ تحقیق الانساب ہے اس میں سادات وشرفاء امروہہ کے نسبی حالات پر تاریخی لحاظ سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ حصہ زیر ترتیب ہے۔

ان تین حصوں میں سے ابھی صرف پہلے حصہ کو طبع کرانے کا موقع ملا ہے اور اس میں بھی گوناگوں موانعات کی وجہ سے تاخیر ہوتی رہی، زندگی کی مشکلات اور مصائب کا سلسلہ ہمیشہ غیر منقطع رہا، ناگہانی حوادث کے پیہم حملوں نے کبھی دم لینے کی مہلت نہ دی، علائق کی زنجیریں چند سال سے اور بھاری ہو گئیں تاہم کسی نہ کسی طرح اس کام کو پورا کیا۔ احباب کو انتظار کی زحمت ضرور ہوئی مگر اس تاخیر سے بعض مباحث پر تفصیلی بحث کرنے کا موقع مل گیا۔

گرودیر برآئیم زگرداب، میندیش　　　کاندر طلب گوہر نایاب نشستیم

اس حصہ کی ترتیب اور طباعت میں معقول رقم صرف ہو چکی ہے، دل تو یہ چاہتا تھا کہ امروہہ کی تمام قدیم عمارتوں کے ہاف ٹون بلاکس کی تصویریں شامل کردوں لیکن اہل وطن کے ذوق قدر دانی کے بھروسہ پر مزید صرف زر کی ہمت نہ ہوئی مجبوراً خاص خاص عمارتوں کے فوٹوں پر اکتفا کرنا پڑا، اس میں سے بھی محبی پیر رئیس الدین احمد اور مولانا احمد حسین خان نے اپنے خاندانی بزرگوں کے روضوں کے فوٹو کے مصارف خود برداشت کیے۔ اہل وطن جس قدر قدر دانی کا اظہار فرمائیں گے اسی اعتبار سے دوسرے حصوں کی اشاعت کا موقع ملے گا

ابھی تو دیکھتا ہوں بادہ خواروں کا　　　سبو و خم کی بھی ٹھہرے گی دور جام کے بعد

اردو کے بعض الفاظ اور بعض محلوں کے ناموں کی کتابت میں روش عام کی پیروی نہیں کی گئی مثلاً لفظ قسائی کو حرف س سے لکھا گیا ہے، اس کی تشریح موقع پر کر دی گئی ہے یا مثلاً محلہ صدو کا املا گو روش عام کے خلاف ہے لیکن قدیم تحریرات کے مطابق ہے۔ سابق میں اس محلہ کا نام محلہ "مسجد جامع" تھا، اب نہ وہ مسجد جامع رہی اور نہ محلہ کا نام باقی رہا۔ اسی طرح محلہ شیخ زادگان کے بجائے محلہ جھنڈا شہید مشہور ہو گیا ہے، محلہ ملانہ نام عہد اکبری کی تمام دستاویزات میں محلہ مولانا درج ہے، اس کے بعد عہد عالمگیری تک عام طور سے محلہ مولانہ لکھا جاتا تھا۔ ممکن ہے کچھ لوگ اس طرز املا پر معترض ہوں میں نے اس معاملہ میں متقدمین کی تقلید کی ہے۔

اس کے علاوہ سید العارفین حضرت سید شرف الدین شاہ ولایت قدس سرہ العزیز کے اصلی نام کے معلوم کرنے کا بھی اس بندۂ ناچیز کو شرف حاصل ہوا۔ فیضی نے جب تفسیر سواطع الالہام لکھنا شروع کی تو زر کثیر خرچ کر کے لغت کی کتابیں خریدیں۔ کسی نے کہا کہ آپ کو لغات خریدنے کی کیا ضرورت تھی، آپ کی ذات تو خود لغات ہے۔ فیضی نے جواب دیا کہ مجھے ان کتابوں میں ایک لفظ ایسا ملا

ہے جس کے معنی معلوم نہ تھے اور اسی کو میں اپنی کل محنت اور صرف کا معاوضہ سمجھتا ہوں۔ چنانچہ میں بھی صرف اسی ایک انکشاف کو اپنی چند سالہ تفتیش و تحقیق کی دیوانگی کا نسخہ سمجھتا ہوں کہ حضرت شاہ ولایتؒ کے صحیح اسم مبارک اور آپ کے خاندانی حالات کے معلوم کرنے کا مجھے شرف بخشا گیا۔

مگر آہ! میں اس بے چین دل کو کیا کہہ کے سمجھاؤں اور کس طرح تسکین دوں کہ جس بزرگ ہستی کے انکشاف اسم و دریافت حالات کو میں باعث فخر و مباہات سمجھتا ہوں اس بزرگ کے اخلاف آج کس دور تنزل و گرداب بلا میں پھنسے ہوئے ہیں۔

امروہہ! پیارے وطن! اے آغوش سادات کی ناز پروردہ بستی! پیچھے ہٹ اور اتنا پیچھے کہ ہمیں وہ سماں برائے العین نظر آ جائے جب حضرت شاہ ولایتؒ نے اس بستی کو اپنی تشریف آوری سے شرف بخشا تھا۔ ہاں، پیارے وطن! اپنے اوج و عروج کے زمانہ سے چل اور ہمیں، ایک نظر وہ منظر، وہ سماں دکھا دے، وہ غازیوں کے گھوڑوں کی ہنہناہٹ، وہ ان کے ٹاپوں کی صدا، وہ نعرۂ تکبیر کی آوازیں، وہ دامن گردچیر کر مجاہدین کے گروہ کا باطل کو پامال کرتے آگے بڑھ آنا، امروہہ میں پڑاؤ ڈالنا، وہ ان کے غازیانہ ولولے وہ ان کا عربی لب و لہجہ، وہ ان کی ہاشمی شجاعت، وہ حاتم خان کی بہادر فوج، اور مسلم نبرد آزماؤں کی چھاؤنی، وہ شہزادہ خضر خان کی قیامگاہ، وہ سلطان فیروز تغلق کی مجاہدانہ ترکتازکا مقام، وہ ابن بطوطہ کی سیاحت گاہ، خدا کے لیے یہ سماں ہمیں بھی ایک نظر دکھا دے!۔

سن، او گردش ایام سن! اس دل صد پارہ، اس جگر خستہ کی التجا سن! تغلقوں کا زمانہ نہ سہی، خلجیوں کا عہد نہ سہی، سیدوں کا نہ سہی، لودیوں کا نہ سہی، مغلوں کا اور صرف مغلوں کا زمانہ ہی دکھا دے۔ وہ عہد اکبری میں امروہہ کے علماء فضلا، میر سید محمد میر عدل، مولانا سید امیر علی، مولانا الہ داد عباسی، مولانا بن عباسی، مولانا عبدالملک بخشی وغیرہ کے علم و فضل اور ان کے علمی کارنامے، وہ حضرت شاہ ابن بدر چشتی قدس سرہٗ اور دوسرے مشائخ کرام کے افادات روحانی کے مناظر، وہ سید ابوالمعالی و سید ابوالقاسم اور دوسرے شجاعان زمن کے جنگی فتوحات اور معرکوں کے حالات، ہی کا کوئی سماں دکھا دے۔ یہ نہ سہی تو اب سے چند صدی پیشتر کے بزرگوں کے وہ امیرانہ ٹھاٹھ وہ ہاشمیانہ مہمان نوازی، وہ سیدانہ پاکیزہ خصائل، وہ ان کے حیدری دل گردہ کے کارنامے وہ ان کی نقوی خوبو، وہ ان کے حجازی خط و خال، خدا کے لیے ایک بار اور صرف ایک بار ہی دکھا دے!!

مگر آہ! اے زمانے! اے گردش ایام! ہم جانتے ہیں کہ تو اب نہ تغلقیہ عہد واپس لا سکتا ہے اور نہ دور مغلیہ، اچھا یہ نہیں تو اس دور مصیبت میں اپنی حالت کا ہمیں صحیح احساس ہی عنایت کر!

یارب! دل مسلم کو وہ زندہ تمنا دے ۔۔۔ جو قلب کو گرما دے جو روح کو تڑپا دے!
احساس عنایت کر آثار مصیبت کا ۔۔۔ امروز کا سوزش میں اندیشہ فردا دے!
میں بلبل نالاں ہوں اِک اُجڑے گلستاں کا
تاثیر کا سائل ہوں، محتاج کو داتا دے

خاکسار
محمود احمد

یکم اپریل ۱۹۳۰ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداً و مصلیاً

مشاطہ را بگو کہ بر اسباب حسن یار   چیزے فزوں کند کہ تماشا بما رسید

امروہہ کے تاریخی حالات

امروہہ کب بسا

امروہہ کب سے آباد ہے، کب بسا، کس نے بسایا، ان سوالوں کا ٹھیک ٹھیک اور صحیح جواب محال نہیں تو دشوار ضرور ہے۔ اسلامی عہد سے قبل کی کوئی مستند تاریخ موجود نہیں اور ہوتی کیسے؟ ہندوؤں میں تاریخ نویسی کا رواج ہی نہ تھا۔ کتب تاریخ سے قطع نظر امروہہ یا اسکے نواح میں ہندوؤں کے عہد کے آثار قدیمہ بھی ایسے باقی نہیں جن سے بعض اہم تاریخی حالات و واقعات کا کچھ پتہ نشان ملتا، البتہ اس بستی کے سنسکرت نام سے اتنا پتہ ضرور چلتا ہے کہ یہ نگری کسی ایسے زمانہ میں بسی تھی جب سنسکرت زبان بول چال میں مروج یا کم از کم شہروں اور بستیوں کے نام رکھنے میں مستعمل تھی۔ ایسے زمانہ کی کم سے کم مدت تقریباً پانچ سو سال قبل مسیح شمار ہو سکتی ہے، اس اعتبار سے امروہہ کو تقریباً ڈھائی ہزار برس سے آباد سمجھنا چاہیے۔

روایت مختلف اقوام سے بھی اس خیال کی تائید ہوتی ہے، جس میں اس بستی کا بسانا ہستناپور کے ایک راجہ امر جودھ سے منسوب کیا جاتا ہے۔[1] امروہہ کے مغرب میں پانچ کوس کے فاصلہ پر گجستھل (गजस्थल) ایک موضع ابتک آباد ہے۔ مشہور ہے کہ یہاں امروہہ کے راجہ کا ہاتھی خانہ تھا۔ اس موضع کا نام سنسکرت زبان کے الفاظ (گج) गज (معنی ہاتھی) اور استھل अस्थल (بمعنی تھان) سے مرکب ہے جو اس امر کی بین دلیل ہے کہ اس نواح میں بستیوں کی آبادی ضرور اس زمانہ میں ہوئی جب سنسکرت زبان بول چال میں مستعمل تھی۔

وجہ تسمیہ

''امروہہ'' اصلاً سنسکرت زبان کے ایک مرکب لفظ अमरोवनम امروانم Amrovanam سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں ''آموں کی جگہ''۔ ایرین قوم کے زمانہ عروج میں شمالی ہند کی اکثر قدیم بستیوں کے نام مختلف اقسام کے کارآمد درختوں، دریاؤں، اناج کے

[1] ۱۵۰۰ق م قبل مسیح سے ۱۲۰۰ق م تک ہستناپور راجدھانی رہا۔ یہاں کے راجاؤں میں راجہ پانڈو کا بیٹا راجہ یدھشٹر پہلا حکمراں تھا جس نے ۳۶ برس راج کیا۔ کرشن جی مہاراج کی وفات کے بعد راج چھوڑ کر ہماچل پہاڑ میں اس نے اپنے تئیں برف میں ڈال کر گلا دیا۔ اس راجہ کے بعد ارجن کا پوتا گدی پر بیٹھا جس کی نسل میں عرصہ دراز تک راج قائم رہا۔ اس کی چھٹی پشت میں راجہ دشت وان ہوا جس نے ۱۲۱۲ق م میں ہستناپور کی بجائے کوشتی ندی کے کنارے ایک شہر بسایا۔ اس کو بھی چھوڑ کر پھر دوبارہ اندرپت (دہلی قدیم) چلا گیا۔ راجہ امرجودھ ۸۸۰ق م گدی پر بیٹھا۔ اس کی راجدھانی اندرپت تھی۔ ۱۲ سال سلطنت کی۔

پودوں، مفید اور کار آمد جانوروں وغیرہ کی مناسبت سے اُس زمانہ کی مروّج زبان سنسکرت میں رکھے جاتے تھے۔ چنانچہ صوبجات متحدہ میں متعدد بستیوں کے نام، جہاں آم اور مہوہ کے درختوں کی رویدگی کثرت تھی یا ان درختوں کے خودرو جنگل موجود تھے، اسی مناسبت سے رکھے گئے ہیں، مثلاً ضلع کانپور و بستی میں امرودوا مسور یا وغیرہ۔

بہر روایا مان ناموں کے شروع و آخر کے حرفوں میں تبدیلی ہوتی رہی، ''امروانم'' سے ''امروہا'' ہوا اور 'امروہا' سے امروہہ[1] رہ گیا۔ اسلامی عہد کے فارسی نویس بھی ''انبہ'' (آم) کی مناسبت سے 'انبروہہ' لکھا کرتے تھے۔ عہد اکبرو جہانگیر کے اکثر فرامین اور اس عہد کے بعض تاریخی یا قلمی کتابوں میں ''امروہہ'' کا نام ''انبروہہ''[2] لکھا ہوا ملتا ہے۔

امروہہ ہندؤں کے عہد حکومت میں

ہندؤں کے زمانے کے تاریخی حالات مہابھارت وغیرہ کے چند افسانوں و زبانی روایتوں یا اُس عہد کے آثار قدیمہ کی زبانِ حال کے سوائے تاریخ کی کسی کتاب سے معلوم نہیں ہو سکتے۔ افسوس کہ ایسے آثار قدیمہ بھی اس نواح میں موجود نہیں جنکی زبان حال ہی سے ہم واقف ہو سکتے۔

پرانوں سے البتہ یہ بات ثابت ہے کہ مہابھارت کی لڑائی مگدھ کے راجہ نندا کے جلوس سے ایک ہزار پچاس برس قبل ہوئی تھی اور معتبر کتب سے یہ بھی ثابت ہے کہ راجہ نندا چار سو برس قبل حضرت مسیحؑ مسند نشین ہوا۔ گویا یہ جنگ عظیم ایک ہزار چار سو پچاس برس تخمیناً قبل حضرت مسیحؑ واقع ہوئی تھی، اس حساب سے مہابھارت کو اب تک تین ہزار تین سو اسی برس ہوئے[3] مہابھارت کے بعد راجہ یدھشٹر نے ہستناپور میں راجدھانی قائم کی، سلطنت کو وسعت دی، اس نے اور اس کے بعد چندر بنسی خاندان کے مختلف حکمرانوں نے متعدد شہر بسائے۔ ہستناپور دریائے جمنا کے کنارے، موجودہ دہلی سے کئی کوس دور واقع تھا۔ دریا کے چڑھاؤ سے جب یہ شہر بہہ گیا تو اسی خاندان کا راجہ دشت وان، جو ۱۲۱۲ قبل مسیحؑ گدی نشین ہوا، ہستناپور چھوڑ کر اندرپت (اندرپرست) چلا آیا۔ اس راجہ کی ستویں پشت میں راجہ امرجودھ جو ۴۰۰ قبل مسیحؑ گدی پر بیٹھا، اسی راجہ کو امروہہ کا بانی بتایا جاتا ہے۔[4] ہستناپور کے راجگان کے بعد تومر راجپوت حکمراں ہوئے۔

---

1. The Gazetter tells us that the local interpretation of the name is from Am mango, and Rohu a fish which abounds in the surrounding tanks a derivation scarcely worth retaling The R in Amroha comes from the Sanskrit form Amrah and the O is presumably due to the Sanskrit rule that, Visarga in a compound followed by a sonant letter changes to O. We must therefore look for a Sanskrit Compound in which the second element begins with sonant There is the recognised Amrovanam forest of mangoes which might aptly be applied to a palce encircled, as Amroha is with mango groves The base vanam has dropped away and the vowel suffix A has been substitued and then an aspirate has been inserted to separate the vowels. Or Amroha may be explained as Amrodha for Amrodhanam (dwelling) of Amroha (pool).

(Journal of the united provinces Historical Society vol .III)

2. [illegible] کی مناسبت سے [illegible] جاتا ہے کہ شہر سے قریب آم اور روہو کی مناسبت سے [illegible] اسلامی تاریخوں میں جا بجا ملتا ہے۔

3. [illegible]

راجپوتوں کا راج

تومر یا تنور راجپوت چندر بنسی خاندان کی مشہور شاخ ہیں، یہ لوگ اپنی نسل حرم نحیہ راجہ کے پوتے شتانیک سے قرار دیتے ہیں۔ ان لوگوں کی حکومت عرصہ دراز تک اس علاقہ پر رہی، درمیان میں کچھ عرصہ کے لیے انکا راج اوروں نے چھین لیا تھا لیکن سمت ۸۳۳ مطابق ۷۶۷ء میں اسی قوم کے ایک شخص اننگپال تومر نے دوبارہ راج قائم کیا اور مشہور اسلامی سیاح اور مورخ ابوالحسن مسعودی ۱ کے ہندوستان آنے کے زمانہ ۹۱۵ء میں دہلی سے قنوج تک اسی خاندان کی حکومت تھی، امروہہ پر بھی یہی خاندان حکمراں تھا۔ راجہ اننگپال کی دسویں پشت میں راجہ بہد پال ہوا ہے جسکا بہت کچھ اثر و اقتدار اس نواح میں تھا، گڈھ مکتیسر کے قرب وجوار کے مواضعات میں انکی نسل کے لوگ آج تک آباد ہیں۔ اس خاندان کے آخری راجہ اننگپال کا نواسہ پرتھی راج تھا جس نے ۲۲ سال ۲ مہینے اور ۱۶ دن حکومت کی، اسی نے سنبھل اور امروہہ میں قلعے تعمیر کئے ۲ ایک روایت یہ بھی مشہور ہے کہ اسی راجہ کی بہن رانی امبا نے امروہہ کے قلعہ کو، جو کسی افتاد سے مسمار ہوگیا تھا، از سرنو تعمیر کیا تھا جس کی بنیادوں کی اینٹیں بعض بعض مقامات سے جنگ نکلتی ہیں۔
تومر راجپوتوں کا راج سمت ۱۱۵۲ مطابق ۱۰۷۶ء تک یعنی چار سو انیس برس سات مہینے اٹھائیس دن قائم رہا۔ ۳ بالآخر بلدیو چوہان نے انکے ہاتھ سے زمامِ حکومت چھین لی۔ چوہانوں میں کل سات راجہ ہوئے۔ سمت ۱۱۹۸ مطابق ۱۱۴۱ء تک انکا راج قائم رہا۔

کائستوں کا راج

چوہانوں کے بعد اس علاقہ پر کچھ عرصہ تک کایستوں کے ایک خاندان سورج دہج ۴ کی حکومت رہی۔ راجہ کرپا ناتھ ان میں مشہور راجہ ہوا۔ امروہہ میں بعض کنوئیں اور گجرولہ کے قریب بگد جھیل کا پل ابتک انکی یادگار ہیں ۵۔ بیان کیا جاتا ہے کہ مکندوالے باغ کے اطراف وجوانب میں جو پرانے زمانہ کے کنویں ہیں وہ بھی اسی سورج دہج خاندان کے بنائے ہوئے ہیں۔

تگوں کی حکومت

مسلمانوں کی آمد کے زمانہ میں تگا قوم کا یہاں عروج ہوا، امروہہ اور اسکے نواح میں اس قوم نے اپنی حکومت قائم کی۔ پچھراج نامی ایک تگے سردار ۶ نے اپنے نام پر پچھرایوں آباد کیا۔ اُن میں راج کرن اور راجہ ساسا چندن نامور راجہ ہوئے ہیں مگر یہ لوگ ذورا

---

۱ علم ریاضی کی نادر و مشہور کتاب "قانون مسعودی" اس کی تصنیف ہے ۲ گزیٹیر مرادآباد صفحہ ۱۳۲ ۳ اسی تومر خاندان کے ایک شخص بیر سنگھ دیو نے سلطان علاء الدین تغلق کی وفات کے بعد گوالیار کے قلعہ پر قبضہ کرلیا تھا۔ اسکی اولاد میں متعدد شخص گوالیار کے علاقہ میں اپنی ریاست پر قابض رہے، بہلول لودی، سکندر لودی اور ابراہیم لودی سے معرکہ ہائے جنگ ہوتے رہے، ان میں راجہ مان سنگھ بہت طاقتور ہوا، اسکے بیٹے بکرماجیت کو شکست ہوئی اور وہ قید ہوکر آگرہ بھیج دیا گیا۔ لیکن ۱۵۲۶ء میں ابراہیم لودی کے ساتھ آخری جنگ پانی پت میں مارا گیا۔ اسکے بعد بابر نے گوالیار فتح کرلیا۔ انکی نسل کے کچھ لوگ ادے پور چلے گئے۔ جہاں اب وہ زمینداری پیشہ ہیں۔
۴ ان میں سے بعض اپنے کو برہمن بتاتے ہیں لیکن عام طور سے انکا شمار کایستوں میں ہوتا ہے۔ ۵ ڈسٹرکٹ گزیٹیر مرادآباد صفحہ ۱۷۸
۶ تگوں کے نسب کے متعلق ایک روایت یہ ہے کہ گوڑ برہمنوں سے ان کا نکاس ہے اور دوسری روایت یہ ہے کہ سارسوت برہمنوں سے نکلے ہیں۔ تگا کا مخرج سنسکرت لفظ تیاگ بتایا جاتا ہے جسکے معنی "ترک کرنے" اور "دان دینے" کے ہیں چونکہ یہ لوگ بالعموم زراعت کا پیشہ کرتے اور کسی کا دان نہیں لیتے تھے اس لیے تیاگی کہلائے، تیاگا کثرت استعمال سے تگا ہوگیا۔ اسکے علاوہ اور بھی روایتیں مشہور ہیں جن کا مفاد یہ ہے کہ برہمن مرد اور کسی نیچ قوم کے میل سے جو اولاد ہوئی وہ تگا کہلائی۔ بہرحال ان کے نسب اور قومیت کے متعلق جو روایت بھی صحیح ہو ان کے خصائص قومی میں دو صاف الامتیاز خصوصیتیں ہیں یعنی زراعت اور کاشتکاری میں بہت درجہ جفاکش اور محنتی اور سی کے ساتھ سخت تمرد۔ الو۔ ان میں دو فریق ہیں۔ ایک "دسا" اور دوسرا "بیسا" یعنی اصل اور دوغلے۔

راجپوت خاندان کے راجہ ہردت کے ماتحت تھے جس کی حکومت قنوج اور تھانیسر کے درمیانی علاقہ پر تھی اس میں امروہہ، سنبھل، میرٹھ، کول (علی گڑھ) برن (بلندشہر) متھرا اور ایٹہ کا علاقہ شامل تھا۔ اسی راجہ نے اپنے نام پر ہراپور (موجودہ ہاپڑ) آباد کیا تھا۔

قدیم زمانہ میں دریائے گنگا کے دونوں جانب بہت گھنا جنگل تھا جو ضلع بلندشہر کے علاقہ میں ''کھنڈوبن'' کہلاتا تھا اور گنگا سے اس طرف حسنپور کی تحصیل سے لیکر پہاڑی علاقہ تک چلا گیا تھا۔ اس جنگلی علاقہ میں مختلف جنگلی قومیں بھیل، ناگے، آہیر، بیر وغیرہ رہتی تھیں۔ گیارھویں صدی عیسوی کے آغاز سے راجپوتوں کے مختلف فرقوں کی آبادی یہاں شروع ہوئی۔ ان میں کٹھیر ے راجپوت زیادہ طاقتور اور ذی اثر ہوئے۔ اسی قوم کے نام سے یہ علاقہ بعد میں ملک کٹھیر سے موسوم ہوا۔ [۲]

کٹھیرے راجپوتوں کے علاوہ بڑگوجر، جاٹ اور تگے اس علاقہ میں زیادہ بااثر اور بارسوخ تھے۔ ان راجپوتوں اور بالخصوص تگوں نے مسلمانوں سے بڑی بڑی لڑائیاں لڑیں اور داد مردانگی دی۔ امروہہ میں تگوں کا کوئی خاندان اب موجود نہیں ہے، البتہ ایک مکان ''تگے والی حویلی'' اب تک مشہور ہے۔ تاجپور اور ہلدور ضلع بجنور کے چودھریوں کے خاندان اس قوم کے عروج کی یادگار ہیں، ان میں سے بہت سے لوگ بعد میں مشرف اسلام ہوئے۔ پچھریوں، بسہپور، ڈھکہ، ڈھباری، اجھاری اور چوچیلا کے چودھری صاحبان اسی نسل سے ہیں۔

ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد

عام خیال ہے کہ محمد بن قاسم ثقفی پہلا مسلمان ہے جس نے ہندوستان کے غربی حصہ ملک سندھ پر ۹۳ھ میں اسلامی فتح کا پھریرا ہرایا لیکن تاریخ سے ثابت ہے کہ ہندوستان پر مسلمانوں کے فاتحانہ حملے اس سے بہت پیشتر سے شروع ہو گئے تھے۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے رحلت فرمانے کے صرف پانچ سال بعد ہی یعنی ۱۵ھ میں فاروق اعظم نے بحرین و عمان کی حکومت پر عثمان بن عاصی ایک صحابی و مقرر فرمایا تھا جنہوں نے اپنے بھائی حکم بن العاصی کو حکم دیا کہ وہ ہندوستان پر فوج کشی کریں، چنانچہ حکم نے دریائی سفر کے راستہ تھانہ پر حملہ کیا جو اُس زمانہ میں بہت بارونق بندرگاہ تھا اور آج ضلع کا صدر مقام ہے۔ [۳][۴] دوسرا حملہ حکم نے بھروچ [۵] پر کیا۔ ان دونوں حملوں میں اچھی خاصی کامیابی ہوئی لیکن فاروق اعظم کی رائے چونکہ دریائی سفر کے خلاف تھی اس وجہ سے مدت تک مسلمانوں نے پھر اس طرف توجہ نہیں کی۔ [۶]

بنوامیہ کے زمانہ میں ہندوستان پر پھر فوج کشی کا خیال ہوا اور ۹۳ھ میں ملک سندھ مسلمانوں کے قبضہ و تصرف میں آیا۔ ۱۰۷ھ میں ہشام بن عبدالملک خلیفہ دمشق نے جنید بن عبدالرحمٰن مری کو سندھ کی حکومت تفویض کی۔ جنید نہایت من چلا شخص تھا۔ اس نے گجرات اور مالوہ پر فوج کشی کر کے فتوحات حاصل کیں۔ خلفائے بنوعباس میں خلیفہ المہدی باللہ العباسی نے ۱۶۰ھ میں عبدالملک بن

---

[۱] Historical memoirs of Bulandsheher

[۲] ایک روایت یہ بھی ہے کہ لفظ کٹھیر کے معنی سخت زمین کے ہیں چونکہ روہیلکھنڈ کی زمین کا زیادہ حصہ سخت ہے اس لیے قدیم زمانہ میں اس خطہ ملک کو کٹھیر کہتے تھے۔ راجپوتوں کے جو قبیلے یہاں آ کر آباد ہوئے وہ کٹھیریے کہے گئے۔

[۳] اب بمبئی میں ہے۔ کوکن، بمبوق و بروص یہ رونق دریچہ و قصہ تھا۔ [۴] فتوح البلدان بلاذری [۵] معجم البلدان حموی [۶] فتوح البلدان بلاذری

[۷] ... کے ساتھ ابو بکر ربیع بن صبیح السعدی البصری بھی تھے جن کو تابعی ہونے کا شرف حاصل تھا اور یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے حدیث میں کتاب تصنیف کی۔ صاحب کشف الظنون نے لکھا ہے کہ ... (مسلمانوں میں وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے کتاب تصنیف کی)۔ آپ نے گجرات میں شہادت پائی اور اس طرح سرزمین ہند کو یہ شرف امتیاز حاصل ہوا کہ ... محدث کا مدفن ہے۔ اس کے متعلق صاحب ... بیان ہے کہ مات بارض الهند فی سنة ستين ومائة ۱۶۰ھ

الشباب المسمیٰ کو کافی سازوسامان کے ساتھ ہندوستان میں جہاد کے لیے روانہ کیا ۱؎۔ اس مرتبہ گجرات پر بھی دھاوا کیا گیا، غرضکہ پانچویں صدی ہجری کے اوائل تک صرف ملک سندھ پر، جسکی حدود اس زمانہ میں ایک جانب کچھ، گجرات، مالوہ اور راجپوتانہ سے اور دوسری جانب ملتان اور وادی کشمیر سے ملتی تھیں، گماشتگان خلفائے عباسیہ کی حکومت تھی لیکن شمالی ہندوستان ابھی تک مسلمان حملہ آوروں کی ترکتاز اور مجاہدانہ جانبازیوں سے محروم تھا۔

سلطان محمود غزنوی کے حملے

پانچویں صدی ہجری کے شروع میں سلطان محمود غزنوی نے شمالی ہند پر متواتر حملے شروع کیے۔ ۴۰۸ھ مطابق ۱۰۱۷ء میں میرٹھ کا محاصرہ کیا، اسوقت میرٹھ کا راجہ ہردت تھا جس کا راج قنوج اور تھانیسر کے درمیانی علاقہ پر تھا۔ اس علاقہ کی حدود ایک جانب برن (بلندشہر) کول (علیگڑھ) متھرا اور ایٹہ تھیں اور دوسری جانب امروہہ و سنبھل کے علاقہ تک ۲؎۔ راجہ ہردت اس حملہ کی تاب نہ لا سکا، ایک ارب درہم (مساوی ڈھائی لاکھ روپیہ سکہ حال) خراج ادا کرنے پر معاملہ ٹھہرا۔ پانچ سال بعد پھر سلطان محمود غزنوی نے ملک کٹھیر پر حملہ کیا، علاقہ امروہہ میں رہب ندی (یعنی رام گنگا) کے کنارے شدید جنگ ہوئی جس میں ہندوں کو شکست فاش اٹھانی پڑی ۳؎۔ سلطان محمود کے چلے جانے کے بعد یہاں پھر ہندو راجاؤں کی حکومت قائم ہوگئی اور سلطان شہاب الدین غوری کے زمانہ تک باقی رہی۔

اسلامی سلطنت کی بنیاد

سلاطین غزنویہ نے اپنے زمانہ سلطنت میں ہندوستان پر بہت سے حملے کیے۔ سلطان محمود نے عظیم الشان فتوحات بھی حاصل کیں، بے شمار دولت غنیمت میں وصول کی لیکن یہاں کبھی مستقل حکومت کی بنیاد نہیں ڈالی۔ سلطان محمود کے بعد اس کی اولاد کی حکومت بھی لاہور سے آگے دریائے چناب سے اس طرف نہ بڑھنے پائی۔ البتہ غزنویوں کے ہاتھ سے زمام حکومت جب غوریوں نے چھین لی اور سلطان معزالدین محمد بن سام المشہور بہ سلطان شہاب الدین غوری کچھ عرصہ بعد تخت سلطنت پر بیٹھا اس نے ہندوستان کے فتح کرنے کا عزم بالجزم کیا۔ ۵۸۲ھ مطابق ۱۱۸۵ء میں خسرو ملک کو جو غزنوی خاندان کا یہاں آخری حکمراں تھا، لاہور میں شکست دے کر پھر شمالی ہند کو فتح کیا۔ ۵۸۸ھ مطابق ۱۱۹۲ء میں تراوڑی (تھانیسر) کے میدان میں رائے پتھورا کو ہزیمت ہوئی اور ہندوؤں کے ہاتھ سے سلطنت نکل کر مسلمانوں کے قبضہ میں آگئی اور اس طرح حکومت اسلامی کی بنیاد پڑی۔ حضرت امیر خسرو فرماتے ہیں ۴؎

چنیں گوید خبر دانندۂ حال — کزاں میموں خبر میموں شدش فال

کہ ازغزنیں چو بیروں کرد صمصام — معزالدین محمد گوہر سام

ازاں سلطان غازی بے مدارا — بہ ہندوستان شد اسلام آشکارا

سریر دہلی ازو یافت بنیاد — کہ بنیاد سریرش تا ابد باد

۱؎ فتوح البلدان ۲؎ ہسٹاریکل میموائرس آف بلندشہر ۳؎ امپیریل گزیٹر آف انڈیا جلد دوم۔

۴؎ حضرت امیر خسرو کا نام ابوالحسن ہے۔ آپ کے والد امیر سیف الدین محمود شیخ کے امیروں میں سے تھے۔ فتنہ چنگیز خاں کے زمانہ کے قریب ہندوستان آئے اور ہمراہی شاہی (بقیہ صفحہ ۳۰)

امروہہ پر مسلمانوں کا تسلّط

اسلامی عہد کی کسی معتبر تاریخ میں اس کی تصریح نہیں کہ اسلامی لشکر نے کس سنہ میں امروہہ فتح کیا اور کب مسلمانوں کا اس پر قبضہ ہوا۔ سلف سے البتہ یہ روایت مشہور چلی آتی ہے کہ اس نواح میں سب سے پہلے سالار مسعود غازیؒ نے مجاہدانہ حملے کیے اور امروہہ، سنبھل کے قلعے ان ہی کے ہاتھ پر فتح ہوئے۔ حضرت سالار غازیؒ مختلف مقامات پر مختلف ناموں سے مشہور ہیں۔ بہرائچ میں انکا مزار ہے۔ بقول سید انشاء ؎

دل کی بہرائچ نہیں ہے ترک تازی کا مقام   ہے یہاں پر حضرت مسعودؒ غازی کا مقام

کہا جاتا ہے کہ موضع شہباز پور میں، جو سنبھل سے تقریباً چار میل مشرق میں واقع ہے، سالار مسعودؒ غازی اور انکے ہمراہیوں نے ہندوؤں پر فتح حاصل کی تھی جس کی یادگار میں ہر سال وہاں ایک دن میلہ لگتا ہے جو نیزہ کا میلہ کہلاتا ہے اور دوسرے دن یہ میلہ خاص شہر سنبھل میں غالباً فاتحین کے فاتحانہ داخلہ کی یادگار میں لگتا ہے جو باسی نیزہ کا میلہ مشہور ہے۔ پورنپور اور امروہہ کے نیزے کے میلے بھی اسی فتح کی یادگار بتائے جاتے ہیں۔ نیز یہ بھی مشہور ہے کہ امروہہ اور اس کے نواح میں جو شہدا آسودہ ہیں وہ سالار مسعود غازیؒ کے اُن جانباز ہمراہیوں میں سے ہیں جنھوں نے معرکہائے جدال وقتال میں جام شہادت نوش کیا تھا۔ مراۃ مسعودی [1] میں بیان کیا گیا ہے کہ سالار مسعود غازیؒ نے اول میرٹھ پر حملہ کیا، پھر وہ دریائے گنگا عبور کر کے قنوج کی سمت روانہ ہوئے۔ مراۃ مسعودی کے بیان کو اگر باور کیا جائے تو یہ قیاس ہو سکتا ہے کہ غازیان اسلام کے اس لشکر نے گڈھ مکتیسر کے مقام پر دریائے گنگا کو عبور کیا ہوگا اور قنوج جاتے ہوئے امروہہ اور سنبھل کے قلعے بھی فتح کیے ہونگے، لیکن خود سالار مسعود غازیؒ کے حالات اور کارنامے جو مراۃ مسعودی وغیرہ میں بیان کیے گئے

(حاشیہ صفحہ ۲۹ سے) میں مسلک ہوئے۔ حضرت امیر خسرو ۶۵۱ھ میں ضلع ایٹہ کے ایک قصبہ مومن آباد میں جسکو اب پٹیالی کہتے ہیں، پیدا ہوئے۔ ابتداء امر میں حضرت شیخ المشائخ نظام الدین اولیاء سے بیعت کی اور مدت العمر فیض صحبت پایا۔ حضرت ممدوح انکو بہت عزیز رکھتے تھے۔ اول شہزادہ محمد سلطان خان شہید کے مقرب ومندیم رہے پھر ملک امیر علی حاتم خان جاگیردار امروہہ کے پاس پانچ سال تک رہے۔ جتنے بادشاہ ان کے زمانہ میں دلی کے تخت پر بیٹھے سب ان کا اعزاز واکرام کرتے تھے۔ شیخ سعدیؒ نے ان کی قابلیت شعری کا اعتراف کیا۔ تقریباً چار لاکھ شعر ان سے منسوب ہیں۔ ۷۲۵ھ میں انتقال کیا اور اپنے مرشد کے مزار پر انوار کے قریب مدفون ہوئے۔ (خلاصہ ازالمجمل، یک تاریخ او دیگر سے شد طوطی شکر مقال) ۷۲۵ھ

[1] مراۃ مسعودی ایک کتاب سالار مسعود غازیؒ کے حالات میں ہے، جو ایک شخص عبدالرحمٰن چشتی نے جہانگیر بادشاہ کے زمانے میں یعنی سالار مسعودؒ کے زمانہ سے تقریباً پانچ سو برس بعد تالیف کی ہے۔ اس میں بی بی موصوف کے باپ کا نام سالار ساہو اور ماں کا نام ستر معلّی اور سال پیدائش ۴۰۵ھ مقام پیدائش اجمیر اور سال وفات ۴۲۴ھ تحریر کیا گیا ہے۔ مگر یہ کتاب ایک افسانہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔ ایک مستند تاریخ ہونے میں بہت کلام ہے۔ علامہ ابوالفضل نے سالار غازیؒ کے متعلق لکھا ہے کہ "خویشاوند سلطان محمود غزنوی است"۔ فرشتہ لکھتا ہے کہ "از اقارب سلطان محمود غزنوی بودہ کہ درعہد اولاد سلطان محمود غزنوی در ۵۵۷ھ بدست کفار مقتول گردید"۔ ملا عبدالقادر بدایونی نے اپنی تاریخ میں بیان کیا ہے کہ نوجوانی میں ایک دن حضرت شیخ امداد جو نبوی پانی پتی سے جو مشائخ کبار اور علمائے تجر میں سے تھے دریافت کیا کہ "سالار مسعود کہ عوام ہند او را چہ بزرگی میدانند؟ شیخ فرمود کہ "افغانی بود کہ شہید شدہ است"۔ میری رائے میں فرشتہ کا یہ قول درست ہے کہ سلطان محمود غزنوی کی اولاد میں سے کسی کے عہد میں سالار مسعود غازیؒ ہندوستان میں بقصد جہاد آئے۔ لیکن فرشتہ نے ان کی آمد کا جو زمانہ متعین کیا ہے وہ صحیح نہیں معلوم ہوتا کیونکہ ۵۵۷ھ میں سلاطین غزنویہ میں اسقدر طاقت نہیں رہی تھی کہ ہندوستان میں سقدر دور دراز مقامات پر فوج کشی کی جاتی غالباً یہ زمانہ بہرام شاہ بن سلطان مسعود بن سلطان محمود غزنوی کا ہوگا۔ یعنی ۵۱۲ھ لغایت ۵۴۷ھ، ایک اور واقعہ سے بھی اس خیال کی تائید ہوتی ہے قلعہ بیانہ کا فتح ہونا بھی سالار غازیؒ کے ہاتھ پر بیان کیا جاتا ہے۔ اس لشکر میں حضرت ابوبکر قندھاری بھی تھے جن کی خانقاہ اب تک وہاں موجود ہے اور ہندی دوہرہ بھی عوام کے زبان زد ہے۔

کا رو سانجھ پہلی ہے تیجہ بلی دار   بے مدد گڑھ تو ڑا ابو بکر قندھار

یعنی ۷۲۷ء پھاگن کے مہینہ میں تیسری تاریخ کو ابوبکر قندھاری نے قلعہ بیانہ کو فتح کیا۔ یہ زمانہ ۵۱۲ھ ۱۱۸ء کے مطابق ہوتا ہے جو بہرام شاہ بن سلطان مسعود غزنویؒ (صفحہ ۳۱)

ہیں، بہت کچھ مشتبہ اور تحقیق طلب ہیں۔ ان کی شخصیت، ان کا سنہ پیدائش و وفات اور غازیانِ اسلام کے مجاہدانہ ترکتاز کا جو زمانہ بیان کیا جاتا ہے، تاریخ سے ثابت نہیں ہوتا۔ بہر کیف واقعہ اگر یہی ہو کہ سالار مسعود غازیؒ اور ان کے ساتھیوں نے پانچویں صدی کے اوائل میں میرٹھ، امروہہ اور سنبھل اور اس نواح کے دوسرے مقامات فتح کیے تب بھی یہ ثابت نہیں کہ لشکر اسلام کے اس نواح سے بسمت قنوج روانہ ہونے کے بعد ان مقامات پر مسلمانوں کا قبضہ تسلط باقی رہا کیونکہ تمام معتبر کتب تاریخ میں بیان کیا گیا ہے کہ ۵۸۵ھ مطابق ۱۱۸۹ء سے ۵۹۱ھ مطابق ۱۱۹۵ء تک اس چھ سالہ مدت میں سلطان شہاب الدین غوری اور قطب الدین ایبک نے ہندو راجاؤں سے سخت معرکے جنگ ۱ کے بعد میرٹھ، برن (بلند شہر)، بدایوں، کول (علیگڈھ)، دہلی اور دوسرے مقامات کو فتح کر کے تسلط اور قبضہ حاصل کیا اور اسطرح اسلامی سلطنت کی بنیاد ڈالی ۲۔ ۵۸۸ھ مطابق ۱۱۹۲ء میں تراوڑی کے میدان میں جب سلطان شہاب الدین غوری رائے پتھورا کو، جس کے ساتھ ڈیڑھ سو راجپوت راجاؤں کا متحدہ لشکر تھا، شکست فاش دیکر غزنین واپس گیا تو اس کے نائب اور سپہ سالار قطب الدین ایبک نے اس نواح کے متعدد قلعے فتح کیے۔

"ملک قطب الدین ایبک در ہماں سال (۵۸۸ھ) لشکر کشیدہ قلعہ میرٹھ و دہلی را از تصرف خویشاں پتھورا و کھندے رائے برآوردہ در ۵۸۹ھ تسع وثمانین وخمسمائۃ قلعہ کول را مسخر کردہ و دہلی را دار الملک ساختہ آنجا قرار گرفت واطراف و نواحی آں را در ضبط آوردہ شعار اسلام ظاہر ساخت۔" ۳

اسی سال (۵۸۸ھ) ملک قطب الدین ایبک نے فوج کشی کر کے قلعہ میرٹھ اور دہلی کو (رہیہ) پتھورا، اور کھندے رائے کے خاندان والوں سے چھین لیا اور ۵۸۹ھ میں قلعہ کول (علیگڈھ) کو فتح کیا اور دہلی کو دار السلطنت بنا کر وہاں قیام کیا اور وہاں کے قرب وجوار واطراف کے ممالک پر قبضہ کر کے شعائر اسلامی کا اجراء کیا۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ امروہہ و سنبھل پر بھی مسلمانوں کا تسلط اور قبضہ ۵۸۹ھ مطابق ۱۱۹۳ء یا ۵۹۰ھ مطابق ۱۱۹۴ء

(جاری صفحہ ۳۰ سے) کے جلوس کا سال تھا۔ سلطان بہرام شاہ بن مسعود غزنوی ۵۱۲ھ/۱۱۱۸ء میں تخت نشین ہوا اور ۵۴۷ھ/۱۱۵۲ء میں انتقال کیا۔ کتاب کلیلہ ودمنہ اسی کے عہد میں اور اسی کے نام پر تصنیف ہوئی۔ حکیم سنائی نے حالت قید میں کتاب حدیقۃ الحقیقہ اسی کے نام پر لکھی تھی جسکا ایک شعر یہ ہے ؎

عرش گر بارگاہ او انسبہ — شاہ بہرام شاہ انسبہ

مورخین نے لکھا ہے کہ اس نے تخت نشین ہو کر ہندوستان کی طرف لشکر بھیجا اور ایسے مقام جو اس کے بزرگوں سے بھی فتح نہ ہوئے تھے، فتح کیے۔ پس کیا تعجب کہ سالار مسعود غازیؒ بھی اسی لشکر کے ساتھ ہوں اور انہوں نے اس نواح میں مجاہدہ کر کے امروہہ و سنبھل کے قلعے فتح کیے ہوں۔ مراۃ مسعودی کے مولف نے سالار غازی کو سید نا امام محمد حنیفہ بن حضرت علیؓ کی اولاد میں لکھا ہے اور بتایا ہے کہ سالار غازی عبد المنان بن امام محمد حنیفہ کی نسل سے تھے۔ امام موصوف کے ان کے عبد الفتاح و عبد المنان دو بیٹے لکھے ہیں لیکن ہر گز صحیح نہیں۔ امام محمد حنیفہ کے بیٹوں یا پوتوں کے یہ نام کسی قدیم کتاب الانساب میں نہیں ملتے۔ معارف ابن قتیبہ و دیگر مستند کتب الانساب میں امام موصوف کے بیٹوں کے جو نام ملتے ہیں وہ یہ ہیں۔ حسن، عبد اللہ، ابو ہاشم، جعفر الاکبر، حمزہ، علی، جعفر الاصغر، عون، القاسم اور ابراہیم الملقب بشر۔ عمدۃ الطالب و دیگر معتبر کتب انساب میں بیان کیا گیا ہے کہ سوائے عبد اللہ بن محمد، جعفر بن محمد اور علی بن محمد حنیفہ کے اور کسی بیٹے کی نسل نہیں چلی۔ مجھے سالار مسعود غازیؒ کی علویت سے انکار نہیں۔ بہت ممکن ہے کہ وہ علوی ہوں لیکن مراۃ مسعودی میں جو نام امام محمد حنیفہؒ کے بیٹوں کے لکھے ہیں وہ گھڑے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔

۱ تاریخوں میں بیان کیا گیا ہے کہ فتح دہلی کے بعد قطب الدین ایبک نے برن (بلند شہر) کو فتح کیا۔ لیکن سلطان شہاب الدین غوری کے ایک فرمان سے جسکی اصل میرے عزیز دوست سید حسین برنی بی اے ایل ایل بی وکیل بلند شہر کے پاس ہے اور اسی فرمان کی ایک مصدقہ نقل، جو عہد کشمیری کی ہے، خاکسار مولف کو دستیاب ہوئی ہے یہ ثابت ہے کہ برن (بلند شہر) کو سلطان شہاب الدین نے بذات خود ۵۸۵ھ میں یعنی فتح دہلی سے تقریباً تین سال قبل فتح کیا۔ برن (بلند شہر) کی چودھراہٹ کا عہدہ اجیپال، ہیرا کو، جو مشرف باسلام ہو کر ملک محمد قدوہ کے نام سے موسوم ہو، عنایت ہوا اور قاضی نور الدین عباسی وہاں کے حاکم مقرر ہوئے۔ ۲ طبقات ناصری، فرشتہ وغیرہ ۳ تاریخ فرشتہ

سے یعنی سلاطین غوریہ کے زمانہ سے شروع ہوا۔

امروہہ کی قدیم آبادی

چھٹی صدی ہجری کے آخر میں جب امروہہ کو مسلمانوں نے فتح کیا ہے اس وقت یہ ایک چھوٹی سی خوبصورت بستی تھی۔ ایک طرف پختہ قلعہ اور رئیسہ کے محلات تھے اور دوسری جانب رعایا کے مکانات، بازار، مندر وغیرہ۔ شہر کے چاروں طرف پختہ اور مستحکم فصیل[1] تھی۔ اور تالاب تھے۔ سوت ندی بھی اس زمانہ میں خوب بہتی تھی۔ پرانی بستی اور قلعہ میں جو رقبہ آبادی کا اس وقت شامل تھا آج اس رقبہ میں محلہ سورنہ، بچدرہ، نوبت خانہ، شاہی چبوترہ، قلعہ، ترپولیہ، قاضی زادہ، پارپوتیاں، صدو، جزودیہ، چاہ شور، نوگیاں، جھنڈا شہید، چاہ ملاحان وغیرہ محلے آباد ہیں۔ قدیم قلعہ اور فصیل کا اب نام ونشان بھی باقی نہیں۔ شاہان مغلیہ کے عہد حکومت کے وسطی زمانہ تک دستاویزات میں البتہ ''اندرون حصار'' اور ''بیرون حصار قدیم'' کے الفاظ عام طور سے درج ہوا کرتے تھے۔

امروہہ مسلمانوں کی ابتدائی دور حکومت میں

سلطنت اسلامی کے ابتدائی ایام میں جبکہ حکومت کا نظم ونسق کامل طور سے قائم نہیں ہوا تھا، بدایوں، سنبھل اور امروہہ ایک ہی حاکم کے ماتحت رکھے گئے۔ سلطان قطب الدین ایبک[2] نے اپنے زمانہ نیابت میں التمش کو، جو بعد میں بادشاہ ہو کر سلطان شمس الدین التمش[3] کے نام سے موسوم ہوا ۶۰۰ھ مطابق ۱۲۰۳ء میں اس علاقہ کا مقطع (حاکم) مقرر کیا۔ ۶۰۷ھ مطابق ۱۲۱۰ء میں سلطان التمش نے جب زمام سلطنت اپنے ہاتھ میں لی ممالک مقبوضہ کا از سر نو انتظام کیا۔ مختلف اقطاع ملک کو ولایات (صوبوں) میں تقسیم کیا۔ ان کے بے حاکم، جن کو اس زمانہ کی اصطلاح میں ''مقطع'' کہتے تھے، مقرر کیے۔ یہ علاقہ بھی ولایت امروہہ کے نام سے موسوم ہوا اور یہاں بھی علیحدہ حاکم (مقطع) مقرر ہوا اور لشکر اسلامی کا ایک حصہ یہاں متعین کیا گیا۔[4]

ہندو رعایا کی بغاوتیں

یہ وہ زمانہ تھا کہ اس علاقہ کی ہندو رعایا پورے طور پر مطیع ومنقاد نہیں ہوئی تھی، متواتر ہوئے اور بغاوتیں ہوتی رہتی تھیں۔ راجپوتوں

---

[1] مؤلف امروہہ گزیٹیئر مطبوعہ ۱۹۱۲ء کا بیان ہے کہ اس فصیل کا کوئی حصہ یا نشان اب یہاں تک باقی ہے جو ... محلہ دربار کلاں ... سید عبدالماجد کے دروازہ اور فصیل سے ہے جو عہد شاہجہانی کی تعمیر ہے۔ اس سے اور قدیم حصار سے کوئی تعلق نہیں۔

[2] قطب الدین ایبک بعد وفات سلطان شہاب الدین غوری ۶۰۲ھ میں دہلی کے تخت سلطنت پر بیٹھا اور صرف چار سال و چند ماہ سریر آرائے سلطنت رہ کر لاہور میں چوگان بازی کھیلتے وقت ۶۰۷ھ میں گھوڑے سے گر کر مر گیا۔

[3] سلطان شمس الدین التمش ... قبیلہ ... سے تھا۔ ... یوسف کا سا ہو ... بھائیوں کو اس کے حسن صورت اور فراست پر حسد ہوا۔ ماں باپ سے بہانہ کر کے وطن سے باہر لے جا کر ایک سوداگر کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ سوداگر سے بخارا میں کسی اور کے ہاتھ ... حاجی ... الدین ... سے خرید لیا۔ اس سے سلطان معز الدین محمد سام نے ایبک اور التمش کو ... میں خرید لیا۔ ... رفتہ رفتہ اپنی لیاقت اور شجاعت سے امیر الامرائی کے درجہ تک پہنچا اور سلطان قطب الدین نے اپنی بیٹی کا اس سے نکاح کر دیا۔ چھبیس سال سلطنت کی۔ ... قطب کی لاٹ ... یادگار ہیں۔ ... صدی کی بنی تھی۔

[4] طبقات ناصری

کے مختلف قبیلے تھے، امیر، بڑگوجر وغیرہ اور سرکش قومیں، جو اس علاقہ میں کثرت سے آباد تھیں، جب موقع پاتیں حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیتیں۔ ۶۴۰ھ مطابق ۱۲۴۲ء میں بعہد سلطان علاء الدین مسعود شاہ اس علاقہ میں وہ شورش برپا ہوئی کہ ملک جلال الدین حاکم بدایوں و مقطع سنبھل وامروہہ انتظام قایم نہ رکھ سکے۔ سلطان ناصر الدین محمود[1] بہت نیک مزاج اور درویش صفت بادشاہ تھا۔ اس کا عہد اگرچہ عام طور پر امن وامان کا عہد تھا جس کا تذکرہ امیر خسرو نے ان الفاظ میں کیا ہے۔

عجب عہدے ہمہ درکامرانی — بہر خانہ نشاط و شادمانی
نہ کس داں کمند کینہ راتاب — نہ کس دیدے خیال فتنہ در خواب
مسلماں چیرہ دست و ہندواں رام — ندانستے کس از جنس مغل نام
شہے در داتش ازیزداں شکوہے — ہم از سنگ وہم از گوہر چوکوہے
خود او مستغرق کار الٰہی — بامرش بندگاں درکار شاہی

لیکن سلطان ناصر الدین محمود کے عہد سلطنت میں بھی اس علاقہ میں فتنہ وفساد کی وارداتیں ہوتی رہیں حتیٰ کہ ۶۵۲ھ مطابق ۱۲۵۳ء میں سلطان کو باغیوں کے مقابلہ کے لیے بذات خود یہاں آنا پڑا۔ تیرہ سال بعد یعنی ۶۶۵ھ مطابق ۱۲۶۶ء میں مفسدوں نے پھر سر اٹھایا اور اس مرتبہ فتنہ وفساد اور بغاوت کا وہ زور شور ہوا کہ حکومت کو اپنا آپا سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ اس فتنہ وفساد کے متعلق ضیاء برنی صاحب تاریخ فیروز شاہی نے بتایا ہے کہ:-

"متواتر خبرمی رسید از کٹھیر که مفسدان کٹھیر سپاه رشید ندو ده بالی رعیت رانهب و تاراج می کنند و ولایت بداؤں امروہہ رامزاحمت تاراج می کنند و ولایت بداؤں امروہہ رامزاحمت می نمایند وفساد باآشکار امیکنند و چنان باقوت شده اندکه از مقطع بداؤں و مقطع امروہہ چشم نمی زنند و ازبسیاری وغلبۂ ایشاں والیان جوار گرد ایشاں نمی توانند گشت"

متواتر خبریں پہنچیں کہ کٹھیر میں مفسد بہت ہو گئے ہیں۔ دیہات کے مواضعات لوٹتے اور خراب کرتے ہیں، صوبہ بداؤں اور امروہہ کو نقصان پہنچاتے اور کھلم کھلا فساد کرتے ہیں۔ ان کی قوت اتنی زیادہ ہو گئی ہے کہ حاکم بداؤں اور حاکم امروہہ سے نہیں دبتے۔ انکی زیادتی اور غلبہ کی وجہ سے قرب وجوار کے پرگنوں کے حاکم ان کے مقابلہ میں نہیں آسکتے۔

---

[1] سلطان ناصر الدین محمود، سلطان شمس الدین التمش کا چھوٹا بیٹا تھا۔ ۶۴۴ھ تخت سلطنت پر بیٹھا۔ یہ بادشاہ نہایت متقی و پرہیزگار تھا۔ شاہی دربار اگرچہ تکلفات سے پر تھا لیکن اس کی زندگی سادی تھی بلکہ ایک نہایت سادہ گھر تھا۔ ... ایک ہی بیوی تھی وہی اپنے گھر کا سارا کام کرتی اور اپنے ہاتھ سے پکاتی ... قرآن شریف کی کتابت ... ہدیہ کیا کرتا۔ ... علماء و مشائخ ... ملک غیاث الدین بلبن ... گیارہویں جمادی الاولیٰ ۶۶۴ھ میں یہ نیک سیرت بادشاہ فوت ہوا۔

بغاوت کا خوفناک انتقام

اس فتنہ و فساد کی خبر پا کر سلطان غیاث الدین بلبن ۱ جو اس وقت کیتھل و پٹیالی ۲ کے نواح میں تھا، فی الفور دہلی واپس آیا اور پانچ ہزار چیدہ اور منتخب سوار ساتھ لیکر یکایک اس ملک پر آ پڑا۔ بغاوت کا جو خوفناک انتقام لیا گیا اس کا حال فرشتہ کے الفاظ میں سنئے -

"سلطان پنجہزار سوار انتخابی یلغار کرده دوشب درمیان ازگنگ عبور نموده بولایت کٹہیر درآمد بجز اززنان و طفلان حکم قتل عام فرمود کسے رازنده نہ گذاشت وبوعے آں ولایت را پاک ساختہ کہ بداوں و امروہہ و سنبھل ازشر آں جماعت تا عہد جلالی در کٹہیر کسے نام مفسدنمی شنید۔" ۳

سلطان بلبن پانچ ہزار چیدہ سوار اپنے ساتھ لیکر روانہ ہوا اور دوسرے دن دریائے گنگا کے پار اتر کر صوبہ کٹہیر میں جا پہنچا۔ عورتوں اور بچوں کے سوائے اور سب کے قتل کرنے کا عام حکم دیا کہ کسی کو زندہ باقی نہ چھوڑا جائے۔ اس خطہ ملک کو اس نے اس طریقہ پر پاک وصاف کر دیا کہ بداوں، امروہہ اور سنبھل اس جماعت کے شر و فساد سے محفوظ ہو گئے اور عہد جلالی تک کٹہیر میں کسی ایک مفسد کا نام بھی کوئی نہیں سنتا تھا۔

شخصی اور قومی حقوق، آزادی اور آزادی خیال کی جس آب و ہوا میں آج ہم زندگی بسر کر رہے ہیں اور حاکم و محکوم کے تعلقات کی جو نوعیت زمانہ حال میں قائم ہوئی ہے اس کے لحاظ سے سات سو برس پہلے کے مخصوص حالات، وقتی ضروریات اور سیاسی مصلحتوں کے متعلق کوئی صحیح اندازہ قائم کرنا مشکل ہے، ورنہ تاریخ نے قتل و غارت گری کے ایسے خوفناک منظر خدا معلوم کتنے دیکھے ہونگے۔

اس نواح کے گھنے جنگل، ناقابل گذر صحرا اور بن مفسدوں اور باغیوں کے لیے جائے پناہ اور کمین گاہ کا کام دیتے تھے۔ کٹہیریوں کے مختلف قبیلے ان میں پناہ گزین تھے۔ اسی زمانہ میں جنگلوں کو کاٹ کر مختلف سڑکیں اور راہیں نکالی گئیں ۴۔ اس لیے آج جن عمدہ اور محفوظ سڑکوں پر ہم اس نواح میں سفر کرتے ہیں ان کے متعلق یہ معلوم ہونا کہ ابتدا کس ضرورت سے نکالی گئی تھیں یقیناً دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

ملک امیر علی حاتم خاں امروہہ کا پہلا جاگیر دار

اوائل جلوس بلبنی میں ولایت امروہہ کے انتظام و انصرام کی عمدگی و بہتری کے خیال سے اقطاع امروہہ ملک امیر علی الخاطب بہ

---

۱ سلطان غیاث الدین بلبن اصل میں ... ترک تھا ... اس کا باپ بغداد میں ... جب مغلوں نے بغداد فتح کیا اور دوں کی طرح بلبن کو بھی ان کے ہاتھوں ... خواجہ جمال الدین بصری کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ جمال الدین بصری نے اس خیال سے کہ وہ سلطان شمس الدین التمش کا ہم قوم تھا اس کی نذر کیا۔ سلطان نے ... التمش کے جانشینوں کے زمانہ میں وہ اپنی ذاتی قابلیت سے رفتہ رفتہ امیر الامرائی کے درجہ تک ترقی کر گیا۔ سلطان ناصر الدین محمود ... کے ہاتھ میں کٹھ پتلی کی طرح رہا۔ اس کے انتقال کے بعد یہ ۶۶۴ھ میں تخت نشین ہوا۔ کمینوں اور رذیلوں سے یہاں تک نفرت تھی کہ کبھی کسی ... سے کلام نہ ... جب تک ... کی سفارش کرے۔ اس کے عہد میں یہ دستور العمل ہو گیا تھا کہ اراذل میں سے کسی شخص کو کوئی کام نہ ملے۔ جب کوئی شخص ... اس کے حسب نسب کی پوری تحقیقات ہوں۔ ... ہندوؤں کو معزز عہدوں کا ملنا موقوف ہو گیا تھا۔ اس بادشاہ کی یہ ... تاتاریوں کا سیلاب ... سلطنتیں ... ہندوستان میں اہل اسلام کی سلطنت بدستور قائم رہی۔ اس بادشاہ کے عہد میں پندرہ بادشاہ اور بادشاہ زادے اور امراء مغلوں ... اپنا اپنا ملک چھوڑ کر یہاں آئے ... کی بڑی خاطر داری اور تعظیم و تکریم کرتا۔ یہ سب شاہزادے دربار میں اس کے تخت کے گرد کھڑے ہوتے۔ صرف دو چار کو جو خلفائے عباسی کی اولاد تھے تخت پر بیٹھنے کی اجازت تھی۔ ان امیروں اور شہزادوں کے نام پر دلی میں محلے اور بازار آباد ہو گئے تھے۔ محلہ عباسی، سنجری، خوارزمی، دیلمی، علوی، اتابکی، غوری، رومی، ختی، سمرقندی وغیرہ۔ ۶۸۶ھ میں چوبیس برس ... سلطنت کر کے انتقال کیا۔ ۲ [تاریخ فیروز شاہی۔ صفحہ ۵۹] ۳ [تاریخ فرشتہ صفحہ ۷۷۔] ۴ [بینت صفحہ ۳۵۳۔]

حاتم خان [1] سرجاندار کے جاگیر میں دیے گئے [2]۔ ملک موصوف سلطان غیاث الدین بلبن کا مولازادہ، نہایت فیاض، سیرچشم، کریم النفس، قدردان علم، عالی ہمت، فراخ دل تھا، اس کی فیاضی اور بخشش کی بہتات کی وجہ سے اسکا لقب ''حاتم خان'' پڑ گیا تھا۔ حضرت امیر خسرو اس کے سرکار میں متوسّل رہے۔ اسی امیر کے نام پر انہوں نے ''اسپ نامہ'' تصنیف کیا تھا۔ انکے دیوان میں اس فیاض امیر کی مدح میں متعدد مدائح و قصائد ہیں۔ ایک جگہ فرماتے ہیں :-

شاہ عہد اختیار دولت و دیں — آفتاب شرف بخانۂ زیں
ہم علیؑ نام ہم بہ شہر دلی — شہر دُلدُل سوار ہمچو علیؑ
عالمی چوں عناں بجنبانی — بسر تازیانہ بستانی

صاحب تاریخ فیروز شاہی اس امیر کے حالات میں لکھتے ہیں کہ -

" چه مولازادۂ کریم و نفیس و غریب و عجیب بودکه او را شاه عهد گویندو حاتم خانؔ "
"خوانندو بخشش و اعطاء ملک امیرؔ علی سرجاندار بمه بزار با بودے چنانکه امیر خسروؔ"
درمدح او گفته:-

بحر گلشم مانی بدست خان زکرم — رواں بلرزه در آمد که ایں محل نه مراست
گہے سخاوری یاقوت مایه کف اوست — گه عطا خس و خاشاک مایه کف ما ست [3]۔

ملک اعزّالدین غوری حاکم امروہہ

عہد بلبنی میں کچھ عرصہ تک ''خواجگی امروہہ'' پر ملک اعزّالدین غوری مامور رہا۔ غالباً ''چاہ غوری''، جسے عوام ''گوری کنواں'' کہتے ہیں [4]۔ اسی نامور حاکم سے منسوب ہے۔ سلطان معزالدین کیقباد کے عہد سلطنت میں ملک موصوف بادشاہ کے مقربان خاص اور نامور اراکین میں شامل تھا۔ [5] ﴿تصویر صفحہ ۱۳۱﴾

---

[1] اس سلسلہ میں ایک دلچسپ واقعہ قابل تذکرہ ہے۔ سلطان بلبن نے اقطاع امروہہ کے انتظام کے لئے اپنے اراکین سلطنت سے فرمائش کی کہ کسی ایسے شخص کو تجویز کریں جو اس خدمت [یعنی خواجگی امروہہ] کے لائق ہو نیز ''اصیل باشد ہم کارداں'' ایسے شخص کو تجویز کرکے ہمارے سامنے پیش کرو۔ اراکین سلطنت نے ایک شخص کمال مہیار نامی کو منتخب کرکے "بجہت خواجگی امروہہ پیش تخت گذار میدہ"۔ سلطان نے فرمایا کہ اس سے دریافت کرو کہ اسکے نام میں مہیار کا جو لفظ شامل ہے، اسکے کیا معنی ہیں۔ اس شخص نے جواب دیا کہ مہیار میرے باپ کا نام ہے جو ایک ہندو کا غلام تھا۔ یہ سنتے ہی سلطان بلبن غصہ سے بیتاب ہو گیا ضبط نہ کرسکا تو محلسرا میں چلا گیا۔ اراکین سلطنت سلطان کی برہمی مزاج سے سخت خائف تھے۔ کچھ دیر کے بعد چند خاص اراکین کو سلطان نے باریابی کا موقع دیا، سوقت فرمایا کہ مجھے اس بات سے سخت رنج ہوا کہ تم لوگ بخوبی واقف ہو کہ میں حکومت کے کسی کام پر کسی کم اصل سفلہ و رذیل شخص کو ہرگز مقرر نہیں کرتا، پھر بھی تم نے ایسے شخص کو امروہہ کی خواجگی کے لیے تجویز کیا۔ آئندہ اس بارے میں سخت احتیاط اور تاکید جاتی ہے۔ اور فرمایا کہ

''من تو ام که لقیم و کم اصل و ناکس زاده را در صدر بولتی که از خدا یافته ام شریك کم وشغل و اقطاع"
" تصرف دہم اگر بعد ازیں در معرض داں اشغال و اقطاع و خواجگی و مشرفی و متبری به لیمے و بد اصلی بر ذاله "
" زاده را اگر بزار نوع ہنرمند باشداں کارداراں [وزرا] پیش من ذکر کنید من بالشاں اکنم که عبرت جہانیاں گردد "۔ [تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۳۷]

[2] [تاریخ فیروز شاہی مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی صفحہ ۳۶۔] [3] [تاریخ فیروز شاہی مطبوعہ صفحہ ۱۱۸]

[4] مولف اصغری نے ''چاہ غوری'' کو محلہ شفاعت پوتہ کی ایک سیدانی مسماۃ گوری کا تعمیر لکھا ہے لیکن یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا کیونکہ محلہ شفاعت پوتہ کی آبادی سے بہت پہلے اس کنویں کا نام ''چاہ غوری'' کہنہ دستاویزات میں بغرض اظہار حدود وقطعات آراضی ملتا ہے نیز اس کی طرز تعمیر بھی بلحاظ قدامت عہد مغلیہ سے پہلے کی معلوم ہوتی ہے۔ [5] تاریخ مبارک شاہی و فیروز شاہی۔

ملک عنبر سلطانی حاکم امروہہ

سلطان معزالدین کیقباد کے عہد میں امروہہ کا حاکم ملک عنبر سلطانی تھا۔ یہ شخص بہت بارسوخ اور منتظم تھا۔ امروہہ کی قدیم جامع مسجد، جو اب صدو کی مسجد کے نام سے موسوم ہے، اسی نے ۶۸۶ھ ۱۲۸۷ء میں تعمیر کرائی تھی۔ اسی کے ساتھ "مدرسہ معزیہ" بھی قائم کیا تھا۔ مدرسہ اور دارالاقامہ کی عمارتیں بھی اس مقام پر تھیں جہاں اب مسکونہ مکانات ہیں، اسی کے متصل خانقاہ بھی تھی، علوم ظاہری و باطنی کے طالب آتے اور فیض پاتے۔

مدارس درو بے حد و خانقاہ برائے مسافر کہ آید ز راہ

ملک جھجو سے نواح امروہہ میں جنگ

ملک جھجو سلطان غیاث الدین بلبن کا برادر زادہ تھا، سلطان جلال الدین فیروز خلجی نے اسے اقطاع کڑہ کا حاکم بنایا تھا۔ ملک جھجو نے سلطان سے بغاوت اختیار کی، امیر علی حاتم خان سے، جو علاقہ امروہہ کا جاگیردار تھا، ملک جھجو کے مراسم اتحاد و یگانگت تھے۔ اس لیے وہ بادشاہی فوج سے مقابلہ کے لیے امروہہ آیا۔ ارکلی خان کی فوج سے مقابلہ ہوا۔ ملک جھجو کو شکست ہوئی، وہ دریائے رام گنگا پار اتر کے بھاگا لیکن مواسی مقدم نے گرفتار کر کے ارکلی خان کے حوالے کیا۔ سلطان نے قصور معاف کر کے ملتان کا حاکم بنا دیا۔

تقریباً چوبیس برس تک اس نواح میں امن و امان رہا، کوئی فتنہ و فساد برپا نہ ہوا۔ ۶۸۹ھ مطابق ۱۲۹۰ء میں باغیوں اور مفسدوں نے پھر سر اٹھایا جس کو حکومت نے زبردست ہاتھ نے بڑی سختی سے کچل دیا۔ سلطان جلال الدین فیروز خلجی بہت حلیم و کریم، انصاف پرور اور نیک نہاد بادشاہ گذرا ہے اس کے عہد سلطنت میں رعایا بہت شاد و آباد رہی۔ سلطان جلال الدین کے بعد سلطان علاء الدین اپنے چچا، خسر اور ولی نعمت و محسن کو قتل کر کے تخت و تاج کا مالک بنا۔ علاء الدین بڑا زبردست لیکن درشت مزاج بادشاہ تھا۔ جد و عادت کے قصوں میں آج تک اسکا نام زبان زد خاص و عام ہے۔

علاء الدین خلجی کی سخت گیری کا اثر

اس بادشاہ کے عہد میں ملک کے مختلف حصوں میں متعدد بغاوتیں ہوئیں جن کو بڑی سختی کے ساتھ فرو کیا گیا۔ ان بغاوتوں کے وجوہ و اسباب بادشاہ کے مشیروں نے یہ بتلائے تھے:-

(۱) لوگوں کے معاملات سے بادشاہ کا بے خبر و لاعلم ہونا۔

(۲) شراب خوری کا رواج عام۔

(۳) امراء و ملوک کی آپس میں محبت و قرابتیں۔

(۴) مال و زر کی رعایا میں بہتات۔

لوگوں کے حالات کے تجسس کے لیے جاسوس مقرر کیے، شراب کی فروخت یک قلم موقوف کر دی، امراء و ملوک کو ایک دوسرے

منتخب تو[illegible]

سے میل وملاقات کی ممانعت کی لیکن اس جابر اور سخت گیر بادشاہ کی سخت گیری کا جو اثر امروہہ دوآب امروہہ کی عام رعایا پر پڑا وہ خود اموال اور کشید زر کی جابرانہ پالیسی کا نتیجہ تھا۔ اس زمانہ کا مصنف ضیاء برنی لکھتا ہے کہ ولایت میان دوآب اور امروہہ و افغان پور اور تمام ملک کٹھیر سے طلب خراج کی اس سخت گیری کا یہ نتیجہ ہوا کہ -

"وایں کار چناں مستقیم کرد کہ تمرّد و عصیان و اسپ سوار شدن و سلاح بر دست گرفتن"
"وجامہ خوب پوشیدن و تنبول خوردن از چودھریان و خوطان و مقدمان بکلی برفت"
"ودر ستدن خراج ہر ہمہ رایک حکم شدد کار اطاعت بجائے رسید کہ یک سرہنگ دیوانہائے"
"قصبات بست خوط و مقدم و چودھری را رشتہ در گردن کردہ از برائے مطالبہ خراج"
"ازلت و چوب منبردو ہندورا سر بالا کردن ممکن بنودہ و درخانہ ہندوان نقش زر و نقرہ"
"ومنکہ و جیتل و اسباب زیادتی کہ رو بہ آنندہ و عصیان است نماندہ بودوازبے برگی زنان"
"خوطہ و مقدمان درخانہائے مسلمانان می آمدند کار می کردند و مزدوری می یافتند۔ ۱ ے"

غلہ و کپڑے کی ارزانی کے ضوابط

سلطان علاؤالدین کے عہد حکومت میں مغلوں نے ہندوستان پر متواتر حملے کیے، بادشاہ کو ان کے مقابلہ میں جنگی ساز و سامان کو درست اور مستعد حالت میں رکھنا اور لشکر و سپاہ کی تعداد میں اضافہ کرنا ضروری تھا جس کے متعلق اس کے وزیروں اور مشیروں نے متفق اللفظ ہو کر کہا کہ تاوقتیکہ گھوڑے اور اسلحہ اور سپاہی کی تمام ضروریات اور لشکریوں اور ان کے اہل وعیال کے اسباب معاش انتہائی ارزانی پر نہ آجاویں اُس وقت تک لشکر کی تعداد اور فوج کی حالت بادشاہ کی آرزو و خواہش کے مطابق نہ درست ہو سکتی ہے اور نہ مستقل رہ سکتی ہے۔ بادشاہ نے پونے پانچ لاکھ سوار رکھنے کا انتظام کیا اور اس غرض سے گھوڑے، غلہ اور کپڑے وغیرہ کی ارزانی کے لیے چند ضابطے مقرر ہوئے جن کو مورخین نے آٹھ حصوں میں منقسم کیا ہے، از انجملہ غلہ کی شرح کا بادشاہ کے دربار سے مقرر ہونا، سرکاری کھیتوں میں غلہ کا اکٹھا کرنا، ہر منڈی میں شحنہ اور "معتبران" کا مقرر ہونا، ملک بھر کے تاجروں کی اسم نویسی اور انکا شحنہ منڈی کے زیر نگرانی رہنا، اور ہر منڈی کی حالت کی دربار میں اطلاع ہونا وقس علی ہذا۔ چنانچہ سوئی سے لیکر گھوڑے تک کی قیمت کا نرخ بادشاہ نے خود مقرر کیا۔ خالصہ کے دیہات سے بجائے نقدی کے غلہ لیتا تھا، وہ غلہ خشک سالی کے موسم میں اپنے گودام سے اسی نرخ پر بیچتا تھا۔ ان ضوابط میں سے صرف ضابطہ پنجم کو ذیل میں نقل کرتا ہوں اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس ضابطہ کا اس خطۂ ملک کے باشندگان پر، جس میں شہر امروہہ واقع ہے، کیا اثر پڑا ہوگا -

"ضابطہ پنجم ۔ خراج میان دوآب و ولایت صدکردہی برہنجے کنند کہ رعایا نتوانند کہ دو من غلہ ذخیرہ کنند و چناں بشدّت بطلبند کہ رعیت غلہ بر سر کشت بدست کاروانیان بفروشند ۔ ۲"

پانچواں ضابطہ ۔ ملک دوآب اور دوسرے صوبے سے مالگذاری اس طریقہ پر وصول کیجیے کہ رعایا میں سے کوئی اپنے یہاں دو من غلہ اکٹھا نہ کر سکے اور مالگذاری کے وصول کرنے میں اتنی سختی کی جائے کہ رعایا فصل کے وقت غلہ بنجاروں کے ہاتھ فروخت کرنے پر مجبور ہو۔

---

۱ [تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۲۸۸] ۲ [تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۳۰۵]

شرح اجناس کا موازنہ

غالباً یہ معلوم کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ چھ سو برس پہلے جو شرح اجناس سلطان علاءالدین خلجی نے ارزانی غلہ کے لیے مقرر کی تھی وہ کیا تھی؟ ذیل میں وہ نرخ نامہ ایک نقشہ کی شکل میں ناظرین کی ضیافت طبع کے لیے درج کیا جاتا ہے۔ اس شرح نرخ کے متعلق اس زمانہ کا مورخ لکھتا ہے کہ یہ امر عجائب روزگار میں سے ہے کہ نرخ مذکور نزول باراں و امساک باراں دونوں حالتوں میں سلطان علاءالدین کے زمانہ تک بدستور قائم رہا۔ مزید واقفیت کے لیے نرخ اجناس بعہد اکبری و قیمت سکۂ حال بطور موازنہ درج ہے۔ اگرچہ عہد ماضیہ میں سکہ کی کمیابی اور زمانۂ حال میں اسکی بہتات و فراوانی کا لحاظ کرتے ہوئے ان تینوں زمانوں کی مروجہ قیمت کا صحیح موازنہ کرنا دشواری سے خالی نہیں تاہم ایک سرسری اندازہ اس امر کا ضرور ہو سکتا ہے کہ اب سے چھ سو برس پیشتر انسانوں کو اپنی ضروریات زندگی وہ مائحتاج حاصل کرنے کے لیے آج کل کی سی جد و جہد کی مطلق ضرورت نہ تھی اور نہ موجودہ کشمکش حیات کا کوئی تلخ اثر اس زمانہ کے لوگوں کی زندگی کو بدمزہ کیے ہوئے تھا:-

موازنہ نرخ اجناس

شرح اجناس زمانہ علاءالدین خلجی ۶۹۵ـ۷۱۵ھ				شرح اجناس بزمانہ شہنشاہ اکبر ۹۶۳ـ۱۰۱۴ھ	
نام جنس	در	سکہ رائج الوقت	مطابق سکہ حال	سکہ رائج الوقت	مطابق قیمت حال
حنطہ (گندم)	درمنی[1]	۱/۲ ۷ جتیل	۱/۵ ۱ پیسہ	۱۲ دام	۲/ ۸ پائی
جو	"	۴ "	۲/۵ پیسہ	۸ دام	۳/ ۳ پائی
شالی (چاول)	"	۵ "	۱ پیسہ قدرے کم	۱۰۰ دام	دو روپے آٹھ آنہ
ماش	"	۵ "	۱ "	۱۲ دام	۲/ ۵ پائی
نخود	"	۵ "	۱ پیسہ	۸ دام	۳/ ۳ پائی
موٹھ	"	۳ "	۳/۵ پیسہ	۱۲ دام	۴/ ۱۰ پائی
نبات	یک سیر	دو نیم جتیل	۲/۵ پیسہ قدرے زائد	۲ دام	۲/ ۵ پائی
شکر سرخ	۳ سیر	یک نیم جتیل	۱/۲ پیسہ		
شکر تری	یک سیر	یک نیم جتیل	۱/۲ پیسہ		
روغن کنجد	سہ سیر	یک جتیل	۱/۵ پیسہ	۸۰ دام	عا
مادہ گاؤ گوشتی	یک راس	۳ تنکہ	۱۲/		
شیر آور	"	۴ "	؎		

[1] اکبری من بزمانہ حال کے ۲۶ سیر کے برابر تھا۔ اور سلطان علاءالدین کے زمانہ میں تقریباً ۱۴ سیر۔

گاؤمیش گوشتی	،	۵ ،	۴		
، شیرآور	،	۱۰ ،	۸/معہ		
(چربی) روغن ستور	$\frac{1}{2}$	یک جیتل	$\frac{1}{5}$ پیسہ		
نمک	یکمن دیدو	۵ جیتل	۱/ قدر کم پیسہ		

غلہ اور اشیاء خوردنی کی طرح ضروریت زندگی کی اور چیزیں بھی یقیناً سستی ہونگی۔ ضیا برنی نے اپنی کتاب میں کپڑے کی مختلف اقسام کے نرخ جو اُس زمانہ میں رائج تھے درج کیے ہیں۔ اسلحہ وگھوڑے ودیگر ضروریت کی قسمیں لکھی ہیں۔

ارزانی نرخ کے متعلق اس تمام جد وجہد کا جس میں جبر اور انتہائی سخت گیری سے کام لیا گیا تھا یہ نتیجہ ضرور ہوا کہ سلطان کے حشم وخدم اور فوج ولشکر کی تعداد بڑھ گئی اور حالت سدھر گئی جس کی مدد سے مغلوں کو پے در پے شکستیں دی جا سکیں۔

"و بعد ارزانی اسباب و استقامت حشم شمار که مغل قصد دہلی وولایت دہلی میکرو نہزم میگشت [1]"

چیزوں کی ارزانی اور بادشاہ کے لشکر کی عمدگی کی وجہ سے جب بھی مغل دہلی اور ممالک دہلی پر حملہ آور ہوتے شکست کھاتے۔

ولایت امروہہ میں مغلوں سے جنگ

ساتویں صدی ہجری میں تاتاری مغلوں کا ٹڈی دل تمام دنیا کے فتح کرنے کے قصد سے منگولیا کے پہاڑوں سے اُمڈا، ایک طرف تو خوارزم، بخارا، ترکستان، ایران وغیرہ ممالک اسلامی کو روندتا ہوا عراق عرب تک پہونچا اور خلافت وسلطنت اسلامی کا خاتمہ کر دیا۔ دوسری طرف یہ سیلاب ہندوستان کی جانب بڑھا۔ اور ہندوستان کے سرحدی مقامات سے بار بار ٹکرایا۔ اس زمانہ میں مغلوں کی قوم دین اسلام سے نا آشنا اور کفر وشرک کی ضلالت میں گرفتار تھی۔ جس سفاکی اور بربریت کی کارروائیاں ان بے دینوں کے ہاتھوں اسلامی ممالک میں ہوئیں ان کے دردناک حالات سے تاریخ کے صفحات سیاہ ہیں۔ یہ کہنا مبالغہ نہیں کہ طوفان نوح کے بعد جو بلائے عظیم انسانوں پر نازل ہوئی وہ یہ چنگیز خانی طوفان تھا۔ ان کا مذہب تو معلوم نہیں مگر ایمان یہ تھا جہاں جائیں وہاں نسل انسانی مٹائیں۔ ۶۱۸ھ مطابق ۱۲۲۱ء میں جلال الدین بادشاہ خوارزم اپنی جان بچانے کے لیے خوارزم سے بھاگ کر دریائے سندھ کے اس طرف چلا آیا۔ اس کے پیچھے مغلوں کی فوج بھی ملتان وسندھ میں داخل ہوئی۔ یہ زمانہ سلطان التمش کا تھا وہ بھی بہت سا لشکر لیکر پہنچا لیکن جلال الدین نے یہاں قیام کا موقع نہ دیکھا تیح دمکران کی جانب چلا گیا اس لیے مغلوں کی فوج بھی اُلٹی پھر گئی مگر چلتے چلتے دس ہزار ہندیوں کو لونڈی غلام بنا کر لے چلی لیکن رسد کی تنگی کے باعث راستہ ہی میں ان سب کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس کے بعد تقریباً بیس سال تک مغلوں نے ادھر توجہ نہ کی۔ سلطان التمش کے بیٹے معزالدین بہرام شاہ کے وقت میں لاہور پر چنگیز خانی مغلوں نے ۶۳۹ھ مطابق ۱۲۴۱ء میں پھر حملہ کر کے مسلمانوں کو قتل واسیر کیا۔ ابتدائی عہد بلبنی میں یہ بلا ہندوستان پر منڈلا رہی تھی۔ سلطان غیاث الدین بلبن سے جب وزیر وہ

---

[1] تاریخ فیروز شاہی

مشیر ان سلطنت عرض کرتے کہ شاہان سابق کی طرح ہندوستان کے مختلف اقطاعات پر فوج کشی کیجیے تو وہ ان مغلوں کے ارادوں کا ذکر کرتا اور کہتا:-

"آنچہ در کار جہانگیری شما می گوئید در دل من بیش ازاں است اما شما نمی شنوید که تمہائے مغل چنگیرخانی برزن و بچہ و کلہ درمہ ورنیا گوش مملکت من نشستہ است و در غزنین و ترمذ و ماوراء النہر ساکن شدہ و ہلاکو نبیرۂ چنگیز خان با چندیں تمن مغل عراق را فروگرفتہ است و در بغداد متمکن گشتہ و آں ملاعین بسیار مال و منال ہندوستان شنیدہ اند و نہب و تاراج ہندوستان در دل دارند لاہور کہ سرحد مملک ماست زدہ اند و خراب کردہ و سالے نمی گذارند کہ ایشاں در مملکت ما نمی آیند و تلوند بہارا نہب نمی کنند۔" [1]

خود سلطان کے عہد میں مغلوں نے ملتان و سندھ کی جانب سے متعدد بار حملے کیے۔ اول اول تو شیر خان [2] حاکم جانب ان کی جانب پیش قدمی سے روکتا رہا۔ اس کے انتقال پر سلطان بلبن نے اپنے بڑے بیٹے محمد سلطان [3] کو، جو خان شہید کے نام سے مشہور ہے قاآن الملک کا خطاب دیکر جانب ملتان کا حاکم مقرر کیا۔ لیکن مغلوں کی ایک لڑائی میں یہ شہزادہ شہید ہوا۔ اسی لڑائی میں حضرت امیر خسرو اور خواجہ حسن مغلوں کے ہاتھ میں گرفتار ہوئے تھے۔

"در شہور اربع و ثمانین ۶۸۳ھ و ستمایۃ خان ملتان کہ پسر بزرگ سلطان بلبن و ولیعہد و پشت پناہ ملک او بود در میان لوہور و دیو بہور با تمر ملعون کہ سگے شگرف از سگان چنگیر خانی بود محاربہ و مقاتلہ افتاد و از قضاء قدر جبار تعالی خان ملتان با امراء و سران و معتبران لشکر دراں محاربہ شہید شد [4]"

۶۸۳ھ مطابق ۱۲۸۵ء میں خان ملتان کو، جو سلطان بلبن کا بڑا بیٹا و ولیعہد اور اس کے ملک و سلطنت کا پشت پناہ تھا، لاہور اور دیپالپور کے درمیان تمر ملعون سے، جو چنگیز خانی کتوں میں بڑا کتا تھا، معرکہ قتال و جدال پیش آیا۔ خدا تعالیٰ کی مرضی کہ خان ملتان امرا و لشکر کے سرداروں کے ساتھ اس جنگ میں شہید ہو گیا۔

[illegible] شیر خان [illegible] سلطان التتمش کے مرنے کے تیس سال بعد تک صرف اسی کی شخصیت تھی [illegible] مغلوں [illegible] قابو میں رکھا تھا۔ [illegible] عالیشان گنبد اور بھٹنڈہ کا [illegible] محمد سلطان [illegible] خان شہید کے نام سے مشہور ہے ذات خود بڑا صاحب کمال تھا [illegible] حضرت امیر خسرو اور خواجہ حسن [illegible] کی بہت تعظیم و تکریم کرتا تھا۔ حضرت [illegible] اشعار مقدمین و متاخرین بعہد محمد سلطان کسے [illegible] اسی شہزادہ نے حضرت شیخ سعدی کو بھی [illegible] حضرت امیر خسرو کی سفارش کی اور ان کے ہم صحبت ہونے کی مبارکباد دی۔ خان شہید [illegible] تیمور خان حاکم غزنی کو ہندوستان کی تسخیر کیلئے بھیجا [illegible] خان شہید ان کے مقابلہ کو ملتان سے باہر نکلا [illegible] دریا کے کنارے ظہر کی نماز کے وقت پہنچا۔ لڑائی شروع ہوئی مغلوں کے گئی (صفحہ ۳۱)

سنہ ۶۹۱ھ مطابق ۱۲۹۲ء میں بعہد سلطان جلال الدین فیروز شاہ خلجی مغلوں نے پھر اسی طرف سے ہندوستان پر چڑھائی کی۔ اس مرتبہ معاملہ صلح پر ختم ہوا اور کچھ مغلوں نے دین اسلام قبول کر کے ہندوستان میں سکونت اختیار کر لی۔

"والغو نبسہ چنگیز خان لعین با چندا میر ہزارہ و امیر صدہ مغل بسلطان پیوست وآں مغلاں بر ہمہ کلمہ گفتند و مسلمان شدند سلطان الغو را بہ دامادی مشرف گردانید" ۱

اور الغو چنگیز خان کا پوتا مغلوں کے چند ہزاری اور صدی امیروں کے ساتھ سلطان سے آملا۔ ان مغلوں نے دین اسلام قبول کر لیا اور سلطان نے الغو کو اپنی دامادی کا بھی شرف بخشا۔

اسکے بعد مغلوں کے حملے ہوتے رہے لیکن یہ سب حملے ہندوستان کے شمال و مغربی سرحد کی جانب ہوتے تھے ۷۰۵ھ مطابق ۱۳۰۵ء میں بعہد سلطان علاء الدین خلجی مغلوں نے بڑی جمعیت کے ساتھ ہندوستان پر فوج کشی کی لیکن اس مرتبہ بجائے شمال و مغرب کی جانب سے حملہ آور ہونے کے کوہ سوالک کی تلیہٹی میں ہو کر ولایت امروہہ پر حملہ آور ہوئے۔

"علی بیگ و ترتاک کہ سران لشکر مغل بودند نام گرفتہ و علی بیگ را از فرزندان چنگیز خان ملعون می گفتند باسی و چہل ہزار سوار مغل کنارۂ کوہ گرفتہ در ولایت امروہہ در آمدند" ۲

علی بیگ اور ترتاک جو مغلوں کے لشکر کے نامور سردار تھے اور علی بیگ کو لوگ چنگیز خان کی اولاد میں بتاتے تھے وہ تیس یا چالیس ہزار مغل سواروں کے ساتھ پہاڑوں کی تلیہٹی میں ہو کر ولایت امروہہ میں داخل ہو گئے۔

یہ لوگ دامن کوہ سوالک سے ہوتے ہوئے ضلع بجنور کی جنوبی سمت سے امروہہ کے علاقہ میں داخل ہوئے۔ امروہہ اور علاقہ امروہہ کو بھی خوب لوٹا کھسوٹا و تباہ و برباد کیا۔

"و در کندن و سوختن و کشتن و بند کردن و فسق و فجور دقیقہ فرو نگذاشتند" ۳

لوٹ کھسوٹ، قتل و غارتگری اور فسق و فجور میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔

(جاری صفحہ ۴۰ سے) نامی سردار قتل ہوئے تیمور بھاگ گیا امراء ہند نے برخلاف عزم و احتیاط اس کا تعاقب کیا۔ خان شہید اجل رسیدہ نے ظہر کی نماز نہیں پڑھی تھی وہ ایک تالاب پر وضو کر کے پانچ سو آدمیوں کے ساتھ نماز پڑھنے لگا کہ اس اثناء میں ایک مغل سردار نے جو دو ہزار سواروں کے ساتھ کمین میں بیٹھا تھا یکایک حملہ کر دیا۔ شہزادہ اور اسکے ساتھیوں نے خوب مقابلہ کیا اور داد شجاعت دی۔ متعدد حملے کر کے مغلوں کو پسپا کیا اور قریب تھا کہ مظفر و کامیاب ہوں کہ ناگاہ ایک تیر شہزادے کے لگا کہ وہ پیام اجل تھا۔ شہزادہ کی شہادت اس زمانہ میں ایک ایسا حادثہ ہوا کہ چھوٹے بڑے سب آٹھ آٹھ آنسو روتے تھے۔ حضرت امیر خسرو نے خان شہید کا بڑا دردناک مرثیہ کہا جسکے چند شعر یہ ہیں۔

واقعہ ست یا بلا از آسمان آمد پدید — آفت است این یا قیامت در جہان آمد پدید
راہ در بنہاد عالم دالمہل فتنہ را — رخنہ کا مسال در ہندستان آمد پدید
مجلس یاران پریشان شد چوگ برگل زباد — برگ ریزی گوئی اندر گلستان آمد پدید

۴ [تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۲۹]

۱ [تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۲۱۹] ۲ [تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۳۲۰] ۳ [از تاریخ فرشتہ صفحہ ۱۰۰ نول کشور]

بادشاہ نے مغلوں کے حملہ کی خبر پاتے ہی ملک کافور یعنی (ملک نائب) اور غازی ملک تغلق کو بڑے بھاری لشکر کے ساتھ مغلوں کے مقابلہ کے لیے بھیجا اور ہدایت کی کہ نہایت عجلت کے ساتھ امروہہ پہونچیں اور ایک مغل کو بھی زندہ نہ چھوڑیں چنانچہ حدود امروہہ میں دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا اور بڑا سخت رن پڑا۔

"سلطان علاء الدین ملک نائب باربک را با لشکر اسلام نامزد لشکر مغل کردہم دراں حدود امروہہ بر دو لشکر امحاربہ روداد باریتعالیٰ لشکر السلام راظفر بخشید۔" [1]	سلطان علاء الدین نے ملک نائب باربک کو لشکر اسلام کے ساتھ مغلوں کے مقابلہ کے لیے بھیجا حدود امروہہ میں دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا۔ جنگ میں خدا تعالےٰ نے لشکر اسلام کو فتحیاب کیا۔

یہ لڑائی رہب ندی (یعنی دریائے رام گنگا) کے کنارے ہوئی تھی۔ طرفین سے نبرد آزما دل کھولکر لڑے مگر نتیجہ مغلوں کے خلاف ہوا، انکے دونوں سردار زندہ گرفتار ہوئے اور ہزاروں اس معرکہ میں کام آئے اور جو گرفتار ہوئے وہ اپنے دونوں سرداروں کے ساتھ دہلی بھیجے گئے۔ اس لڑائی میں بہت کچھ مال غنیمت شاہی لشکر کے ہاتھ آیا صرف گھوڑوں کی تعداد بیس ہزار تھی۔

شاہی لشکر مال غنیمت اور قیدیوں کے ساتھ جب دہلی پہنچا بادشاہ نے شہر سے باہر آکر چبوترۂ سلطانی پر دربار عام کیا اور اس مقام سے اندرپت (دہلی قدیم) تک دورویہ لشکر کھڑا کیا گیا تھا اور اس روز از دہام خلق اتنا تھا کہ پانی کا ایک کوزہ بیس جیتل یا نصف تنکہ میں بھی نہیں ملتا تھا۔ دونوں مغل سرداروں کو ہاتھی کے پیروں سے کچلوایا گیا اور قیدی مغل گردن مارے گئے اور آٹھ ہزار مغلوں کے سرنیزوں پر آویزاں کرکے شہر میں گشت کرائے گئے بروایت صاحب تاریخ وصاف مقتولین کے سروں کا شمار ساٹھ ہزار تک پہنچا تھا، اس جنگ کے بعد پھر کبھی مغلوں کو امروہہ پر فوج کشی کی جرأت نہیں ہوئی۔

مغلوں کے سر قلعہ کے دروازہ پر عبرت کے لیے لٹکائے گئے تھے۔ ایک شاعر نے اس زمانہ میں ایک کتبہ لکھ کر مغلوں کے سروں کے برابر دروازہ قلعہ پر آویزاں کیا تھا وہ رباعی یہ ہے

ای حصن کہ تائید خدا یار تو باد ۔۔۔ فتح وظفر شاہ علمدار تو باد
از تو ملک زمانہ معمار تو باد ۔۔۔ طرفتی چو علا بیگ گرفتار تو باد

امروہہ میں شاہی فوج کی چھاونی

مغلوں کے حملہ کے خوف سے امروہہ میں فوجی چھاونی قائم کی گئی اور کافی تعداد میں لشکر یہاں رکھا گیا۔ سلطان علاء الدین خلجی کے ندیمان اور مقربان خاص میں سے ملک ہزبر الدین ظفر خان، جو شجاعت اور دلاوری میں اپنا ثانی ونظیر نہ رکھتا تھا اور جس کا نام ہی مغلوں کے لیے خوف وہراس کا باعث تھا اس کی فوج کا بڑا حصہ یہاں متعین تھا۔ خود یہ نامور امیر بھی کچھ مدت تک امروہہ میں مقیم رہا، اس کے عمال وکارکن یہاں رہتے تھے۔ سلطان علاءالدین کے عہد میں جب حاجی مولا نے بغاوت کی اور ملک حمید الدین امیر کوہ نے

---

[1] [تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۳۲۰۔]

باغیوں کا مقابلہ کیا تو ظفر خان کے آدمیوں نے جو امروہہ سے اس زمانہ میں (۶۹۹ھ مطابق ۱۳۰۰ء) دہلی گئے ہوئے تھے بغاوت فرو کرنے میں ملک موصوف کی امداد و اعانت کی:

"وچندے یاران ظفرخان که بجهت عرض گذاشتن از امروہه درشهر (دہلی) آمده بودند باملک امیر کوه و پسران اویار شدند." ۱

اور ظفر خان کے کچھ آدمی جو عرضداشت پیش کرنے کی غرض سے امروہہ سے دارالخلافہ دہلی میں آئے ہوئے تھے ملک امیر کوہ اور اس کے بیٹوں کی مدد پر مستعد ہو گئے۔

اس زمانہ میں امروہہ کا علاقہ نیز قرب و جوار کے علاقہ جات تمام تر خالصہ ۲ تھے اور شاہی لشکر کے مصارف میں سکی آمدنی خرچ ہوتی تھی۔

"کول وبرن ومیرٹه امروہه وافغانپور وکابیرو تمامی ولایات میان دوآب درطاعت حکم یکده گرفت ودرخالصه درآوردندودروجه حشم نهادند" ۳

"کول (علیگڈھ)، برن (بلند شہر)، میرٹھ، امروہہ، افغانپور و کابیرو دوآب کے ان تمام علاقوں کو ایک حیثیت میں لا کر خالصہ میں شامل کر لیا گیا اور انکی آمدنی فوج کے اخراجات کے لیے مخصوص کر دی گئی۔"

شہزادہ خضر خان کا امروہہ میں قیام

سلطان علاء الدین خلجی کا بڑا بیٹا شہزادہ خضر خان ۴ جو ولی عہد سلطنت بھی تھا، کچھ عرصہ بحکم شاہی امروہہ میں مقیم رہا۔ مورخین

---

۱ [تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۲۸۱] ۲ خالصہ کے معنی خالص اور ایسی چیز کے ہیں جس میں کسی دوسری چیز کی آمیزش نہ ہو۔ اصطلاح میں اس زمین اور ملک کو کہتے ہیں جو شاہی مصارف کیلئے ہو اور کسی دوسرے کی جاگیر میں شامل نہ ہو۔ ۳ [تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۳۲۳] ۴ شہزادہ خضر خاں پسر سلطان علاء الدین خلجی ملکہ جہاں کے بطن سے تھا۔ حضرت امیر خسرو نے اس شہزادہ اور راجہ کرن والی گجرات کی بیٹی دیولدی کے عشق و محبت کی تاریخی داستان اپنی مشہور مثنوی دول رانی خضر خان میں جسکا دوسرا نام عشقیہ بھی ہے بیان کی ہے۔ خضر خان کی پہلی شادی ماموں الپ خاں کی لڑکی سے ۷۱۱ھ مطابق ۱۳۱۱ء میں ہوئی تھی۔ دوسرا نکاح دولرانی کے ساتھ ۷۱۳ھ مطابق ۱۳۱۳ء میں ہوا۔ دیولدی کے حرمسرائے شاہی میں آنے کی داستان دلچسپ ہے جو مختصر یہاں درج کی جاتی ہے۔ ۶۹۷ھ مطابق ۱۲۹۷ء کے ابتدائی مہینوں میں الماس بیگ الغ خاں جو سلطان علاء الدین خلجی کا بھائی تھا اور نصرت خان جالیسری جو منصب وزارت پر ممتاز تھا مہم گجرات پر مامور ہوئے اور ایک لشکر جرار لے کر راجہ کرن والی گجرات پر حملہ آور ہوئے۔ راجہ شاہی لشکر کے مقابلہ کی تاب نہ لا سکا۔ فرار ہو گیا۔ اس جنگ میں مال غنیمت کے ساتھ راجہ کرن کی رانی کنولا دیوی اور دوسری عورتیں بھی اسیر ہو کر دہلی آئیں۔ کنولا دیوی حرم شاہی میں داخل کی گئی اور بوجہ اپنی خوبصورتی، خوش سیرتی اور سلیقہ مندی کے سلطان علاء الدین کے دل میں بہت جلد اس نے قدر و منزلت پیدا کر لی۔ ایک دن سلطان کو خوش پا کر اس نے یہ درخواست کی کہ میری دو لڑکیاں جو گجرات میں چھوٹ گئی تھیں ان میں سے ایک تو حرم شاہی پر تصدق ہو چکی ہے مگر دوسری زندہ ہے۔ خون کے تعلق سے دل بے اختیار سینہ میں تڑپ رہا ہے اگر حضور کی توجہ ہو جائے تو میرا مطلب حاصل ہو سکتا ہے۔ چونکہ سلطان خضر خاں کے لئے پہلے ہی سے کسی موقع کا متلاشی تھا جیسے رانی کنولا دیوی کی یہ درخواست اسکو پسند آئی۔ راجہ کرن کو رشتہ کا پیغام بھیجا۔ اس نے نہایت خوشی اور فخر کے ساتھ اس پیغام کو منظور کیا اور چاہتا تھا کہ شاہانہ جہیز فراہم کر کے دیولدی کو دہلی روانہ کرے لیکن ادھر سلطان کی رائے تبدیل ہو گئی اور گجرات کو ملک محروسہ میں شامل کر لینے کا فیصلہ قرار پایا۔ الغ خان اور دیگر سرداران لشکر اس مہم پر مامور ہوئے۔ جب یہ لشکر گجرات پہنچا تو راجہ کو سوائے گریز کے کوئی بچاؤ کی صورت نظر نہ آئی فوراً دیوگیر کی طرف گھوڑے کی باگ پھیر دی۔ جب سنکھن دیو کو معلوم ہوا کہ رائے کرن اس علاقے میں آیا ہے اور دیولدی کا خواستگار ہے تو اس نے اپنے بھائی بھیم دیو کو دیولدی کیلئے پیغام بھیجا جو مجبوراً منظور کرنا پڑا اور تمام شرائط طے پا کر دیولدی رخصت کر دی گئی۔ دیولدی چند آدمیوں کی حفاظت میں دیوگیر کی طرف جا رہی تھی ابھی چند میل کا فاصلہ باقی تھا کہ اچانک شاہی فوج کے ہراول سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ طرفین سے تیر اندازی ہونے لگی۔ اتفاقاً ایک تیر دیولدی کے گھوڑے کو لگا جو فوراً گر پڑا۔ چنانچہ دیولدی اس طرح اسیر ہو کر بجبر فوج کے ساتھ دہلی کو روانہ کی گئی اور محلسرائے میں داخل ہوئی۔ یہ واقعہ ۷۰۶ھ مطابق ۱۳۰۶ء کا ہے۔ محلسرائے میں خضر خاں اور دیولدی کے ایک جگہ رہنے سے حضرت عشق کو اپنی تاک لگانے کا موقع ملا۔ بالآخر ۱۳۱۳ء میں یہ عاشق و معشوق اپنی مراد کو پہنچے لیکن انکا جو درد ناک انجام ہوا اسکے ذکر سے قلم کا سینہ چاک ہے۔

نے لکھا ہے کہ سلطان علاءالدین بیمار پڑا، خضر خان اور اسکی والدہ ملکہ جہاں اور اس کے ماموں اور خسر الپ خان کی جانب سے ملک کافور نے جو عرصہ سے حصول سلطنت کا خیال دماغ میں پکار رہا تھا، جھوٹے سچے قصے ملا کر بادشاہ کو بدظن کر دیا۔ الپ خان تو فوراً قتل کر دیا گیا لیکن خضر خان کو نسبتاً کم سزا دی گئی۔ چتر و دورباش، جو ولی عہدی کی علامتیں تھیں، اس سے واپس لے لی گئیں اور اسے امروہہ رہنے کا حکم ہوا، نیز یہ کہ بلا طلب دہلی نہ آئے۔ خضر خان جب میرٹھ کے علاقہ سے آگے بڑھا تو یہ شاہی عتاب نامہ ملک حسام الدین کے ذریعہ اسکو پہنچا، جسکی فوراً تعمیل کی گئی، اور چتر و دورباش، ملک حسام الدین کو سپرد کر کے خود امروہہ چلا گیا۔ امروہہ پہنچ کر اپنی بے گناہی اور شاہی عتاب پر سخت رنج و الم میں مبتلا رہا۔ کچھ دن تو سیر و شکار میں دل بہلاتا رہا پھر یہ سوچا کہ میں بالکل بے قصور ہوں مجھے فوراً سلطان کے حضور میں حاضر ہو جانا چاہیے، یہ سوچ کر امروہہ سے بلا طلب دہلی کو روانہ ہو گیا۔ حضرت امیر خسرو نے مثنوی دولرانی میں خضر خان کے امروہہ آنے کا حال تحریر کیا ہے۔ بادشاہ نے جو عتاب نامہ بصورت فرمان بھیجا تھا اس میں خضر خان کے ماموں اور خسر الپ خان کے قتل سے جو صدمہ اسے پہنچا تھا اس کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:[1]

دلت دانم کے تنگست ازئے حال	شکار و گشت بہ باشد دریں حال
زآب گنگ تا دامان کہسار	نہ بینی خاستہ یك سوزن خار
ہر آنگونہ است صحراہائے نخچیر	کہ دہ آہو تواں کشتن بیك تیر
باقطاع تو کردیم آں زمیں خاص	کہ باشد رہ بروِ خنگ تو رقاص
بامروہہ نشیں بالشکر خویش	کہ ہرکوہ آزمائی خنجر خویش
رواں کن سوئے حضرت کم وکاست	علامتہائے سلطانی کہ آنجاست
زچتر و دورباش، و پیل ورایت	کہ حکم ماہراں داوت ولایت

علامتہائے شاہی دادہ شاہ	حسام الدین ملك راکرد ہمراہ
وزاں سو خود بفرمان بادل تنگ	سوئے امروہہ کرداز مہرتہ آہنگ
گذشت ازکنگ باخاصال تنی چند	کلہ راسایہ برامروہہ افگند

بامروہہ دروں غمناك نبشست	چوگل باسینۂ صدچاك نبشست

اس زمانہ میں امروہہ سے جانب شمال کا علاقہ جواب ضلع بجنور میں شامل ہے لق ودق جنگل و بیابان ہونے کی باعث عمدہ شکار گاہ تھا۔ اس شکار گاہ میں شہزادہ ایام جلاوطنی میں شکار و چوگان بازی سے دل بہلاتا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

[1] مثنوی دولرانی صفحہ ۲۳۹۔

شہزادہ خضر خان حضرت سلطان المشائخ شیخ نظام الدین اولیاءؒ[1] کا مرید باخلاص تھا، بعض روایتوں میں بیان کیا گیا ہے کہ اُس نے یہ منت مانی تھی کہ بادشاہ کو، جو اس وقت بستر علالت پر پڑا تھا، صحت ہوگئی تو زیارت مشائخ کے لیے پاپیادہ دہلی جاؤنگا، چنانچہ باپ کی صحت کی خبر پاتے ہی اس نے بلا اجازت معہ لشکر کوچ کر دیا اور امروہہ سے دہلی تک پابرہنہ اور پیادہ پا[2] سفر کیا۔ مخالفوں کو اب اس کی طرف سے بادشاہ کو بدگمان کرنے کا اچھا موقع ہاتھ آیا۔ مظلوم شہزادہ کو اس کے برادر حقیقی شادی خان کے ساتھ گوالیار کے قلعہ میں قید کر دیا گیا اور بعد انتقال سلطان علاء الدین ملک نائب نے ان دونوں بھائیوں کی آنکھوں میں سلائی پھروادی اور سلطان مرحوم کے تیسرے بیٹے، شہاب الدین نامی کو، جو محض چھ سالہ بچہ تھا، برائے نام تخت پر بٹھا کر آپ حکومت کرنے لگا۔ چندہی روز بعد ملک نائب بھی مارا گیا اور مبارک خان خلجی تخت وتاج کا مالک بنا اور سلطان قطب الدین مبارک شاہ خلجی کے نام سے ۷۱۷ھ مطابق ۱۳۱۷ء میں تخت حکومت پر بیٹھا۔ یہ بادشاہ اپنے پیشرو سے بھی زیادہ عیاش اور بدچلن تھا۔ برواروں کی قوم کے ایک گجراتی نوجوان کو، جس کے حسن و کرشمہ پر یہ بدچلن بادشاہ فریفتہ تھا، خسرو خان خطاب دیکر وکیل مطلق بنا دیا، آخرکار ۷۲۱ھ مطابق ۱۳۲۱ء میں خسرو خان نے بڑے مکروفریب سے بادشاہ کو قتل کر دیا اور آپ تخت پر قابض ہوگیا لیکن چندہی دن بعد وہ بھی ملک غازی کے ہاتھ سے کیفر کردار کو پہونچا۔ غازی ملک نے سلطان غیاث الدین تغلق کے لقب سے اسی سنہ میں تخت شاہی پر جلوس کیا اور اب سلطنت خاندان خلجی سے نکل کر تغلقیہ خاندان میں پہنچی۔ اس بادشاہ نے ۷۲۵ھ مطابق ۱۳۲۵ء تک سلطنت کی۔ سلطان علاؤالدین کی وفات کے بعد سے سلطان غیاث الدین کے زمانہ تک آٹھ نو برس کی مدت میں مختلف بادشاہوں کے عزل ونصب سے جو ابتری ملک میں پھیل گئی اسکا اثر اس حصۂ ملک پر بھی پڑا۔ خاص امروہہ میں لشکر شاہی کی موجودگی سے قریب وجوار میں امن وامان قائم رہا۔

حضرت شاہ ولایتؒ کی تشریف آوری

سیّد العارفین سیّد حسن[3] المعروف بہ شرف الدین شاہ ولایت قدس سرہ، العزیز سلطان غیاث الدین تغلق کے ابتدائی عہد سلطنت میں نواح ملتان سے مع اپنے خلفاء اور اعزاء کے امروہہ تشریف لائے اور یہاں کے شاہ ولایت کہلائے۔ آپ کے دلدا کبر قاضی سید امیر علی، جد سادات محلہ لکڑہ وحقانی وغیرہ، بعہد سلطان محمد تغلق امروہہ کے عہدۂ قضا پر مامور ہوئے۔ عہد مغلیہ میں آپ کی اولاد امجاد بالخصوص سید محمد میر عدل، انکے اخلاف اور برادرزادگان نے سلطنت کی شاندار فوجی وملکی خدمات انجام دیں، شہرت ونا موری حاصل کی، تنخواہ ومدد معاش میں جاگیریں اور معافیاں ملیں۔

اس زمانہ میں علاقہ کٹھیر کے اور حصوں میں کٹھیر ے راجپوتوں نے پھر کافی قوت اور جمعیت پیدا کرلی، سلطان محمد بن تغلق کے زمانہ سلطنت (۷۲۵ھ مطابق ۱۳۲۴ء لغایۃ ۷۵۲ھ مطابق ۱۳۵۱ء) میں بادشاہ کی دور دراز ملکوں کے مہموں میں مصروفیت اور

1۔ سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیا ساتویں صدی ہجری کے مشہور فقیہ اور صوفی تھے۔ آپ کے والد احمد بن دانیال غزنی سے آکر بدایوں میں متوطن ہوئے ۶۳۳ھ ۱۲۳۵ء میں آپ کی ولادت ہوئی۔ پانچ سال کی عمر میں یتیم ہوگئے۔ والدہ نے پرورش کی۔ ۲۵ سال کی عمر میں مع والدہ کے دہلی آگئے یہاں خواجہ شمس الدین خوارزمی کی شاگردی کی اور شیخ نجیب الدین متوکل کی صحبت سے استفادہ حاصل کیا۔ شیخ موصوف حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کے بھائی تھے۔ ان سے بابا صاحب کے اوصاف وکمالات سنکر اجودھن پہنچے اور عرصہ تک خدمت میں رہ کر خرقۂ خلافت سے سرفراز ہوئے۔ سلطان غیاث الدین تغلق کو آپ سے سوءظنی تھی۔ وہ بنگالہ میں تھا وہیں سے پیغام بھیجا کہ "یا شیخ آنجا باشد یا من"۔ سلطان جی نے فرمایا "ہنوز دلی دور است"۔ چنانچہ ۷۲۵ھ ۱۳۲۵ء میں بادشاہ کے دہلی پہنچنے سے پہلے حضرت کا وصال ہوگیا اور بادشاہ بھی تغلقپور کے محل میں دبکر مرگیا۔ جو مقبرہ مزار منور پر موجود ہے ۹۷۰ھ ۱۵۶۲ء میں سید فرید خان نے تعمیر کرایا تھا۔ 2 [تاریخ فرشتہ صفحہ ۱۳۲]۔ 3 آپ کا نام گرامی اصل میں سید حسن ہے شرف الدین سلسلہ بیعت کا نام ہے۔ تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو حصہ دوم کتاب ہذا۔

دار السلطنت کے تغیر و تبدل سے کٹھیر کے راجپوتوں کو اپنی قوت بڑھانے کا اور بھی زیادہ موقع مل گیا مگر شاہی لشکر کے مقابل آنے کی اس وقت ہمت نہ تھی۔ اس زمانہ میں کافی لشکر اور فوج امروہہ میں رہتی تھی۔ یہاں کی جنگی قوت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ دور دراز کی بغاوتیں فرو کرنے کے لیے امروہہ کے لشکر کو بھی طلب کیا جاتا تھا۔ ۷۴۱ھ میں عین الملک نے اودھ میں جب بغاوت اختیار کی اور وہ شاہی ہاتھیوں اور گھوڑوں کو پکڑ کر لے گیا تو باغیوں کا قلع قمع کرنے کے لیے سلطان محمد تغلق نے امروہہ سے بھی شاہی فوج طلب کی تھی۔

"عین الملک شبی از سر گداوری بر آمده به برادران (خود) پیوست دوران زودی برادرانش علم جسارت بر افراشته با چهار هزار سوار بحوالی سرگداوری آمد تدوتمام فیلان و اسپان سلطان راکه در صحرامی چریدند پیش انداخته بلشکر گاه خود بردند۔ بادشاه سراسیمه گشته لشکر امروهه و سامانه وکول وبرن راطلب داشته۔" [۱]

رات کے وقت عین الملک سرگداورگی (اودھ کا ایک مقام جہاں اس وقت شاہی کیمپ پڑا تھا) سے نکل کر اپنے بھائیوں سے جا ملا۔ اس کے بھائیوں نے علم بغاوت بلند کر کے اور چار ہزار سواروں کو ساتھ لے سرگداورگی کے نواح میں چھاپا مارا اور بادشاہ کے تمام ہاتھیوں اور گھوڑوں کو، جو جنگل میں چرنے کے لیے چھوڑ دیے گئے تھے، ہانک کر اپنے لشکر میں لے گئے۔ بادشاہ نے سراسیمہ ہو کر امروہہ و سامانہ وکول (علیگڑھ) و برن (بلند شہر) سے فوج شاہی طلب کی۔"

مشہور اسلامی سیاح ابن بطوطہ کی آمد

اسی بادشاہ کے زمانہ میں ابن بطوطہ [۲] (۷۴۱ھ ۔ ۱۳۴۰ء) میں امروہہ آیا۔ وہ اپنے سفر نامہ میں لکھتا ہے کہ "بادشاہ کے حکم پر وزیر نے مجھے دس ہزار من غلہ تو دیدیا باقی کی بابت لکھ دیا کہ ہزار من امروہہ کے ملاقہ سے دیا جائے"۔ چنانچہ اس غلہ کے وصول کرنے نیز یہاں کے والی اور امیر کے تنازعہ کا فیصلہ کرنے کے لیے ابن بطوطہ نے امروہہ کا سفر اختیار کیا۔ یہاں وہ دو مہینہ تک مقیم رہا۔ امروہہ کے متعلق وہ لکھتا ہے کہ:

"ثم وصلنا الیٰ امروهه وهی بلدة صغيرة حسنة مخرج عمالها وجا، قاضیها الشریف امیر علی [۳] و شیخ زاويتها واضافانی مصافیا نه حسنة۔ [۴]

پھر ہم امروہہ پہنچے۔ یہ ایک چھوٹا سا خوبصورت شہر ہے۔ اس کے اہلکار استقبال کے لیے باہر آئے۔ شہر کا قاضی سید امیر علی [۳] اور خانقاہ کا شیخ دونوں آئے اور دونوں نے مل کر ضیافت بہت اچھی طرح کی۔ الخ"

---

۱ تاریخ فرشتہ ۲ ابن بطوطہ ۷۰۳ھ میں طنجہ (مراکش) میں پیدا ہوا۔ ۷۲۵ھ میں وہاں سے حج کی نیت سے چلا۔ افریقہ کے تمام ساحلی شہروں کی سیر کرتا ہوا مصر پہنچا وہاں سے ملک شام چلا گیا۔ دمشق میں حدیث کا علم حاصل کیا۔ دوسرے سال پھر مدینہ منورہ و مکہ معظمہ گیا۔ وہاں سے عراق، بغداد اور دیگر مقامات کی سیر کرتا ہوا ایران آیا۔ ۷۲۸ھ میں پھر حج کو گیا۔ وہاں سے افریقہ کے بعض مقامات کی سیر کرتا ہوا یمن آیا۔ پھر ایشیائے کوچک، سمرقند، بلخ، مشہد شریف، نیشاپور، غزنی ہوتا ہوا ۷۳۴ھ میں ہندوستان آیا۔ دس برس تک ہندوستان میں رہا۔ ۷۴۳ھ میں چین کے سفر پر روانہ ہو وہاں سے بہت سے ممالک کی سیر کرتا ہوا ۷۵۰ھ میں عرب پہنچا۔ ۷۵۵ھ میں تیس برس کی طویل مدت سیر و سیاحت میں بسر کر کے اپنے وطن کو واپس گیا۔ ۷۷۹ھ میں انتقال کیا۔ ۳ یعنی فرزند اکبر سید العارفین سید حسین المعروف بہ شرف الدین شاہ ولایت قدس سرہ۔ جو اس زمانہ میں یہاں کے قاضی تھے۔ شاہ ولایت کا ابن بطوطہ کی آمد سے پہلے وصال ہو چکا تھا (آپ کا سنہ وفات ۷۳۱ھ ہے) جیسا کہ عام لوگوں کا خیال ہے۔ خانقاہ کے شیخ سے مراد غالباً شیخ معین الدین قدس سرہ ہے جو حضرت شاہ ولایت کے مرشد زادہ اور خلیفہ تھے (ملاحظہ ہو حصہ دوم جس میں ان تمام امور پر مفصل بحث کی گئی ہے) ۴ کتاب رحلہ ابن بطوطہ مطبوعہ جرمنی۔

عزیز خمّار حاکم امروہہ

اس زمانہ میں یہاں کا حاکم عزیز خمار تھا، وہ بہت منتظم و بیدار مغز حاکم تھا، ابن بطوطہ نے عزیز خمار کی نسبت لکھا ہے کہ وہ ظالم مشہور تھا ڈیڑھ ہزار گاؤں اس کے ماتحت تھے جنکا محاصل ساٹھ لاکھ سالانہ تھا اس کا بیسواں حصہ اس کو ملتا تھا۔ غرضیکہ اس حاکم کے تدبر اور عمدہ انتظام سے متمرد اور مفسد لوگوں کو سرکشی کا کوئی موقع نہ ملا۔ قصبہ عزیز پور ۱ اسی کا آباد کیا ہوا تھا۔ اس کا بھائی نجیب خمار اور اس کے دوسرے عزیز بھی حکومت کے عہدوں پر مامور اور صاحب اثر و نفوذ تھے۔ اس کے بعد بھی یہ خاندان پرگنہ امروہہ میں توطن پذیر رہا۔ یہ لوگ، ابتدائے عہد مغلیہ تک اپنے ناموں کے ساتھ ''خمار'' کا لفظ برابر لکھتے رہے۔ ابن بطوطہ کی آمد کے زمانہ میں اس علاقہ کا امیر شمس الدّین بدخشانی تھا جس سے عزیز خمار کی مخالفت تھی۔ ان دونوں کے تنازع کے تصفیہ کے لیے وزیر نے ابن بطوطہ، ملک شاہ امیر الممالک اور شہاب الدّین ولی کو متعین کیا تھا۔ سلطان محمد شاہ تغلق نے ۷۳۸ھ مطابق ۱۳۳۷ء میں امروہہ کے اس مشہور حاکم عزیز خمار کو ولایت مالوہ کی حکومت پر مامور کیا تاکہ وہاں کے مفسدوں کی اچھی طرح سرکوبی کرے ۲۔ عزیز خمار نے امیران صدہ کی تنبیہ کے لیے گجرات سے بڑودہ اور دیوہری کی طرف لشکر کشی کی۔

تین سیّدوں کے قتل کا خوفناک انتقام

تھوڑے ہی عرصہ کے بعد سلطان محمد تغلق کا ۷۵۲ھ ۱۳۴۴ء میں انتقال ہو گیا، ملک میں کچھ عرصہ بدنظمی رہی جسکی وجہ سے کٹھیر کے راجپوتوں کو کھرک سنگھ و ہر سنگھ اپنے دونوں سرداروں کی قیادت میں قوت کے بڑھانے کا خاطر خواہ موقع حاصل ہو گیا، انھوں نے کھلم کھلا بغاوتیں کرنا شروع کیں، جب کبھی اسلامی لشکر سے شکست کھاتے مجبوراً خراج ادا کرتے ورنہ جنگلوں اور بنوں میں پناہ گزین رہتے۔ آخر ۷۸۱ھ مطابق ۱۳۷۹ء میں کھرک سنگھ نے، جو کبر گو کے نام سے مشہور ہے، سید محمد حاکم بداؤں کو اپنے یہاں مہمان بلا کر نیز ان کے بھائی سید علاء الدّین و سید محمود کو دھوکہ اور فریب سے قتل کر دیا۔ سلطان فیروز شاہ تغلق کو جب اس واقعہ کی اطلاع ملی تو اسے اس قدر طیش آیا کہ ان تین جانوں کے بدلے میں تمام ملک کٹھیر کے باشندوں کو تلوار کے گھاٹ اتارنے کا حکم دیدیا۔

''بادشاہ غضبناک شدہ استعداد سفر آنطرف نمودہ و در ابتدائی ۷۸۲ھ از دار الملک کوچ کردہ چوں نواحی کٹھیر محل نزول لشکر فیروزی اثر شد بحسب فرمان آتش ہیبت و غارت در منازل و متوطنان آں دیار زدند و در قتل کفار اشرار آں مقدار کوشیدند کہ ارواح سادات شہید بہ شفاعت درآمدند۔'' ۳

بادشاہ کو یہ سن کر اس قدر طیش آیا کہ سامان سفر درست کر کے ۷۸۲ھ میں دار الملک دہلی سے کوچ کیا۔ جب ملک کٹھیر کے قریب لشکر پہنچا بادشاہ کے حکم سے اس ملک کے باشندوں اور ان کے مکانات کو تباہ و غارت کیا گیا اور مفسد کفار کے قتل کرنے میں اتنی شدت کی گئی کہ سادات شہید کی روحوں نے بھی اس خونریزی کے بند کرنے کی سفارش کی۔''

---

۱ بعض لوگ اس موضع کو حضرت شاہ شرف الدّین شاہ ولایت قدس سرہ کے صاحبزادہ سید عزیز الدّین کا آباد کردہ سمجھتے ہیں لیکن یہ صحیح نہیں ملاحظہ ہو حصہ دوم۔

۲ معلوم ہوتا ہے کہ ضیاء برنی مؤلف تاریخ فیروز شاہی کو ملک عزیز خمار سے خاص عداوت ہے۔ وہ انکا ذکر برے الفاظ میں کرتا ہے اور بار بار انکے نسب کا خاکہ اڑاتا ہے اسے بداصل دغا لکھتا ہے اور کہیں ''ناکس و ناکس زادہ''۔ جس باب میں ملک موصوف کے حالات لکھے ہیں انکی پیشانی پر یہ الفاظ تحریر کیے ہیں:- ''ذکر یافتن ملک عزیز خمار بداصل خطہ بہار و مالوہ و رفتن آں سفلۂ لئیم مراں دیار و بازشدن درہائے بغی و شطط عام از معاملا آں خبیث ناکس و ناکس زادہ۔'' ۳ تاریخ فرشتہ۔

بادشاہ نے صرف اسی قدر خونریزی پر بس نہیں کی، ملک داؤد حاکم سنبھل کو حکم دیا کہ ہر سال ملک کٹھیر پر فوج کشی کیجئے[1]۔ چنانچہ متواتر چھ سال تک اس خطۂ ملک کو شاہی لشکر برباد وتباہ کرتا رہا، جو باشندے اس قتل عام سے بچے وہ قصبات ودیہات چھوڑ چھوڑ کر جنگلوں و پہاڑی علاقوں میں پناہ گزین ہوگئے۔

ملک محمود بک شیر خاں حاکم امروہہ

۷۸۴ھ مطابق ۱۳۸۲ء میں بعہد سلطان فیروز شاہ تغلق ملک محمود بک المخاطب بہ شیر خاں امروہہ کا حاکم مقرر ہوا۔ اس بیدار مغز اور بردست حاکم نے نواح امروہہ کو مفسدین کے شر وفساد سے محفوظ رکھا۔ ایک مرتبہ جب زیادہ فساد مچا تو ملک بہروز کو بادشاہ نے ہزار سوار دے کر امروہہ بھیجا۔ لیکن ۷۸۵ھ میں شیر خاں کے یہاں سے تبدیل ہوجانے کے بعد مفسدین نے پھر قوت حاصل کرلی۔ سید فخر الدین، جد القبیلہ سادات محلہ گذری، وغیرہ کو اس نواح میں بہت سے مواضعات بطور مدد معاش ملے تھے۔ اس زمانہ میں یہ خاندان سادات کے دوسرے خاندانوں کی بہ نسبت زیادہ بارسوخ وبااقتدار تھا۔ مفسدین نے جب ان کے مواضعات کو لوٹا کھسوٹا اور چند مسلمانوں کو بھی قتل کیا تو ابنائے سید فخر الدین نے یہاں سے پھر عرضداشتیں بھیجیں جن میں بیان کیا گیا تھا۔

"پیش ازیں وقت شیر خان شور مہلکاں خاستہ بود، بدرد عاگویاں و ملک بہروز با ہزار سوار نامزد شدہ، خلق را امن حاصل آمدہ التماس کہ لشکر شاہی تعین شود کہ شور مہلکاں فرونشیند و خلق خطہ وولایت آباداں ماند ....[2]"	اب سے پہلے بھی شیر خاں کے وقت میں مفسدین نے سر اٹھایا تھا ملک بہروز کو ایک ہزار سواروں کے ساتھ یہاں بھیجا گیا تھا اور خلق خدا کو امن نصیب ہوا تھا اب التماس ہے کہ لشکر شاہی کو یہاں بھیجا جائے تاکہ مفسدین کا فتنہ رفع ہو اور اس ملک وولایت کی مخلوق کو نجات ملے۔

چنانچہ شاہی لشکر نے پھر ان اطراف میں یلغار کی اور امن وامان کی صورت قائم ہوئی۔

ملکی بدنظمی اور فتنہ و فساد

۷۹۱ھ مطابق ۱۳۸۹ء میں فیروز شاہ کا انتقال ہوگیا، اس بادشاہ کے انتقال کے بعد سے ملک میں ہر چہار طرف طوائف الملوکی پھیل گئی، امروہہ اور سنبھل کے عامل خودسر ہو بیٹھے اور تیمور لنگ کے حملہ ہندوستان (۸۰۱ھ مطابق ۱۳۹۸ء) تک طوائف الملوکی کی حالت قائم رہی۔ اس بارہ سال کی مدت میں یہاں کے کٹھیر ے راجپوتوں کو اپنی قوت واقتدار از سر نو قائم کرنے اور بڑھانے کا خوب موقع ہاتھ آیا، رائے ہر سنگھ نے ملک کٹھیر کے کافی حصہ پر اپنا تسلط جما کر اتنی قوت بہم پہونچائی تھی کہ عرصہ تک شاہی لشکر کے مقابل آتا رہا، تیمور کے چلے جانے کے بعد بھی باہمی خانہ جنگی سے شاہ دہلی کی قوت کو زوال رہا لیکن سلطان محمود مبارک شاہ مفسدین کی سرکوبی کے لیے اس خطۂ ملک میں بذات خود آتا رہا۔ ۸۲۵ھ مطابق ۱۴۲۲ء میں سلطان موصوف نے کٹھیر میں چند روز قیام کیا اور واپسی پر اثنائے راہ

---

[1] تاریخ مبارک شاہی۔ [2] عرضداشت وتقل فرمان عہد تغلق شاہی ۷۸۵ھ نزد مؤلف۔

میں اس کا انتقال ہوگیا ۸۲۱ھ مطابق ۱۴۱۸ء میں شاہی سردار تاج الملک ثانی نے اور دوسرے سال ۸۲۲ھ مطابق ۱۴۱۹ء میں خود سید خضر خان بادشاہ نے مفسدان کٹھیر کی تنبیہ و گوشمالی کے لیے فوج کشی کی اور سنبھل و امروہہ کے نواح کے تمام جنگلات کو مفسدین سے پاک کیا اسکے بعد ۸۲۶ھ مطابق ۱۴۲۳ء میں سلطان معز الدین مبارک شاہ دومرتبہ بذات خود یہاں آیا۔ اس مرتبہ رائے ہر سنگھ کو ایسی شکست نصیب ہوئی کہ اس نے بادشاہ کے حضور میں حاضر ہو کر عفو و درگذر کی درخواست کی اور محصول و نذر گرانقدر پیش کی۔ اس کے بعد پھر بھی مفسدین کو سر اٹھانے کی ہمت نہ ہوئی اور یہ خطۂ ملک آئے دن کی جدال و قتال اور غارتگری سے محفوظ ہوگیا۔

امروہہ کے ابتدائی جاگیردار

آٹھویں صدی ہجری کا آخر اور نویں صدی ہجری کا آغاز اس خطۂ ملک کے لیے سخت بدنظمی اور ابتری کا زمانہ تھا، اس زمانہ میں امروہہ معہ دیگر اقطاع کے سید السادات سید سالم نامی ایک امیر کی جاگیر میں عرصہ تک رہا۔ سید سالم کے حالات میں فرشتہ کا بیان ہے کہ

"گویند سید السادات سید سالم مدت سی سال درحضور خضر خان اززمرۂ امرائی عمدہ بودو اقطاع لایق داشت و در بتر ہندہ (یعنی تھہنڈہ) خزانہ و ذخیرہ واسباب قلعہ داری جمع ساختہ بودوخارج را اقطاع بتر ہندہ و امروہہ و سرستی ومیان دو آبہ نیز ولایات بسیار داشت ودرجمع نمودن مال حریص بود۔"

کہتے ہیں کہ سید السادات سید سالم تیس سال تک خضر خان بادشاہ کے ہاں امرائے عظام کے زمرہ میں شامل تھا۔ اس کی جاگیر میں عمدہ پرگنے بھی تھے۔ تھہنڈہ میں اس نے خزانہ اور قلعہ داری کے سامان کا ذخیرہ بھی فراہم کر لیا تھا۔ سوا و تھہنڈہ کے امروہہ سرستی اور ملک دوآبہ ور بہت سے پرگنے جاگیر میں تھے۔ اسے مال جمع کرنے کی بہت حرص تھی۔

سید سالم کی وفات کے بعد اسکے دونوں بیٹوں سید سعید خان و شجاع الملک کی جاگیر میں بھی پرگنہ امروہہ عرصہ تک شامل رہا لیکن ۸۳۷ھ مطابق ۱۴۳۴ء میں مبارک شاہ بادشاہ کے قتل اور محمد شاہ بن فرید خان کے تخت نشین ہونے پر ملک یوسف سرور الملک وزیر کو خوب اقتدار حاصل ہوگیا تھا اس نے امروہہ کو پرانے امراء کی جاگیر سے نکال کر اپنے معاونین کی جاگیر میں شامل کر دیا

"ملک سرور الملک وزیر نخست سدہپال و سدارن کھتری وقرابتیان ایشان رابجائزہ قتل مبارک شاہ مملکت بیانہ و امروہہ مارنول و کہرام و چند پرگنہ میان دو آب داد۔"[1]

ملک سرور الملک نے اولاً سدہ پال و سدارن کھتری اور ان کے عزیزوں کو مبارک شاہ کے قتل کے صلہ میں بیانہ امروہہ و نارنول و کہرام اور ملک دوآبہ کے چند اور پرگنے جاگیر میں دیے۔

لیکن یہ حالت چند روز ہی رہی۔ ۸ محرم ۸۳۸ھ مطابق ۱۴ اگست ۱۴۳۴ء کو سرور الملک اور اس کے ہندو معاونین ایک معرکۂ جنگ میں قتل ہوگئے اور امروہہ ملک چمن الخاطب بہ غازی الملک کی جاگیر میں دیدیا گیا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد اس پر دریا خان لودھی متصرف ہوگیا۔

---

[1] تاریخ فرشتہ صفحہ ۱۶۹

سلطان علاء الدین عالم شاہ کا قیام امروہہ میں

اسی زمانہ یعنی ۸۵۱ھ مطابق ۱۴۴۷ء میں سلطان علاء الدین عالم شاہ کو دہلی سے بداؤں جانے کا اتفاق ہوا جہاں کی آب وہوا اسے کچھ ایسی پسند آئی کہ ۸۵۲ھ مطابق ۱۴۴۸ء میں دہلی چھوڑ بداؤں کو مستقر قرار دیا۔ بداؤں کے زمانہ قیام میں بادشاہ نے اپنی تشریف آوری سے امروہہ کو بھی درجۂ امتیاز بخشا[۱] اور کچھ عرصہ مع اپنے تمام افغان امراء کے امروہہ میں قیام کیا، سیر وتفریح میں مشغول رہا۔ اور چندون بعد ہی سلطنت سے دست بردار ہوکر بداؤں میں مستقل طور سے مقیم ہوگیا اور تازمانہ حیات ۸۸۳ھ مطابق ۱۴۷۸ء اس علاقہ پر، جس میں امروہہ شامل تھا، سلطان موصوف ہی حکومت کرتا رہا۔ اس کے بعد سلطنت لودھی خاندان میں منتقل ہوگئی۔ اس خاندان نے ستتر (۷۷) سال تک حکومت کی، اس عرصہ میں بالخصوص سلطان بہلول لودھی وسکندر لودھی کے زمانہ میں بہت کچھ امن وسکون رہا۔

امروہہ اور سنبھل علم وفضل کے مرکز

سلطان سکندر لودھی چار، پانچ سال تک خاص سنبھل میں مقیم رہا۔

"درسنہ خمس و تسعمانہ جانب سنبھل رفتہ چہار سال دراں حدود بہ سیر و شکار و چوگان بازی درگذرانید"۔[۲]

۹۰۵ھ میں بادشاہ سنبھل گیا اور اس نواح میں چار سال سیرو شکار و چوگان بازی میں صرف کیے۔

یہ بادشاہ نہ صرف علم دوست تھا بلکہ خود بھی علم سے بہرۂ وافر رکھتا تھا، اس زمانہ میں سنبھل اور امروہہ علماء وفضلاء عصر کی موجودگی سے علم وہنر کے مرکز بن گئے تھے۔ بادشاہ کی قدردانی کی بناء پر علماء وفضلاء مختلف دیار وامصار سے جوق درجوق یہاں آئے۔ ان میں سے بعض خاندان سنبھل اور امروہہ میں متوطن ہوگئے۔ امروہہ کے خاندان عباسیہ کے مورث بھی، جو اس عہد کے ممتاز علماء میں سے تھے، اسی زمانہ میں یہاں آئے تھے۔ ۹۰۷ھ میں بادشاہ نے ایک مسئلہ شرعی کے تصفیہ کے لیے سنبھل میں مجلس مذاکرہ علمیہ منعقد کی تھی۔ اس مجلس کی شرکت کے لیے مختلف مقامات سے علماء بلائے گئے تھے۔

"بادشاہ راباستماع مذاکرۂ علمی رغبتے تمام بود علمائے نامی رااز اطراف طلبیدہ مجلس بحث ترتیب داد و تفصیل اسامی آنہا این است کہ میاں قادر بن شیخ، خواجو میاں عبداللہ بن الہ داد از طلنبہ و سید محمد بن سعید خان از دہلی وملا قطب الدین وملا الہ داد صالح از سرہند و سید امان و سید برہان و سید احسن از قنوج آمدند۔"[۳]

بادشاہ کو مذاکرۂ علمی کے سننے کی بہت خواہش تھی۔ مختلف مقامات سے نامی علماء کو طلب کرکے مباحثہ کا جلسہ منعقد کیا۔ جو علماء باہر سے آکر شریک ہوئے ان میں میاں قادر بن شیخ، خواجو میاں عبداللہ بن الہ داد طلنبہ سے اور سید محمد بن سعید خان دہلی سے اور ملا قطب الدین ملا الہ داد صالح سرہند سے اور سید امان وسید برہان وسید احسن قنوج سے آئے تھے۔"

۱؎ [تاریخ فرشتہ صفحہ ۱۸۷، و دستور کمیٹی گزیٹیر مرادآباد صفحہ ۱۳۶] ۲؎ [تاریخ فرشتہ صفحہ ۱۸۶] ۳؎ [تاریخ فرشتہ صفحہ ۱۸۶]

امروہہ عہدِ مغلیہ میں

۹۳۲ھ مطابق ۱۵۲۹ء میں بابر بادشاہ نے خاندان تیموریہ کی حکومت ہندوستان میں قائم کی۔ بابر نے کچھ عرصہ سنبھل میں بذات خود قیام کیا اور امروہہ کا علاقہ شیخ زادہ محمد موسیٰ فرملی عرف کالا پہاڑ ایک نامور امیر کی جاگیر میں دیدیا۔

> "۹۳۵ھ موسیٰ فرملی کو جو دریائے سرجو کے چھوڑتے وقت حاضر ہوا تھا تیس لاکھ کی جاگیر امروہہ کے علاقہ کی اس کی تنخواہ میں دی اور خلعت خاص معہ گھوڑا اس کو دے کر امروہہ جانے کی رخصت عطا کی۔" ۱

ہمایوں بھی ایامِ شہزادگی میں عرصہ تک اس نواح میں مقیم رہا۔ ۹۳۷ھ مطابق ۱۵۳۰ء میں وہ سنبھل ہی میں تھا کہ بابر کا انتقال ہوگیا۔ افغانوں کے زمانہ حکومت میں بعہد شیر شاہ یہ علاقہ خان اعظم عیسیٰ خان کالکاپوری کے حکومت وایالت میں تھا۔ خان اعظم شجاعت اور بہادری میں لاثانی تھا۔ اس نے اس علاقہ کے اکثر جنگلوں اور بنوں کو جو مفسدین کے مامن اور جائے پناہ تھے، صاف کرادیا اور سرکشوں کو زیر کر کے مفسدین کو بے دست و پا کر دیا۔ صاحب تاریخ شیر شاہی کا بیان ہے کہ شیر شاہ نے مسند اعلیٰ عیسیٰ خان پسر مسند اعلیٰ ہیبت خان کالکاپوری شروانی کو خان اعظم کا خطاب دے کر سنبھل بھیجا اور ان الفاظ کے ساتھ اس کو رخصت کیا کہ سنبھل کا علاقہ مفسد اور شریر لوگوں سے پُر ہے اور وہاں کے کاشتکار اور رعایا زیادہ تر متمرد اور سرکش ہیں اور ہمیشہ حاکموں کے برسرِ مقابلہ آتے رہے ہیں اس لیے تم کو چاہیے کہ پانچ ہزار جدید سپاہ بھرتی کرو۔ ۲ چنانچہ اس نے فوجی قوت میں اضافہ کر کے مفسدین کا قلع قمع کیا۔

خواجہ قطب الدین قناق خان حاکم امروہہ

خواجہ قطب الدین قناق خان عہد ہمایوں اور ابتدائی عہد اکبری میں امروہہ کا حاکم تھا۔ اس کے عہد کی امروہہ میں کئی یادگاریں ہیں۔ جامع کیقبادی جب شکستہ ہوگئی تو اسی حاکم نے ۹۶۳ھ مطابق ۱۵۵۶ء میں اسے اپنے زمانہ حکومت وریاست میں پھر تعمیر کرایا تھا۔ کسی صدمہ سے یہ حصہ تھوڑے عرصہ کے بعد منہدم ہوگیا جسے سید محمد میر عدل امروہوی نے ۹۸۱ھ مطابق ۱۵۷۳ء میں دوبارہ تعمیر کرایا۔

عہد اکبری وجہانگیری کے جاگیردار ۳

اکبر بادشاہ کے ابتدائی عہد میں مرزا ابراہیم حسین نے، جس کو پرگنہ اعظم پور باشہ وغیرہ جاگیر میں ملے تھے، امروہہ پر حملہ کیا اور خوب لوٹا کھسوٹا۔ ۹۷۶ھ مطابق ۱۵۶۸ء میں میر محمد خان مشہور بہ خان کلاں (برادر بزرگ محمد خان اتکہ) کی جاگیر میں امروہہ کا علاقہ شامل رہا۔

"سرکار سنبھل که بهترین ممالك بندوستان است بجاگیر میر محمدخاں اختصاص گرفت"۔ ۴	سرکار سنبھل (یعنی وہ علاقہ جس میں پرگنہ امروہہ شامل تھا) جو ہندوستان کے بہترین علاقوں میں سے ہے میر محمد خان کی جاگیر میں دیا گیا۔

---

۱ ترجمہ تزک بابری صفحہ ۳۹۲ مطبوعہ عثمانیہ پرنٹنگ ورکس دہلی۔ ۲ ایلیٹ جلد چہارم صفحہ ۴۱۵۔ ۳ یہاں جاگیردار سے مراد ان امرائے سلطنت سے ہے جن کی جاگیر میں یہ کل علاقہ دیا تھا۔ درمیانہ زمانہ میں خود امروہہ میں بالخصوص اولاد شاہ ولایت میں ذیلی جاگیردار متعدد تھے جن کو چند مواضعات بطور مدد معاش دیے۔ ۴ مآثر الامراء، جلد سوم۔

۱۰۰۳ھ مطابق ۱۵۹۴ء میں پھر مرزا مظفر حسین صفوی برادر زادہ شاہ طہماسپ والی ایران کو یہ جاگیر عطا ہوئی۔

"در ۱۰۰۳ھ عرش آشیانی مرزا را به منصب پنجهزاری و اقطاع سنبھل که افزون از قندهار است سرفراز ساخت." ۱

۱۰۰۳ھ میں عرش آشیانی (یعنی شہنشاہ اکبر) نے مرزا مظفر حسین صفوی کو پنجہزاری منصب پر سرفراز فرما کر سنبھل کا علاقہ جو قندھار کے علاقہ سے بڑا ہے عطا کیا۔

جہانگیر بادشاہ نے اپنی تخت نشینی پر یعنی ۱۰۱۴ھ مطابق ۱۶۰۵ء میں یہ علاقہ میرزا علی نامی ایک امیر کی جاگیر میں دیدیا۔

"میرزا علی اکبر شاہی را که از جوانان قرارداد الوس دہلی است به منصب چہار ہزاری ممتاز ساختہ سرکار سنبھل را بجاگیر او مقرر داشتم." ۲

مرزا علی اکبر شاہی کو جو دہلی کے خاندان متوسلین شاہی میں سے ہیں چہار ہزاری منصب دیکر سرکار سنبھل کا علاقہ ان کی جاگیر میں عنایت کیا۔

امروہہ کی ناموری اور شہرت

اکبر بادشاہ کے وسط عہد حکومت سے لیکر نواب علی محمد خان روہیلہ کے زمانہ تک تقریباً دو سو برس کی مدت میں امروہہ اور اس کے نواح میں بہت کچھ امن وامان رہا۔ اور رعایا بھی شاد و آباد رہی، لوگوں کو ترقی کرنے کے ذرائع اور مواقع بھی زیادہ حاصل رہے۔ عہد مغلیہ میں امروہہ کے سادات و شرفا، علی الخصوص اولاد سید العارفین سید حسن الملقب بہ شرف الدین شاہ ولایت قدس سرہ نے حکومت وقت کی شاندار ملکی و فوجی خدمات انجام دیں جسکے صلہ میں اعلیٰ مناصب ملے، تنخواہ و مدد معاش میں جاگیریں اور معافیاں عطا ہوئیں۔

سلطنت مغلیہ کے زمانۂ عروج یعنی شہنشاہ اکبر، جہانگیر اور شاہجہاں کے زمانہ میں حضرت شاہ ابن بدر چشتی آپ کے فرزندان باکمال شاہ نور الدین و شاہ صدر الدین نیز شاہ عبد المجید علوی، ان کے خلیفہ عمدۃ الواصلین سید عبد الحکیم اور سید الہ یار نقشبندی، سید محمود رضوی (دانشمند) اور ان کے فرزند سید عصمت اللہ قدس اللہ اسرارہم، مشائخ میں، مولانا سید محمد میر عدل، مولانا سید میر علی، مولانا الہ داد عباسی، مولانا بن عباسی، مولانا عبد الملک بخشی، سید العلما سید اشرف دانشمند، مولانا سید اشرف بن سید سعید خان، ملا امان اللہ ترکمان، ملا فیضی عباسی، ملا صدر الدین عباسی، علما و فضلا میں، سید ابو الفضل، سید ابو القاسم، سید ابو المعالی پسران سید محمد میر عدل اور سید عبد الہادی بن سید مبارک، فوجی افسروں و حزکوں میں، سید عبد الوارث نبیرۂ سید مبارک میراں سید عبد الماجد اور ان کے فرزند دیوان سید محمود (از اولاد سید محمد میر عدل) سید سعید خان نبیرۂ دیوان سید محمود (مورث سادات محلہ لکڑہ) اعلیٰ عہدہ داران سلطنت میں امروہہ کی شہرت و ناموری کے باعث تھے۔

امروہہ کا ضلع مرادآباد سے تعلق

جہانگیر بادشاہ کے عہد تک پرگنہ امروہہ سرکار سنبھل سے متعلق رہا لیکن شاہجہاں بادشاہ کے ابتدائے عہد سلطنت میں کٹھیریوں

---

۱ تذکرہ امرا جلد سوم صفحہ ۳۰۰ ۔ ۲ تزک جہانگیری

کے سردار راجہ رام سکھ نے فساد برپا کیا جس کی سرکوبی کے لیے رستم خان دکھنی صوبہ دار سرکار سنبھل کو ۱۰۴۰ھ مطابق ۱۶۳۰ء میں متعین کیا گیا۔ رستم خان [1] نے راجہ کو شکست دی، راجہ قتل ہوا اور اس کا قلعہ فاتح کے ہاتھ آیا، یہ مقام چوپلہ کہلاتا تھا۔ رستم خان نے پرانے قلعہ کو مسمار کر کے نیا قلعہ اور مسجد تعمیر کی اور اپنے نام کی رعایت سے اس کا نام رستم نگر رکھا۔ رستم خان نے شاہی ہدایت سے تجاوز کیا تھا اس لیے جوابدہی کے لیے دربار کی حاضری کا حکم ہوا اور جب رستم خان سے نو آباد مقام کے نام کی بابت سوال ہوا تو اس نے فی البدیہہ کہا کہ میں نے شہزادہ کے نام پر اس کا نام مراد آباد رکھا ہے چنانچہ اس وقت سے نہ صرف یہ مقام مراد آباد کے نام سے موسوم ہوا بلکہ ضلع کا صدر مقام قرار پایا۔ ۱۰۶۸ھ مطابق ۱۶۵۸ء داراشکوہ کی لڑائی میں رستم خان مارا گیا تو محمد قاسم خان میر آتش مقرر ہوا، جو ۱۰۷۱ھ مطابق ۱۶۶۱ء تک رہا، اس کے بعد راجہ مکراندرائے کو یہ عہدہ تفویض ہوا، پھر ۱۰۹۵ھ مطابق ۱۶۸۵ء میں امین الدولہ کا تقرر کیا گیا لیکن بہادر شاہ کی وفات کے بعد ایسی ابتری رہی کہ ۱۱۲۵ھ مطابق ۱۷۱۳ء تک اس ضلع کے متعلق حالات کا تذکرہ نہیں ملتا۔ ۱۱۲۵ھ مطابق ۱۷۱۳ء میں محمد امین خان اعتماد الدولہ مراد آباد کے گورنر مقرر ہوئے لیکن کچھ عرصہ کے بعد اپنے فرزند انتظام الدولہ کے سپرد یہاں کا انتظام کر کے حسب الحکم فرخ سیر بادشاہ سکھوں کے مقابلہ کے لیے متعین کیے گئے۔ ۱۱۲۸ھ مطابق ۱۷۱۶ء میں ہمارے ضلع کو یہ فخر حاصل ہوا کہ اعلیٰ حضرت نظام دکن خلد اللہ ملکہ، کے مورث اعلیٰ نظام الملک آصف جاہ یہاں کے گورنر مقرر ہوئے۔ موصوف نے بذات خاص مراد آباد میں قیام کر کے انتظامات کی حالت درست کی مگر وہ صرف دو سال یہاں رہے دوسرے ضروری کام پر ان کو واپس بلا لیا گیا اور یہ ضلع محمد مراد نامی ایک کشمیری النسل کو سپرد ہوا جس نے فرخ سیر بادشاہ کی نظر میں پایۂ اعتبار حاصل کر کے رکن الدولہ اعتماد خان کا خطاب پایا اور اپنے خطاب کی رعایت سے مراد آباد کا نام بھی رکن آباد رکھا اور ضلع کو صوبہ قرار دیا۔

"سرکار مراد آباد صوبہ قرار دادہ موسوم بہ رکن آباد فرمودہ در جاگیرش بطریق آل تمغا عنایت شد۔" [2]

سرکار مراد آباد کو صوبہ قرار دے کر اس کا نام رکن آباد رکھا۔ یہ علاقہ اس کی جاگیر میں نسلاً بعد نسل عطا ہوا تھا۔"

لیکن یہ انتظام بہت تھوڑے عرصہ تک رہا کیونکہ رفیع الدرجات بادشاہ کی تخت نشینی پر ۱۱۳۱ھ مطابق ۱۷۱۹ء میں رکن الدولہ کو عہدہ سے برطرف کر دیا گیا اور اُن کی بجائے سید عبداللہ خان بارہہ کے چھوٹے بھائی سیف الدین خان کو مقرر کیا گیا لیکن سادات بارہہ کے زوال

---

۱ رستم خان کا نام مقرب خان دکھنی تھا۔ ابتداءً نظام الملک دکنی کے حلقہ میں سے تھے۔ ۱۰۴۰ھ میں شاہجہاں بادشاہ کی ملازمت میں پہنچے۔ پنج ہزاری منصب پر سرفراز ہوئے، رستم خان خطاب پایا اور سرکار سنبھل میں تعینات ہوئے۔ دکن اور قندھار کی لڑائیوں میں کارہائے نمایاں انجام دیے، فیروز جنگ بہادر کا دوسرا خطاب ملا جس کا اشارہ اس بیت میں ہے۔

ہمہ لشکر ایران و لطف شاہجہاں — شدہ بہادر و فیروز جنگ رستم خاں

تقریباً ۲۵ سال تک سرکار سنبھل ان کی جاگیر میں رہی۔ ۱۰۵۹ھ کے بعد سے دور دراز کی مہموں پر مامور رہے۔ شجاعت و بہادری میں لاثانی، نہایت علم دوست اور مشائخ کے عقیدتمند تھے۔ سید کمال صاحب [illegible] برس ان کی فوج میں ملازم رہے۔ داراشکوہ کی طرف رہے اور اورنگ زیب [illegible] سے جو سموگڑھ کی جنگ ۱۰۶۹ھ میں فتح آباد (آگرہ) میں ہوئی رستم خان مع اپنے فرزند [illegible] خان و [illegible] خان اور چند دیگر افراد کے مقتول ہوئے۔ قطعہ تاریخ۔

چون بہادر رستم فیروز جنگ — عالمی در مدحت او لب کشود
در شجاعت رستم دستان عصر — در سخاوت حاتم آفاق بود
ترکتازی کرد در میدان جنگ — سرخرو گشت و بجنت رفت زود
سال تاریخ وفاتش عقل گفت — سرو رستم گوئی زمیدان ربود

۲ مآثر الامراء جلد اول۔

اقتدار پر حیدر قلی خان کو تفویض ہوا اور اُس کے بعد عرصہ دراز تک یہ ضلع قمر الدین خان کی جاگیر میں رہا۔ قمر الدین خان کی جانب سے شیخ عظمت اللہ [1] یہاں کے منتظم رہے۔

روہیلوں کا تسلط [2]

سلطنت مغلیہ کے آخری دور میں مختلف قبیلوں کے افغان تلاشِ معاش ہندوستان میں آئے اور ان ایام میں جبکہ بدنظمی کا دور دورہ تھا ملک کٹھیر میں سکونت پذیر ہوتے گئے ان ہی لوگوں کی وجہ سے بالآخر ملک کٹھیر روہیلکھنڈ کے نام سے موسوم ہوا۔ نواب علی محمد خان [3] روہیلہ (مورث نوابان رامپور) نے ہزاروں آوارہ گرد روہیلہ افغانوں کو اپنے زیر اثر کر کے کافی جمعیت اور قوت حاصل کر لی تھی۔ نادر شاہ کے حملہ کی وجہ سے بڑی تعداد افغانوں کی اس طرف چلی آئی اس سے اُن کی طاقت میں اور اضافہ ہو گیا۔ روہیلوں کی بڑھتی طاقت دیکھ کر ۱۱۵۵ھ مطابق ۱۷۴۲ء میں محمد شاہ بادشاہ نے مراد آباد کے گورنر راجہ ہرنند کو، جو قوم سے کھتری تھے، حکم دیا کہ روہیلوں کو علاقہ کٹھیر سے نکال دیا جائے۔ راجہ موصوف پچیس ہزار فوج کے ساتھ حملہ آور ہوا مگر روہیلہ سردار بارہ ہزار روہیلہ جانبازوں کو ساتھ لے رات کو شاہی فوج پر جا پڑا، اور کشتوں کے پشتے لگا دیے، شاہی لشکر کو سخت ہزیمت ہوئی، راجہ ہرنند مارا گیا اور نواب علی محمد خان نے ۱۷۴۴ء میں مراد آباد، امروہہ اور سنبھل پر تسلط حاصل کر لیا مگر دو برس بعد خود بادشاہ نے بہ نفس نفیس اس طرف فوج کشی کی، گڑھ مکتیسر کے مقام پر دریا کو عبور کیا اور سنبھل کے علاقہ میں سے گذر کر کے نواب علی محمد خان کی گڑھی بان گنڈہ پر، جو بدایوں کے متصل واقع تھی، دھاوا کر دیا۔ بالآخر نواب قمر الدین خان چنن بہادر وزیر اعظم کی سفارش پر علی محمد خان کا قصور معاف ہوا لیکن بادشاہ انہیں اپنے ساتھ ہی دہلی لے گئے جہاں وہ کچھ عرصہ نظر بند رکھے گئے۔ مراد آباد پر پھر شاہی تسلط قائم ہوا اور شیخ فرید الدین بن شیخ عظمت اللہ کو حکومت پر تعینات کیا گیا لیکن روہیلوں نے دوبارہ اپنی جمعیت اکٹھی کر کے مراد آباد پر حملہ کیا، شیخ فرید الدین حاکم مراد آباد مارا گیا جس کی جگہ پر راجہ چتر بھوج کا تقرر عمل میں آیا، مگر ان ہی دنوں میں احمد شاہ ابدالی کے حملہ کی وجہ سے ایسی بدنظمی واقع ہوئی کہ نواب علی محمد خان سرہند سے، جہاں ان کو بحیثیت حاکم تعینات کیا گیا تھا بعجلت تمام مراد آباد آ گئے۔ راجہ چتر بھوج کو بآسانی نکال باہر کیا اور اس تمام حصہ ملک پر اپنا تسلط پھر جما لیا لیکن تھوڑے عرصے بعد ۱۴ ستمبر ۱۱۶۱ھ مطابق ۱۷۴۸ء میں نواب علی محمد خان کا انتقال ہو گیا۔ ابتداً حکومت ایک کونسل کے ہاتھ میں رہی جس کے صدر حافظ رحمت خان تھے لیکن سعد اللہ اور اللہ یار پسران نواب علی محمد خان کی واپسی پر، جو دہلی میں نظر بند تھے، ضلع مراد آباد کا علاقہ اللہ یار کے نامزد ہوا مگر اصلی اقتدار اور حکومت نواب دوندے خان سپہ سالار افواج کو حاصل رہی۔ اسی سال اللہ یار خان کا انتقال ہو گیا۔ ۱۱۶۸ھ مطابق ۱۷۵۴ء سے نواب دوندے خان ہی مالک و مختار رہا۔ ۱۱۸۴ھ مطابق ۱۷۷۰ء میں نواب دوندے خان کا بھی انتقال ہو گیا۔ اسی زمانہ میں

---

1. شیخ عظمت اللہ بن مولوی عصمت اللہ بن شیخ عبدالقادر فاروقی۔ شیخ زادے لکھنؤ میں سے تھے۔ ۱۷۵۷ء میں سادات بارہ کے وطن جانسٹھ کے حملہ میں شریک تھے۔

2. روہیلہ کے معنی کوہستانی ہیں۔ علاقہ روہ کا رہنے والا۔ روہ افغانستان کے ایک علاقہ کا نام ہے۔

3. نواب علی محمد خان، داؤد خان بن شاہ عالم خان روہیلہ کے متبنیٰ تھے۔ موضع پکھوڑی پرگنہ کا نیر تابع سرکار سنبھل کو ان کا مولد اور موضع بیولی تابع سرکار بدایوں کو ان کا مسکن بتایا جاتا ہے۔ ان کے حسب نسب کے متعلق مختلف روایتیں ہیں۔ بعض مورخین نے ان کو نو مسلم لکھا ہے۔ "علی محمد خان روہیلہ در اصل قوم جاٹ بود، چوں صاحب شعور و رشید و عاقل مند بود، شخصے روہیلہ (داؤد خان) او را متبنیٰ نمودہ بود، کارنامہ [illegible] شدہ" (بیان واقع کلمی)۔ مگر نواب کلب علی خان کے وقت سے جو نواب علی محمد خان سے چھٹی پشت میں ہوئے ہیں ان کا نسب سیادت کی بتایا جاتا ہے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ حال۔

شاہ عالم[1] بادشاہ دہلی کا الہ آباد سے جاتے ہوئے امروہہ سے گذر ہوا، کوئی تاریخی شہادت تو اس کی موجود نہیں تاہم یہ روایت مشہور ہے کہ سادات امروہہ کی کسی بے عنوانی پر اہل امروہہ مورد عتاب ہوئے۔ نواب آصف الدولہ کو حکم ہوا کہ ایک رقم کثیر جاگیر داران امروہہ سے تادیباً وصول کریں۔ نواب دوندے خان کے انتقال کے بعد سے روہیلوں کی طاقت کو زوال شروع ہوا۔ اس کے مختلف اسباب تھے، اولاد دوندے خان کے پسران محب اللہ اور فتح اللہ میں حکومت کی اہلیت ہی نہ تھی، دوسرے مرہٹوں نے اسی زمانہ میں ملک پر فوج کشی کی۔ ۱۵/ جون ۱۱۸۶ھ مطابق ۱۷۷۲ء کے معاہدہ کی رو سے نواب شجاع الدولہ وزیر الممالک اودھ نے مرہٹوں کو ملک بدر کرنے کا اس شرط سے وعدہ کیا تھا کہ تین سال کے عرصہ میں چالیس لاکھ روپیہ روہیلہ سرداران کو ادا کرے۔ نواب شجاع الدولہ نے تو اپنا وعدہ پورا کیا مگر حافظ رحمت خان نے ادائیگی رقم سے گریز کیا۔ نوبت بہ جنگ پہنچی۔ روہیلوں کو شکست نصیب ہوئی اور ۷/ اکتوبر ۱۱۸۸ھ مطابق ۱۷۷۴ء کے عہدنامہ کی رو سے نواب فیض اللہ خان پسر نواب دوندے خان کو رام پور کی جاگیر دی گئی اور بقیہ ملک روہیلکھنڈ نواب وزیر الممالک اودھ کے علاقہ میں شامل ہو گیا۔

مرہٹہ گردی اور امروہہ کی حفاظت کا انتظام

مرہٹہ گردی میں بدنظمی اور ابتری کی وجہ سے امروہہ پر جاٹوں کے حملے ہوتے تھے، باشندگان شہر کو خود ہی اپنی حفاظت کا آپ انتظام کرنا پڑتا تھا۔ اس زمانہ کی حالت کا تھوڑا بہت اندازہ ذیل کی تحریر سے ہوسکتا ہے جو نواب بہروز خان بہادر کی جانب سے میر یادگار علی و میر قرب علی و میر قنبر علی خان میر یسین علی ساکنان امروہہ (محلہ دربار کلاں) کو بتاریخ بست و پنجم شہر ذی قعدہ ۱۳ جلوس شاہ عالم بھیجی گئی تھی۔

---

[1] شاہ عالم بادشاہ کا اصلی نام علی گوہر تھا۔ یہ بادشاہ عالمگیر ثانی کے فرزند تھے ۱۱۴۱ھ میں دہلی [illegible] ۱۱۷۳ھ ۱۷۵۹ء کو پٹنہ عظیم آباد میں، جہاں باپ کی وفات کے وقت موجود تھے تخت نشین ہوئے۔ [illegible] ۱۱۸۵ھ میں دہلی گئے [illegible] غلام قادر [illegible] شاہ عالم فارسی اور اردو کے اچھے شاعر تھے۔ اس واقعہ کو ایک قطعہ میں نظم کیا ہے جو بہت درد انگیز ہے۔ یہاں چند شعر لکھتا ہوں۔

صرصر حادثہ بر خاست پئی خواری ما | داد برباد سرد برگ جہانداری ما
آفتاب فلک رفعت شاہی بودیم | مرد در شام زوال آہ سیہ کاری ما
چشم ما کندہ شد از دست فلک تیرہ شد | تا نہ بینم کہ کند غیر جہانداری ما
داد افغان بچہ شوکت شاہی برباد | کیست جز ذات خدا کہ کند یاری ما

۱۲۲۱ھ میں وفات پائی۔

الہٰی

"سیادت دعوالی پناہان میریاد گار علی ومیر قنبر علی خان و میر یسین علی ہموارہ درحفظ باشیند خط مرسلہ رسید ۔ حقیقت مندرجہ بوضوح انجامید۔ بموجب نوشتہ آں سیادت دعوالی پناہان بست وپنج [1] سوار مرہٹہ ہائے ملازم پٹل ہمراہ غلام نقی پسر محمد باقر خان فرستادہ شد باید کہ محافظت قصبہ امروہہ بوجہ احسن نمایند و حفاظت سوارانِ مذکور نیز ذمہ خود شناسند و تدبیر پیشکش سرکار والاقرار واقعی نمودہ اطلاع دہند و چہار دہ تو نچانہ کہ درانجا موجود اند با حتیاط تمام نگاہدارند نشود کہ ازاں جملہ یک ضرب بیجا گردد دریں باب تاکید مزید دانند دیگر کیفیت زبانی علی نقی مذکور معلوم خواہد شد زیادہ چہ نگارش رود۔" نص

نواباں اودھ کی حکومت

۱۱۸۸ھ مطابق ۱۷۷۴ء لغایت ۱۲۱۶ھ مطابق ۱۸۰۱ء اٹھائیس برس تک روہیلکھنڈ پر نوابان اودھ کی حکومت رہی۔ بریلی، بدایوں اور مرادآباد تین ضلعوں پر ملک کی تقسیم کی گئی۔ مرادآباد میں اولاً اصالت خان حاکم مقرر ہوا اور اس کے بعد چودھری مہتاب سنگھ بشنوئی کو یہ عہدہ تفویض ہوا۔ نوابان اودھ کے زمانہ حکومت میں مالگذاری اور نذرانہ وصول کرنے کے لیے رعایا پر بہت کچھ جبر و تشدد کیا گیا۔ ۱۱۹۳ھ میں امروہہ کے عامل نے، جو منجانب نواب وزیر الممالک یہاں متعین تھا، اتنی سختی برتی اور خلاف معمول قدیم چند ایسے جدید مطالبات قائم کیے کہ امروہہ کے معافیداروں کی کثیر تعداد نے ایک جلسہ میں مجتمع ہو کر باہم عہد و پیمان کیے کہ نذرانہ مقررہ قدیم کے سوائے جدید مطالبات ہرگز ادا نہیں کریں گے اور اس معاملہ میں ایک دوسرے کے معاون مددگار رہ کر حتی المقدور قوت سے کام کریں گے۔ چنانچہ اس مضمون کی ایک دستاویز ۲۷/ ربیع الثانی ۱۱۹۳ھ کو مرتب کی گئی۔ نتھے خانی کے حادثہ کا ایک سبب بعض معافیداروں کا یہ طرزعمل بھی تھا۔

نتھے خان کا حادثہ

۱۱۹۳ھ مطابق ۱۷۸۵ء میں ایک حادثہ امروہہ میں نتھے خانی کا پیش آیا۔ نتھے خان منجانب وزیر الممالک آصف الدولہ حاکم سنبھل تھے۔ حیات خان بن روشن خان، جو نتھے خان کے خسر تھے، امروہہ میں سکونت پذیر تھے۔ ان کے پاس املاک و جاگیر معافی کے بہت سے مواضعات تھے۔ حیات خان والا باغ، جو شہر سے متصل ہے اور جس میں ایک خوبصورت مسجد بھی بنی ہوئی ہے، ان ہی سے منسوب ہے۔ محلہ گذری کے بعض سیدوں سے کسی معاملہ پر ان سے ان بن ہو گئی۔ معاملہ نے یہاں تک طول کھینچا کہ نتھے خان اپنے خسر کی حمایت میں اپنی فوج لیکر مخالفوں کے مقابلہ کو چڑھ آئے۔ میر اسد اللہ خان سے مخالفت تھی ان ہی کے مکانات کو حملہ آوروں نے خوب لوٹا کھسوٹا۔ متعدد لوگ مارے گئے۔ سید گلزار علی خان بن سید وزیر علی (از اولاد سید مبارک) جو بہ رسالہ بخشی الملک مظہر علی خان پنصدی ذات

۱؎ غالباً یہ تعداد (۲۵۰) سے زیادہ تھی۔

پچاس سوار کے منصب دار تھے، اسی خانہ جنگی میں قتل ہوئے۔ "تباہی سادات شدہ" اس حادثہ کی تاریخ ہے۔

انگریزوں کا تسلط

۱۲۱۶ھ مطابق ۱۸۰۱ء میں نواب وزیر الممالک نے بعوض اخراجات فوج انگریزی، روہیلکھنڈ کا وسیع علاقہ بشمول ضلع مرادآباد ایسٹ انڈیا کمپنی کو تفویض کر دیا، مرادآباد ضلع کا صدر مقام قرار دیا گیا، اور مسٹر ڈبلیو لیسٹر (Mr. W. Leycester) پہلے کلکٹر مقرر ہوئے۔ یہ زمانہ مرہٹہ گردی کا تھا، مراٹھوں کے متواتر حملے اس علاقہ میں ہوتے تھے، ۱۲۱۹ھ مطابق ۱۸۰۵ء میں مہاراجہ ہولکر نے اپنے ایک سردار کو یہاں فتنہ وفساد برپا کرنے کے لیے متعین کیا، قرعۂ فال امیر خان کے نام آیا، جو بعد کو نواب ٹونک ہوئے، نواب امیر خان کا وطن سرائے ترین سنبھل تھا، نسباً سالارزئی پٹھان تھے۔ ان کے باپ محمد حیات خان کچھ عرصہ دوندے خان کے یہاں ملازم رہے۔ دادا کا نام طالع خان تھا وہ نواب علی محمد خان کی فوج میں ملازم رہے۔ امیر خان کے ساتھ پنڈارہ قوم کے سواروں کا بڑا دستہ تھا۔ جن کی تعداد دس ہزار بیان کی گئی ہے[1] یہ لوگ نہایت سرعت کے ساتھ ایک مقام سے دوسرے مقام پر پہنچتے اور لوٹ مار سے آفت برپا کرتے تھے۔ جنرل اسمتھ (General Smith) کیپٹن سکنر (Captain Skinner) اور کیپٹن مرے (Captain Murray) بھی اپنی فوج کے ساتھ ہر جگہ ان کے تعاقب میں لگے رہے۔ امیر خان ۱۲۱۹ھ مطابق ۱۸۰۵ء میں امروہہ پہنچے یہاں امروہہ کے قریب موضع ابراہیم پور میں انکا مقابلہ کیپٹن مرے کے سپاہیوں سے ہوا، دن بھر لڑائی ہوتی رہی۔ شام کو کرنل برن (Colonel Burn) نے پنڈارہ سردار کو شکست دے کر چاند پور کی طرف بھگا دیا۔ ۱۲۱۹ھ مطابق ۱۸۰۵ء لغایت ۱۲۷۳ھ مطابق ۱۸۵۷ء تک کوئی خاص واقعہ امروہہ میں پیش نہیں آیا۔ بعض اوقات ڈاکہ زنی کی وارداتیں البتہ ہوتی رہیں۔ جاٹ، اہیر اور میواتی ڈاکوؤں کے گروہ اس زمانہ میں ضلع کے ہر چہار طرف لوٹ مار کرتے رہتے تھے جن کی سرکوبی کے لیے اس زمانہ کے کلکٹر مسٹر اوس والڈ (Mr. Osawald) اور مسٹر سیٹن (Mr. Seton) نے مؤثر تدابیر اختیار کی تھیں۔

امروہہ میں انگریزی فوج کی چھاونی

ایسٹ انڈیا کمپنی کے تسلط کے ابتدائی دور میں انگریزی فوج کی چھاؤنی بھی امروہہ میں قائم کی گئی تھی کچھ عرصہ تک شہر کے قریب فوج کا پڑاؤ رہا، چند عارضی بنگلہ اور عمارتیں بھی تعمیر ہوئیں لیکن بعد میں فوجی افسروں کی رائے تبدیل ہوگئی اور یہاں کی فوج میرٹھ بھیج دی گئی۔ سید محمد حسن خان (دانشمند) سے "صاحبان عالی شان چھاونی" کے مراسم اتحاد تھے۔ مسٹر ایڈورڈ روزلی براڈ فوزے کے جو فیض آباد میں اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر تھے میر صاحب موصوف سے مراسم دوستی تھے، وہ اپنی چٹھی مرقومہ ۱۸۲۵ء میں اس چھاونی کا تذکرہ کرتے ہیں۔ یہ تحریر اس لحاظ سے بھی کہ اس زمانہ کے بعض انگریز بھی اردو کی مقفی و مسجع عبارت پسند کرتے تھے، دلچسپ ہے اس لیے ذیل میں نقل کرتا ہوں

غالی مرتبت معالی منزلت رفیعُ الشّان منیعُ المکان سلّمہ الرحمٰن

"اس وقت میں کہ شاہد مدعا در بر و رحیق مارب در ساغر ہے و معشوق حصول مطالب دلی بمشاطگی عنایت لم یزلی آراستہ پیراستہ تھا کہ گلدستہ بدگلہائے

---

[1] ڈسٹرکٹ گزیٹیئر مرادآباد مطبوعہ ۱۸۸۳ء۔

اتحاد و چمن آرائے چمنستان و داداعنی محبت شمامه شانه کش کاکل وصول ہوکر به تنسیم نسیم اُس کی ازہار بہار مدل کا تبسم ہوا و ایمائے که به استکشاف تحقیقات راقم کی تھا حال یه ہے راقم به عہدہ اکسٹرااسسٹنٹ کمشنر ضلع فیض آبادسرکار دولت مدار سے مقرر و مامور ہوکر مقیم فیض آباد حاصل ہوں، امتحان سے فراغ ہوا، ترقی کا ذریعه ہوا وحسب التحریر جو رقیمه بلا مہر ہوگا اُس پر لحاظ نه ہوگا و لازم اتحاد کا یه ہے که ہمیشه ابواب رسل رسائل کے مفتوح رکھنے که ہر آئینه موجب استحکام مبادی اتحاد کا متصور ہے وحال خیریت اشتمال صاجزادگاں و محمد حسین خاں و صاحباں عالی شان چھاؤنی سے مطلع کرتے رہئے فقط.

مکررآنکه امید بلیغ ایں جانب رامی شودکه آں دوست صمیم ہرنوع درحالت بہبودی و خوش مزاجی است . برادرم ازمرادآباد کوچ کرده است بطرف مہو که دراحاطه بنبئی (بمبئی) می ماند.

غدر ۱۸۵۷ء کے حالات

میرٹھ میں فوج کے باغی ہوجانے کی خبریں سب سے اول ۱۲ مئی ۱۸۵۷ء کو امروہہ اور مرادآباد پہنچیں۔ اس زمانہ میں مسٹر سی۔بی۔ساندرس (Mr C B Saunders) مجسٹریٹ مرادآباد مسٹر جے۔جے کیمبل جائنٹ مجسٹریٹ (Mr. J.J.Compbell) اور مسٹر جے کرا کرافٹ وسن (Mr. J.Cracroft Wilson) جج تھے۔آخرالذکر چونکہ اس ضلع میں سترہ برس سے تعینات تھے وہ ضلع اور باشندگان ضلع کے حالات سے پوری طرح باخبر تھے اس لیے جب صورت حال زیادہ تشویش ناک ہوگئی تو تمام ضلع کا انتظام ان ہی کے ہاتھ میں دے دیا گیا۔ ۱۵ مئی کو جب یہ اطلاع ملی کہ گوجروں نے میرٹھ کا راستہ روک رکھا ہے تو یہ تجویز ہوئی کہ مسٹر ساندرس کے ساتھ کچھ جمعیت گوجروں کی سرکوبی کے لیے بھیجی جائے۔ امروہہ کے کوتوال سید افضل علی بھی مسٹر ساندرس کی ہمراہی میں متعین ہوئے۔ امروہہ کے انتظام کے لیے یہاں کے روساء اور بااثر اشخاص کو مسٹر ساندرس نے خطوط لکھے۔ تاریخی دلچسپی کے لحاظ سے خط موسومہ سید محمد حسن خان (دانشمند) کی نقل درج کی جاتی ہے:

خاں صاحب بسیار مہرباں سید محمد حسن خان صاحب سلّمه الله تعالی بعد سلام و شوق ملاقات واضح باد. حسب روبکار امروزه آپ کو لکھا جاتا ہے که سید افضل علی کوتوال امروہۃ ہمارے ساتھ (ساتھ) میرٹھ کو جاوے گا اور مدد علی باپ اس کا بطور منصرم امروہۃ میں رہے گا. آپ کو مناسب ہے که کومک (کمک) اور مدد ہر طرح سے مدد علی کی کرتے رہو. عین مہربانی ہوگی فقط تاریخ ۱۷ ار مئی ۵۷ء .

اور واضح ہو که تم شریک مشوره ہرامر کے مدد علی کے رہو اور مدد علی کو بھی لکھا گیا که باتفاق اور مشوره تمہارے کے انجام کار کرے. فقط تحریر صدر سنه صدر.

Char B. Saunders. Magistrate.

۱۷ مئی ۱۸۵۷ء

امروہہ میں میرٹھ اور دہلی کے غدر کی خبریں پہنچنے کے پانچ چھ دن بعد غالباً ۱۷ رمئی کو خاندان دیوان سیّد محمود (دربارکلاں) اور خاندان درویش علی خان (قوم کلال) کے سربرآوردہ افراد نے سب سے پہلی مجلس مشاورت درگاہ شاہ شرف الدّین شاہ ولایتؒ میں منعقد کی۔ اس میں شہر کے مختلف خاندانوں کے عمائد و اکابر کو طلب کیا گیا تھا۔ تقریباً تیس (۳۰) اشخاص احاطۂ درگاہ کے اندر اس مجلس میں شریک ہوئے، بیرون درگاہ رؤسا و اکابر شہر کے ملازمین اور عوام کا ہجوم تھا۔ جلسہ کے بانیوں میں سیّد محمد حسین خان، سیّد یوسف علی خان، مولوی سیّد تراب علی، سیّد محمد باقر، سیّد محمد عرف محمد چھمک، سیّد مبارک، سیّد محمد زمان، سیّد ذوالفقار علی، سیّد فرحت علی، سیّد شرف علی، سیّد تحسین علی، سیّد علی محمد، سیّد سلطان علی، سیّد محمد اسمٰعیل، سیّد بنیاد علی عرف عقرب، سیّد بشارت حسین، سیّد شبیر علی خان، سیّد غلام سجاد وغیرہ (نبیرگان دیوان سیّد محمود) سیّد یاد علی و سیّد سجاد علی (ساکنان محلہ بنگلہ) سیّد رمضان علی (کٹرہ غلام علی والے) اور خاندان درویش علی خان میں ولایت علی خان، مولوی بشارت علی خان، مہربان علی خان وغیرہ اور بچ پوتوں میں سے سیّد محمد حسین اور چبوترہ والوں میں سے سیّد نذیر حسین و امیر حسین وغیرہ موجود تھے۔ دیگر عمائد و اکابر شہر میں سے سیّد علی مظفر خان (گھڑیال والے)، میر بنیاد علی (پیرزادہ)، مولوی کریم بخش عباسی اور سیّد محمد حسن خان (دانشمند) بھی شرکت کے لیے بلائے گئے تھے۔ بانیان جلسہ کی غرض یہ تھی کہ اگر ایسا غدر ضلع مرادآباد میں بھی ہو گیا جیسا کہ دہلی اور میرٹھ میں ہوا ہے تو ہم انگریزی عملداری کو امروہہ میں درہم و برہم کر دینگے اور اپنی حکومت قائم کریں گے۔ خاندان دیوان سیّد محمود اور خاندان درویش علی خان کے افراد تعداد اور رسوخ کے اعتبار سے اس زمانہ میں امروہہ کے دوسرے خاندانوں کی نسبت شان امتیاز رکھتے اور اپنے کو موروثی منصب دار سمجھتے تھے اور اس لئے شہر کی حکومت اور انتظام کے دعویدار تھے۔ سیّد علی مظفر خان (گھڑیال والے)، سیّد محمد حسن خان (دانشمند) اور شہر کے دیگر اکابر نے ان کی اس تجویز سے اختلاف کیا لیکن بانیان جلسہ نے آپس میں مشورہ پختہ کر لیا اور جلسہ برخاست ہو گیا۔

امروہہ میں یہ حالات پیش تھے اُدھر مسٹر سانڈرس میرٹھ جانے کے قصد سے ۱۸ رمئی کو مرادآباد سے روانہ ہو کر رجب پور پہنچے تھے کہ ۱۹ رمئی کو باغیوں نے مرادآباد کا جیل خانہ توڑ کے قیدیوں کو آزاد کر دیا، اور فوج باغی ہو گئی۔ رجب پور کے مقام پر اس واقعہ کی اطلاع پاتے ہی انہوں نے آگے بڑھنا مناسب نہ سمجھا اور سیّد افضل علی تھانہ دار امروہہ و سیّد محمد حسن خان (دانشمند) کے ساتھ جو امروہہ سے رجب پور بھیجے گئے تھے، مسٹر سانڈرس مرادآباد واپس آ گئے۔

۱۹ رمئی کو جب جیل خانہ توڑ کر قیدی آزاد ہو گئے۔ سیّد گلزار علی بن سیّد اکبر علی (ساکن دربارکلاں)، جو مرادآباد میں مختاری کرتے تھے، قیدیوں کی ایک جماعت کے ساتھ راتوں رات مرادآباد سے امروہہ آ پہنچے۔ یہاں پہلے ہی سے لوگ آمادۂ فساد تھے۔ درگاہ شاہ ولایتؒ کی مجلس مشورۃ کے بعد سیّد رمضان علی (کٹرہ والے) کے مکان پر پنچایت ہوئی، پھر سیّد گلزار علی کے امروہہ پہنچنے پر محلہ دربارکلاں میں شیخ رمضان علی کے مکان پر تمام رات بڑے شوروغل کے ساتھ پنچایت ہوتی رہی۔ اس پنچایت میں سیّد ظہور حسن و سیّد یعسوب الدّین (دوست علی والے) اور چند اور لوگ بھی شریک ہوئے۔ تمام پخت و پز ہو جانے پر ۲۰ رمئی ۱۸۵۷ء کو علی الصباح تھانہ پر حملہ کیا گیا جس میں کئی ہزار اشخاص شریک بیان کیے جاتے ہیں۔ باغیوں نے میر مدد علی تھانہ دار اور شہامت خان جمعدار کو قتل کر کے تھانہ کے مکان کو جلا دیا، وہاں سے فارغ ہو کر باغی تحصیل پر چڑھ دوڑے، سترہ ہزار روپیہ خزانہ تحصیل کا لوٹ لیا اور تمام دفتر کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا۔ منصف سعد اللہ خان کو مع دفتر کے سیّد علی مظفر خان اپنے مکان پر لے آئے تھے اس لیے وہ محفوظ رہے۔

یہ واقعات جب امروہہ میں رونما ہو رہے تھے مسٹر سانڈرس نے اُسی دن صبح کے وقت سیّد محمد حسن خان (دانشمند) کو امروہہ کے

انتظام کے لیے مقرر کیا اور پروانہ دیکر مراد آباد سے امروہہ بھیجا، وہ قریب ایک بجے دن کے جب امروہہ پہنچے یہاں تھانہ و تحصیل لٹ چکی تھی۔ باغیوں نے اپنا تسلط اور انتظام قائم کر لیا تھا۔ ان حالات کی اطلاع جب حکام ضلع کو ہوئی مسٹر سنڈرس نے ناظر گور سہائے ولد ہرپت سنگھ کو، جو قوم کے جاٹ اور کلکٹری میں ناظر کے عہدہ پر مامور تھے، یہ کہہ کر امروہہ بھیجا کہ امروہہ کا جانا کوئی قبول نہیں کرتا تم امروہہ جا کر انتظام درست کرو۔ چنانچہ ناظر مذکور ۲۳ رمئی کو امروہہ آئے۔ سید علی مظفر خان، میر بنیاد علی (پیرزادہ) اور شہر کے اور امن پسند لوگ شہر سے باہر جا کر ان کو اپنے ساتھ لائے۔ ان کے ہم قوم جاٹوں کی کثیر تعداد بھی ان کے ساتھ جمع ہوگئی۔ دوسرے دن ۲۵ رمئی کو مسٹر ولسن بھی تلنگوں کی ایک جماعت کے ساتھ امروہہ آئے۔ سید گلزار علی اور ان کے ساتھی مسٹر ولسن کی آمد کی خبر سن کر امروہہ سے چلے گئے۔ مسٹر ولسن نے مفسدہ پردازوں کی تنبیہ اور حکومت کے رعب و اقتدار کو برقرار رکھنے کے لیے سید گلزار علی وغیرہ باغیوں کے مکانات منہدم و مسمار کرا دیے۔ ۲۶ رمئی کو مسٹر ولسن مراد آباد واپس آ گئے۔ ناظر گور سہائے، جن کو بصلۂ خدمات ایام غدر بعد میں راجہ کا خطاب اور گیارہ گاؤں انعام میں دیے گئے، امروہہ کے ناظم مقرر ہوئے۔ لیکن وہ صرف دس دن امروہہ رہے تھے کہ مسٹر جے۔ جے۔ کیمبل جائنٹ مجسٹریٹ نے حسن پور کے مقام پر دو سو آدمیوں کے ساتھ انہیں طلب کیا۔ وہاں سے ساتویں دن یعنی ۱۰ رجون کو جب یہ امروہہ واپس آئے حالات بہت کچھ تبدیل ہو چکے تھے۔ مراد آباد سے انگریز حکام میرٹھ و نینی تال جا چکے تھے اور انگریزی عملداری ضلع میں باقی نہیں رہی تھی۔ باغی ناظر گور سہائے کو مار ڈالنے کی فکر میں تھے کہ یہ اسی دن امروہہ سے مراد آباد چلے گئے۔ اور وہاں سے اپنے ہم قوم جاٹوں کی امداد سے کچرولہ گئے جہاں ساکنان امروہہ میں سے پیر محمد علی جان وغیرہ تا اختتام غدر ان کے ساتھ رہے۔ مراد آباد میں نواب مجو خان نبیرہ شیخ عظمت اللہ سابق صوبہ دار مراد آباد نے شہر پر اپنا قبضہ و تسلط قائم کر لیا تھا لیکن نواب رام پور کے عم بزرگوار نواب عبد العلی خان کی آمد پر انہیں علیحدہ ہونا پڑا۔

امروہہ پر جاٹوں کا حملہ

مراد آباد میں جب یہ واقعات رونما ہو رہے تھے اسی زمانہ میں امروہہ پر جاٹوں کا حملہ ہوا جس کے چشم دید حالات صاحب تاریخ اصغری نے یہ لکھے ہیں:

"صاحب سنگھ ساکن موضع لکھوری نے دیپا سرائے سنبھل کو لوٹ کر بہ ہمراہی نشما جاٹ ساکن موضع حول کھیڑہ دکھن کی طرف سے امروہہ پر چڑھائی شروع کی۔ پہلے حملہ میں تھوڑے عوام النّاس یہاں کے مقابل ہونے تو جاٹوں نے پیچھے ہٹنا شروع کیا۔ نا واقف آدمی جنگ نادیدہ مزہ بیروں کشیدہ تعاقب کیے چلے گئے جب شہر سے دور ہو گئے تو موضع پپ سرہ میں گواروں نے گھیر لیا۔ سترہ آدمی جان سے مارے گئے باقی بھاگ آئے۔ پھر جاٹوں نے دو روز کے بعد دوسرا حملہ کیا اور جو کہ پہلے حملہ میں وہ روباہ طینت چند آدمی کو مار کے اور بھی شیر ہو گئے تھے لہذا باشندگان شہر کو بلا لحاظ پیغام دیا کہ مہاجنوں کو ہمارے حوالہ کر دو یا دس ہزار روپیہ دو ورنہ

ہم اس شہر کو لوٹ لینگے۔ اُس حالت غدر میں روپیہ کہاں تھا بعز اس کے کہ مہاجنوں کا اور ہمارا ایک حال ہے اور کچھ جواب نہ بن پڑا آخر کار مقابلہ کی نوبت پہنچی، اور جاٹ ہٹ گئے۔ شہر والے دھوکا پاچکے تھے، آگے نہ بڑھے، اس سے دوسرے روز بے شمار جاٹوں نے متفق ہو کر پھر حملہ کیا اور ٹڈی کے بادل کی طرح اُمنڈ آئے، تب تو اعلی اور ادنی شہر کے، لاچار ہو کر اور بفحوائے (مرگ انبوہ جشنے دارد) اپنی جانوں سے ہاتھ دھو کر سب کے سب مقابل ہوئے۔ شہر میں شماریہ آدمی رہے اور سب طرف شہر کی حفاظت کو اچھے اچھے مدبّر اور کارداں آدمی مقرر ہوئے کس واسطے کہ تمام صحرا گنواروں سے بھرا ہوا تھا اور اس روز کسی طرح اُن پر غالب ہونے کا گمان نہ تھا لیکن من جانب الله تائید غیبی اور امداد لاریبی ایسی شامل حال ہوئی کہ شہر والوں کے باہر نکلتے ہی جو جاٹوں نے حملہ کیا اور بندوقیں فیر کیں تو گولیاں باد ہوائی گئیں اور شہر والے تلواریں کھینچ کھینچ کر دوڑ پڑے۔ جب بدخواہوں نے یہ حال دیکھا تو ناچار فرار کو قرار پر اختیار کیا۔ بعد اس کے پھر کبھی جاٹوں کو امروہہ پر حوصلہ چڑھائی کا نہ ہوا۔" [1]

اسلامی سلطنت دوبارہ قائم کرنے کا خیال

تمام ضلع اور بالخصوص امروہہ میں غدر اور بلوہ کی شدت چار پانچ ماہ تک جاری رہی، ڈسٹرکٹ گزیٹر میں [2] بیان کیا گیا ہے کہ:

"مسلمانوں نے من حیث القوم ضلع بھر میں برٹش گورنمنٹ سے اپنی مخالفت کو نہایت صاف اور صریح طریق پر ظاہر کیا، روہیلکھنڈ کے اور اضلاع کی طرح مراد آباد کے ضلع میں بھی تعصب مذہبی اور انگریزوں کی ہربات سے انتہائی تنفّر کے جذبات نے مسلمانوں کو عام بغاوت پر مشتعل کیا تھا۔"

مؤلف ڈسٹرکٹ گزیٹر کی اس رائے سے خواہ کیسا ہی اختلاف کیا جائے لیکن کاغذات دیرینہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹ رمئی ۱۸۵۷ء سے لے کر آخری ہفتہ ستمبر ۵۷ء تک ان چار مہینوں میں امروہہ کے بعض مسلمان روساء اور سربرآوردہ لوگوں کے دل و دماغ پر حکومت اسلامی کے ازسرنو قائم کرنے اور حصول منفعت ذاتی کا ذریعہ پیدا کرنے کے خیالات کا ہجوم اور تسلّط ضرور رہا چنانچہ بعض موقع شناس اور سربرآوردہ مسلمانوں نے شاہ معزول دہلی کی خدمت میں عرضداشتیں ارسال کیں جن میں اظہار عقیدت و جان نثاری کے علاوہ انگریزی سلطنت کے مٹانے اور اسلامی سلطنت ازسرنو قائم ہونے کی آرزو ظاہر کر کے قصبۂ امروہہ بلکہ ملک کٹھیر (روہیلکھنڈ) کا اہتمام وانتظام سپرد کیے جانے کی استدعا کی گئی تھی۔

---

[1] تاریخ اصغری صفحہ ۱۸ [2] صفحہ ۱۲۴ ڈسٹرکٹ گزیٹر

اہل امروہہ کی شاہ معزول کو عرضداشتیں

فتح دہلی کے بعد جب شاہی دفتر کے کاغذات کی جانچ و پڑتال کی گئی تو اہل امروہہ کی یہ عرضیاں بھی برآمد ہوئیں، ان کے فریسندگان کے نام و پتے دیرینہ کاغذات میں اس طرح ثبت ہیں

(۱) عرضی ذرۂ بے مقدار خاکسار نمک خوار کمتر کمترنیاں محمد شبیر علی خان خلف سید محمد نذیر علی خان ارسادات امروہہ معروضۂ دوم ماہ ذالحجہ الحرام ۱۲۷۳ھ

(۲) عرضی فدویان شیخ بشارت علی خان و شیخ مہربان علی خان و شیخ مظفر علی خان و شیخ فیاض علی خان و شیخ اعتماد الدین خان و شیخ عباس علی خان و شیخ عشرت علی خان و شیخ احسن علی خان وشیخ نصیرالدین خان و شیخ منصب علی خان نبیرگان درویش علی خان پنجہاری خانہ زاد موروثی سکنان قصبۂ امروہہ ضلع مرادآباد سرکار سنبھل معروضۂ ۱۲/ شوال ۱۲۷۳ھ۔

(۳) عرضی مہری و لیداد خان معروضہ ۱۷/شوال ۱۲۷۳ھ

(۴) عرضی فدویان سید گلزار علی و سید ثنا علی وسیدمحمد حسین و سید محمد و سید فضل حسین و شیخ الٰہی بخش و غیر ہم ساکنان امروہہ۔
۱/ شوال ۱۲۷۳ھ

(۵) عرضی کمترین غلامان عقیدت کیش سید محمد سبحان علی متوطن معانی دار امروہہ، معروضہ ۲۵/ ذیقعدہ ۱۲۷۳ھ

(۶) عرضی بشارت علی خان نبیرۂ درویش علی خان معروضہ ۹/ ذالحجہ سنہ احد جلوس والا دربارہ یاددہانی عرضی مرسلہ بتاریخ ۱۹/ شوال ۱۲۷۳ھ

ناظرین کی دلچسپی کے لیے ان میں سے بعض عرضداشتوں کی نقول بتمام وکمال ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

عرضداشتوں کی نقول

نقل عرضداشت سید شبیر علی خان خلف سید محمد نذیر علی خان ساکن محلہ دربارکلاں

موسومہ شاہ معزول دہلی

. بعز عرض .... بندگان قدس آشیان ملائك پاسبان بارگاه ملك اشتباه ظلّ اللهی خلافت پناہی ادام الله ایکامه و النصراعلامه .... می رساند

عرضداشت ذرّهٔ بی مقدار جان نثار نمك خوار کمتر بنان محمد شبیر علیّ خان که ہمواره در تمنائے استماع مژدهٔ فتح و ظفر رایات نصرت آیات بندگان سکندر شان دارادربان بوده مترصّد بشارت فتوحات تازه و تفرجات بے اندازه می ماند قبل ازیں بعهد عدالت مهد سلطنت شاہی آباء واجداداین جان نثار بمرحمت مناصب جلیله و عطا ہائے نبیله از قبل خطاب و منصب و جاگیرات معزّزو سرفرازبوده مورداصناف مراحم شاہانه و گونا گون عطیّات و عنایات خسروانه مانده اندچنانچه ببرکت ہماں عنایت و امداد شاہی ذریعه اوقات گذاری و وسیلهٔ سپاسداری است و ہمواره به استدعائے اعلائے رایات ظفر آیات و ارتقائے اعلام نصرت انجام موظف وشاغل. دریں آوان میمنت اقران که رشحات دولت و اقبال ازسحاب افضال حضرت ذوالجلال رسیده و باد مرا دعنایت خالق العباد بر پرچم اعانت و امداد وزیده ناصیهٔ فدویت بدرگاه معبودی سائیدم و سجدات شکر گزاری بمحراب ایزدباری بتقدیم رسانیدم تمنّائے ایں جان نثار آں بود که بدرگاه ملائك پناه ظل اللهی حاضر شده بتقریب جان نثاری به ادائے سپاسداری کوشم مگرازانجا که بالفعل بسبب دربهمی و برہمی حکومت کفره ظلمه و اختلال احوال عامه رعایا و یورش وافساد دہاقین بدنهاد وتعدّی و تغلّب قوم جاتان بے بنیاد صورت بے سر انجامی اطراف و بے انتظامی ایں اکناف واقع است از احصال سعادت عتبه بوسی آستان ملائك پاسبان محرومی داردمعہذا ہنوز بوجه شورش و یورش مفسداں امنیت طریق کما ینبغی صورت نه بسته اند کے ازیں طرف و غدغه باقی ست چوں اکنوں به اقبال خسروی وامداد شاہنشاہی ہر گونه امن و ہر نوع رفاہیت و اطمینان بزمرهٔ جان نثار ان ظل اللهی می مانم فزغ آفتاب عالم تاب سلطنت جہاں بانی بر سر بندگان دایماً پر تو افگن باد بالنّون والصّاد

عـــــــــــــرضـــــــــــــــــی

ذرّهٔ بے مقدار خاکسار نمکخوار کمتر بناں محمد شبیر علی خان خلف سیّد محمد نذیر علی خان از سادات امروہه مورخه دوم ماه ذی الحجه الحرام سنه ۱۲۷۳ھ

(۲) نقل عرضداشت نبیرگان درویش علی خان پنجہزاری مرقومہ شانزدہم شوال ۱۲۷۳ھ

بندگان حضور لامع النور معدلت منشور حضرت ظل سبحانی خلیفة الرحمانی شاہنشاہ گیتی پناہ خلد اللہ ملکہ وسلطنۂ

بعرض .... می رساند

بعد تقدیم مراسم عبودیت و جان نثاری و تجیم لوازم فدویت و انکساری که سرمایۂ تفاخر سرمدی است دریں ایاّم فرخنده فرجام به استماع مژدۂ جاں بخش روح افزائے زیب بخشی افسردیہیم خلافت الہی و زیب افزائے اورنگ شاہنشاہی ایں غلامان قدیمی و خانه زادان موروثی نبیرگان درویش علی خان منصب دار پنجہزاری به اقبال والا جانبازی بکاربرده ومبارزت و دلیری کرده استیصال بندوبست انگریزاں ازسرکار سنبھل و کل قصبات متعلقه سرکار موصوفه ساخته واز قصبۂ امروہہ خاص کو توالش و دیگر متعلّقان و خیر خواہان انگریزاں رابه جہنم رسانیده و انہدام مکان تھانه و تحصیل گردانیده شیخ بشارت علی خان برادر کلان خود راکه از بس منتظم اند معه پانصد کس مبارز ومستعد برائے انتظام آنجا گذاشته بافدویان بتاریخ بست و نہم ماه رمضان المبارک معه چہل تن برائے جان نثاری تخت حضور فیض گنجور و قدم بوسی بندگان درگاه ملائك پناه که ملجائے جہان و ماوائے بندگان قدیمی و خانه زادان موروثی است از قصبۂ امروہہ دواں دواں تا غازی الدیّن نگر رسیده راه دہلی پیش گرفتیم که عظیم الدّوله سرفراز الملك نواب محمّد ولی داد خان بہادر بتاریخ دوم ماه شوال از پل دریائے ہنڈن واپس کنانیده ہمراه خود بمقام مالاگڈھ آورندوبسیار الطاف فرمود ند۔ اکنوں مافدویان در مقام مذکور الصّدر حسب الارشاد نواب صاحب ممدوح مقیم ہستیم و مستحق منصب موروثی لہٰذا امید که بتفضلات حضرت ظلِ سبحانی و سایۂ یزدانی به مراحم شاہنشاہی و به مناصب موروثی سرفرازی یافته به انتظام ملك کٹھیر مامور شویم که انجام آں به اقبال بندگان والابخوبی خواہد شد۔ الہٰی آفتاب جہانگیر وکشور کشائے از مطلع جاه وجلال طالع باد بحرمت النّون و الصّاد۔فقط

عــــــــــــــــــرضــــــــــــــــــی

فدوی شیخ بشارت علی خان وفدویان شیخ مہربان علی وشیخ مظفر علی خان وشیخ فیاض علی خان وشیخ اعتمادالدین خان وشیخ عباس علی خان وشیخ عزت علی خان وشیخ احسن علی خان وشیخ نصیرالدین خان وشیخ منصب علی خان نبیرگان درویش علی خان پنجہزاری خانہ زاد موروثی ساکنان قصبۂ امروہہ ضلع مرادآباد سرکار سنبھل معروضہ شانزدہم شوال ۱۲۷۳ھ

(۳) عرضداشت مولوی سبحان علی (پیرزاده) مرقومہ ۲۵/ذیقعد ۱۲۷۳ھ

بموقف عرض بازیافتگان آشیان فیض نشان خورشید خدم مرّیخ حشم حضرت خدیو گیہان سلطان زمین وزمان ملجائے دین وامان ظلّ سبحانی خلیفته الرّحمانی خلدّ الله ملکه ۔ می رساند

پس ازبجا آوری مراسم تسلیمات و کورنش و بعدادائے فدویت که غلامان عقیدت کیشان راذریعهٔ بهبودیٔ کونین است الحمدلله علیٰ افضاله که دعاہائے سحری وادعیه التجائے نیم شبی دعاگویان موروثی و نمک خواران ازلی بذرده اجابیت رسیده بمعنی به یاوری اقبال عدومال حضرت قضا جریان فرقه معاندین.بدنہا دجابجا مقتول و مہلوك گردیده و نیّر اقبال والاطالع گشت وتسلّط غلامان دولت قاہره بہر طرف ملك گردیده و می گردو چنانچه بیُمن اقبال والاازیں ملك وضلع ہم اخراج فرقهٔ نصادیٔ د خلوء ملك از حاکمان حکمران گردید و پس ازچند سالہا تمنائے دلی و آرزوئے قلبی غلامان عقیدت کیش و دعاگویان بر آمد که سایه حضرت ظلّ سُبحانی بر مفارق خلق الله گو عقیدت سرایان بود مگر به عالم ظہور ہم منبسط گردیده ۔

للهِ الحمد بر آں چیز که خاطر می خواست
آخر آمدز پس پرده تقدیر پدید

دلِ فدویت منزل بے اختیاری خواست که قدم از سرو چشم ساکه مشرّف دربار فلك اقتدار و مستفیض بارگاه عرش اشتباه گرددو مراتب جان نثاری و مراسم دولت خواہی بدل و جان اداسازد اِلّا چوں از چند ماه بیمار و صاحب و فراش بود طاقت طے منازل و مراحل نداشت ازیں سبب مجبور مانده و حقوق نمك خواری و جان نثاری موروثی بست ۔

از انجاکه خانه زادر سوخ موروثی و فدویت ذاتی بحضور بندگان عالی دارد موردمراحم خسروانی بوده است مستحق تفضُلات خسروانه ۔۔ متوقع که اصدارِ فرمان قضا جریان مشعر خشنودی مزاج بارگاه فلك پناه بنام ایں عقیدت کیش گرددتاموجب مفاخرت گردد مطابق (آں) خودرا مشرّف دربار والا ساخته حقیقت حال گذارش سازد۔

آفتاب ترقّیات سلطنت وجہانبانی تابان ودرخشان با د۔

عــــــــــرضــــــــــی

نبیرہ حضرت سید محمود بالا مال کرمانی قدس سرہ العزیز کمترین غلامان عقیدت کیش سید محمد سبحان علی [1] متوطن معافیدار امروہہ۔

مورخہ ۲۵ ذیقعدہ ۱۲۷۳ھ

(۴) عرضداشت دیگر من جانب شیخ بشارت علی خان (قوم کلال)

بموقف عرض باریابانِ درگاه ملائك پناه خداوند خدائگاں سكندر شكوه حق پژده
حضرت ظلِ سبحانی خلیفته الرحمانی شاہنشاهِ عالم پناه خلدالله ملكه ، می رساند

بعد بجاآوری مراسم عبودیت و انكساری و لوازم فدویت و جان سپاری كه موجب افتخار دارین است قبل ازیں بتاریخ شانزد ہم ماه شوال سنه الیه عرضداشت محتوی حال فدویت مآل یعنی از تاریخ بست وپنج ماه رمضان المبارك سنه الیه مستعدو سرگرم بودن مافدویان دركار سركارِ دولت مداراعنی استیصال بندوبست انگریزاں از سركار سنبهل و قصبات متعلقه، آں روانه نمودن برادران مهرباں علی وغیره معه اعتماد الدین خان وغیره غلام زاد دہائے و برادر زادہائے غلام فیاض علی خان وغیره معه رفقائے دیگر چهل تن بحضور معدلت نشورد واپس آوردن نواب عظیم الدولہ سرفراز الملك محمدولی داد خان بہادر نصرت جنگ اوشان را از پل دریائے ہنڈن متصل غازی الدین نگربتاریخ دوم ماه شوال سنه صدر برفاقت خودش بمقام مالاگڑھ برائے انصرام كار بندگان سركار فیض آثار بلف عرضداشت نواب صاحب

---

[1] مولوی سبحان علی بن مولوی امداد علی جنہوں نے یہ عرضداشت شاہ معزول (دہلی) کو روانہ کی تھی، اپنے زمانہ میں خاندان پیرزادگان کے مقتدر رکن اور امروہہ کے مشاہیر اکابر و اماثل میں سے تھے۔ یہ امر انتہائی حیرت انگیز ہے کہ ایام غدر ۱۸۵۷ء میں شاہ معزول (دہلی) کو درخواست بھیجنے اور انگریزی حکومت کے خلاف صاف اور صریح الفاظ میں اپنے خیالات کا اظہار کرنے کے باوجود مولوی سبحان علی موصوف دارو گیر سے نہ صرف محفوظ رہے بلکہ حکام انگریزی کے یہاں بھی غدر کے پرآشوب زمانہ کے بعد بھی انہوں نے کافی رسوخ اور وقعت بھی حاصل کر لی تھی۔ اگرچہ بہت ممکن ہے کہ بعد میں ان کے سیاسی حیثیت میں کوئی تبدیلی پیدا ہو گئی ہو تاہم اس عرضداشت کا مضمون اور اس کا لب و لہجہ بہر طور ظاہر کرتا ہے کہ ان سے متعلق باز پرس نہ ہوتی۔ ان کی یہ عرضی بھی اہل امروہہ کی دوسری عرضیوں کی طرح شاہ معزول کے دفتر سے برآمد ہوئی تھی۔ دوسرے عرضی گذاروں پر جرم بغاوت میں سنگین مقدمات قائم ہوئے اور تحقیقات کے بعد سخت سزائیں بھی دی گئیں لیکن مولوی سبحان علی کا بچ جانا تعجب خیز ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کی کوئی خاص وجہ ہوگی۔ بعض معمر سید حضرات سے خاکسار مؤلف کو معلوم ہوا کہ اس زمانہ میں مولوی سبحان علی کے ہم نام ایک اور شخص سادات امروہہ میں محلہ دربار کلاں کے ساکن بھی تھے جو جرم بغاوت کی علت میں مفرور ہو گئے تھے۔ سرکاری کاغذات کی نقول میں "سید سبحان علی مفرور" کے الفاظ خاکسار مؤلف کی نظر سے گذرے ہیں۔ غالب قیاس یہی ہے کہ یہ عرضی بھی بجائے مولوی محمد سبحان علی پیرزادہ کے اسی "سید سبحان علی مفرور" کی جانب منسوب کی گئی اور چونکہ اس زمانہ تک پیرزادہ صاحبان کی سیادت نسبی اور فاطمیت کا اظہار بھی عام طور سے نہیں ہوتا تھا۔ اس خاندان کے ناموں کے ساتھ بالعموم لفظ شیخ لکھا جاتا تھا اور خود یہ حضرات بھی اپنے ناموں کے ساتھ یہی لفظ لکھا کرتے تھے۔ ناموں کے ساتھ سید کے لفظ کا استعمال اس وقت تک شروع نہیں ہوا تھا اور "نبیرہ سید محمود بالا مال کرمانی" کے بجائے اہل شہر اور حکام اس خاندان کے افراد کو "نبیرگان حضرت شاہ ابن مدرچشتی" جانتے اور سمجھتے تھے۔ اسلئے حکام کو مولوی سبحان علی مرحوم سے بدظنی کی کوئی وجہ نہ تھی۔ ان کی نظروں میں سید بغاوت کے مجرم تھے اور ان سے کوئی باز پرس کی گئی۔ الغرض ان کے نام کے ساتھ اس عرضی میں لفظ "سید" نے شمولیت کی برکت سے انہیں آفات زمانہ سے بالکل محفوظ و مامون رکھا۔

رسید داد و بلائے درد ابہ خیر گذشت

موصوف ترسیل خدمت ایستادگان پایه تخت عرش منزلت نموده بود که بپاسخ آن فرمان قضا جریان بنام نواب صاحب ممدوح نزولِ اجلال فرموده مفتخر دارین ساخت اگرچه کمترین بسبب بودن بمقام امروہہ بنا بر اعانت زمینداران و ممانعت اجرائے تحصیل خیر سگالانِ نصاری از شرف استیعاب دیدار فائض الانوار بس ممتاز نه گردید لیکن بعد تعین داشتن برادر عزیز ولایت علی خان را برائے انجام کار معروضه بالابه امروہہ حاضر گردیدن فدوی بمقام مالا گڈھ حسب الطّلب نواب صاحب بہادر به استماع حکم مندرجه اش ازز بان فصیح البیان نواب صاحب موصوف بدیں منوال که ایشاں یعنی فدوی برفاقت نواب صاحب ممدوح حاضر بوده و انتظام صوبهٔ ملك دو آبه پرداخته بعد انتظام آں مع جماعت حاضر آستاں عرش نشاں گردد که به مراددلی بخدمت و مناسب موروثی سرفرازی خواہد یافت بنا برآں خانه زاد موروثی به شرف استماع حکم جہان مطاع آفتاب شعاع انصرام کار سرکار فلك اقتدار دریں نواح وجواروا حد دانسته به رفاقت نواب صاحب ممدوح منکشف رائے جہان آرائے خواہد بود آیند اندریں باب نحوی که حکم قضا شیم شرف نفاذ یا بد حسب آں بعمل آرد الہٰی آفتاب دولت و اقبال از مطلع جاه و جلال طالع باد، بالنّون والصّاد۔

عـــــــــــــرضـــــــــــــی

کمترین خانہ زاد فدوی بشارت علی خان نبیرہ درویش علی خان معروضہ سنہ الیہ ۱۹ ر ذی الحجہ

عرضداشتوں کے جواب میں شاہی شقّہ:

ان عرضداشتوں میں سے سیّد شبیر علی خان کی عرضداشت کے جواب میں شاہ معزول دہلی کی جانب سے ایک شقّہ سیّد مذکور کو وصول ہوا۔ اسکی نقل جو کاغذات دیرینہ کے تجسّس میں دستیاب ہوگئی ذیل میں شائع کی جاتی ہے۔ ایّامِ غدر میں نواب صاحب رام پور کی جانب سے امروہہ کا انتظام مندرجہ ذیل عہدہ داروں کے سپرد تھا۔

(۱) اول سیّد ظہور حسن [۱] عارضی طور پر پھر صاحب زادہ اصغر علی خان مستقل (ناظم) (۲) مولوی محبّ علی خان عباسی (تحصیلدار) (۳) سیّد یعسوب الدّین [۲] (تھانہ دار) (۴) منشی کریم بخش عباسی (کوٹ گشت یعنی انسپکٹر)

شقّہ شاہی متذکرہ صدر کے متعلق جو رپورٹیں عہدہ داران مذکورہ بالا نے حکّام بالادست کو ارسال کیں ان کی نقول بھی ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

---

[۱] سیّد ظہور حسن نبیرہ سیّد دوست علی بن سیّد عظیم الدّین بن سیّد غلام شرف فدوی بن سیّد عبد الباری بن دیوان سیّد محمود۔
[۲] سیّد یعسوب الدّین بن سیّد شرف علی نبیرہ سیّد دوست علی مذکور۔

نقل روزنامچہ واقعہ ۲۳ راگست مطابق ۲ رمحرم ۱۲۷۴ہجری

"خبر نمبر ۸ بموجب دورہ سید یعسوب الدین تھانہ دار اسمی محرّر و مددگار اس مضمون سے پہونچی کہ شقہ شاہی دہلیؔ سے واسطے بندوبست پرگنہ امروہۃ بنام سیّد محمد شبیر علیؔ خان پسر نذیر علیؔ خان مرحوم کے صادر ہوا ہے سو بر طبق و رود شقہ موصوف کے ارادہ خان صاحب موصوف کا ہے کہ بندوبست امروہۃ کا طرف بادشاہ دہلی سے کریں اور تھانہ و تحصیل سب اپنی تجویز سے مقرر کریں۔یہ خبر مندرجہ روزنامچہ کی جائے۔ چنانچہ حسب تحریر تھانہ دار کے خبر اطلاعاً درج روزنامچہ کی گئی۔"

نقل عرضی کریم بخش کوٹ گشت

"عرصہ پانچ روز کا ہوا کمترین واسطے گرفتار کرنے مجرمان بمقدمہ غارت گری بخش اللہ خان صوبہ دار اور ڈھونڈھنے خوشحالؔ وغیرہ مدّعیان کے موضع ڈکھہ اور مونڈھاؔ وغیرہ دہات کے گیا توکل کے روز مال مدّعیان قسم نقدی و پارچہ برآمد کرکے لایا جب امروہۃ میں آیا معلوم ہوا کہ ایک شقۂ شاہی شاہجہاںؔ آباد سے بنام محمد شبیر علیؔ خان[۱] پسر سیّد محمد نذیر علی خان برادر زادہ سیّد محمد حسین خان کے آیا ہے چنانچہ اس کی نقل ارسال حضور کی جاتی ہے۔ عرضی محرّرہ ۲۶/اگست ۵۷ء"۔

نقل شقۂ مظروفہ عرضی کوٹ گشت

"سیادت پناہ شجاعت دستگاہ محمد شبیر علیؔ خان مورد تلطّفات بودہ بدانند عرضی آں سیادت پناہ مشعر بررسوخ ارادت و خصوص عقیدت دربارگاہ فلک اکفاء خسروی بہ امید اجر ازسعادت حضوری و باز ماندن بسبب فتنہ و فساد جانانؔ ساہجہان ضیاء اندوز انظار قدسی گردید و بکلّی کیفیت معروضہ بوضوح رسید۔ لہذا زیب ارقام می رود کہ فدوی خاص تا انتظام کلّی آنجا قصد احضار در دولت نہ نماید و ہرگاہ ایست کامل و بندوبست بہ ظہور رسد کاعد جمع خرج از تحصیل بعد مجرائے مصارف ضروری حاضر حضور شود دریں صورت موردِ الطاف بادشاہی خواہد گردید زیادہ تفضّلات شناسند۔ المرقوم ۱۲/ ذی الحجہ ۱۲۷۳ ہجری۔

---

[۱] یعنی سید شبیر علی خاں بن سید نذیر علی خاں بن سید انور علی خاں بن سید ارشد علی خاں بن سید باقر علی خاں بن سید کرم علی خاں بن سید عبدالعزیز بن دیوان سید محمود بن سید عبدالماجد بن سید عبدالخالق بن سید شاہ ابوالحسن بن سید محمد میر عدل۔

نقل عرضداشت مولوی محب علی خان عبّاسی تحصیلدار امروہہ

" فدوی به اتفاق سیّد موسی رضا کوتوال مراد آباد اور ہمراہیان کے واسطے انتظام سرکاری اندفاع فساد اور شورش جاٹان کے موضع رجب پور میں گیا اور اوّل انتظام راستہ کا واسطے ایمنت مسافران کے کرکے بشن سنگھ وغیرہ جاٹان کو طلب کیا چنانچہ وہ حاضر آن کر مطیع فرمان ہونے اور مچلکے انتظام راستہ کے لکھدنے اور عند الطّلب باقی ذنگی اپنے کے کہ بہت قلیل ہے وعدہ پانچ چار روز کا کیا بعد اسکے فدوی بہ طلب پیشکار محال امروہہ میں آیا تو اکثر شہر میں تذکرہ' شقّہ' پادشاہی موسومہ شبیر علیؔ خان اور مطالبہ انکا رر کثیر مہاجنان شہر سے واسطے نگاہداشت سپاہیان کے پایا اگرچہ اس قدر عرصہ میں گونہ صورت انتظام کی ہوتی آتی تھی کہ اس شقّہ سے صورت بد نظمی کی ہوگئی، ساکنان شہر نے اب تک زر قسط خالصہ داخل نہیں کیا تھا بعض مالگذاران دیہات کا وعدہ ادائے قسط کا تھا اس وجہہ سے وہ بھی وصول ممکن نہیں .دریں صورت اگر جناب حکیم سعادت علیؔ خان صاحب بہادر معہ دو ضرب توپ کے یہاں تشریف لاویں تو بخوبی انتظام متصوّر ہے اور صبح فدوی بہ معیّت کوتوال موصوف انتظام راستہ طرف نوگانوہؔ وغیرہ کے جاوے گا اور وہاں بھی مفسدوں سے مچلکہ لکھواکر بتاریخ نہم محرّم واسطے عرض حال مفصل کے حاصر حضور ہوویگا . اطلاعاً عرص ہے . معروضہ ۲/ اگست ۱۸۵۷ء

عـــــــــرضـــــــــی

فدوی محمد محب علی تحصیلدار امروہہ

باغیوں کی چند روزہ حکومت :

شقہ شاہی کے پہنچنے پر سید شبیر علیؔ خان اور انکے ساتھیوں نے امروہہؔ میں اپنی حکومت قایم کرنی چاہی ۔ مسٹر (بعد کو سر جانؔ) اسٹریچی مجسٹریٹ مراد آباد نے ماہ فروری ۱۸۵۸ء میں بمقام امروہہ مقدمہ بغاوت کی جو تحقیقات فرمائی اور اس سلسلہ میں سید محمد حسن خان (دانشمند)، ناظر (بعد کو راجہ) گور سہائے، میر بنیاد علی (پیرزادہ)، مولوی کریم بخش عباسی، جوہر بملؔ ساہوکار، ہر پرشاد قانون گو وغیرہ

کے جو اظہارات ہوئے ان سے بخوبی ثابت ہے کہ ابتدائے ایاّمِ غدر میں سادات محلّہ دربار کلاں اولاد دیوان سیّد محمود اور شیوخ کلاں میرگان درویش علی خان منصب دار پنجہزاری عہد فرخ سیری نے امروہہ پر اپنی حکومت قایم کی، رعایا سے پندرہ پندرہ بیس بیس برس کا زمیندارہ وصول کیا، ان ہی حضرات میں سے کوئی ناظم مقرر ہوا اور کوئی دیوان بنا، مہاجنوں اور ساہوکاروں سے بھی روپیہ طلب کیا حتّٰی کہ ایک فقیر حسین شاہ تکیہ دار کو مار بندھکر اس سے روپیہ حاصل کیا لیکن یہ حالت چند ہی روز رہی۔ بعد کو نواب صاحب رام پور نے سیّد گلزار علی کو شکست دیکر امروہہ پر پورا تسلط قایم کیا۔ ناظر گور سہائے نے اپنے اظہار میں بیان کیا تھا کہ -

"سیدوں امروہہ نے امروہہ پر تسلّط کیا، اپنی منادی پٹوائی اور گشت اپنی رکھی اور حق زمینداری قصبہ امروہہ کا باشندگان امروہہ سے ۲۲ برس پہلے کا وصول کیا دو اہیروں کو مار ڈالا اور روپیہ ان کے چھین لئے، ایک سنار کو اور ایک کھتری کو ان کے گھر پر چڑھ کر مار ڈالا، جو کچھ جھگڑا آتا اس کو فیصل کرتے اور حویلی میری ان ہی ایاّم میں اڑوادی، دو ہزار روپیہ کی لاگت کی تھی، اب میں نے وہ حویلی بنوائی ہے۔"[1]

مولوی کریم بخش عباسی نے جو ایاّمِ غدر میں من جانب نواب صاحب رام پور امروہہ کے کوٹ گشت تھے اپنے اظہار میں جو ۱۶ر فروری ۱۸۵۸ء صاحب مجسٹریٹ کے سامنے دیا بیان کیا کہ ۔

"ناظر گور سہائے کے چلے جانے کے بعد سادات نے اپنے آدمی مقرر کئے اور ہر ایک رعایا کو پکڑوا منگوایا اور تحصیل زمیندارہ کی کری۔ بڑے دربار والوں نے بڑے دربار کی طرف کی تحصیل کری (کی) اور اسی تحصیل زمینداری میں سنار نے عذر کیا تھا کہ اس کو مار ڈالا اور اس کا گھر پھونک دیا۔ اور مقدمہ سرکار میں دائر ہوا تھا کہ بہ سبب نہ بہم پہنچنے ثبوت کے رہائی ہوئی اور طرف محلہ غلام علی والوں کے رمضان علی نے تحصیل کری (کی) اور کلالوں نے اپنی طرف سے اپنی تحصیل کری (کی) اور بگلوں والوں (سیّد یاد علی سجاد علی) نے اپنی جگہ پر رعایا سے تحصیل کری (کی)[2] اور دس دس بیس بیس برس پہلے کی زمینداری تحصیل کری (کی) بعد کو سرکار کی طرف سے جب نواب صاحب رام پور نے عمل دخل یہاں کیا تب سب متفق ہو کر وہاں گئے۔ اوّل

1؎ بیان ناظر گور سہائے بہ جلاس مسٹر (بعد کو سر جان) سٹریچی ۲۰ر فروری ۱۸۵۹ء 2؎ سیّد محمود نے چھوڑو میں اپنے محلّہ کے چماروں اور رعایا سے زمیندارہ تحصیل کیا۔ (بیان میر نجف علی)

یہ درخواست کری (کی) کہ جو حاکم مقرر ہوں ہمارے اختیار سے ہوں۔ دوم نذرانہ معاف کردیا جائے اور باقی جو ہے وہ اگلے سالوں پر ڈال دیا جاوے اور اور بات اسی قسم کی درخواستیں کریں (کیں)

بعد کو نواب صاحب (رام پورؔ) نے مجھے یہاں کا تھانہ دار کیا اور (مولوی) محب علیؔ (خان عباسی) کو تحصیلدار کیا۔ برائے نام تھانہ دار تحصیلدار تھے مگر سب زور سیدوں کا رہا اور برائے نام دخل نواب صاحب کا ہوا اور جیسا دخل چاہئے قرار واقعی نہ ہونے دیا اور اپنا ناظم اور تھانہ دار اوروں کو کرایا۔ جب نواب صاحب نے گلزار علیؔ کی لڑائی ماری اور علی اصغر خانؔ کو ناظم کیا اور امن علیؔ کو تھانہ دار کیا اور چھوٹےؔ لال کو تحصیلدار کیا تب پورا دخل ہوا۔ نہیں تو برائے نام دخل تھا اور اس عرصہ میں جب تک بے دخلی نواب صاحب کی رکھی بادشاہ (معزول دہلیؔ) کے ساتھ رسل رسائل رکھے۔ ایک فرمان شبیر علیؔ خان کے نام واسطے کرنے انتظام کے آیا۔ اس کی نقل میں نے نواب صاحب (رام پورؔ) کے پاس بھیج دی ہے مگر سنا ہے کہ سوائے اس کے اور بھی فرمان بنام شیخ محمد افضلؔ اور شیخ بشارتؔ علی خان اور کسی کے آیا مگر یہ فرمان ظاہر نہ ہوئے۔ اور شرف علیؔ وغیرہ اقوام سادات اپنے آپ کو نواسہ اور منصب دار بادشاہی کہتے تھے جب حکیم سعادت علیؔ خان جانب سرکار سے واسطے مقابلہ گلزار علیؔ کے آئے اور فرحتؔ علی و یوسفؔ علی خان، محمد حسینؔ خان، مولوی ترابؔ علی سے جو توپ مانگی تو پاس خاطر گلزارؔ علی نہ دی اور ولایتؔ علی خان مہربانؔ خان اور بشارتؔ علی خان کلاں۔ اپنے باپ دادوں کو منصب دار بادشاہی بتاتے تھے اور یہ امر میرے روبرو کہتے تھے کہ دادا ہمارے درویشؔ علی خان وزیر تھے اور بجیتؔ خان باغی بھی ان کے کہنے سننے سے آیا اور نوراحسنؔ پور اور رجبؔ پور میں ان کے اشارہ سے رسد دی گئی۔"[۱]

۱ بیان مولوی کریم بخش عباسی ۱۹ فروری ۱۸۵۹ء با جلاس مسٹر اسٹریچی مجسٹریٹ۔

نواب صاحب رام پورؔ کا انتظام :-

اس کے بعد نواب صاحب رام پورؔ نے ضلع کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیا اور امروہہ کی نظامت پر ناظر گور سہائے کو مامور فرمایا۔ یہ امر روسا، سادات اور دیوان سید محمود کے خلاف منشاء ہوا۔ ناظر گور سہائے کا بیان ہے کہ :-

" سارے رئیس امروہہ کے مراد آباد میں گئے اور انہوں نے جاکر نواب صاحب کو عرضیاں دیں کہ ہم ناظم ہونا گورسہائے کا نہیں چاہتے اور تھانہ داری افضلؔ علی سے راضی نہیں ہیں۔ ہمارا ہی ناظم ہونے اور ہمارا ہی تحصیلدار ہونے اور ہمارا ہی تھانہ دار اور ان ہی ایاّم میں واسطے معافی نذرانہ کے اور اور بات کی عرضی دی تب نواب صاحب (رام پورؔ) نے مصلحتاً ان ہی لوگوں میں سے (سید) شرفت علی کا بیٹا یعنی سیّد یعسوبؔ الدّین (دوست علی والے) تھانہ دار کردیا اور مولوی محبتؔ علی (خان عبّاسی) ساکن امروہہ کو تحصیلدار کردیا مگر ناظم اپنا ہدایت علی خاں اپنے سالہ[1] کو کیا لیکن سادات نے ان کو دخل نہ دیا اور نہ تحصیل ہونے دی اور (سیّد) ظہور حسنؔ کو اپنا ناظم مقرر کرایا اور اسوقت میں سیّدوں کا دور رہا۔ طرح طرح کی زیادتی سیّدوں نے کی اور گلزارؔ علی بھی یہاں رہا اور خفیہ بھرتی فوج کی سب کے اشارے سے گلزارؔ علی نے کرنی شروع کی اور طرف ہلدورؔ سے (آدمی) لے آیا۔ جب میں نے عرضی مقام حسن پور سے صاحب کمشنر اور نواب صاحب (رام پورؔ) کے پاس بھیجی اور لکھا کہ دو تین ہزار آدمی گلزارؔ علی نے بھرتی کرلئے ہیں اگر زیادہ زور پکڑ گیا تو فساد ہوگا تب نواب صاحب فوج لائے اور گلزارؔ علی کو شکست دی اور اپنا بندوبست بخوبی کیا اور پھر ناظمی (سیّد) ظہور حسنؔ کی نہ رکھی اور تھانہ داری بھی سیّدوں کی نہ رکھی۔ ابن علیؔ چند وسی سے آیا۔ تھانہ دار ہوا اور نواب علی اصغرؔ خان ناظم رہے ۔" [2]

---

[1] اور سید ظہور حسنؔ ناظم ہوئے۔ اور سید رمضانؔ علی (نیزہ والے) اور (سید) غلام سجادؔ اور فرحتؔ علی رسالدار ہوئے پانچ چھ سو آدمی کا گروہ ان کا ہے۔ سب ایک تھے اور پندرہ سو روپیہ مہینہ نواب صاحب سے کئی مہینے تک لیا اور سید محمود والوں میں محمد علی حقؔ دار اور سلطان علی بگی سب کے ساتھ رہے۔ (بیان میر نیاز علی ۱۲ فروری ۱۸۵۹ء)

[2] تحریری بیان ناظر گور سہائے بمقدمہ بغاوت با جلاس مسٹر (جدھ کوسر جان) اسٹرینجی مجسٹریٹ مراد آباد تاریخ ۱۲ فروری ۱۸۵۹ء بمقام امروہہ

سیّد گلزار علی کے فوج بھرتی کرنے کی تائید عبدالعلی خان کے مندرجہ ذیل خط موسومہ سیّد علی مظفر خان (گھڑیال والے) مورخہ ۱۳ر نومبر ۱۸۵۷ء سے بھی ہوتی ہے۔

"خان صاحب مشفق مہربان دوستان سیّد علی مظفرؔ خان صاحب رئیس امروہہ سلّمہ اللہ تعالیٰ پروانہ حضور پُرنور صاحب بہادر بہ جواب عرضی سیّد ظہور حسنؔ ناظم امروہہ جو مشعر پہنچنے سیّد گلزارؔ علی مع خواجہ حسنؔ سابق تھانہ دار رڑکیؔ اور بھرتی کرنے سوار اور پیدل اور تیّار کرنے اور باروت اور اظہار اس بات کے کہ ماڑے[1] خانؔ آتا ہے سامان استظہار کرو رام پورؔ بھیجی گئی تھی، اس ارشاد سے ورود ہوا کہ غلام ناصرؔ خان صاحب ڈپٹی مجسٹریٹ کو مع ایک ہزار پیادہ اور دو سو سوار موجودہ مرادؔ آباد اور در صورت موجود نہ ہونے دو سو سواروں کے مرادؔ آباد بھیجنے ایک سو سوار اور دو ضرب توپ امروہہ کو اس واسطہ کہ خان مذکور سیّد گلزارؔ علی کو فہمائش کرکے ان حرکات سے باز رکھیں اور کہہ دیں کہ امروہہ میں فساد نہ کریں اور جو مدعی الیہ فہمائش خان موصوف سے باز نہ آوے تو تدراک مشارٌ الیہ کا کریں اور تم سب صاحبوں کو لکھا جاوے کہ تم بھی ممدو معاون خان صاحب ڈپٹی مجسٹریٹ کے رہو ورنہ بعید خیر خواہی تمھارے سے متصوّر ہوگا اس واسطے غلام ناصرؔ خان صاحب ڈپٹی مجسٹریٹ امروہہ کو بھیجے گئے آپ کی حدمت میں تصدیعہ دیا جاتا ہے کہ آپ اس امر میں شریک اور ممد اور معاون غلام ناصرؔ خان صاحب ڈپٹی محسٹریٹ کے رہیں اور در صورت عدم اشتراك بعید خیر حواہی تمھاری سے متصوّر ہوگا فقط

المرقوم ۱۳ر نومبر ۱۸۵۷ء
مُہر عبدالعلی خان

---

[1] ماڑے خانؔ بانی نواب محمود خانؔ نجیب آبادی کے ساتھیوں میں بہت شورہ پشت شخص تھا۔

انگریزی حکومت کا دوبارہ تسلط:

موسم سرما میں کوئی خاص واقعہ قابل تذکرہ پیش نہیں آیا۔ امروہہ اور حسن پور کی تحصیلوں میں البتہ ہندو اور مسلمانوں کے درمیان تنازعات ہوتے رہے۔ ۲۱/اپریل ۱۸۵۸ء میں شہزادگان دہلی میں سے فیروز شاہ دہلی کا ایک شہزادہ معہ کچھ فوج کے جو خان بہادر خان بریلی کے برائے نام حکمراں نے مہیا کی تھی، مرادآباد میں آداخل ہوا۔ تمام فوج متعینہ امروہہ باغبن نجیب آباد کے ہمراہ معہ اپنی توپوں کے شہزادہ مذکور سے مرادآباد جا ملی ۱ اس سے اس کی قوت میں اضافہ ہوگیا، یہ خبر سنکر جنرل جونس کرنیل کک نے دستہ فوج انگریزی کے ساتھ مرادآباد کو کوچ کیا، جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے مسٹر ولسن نے ابتدائے ایام غدر میں ناظر گور سہائے کو امروہہ کا ناظم مقرر کیا تھا لیکن چند ہی ہفتہ بعد جب غدر کی شورش نے زیادہ زور پکڑا اور انگریزی عملداری شہر سے جاتی رہی تو ناظر گور سہائے بھی امروہہ سے گجرولہ چلے گئے وہاں وہ مع دیگر خیر خواہان حکومت انگریزی کچھ عرصہ مقیم رہے۔ جاٹوں کی کچھ جمعیت بھی ان کے ساتھ تھی۔ امروہہ میں جو لوگ خیر خواہِ حکومت تھے وہ برابر حالات سے انہیں مطلع کرتے رہتے تھے۔ اس زمرہ میں سید محمد حسن خان (دانشمند) پیر امین الدین اور اس خاندان کے دوسرے اشخاص خاص طور سے قابل تذکرہ ہیں۔ یہ حضرات اور بالخصوص سید محمد حسن خان باغیوں کے نقل و حرکت کی ناظر گور سہائے کو برابر اطلاع دیتے رہے۔ اس سلسلے میں ناظر موصوف کی حسب ذیل تحریر موسومہ سید محمد حسن خان (دانشمند) کا اس موقع پر نقل کرنا غالباً بے محل نہ ہوگا۔

"خان صاحب مشفق مہربان کرم فرمائے بیکران سید محمد حسن خان صاحب سلّمہ اللہ تعالیٰ بعد ماوجب و شوق ملاقات واضح باد. خط تمہارا آیا اور حال مندرجہ اس کا معلوم ہوا۔ جو تم نے لکھا ہے کہ خبر جانے فیروز شاہ کی معہ جمعیت چار ہزار آدمیان کے طرف دارانگر کے ہے. یہ خبر جھوٹ معلوم ہوتی ہے کیونکہ اس قدر جمعیت اس کے ساتھ نہیں، فقط آٹھ سو سات سو آدمی ہمراہ اس کے سنے جاتے ہیں اور باغی لوگ حقیقت میں ادھر اُدھر کو بھاگتے ہیں اور جو دربارہ" علالت طبیعت عارضہ زکام وغیرہ لکھا ہے آپ کو چاہئے کہ معالجہ اس کا کراکے صحت حاصل کیجئے اور آیندہ کو جو خبر راست اور درست آپ کو معلوم ہو لکھتے رہوگے. فقط المرقوم ۲۱/ اپریل ۱۸۵۸ء

الراقم گور سہائے

---

۱ تحریر نواب یوسف علی خان بہادر موسومہ نواب کاظم علی خان بہادر۔

واز طرف خادم علی تھانہ دار بچھرایوں و علی جان جمعدار [1] چوکی گجرولہ سلام نیاز قبول باد۔

امروہہ میں بہت سے لوگ جرم بغاوت میں گرفتار ہوئے اور مرادآباد میں باغیوں کی گرفتاری کے لئے کرنل کک Col Coke کو متعین کیا گیا جنہوں نے شہر کی ناکہ بندی کرکے خانہ تلاشی شروع کی۔ نواب مجو خان گرفتار ہوکر گولی مار دیئے گئے اور ان کی بہت بڑی جاگیر اور وسیع مکانات ضبط کر لئے گئے۔ اسی طرح اور بھی متعدد سرغنہ لوگوں کی گرفتاریاں عمل میں آئیں۔ ان کو سزائے موت دی گئی۔ ۱۲ر رمضان ۱۲۷۴ھ کو انگریزی فوج حدود ضلع مراد آباد میں داخل ہوئی اور ۳۰ر اپریل ۱۸۵۸ء کو مسٹر آر الیگزینڈر شکسپیر (Mr. R. Alexander Shakespear) کمشنر بریلی مرادآباد میں تشریف لائے۔ حکومت انگریزی کے دوبارہ تسلّط پر چراغان کیا گیا اور ضلع کا چارج ۲ر مئی ۱۸۵۸ء سے ولایت حسین خان سابق ڈپٹی کلکٹر کو دیا گیا۔ یہ زمانہ مسلمانوں کے لئے نہایت نازک زمانہ تھا۔ اکثر انگریزی حکّام کی نظروں میں ہر مسلمان باغی تھا ذرا سے شبہ پر مسلمان گرفتار ہوتے اور معمولی ضابطہ کی کارروائی کے بعد سخت سے سخت سزائیں پاتے تھے ایسے نازک زمانہ میں مسلمانوں کی تباہی اور بربادی کے جہاں اور اسباب کارفرما تھے وہاں شیعہ سنّی کے اندوہناک جھگڑے بھی تھے۔ ولایت حسین خان نے جو شیعہ سنّی کے جھگڑوں میں نمایاں حصہ لینے کی وجہ سے ملازمت سرکاری سے برخاست کردیے گئے تھے اس بغاوت کے موقع پر اپنی خدمات پیش کیں لیکن باغیوں کی سراغ رسانی اور گرفتاری میں ان کی خدمات مذہبی جنبہ داری سے آزادانہ رہیں رشوت کے الزامات بھی ان پر لگائے گئے۔

باغیوں کو عبرتناک سزائیں:

۲۲ر مئی ۱۸۵۸ء کو مسٹر ولسن اسپیشل کمشنر ہوکر مرادآباد آئے۔ امروہہ سے بہت سے لوگ گرفتار و محبوس کئے گئے اور صدہا ناموں کی ایک فہرست بہ عنوان ''باغیان امروہہ'' مرتب کی گئی، سادات محلّہ دربارکلاں کے بعض افراد کو نیز شیوخ گلاآل میں سے درویش علی خان مرحوم و شیوخ صدیقی میں سے شیخ محمد افضل بن شیخ رمضان علی کو بلوہ و بغاوت کے سرغنہ ہونے کے جرم میں حبس دوام بہ عبور دریائے شور ضبطی جائداد اور پھانسی کی سزائیں دی گئیں۔ سید محمد حسین خان و سید شرف علی کو جو بہ علت جرم بغاوت قید میں تھے رہائی ملی۔ لیکن سید شبیر علی خان (ساکن دربار کلاں) کو مسٹر رابرٹ ہنری ڈنلاپ مجسٹریٹ نے بذریعۂ روبکار عدالت فوجداری مورخہ ۱۸ر نومبر ۱۸۵۸ء سپرد محکمۂ صاحب سشن جج بہادر و اسپیشل کمشنر کیا۔

ایامِ غدر کے بعض حالات پر چونکہ اس روبکار کے مضمون سے خاص روشنی پڑتی ہے اسلئے اس کی نقل ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

---

[1] یعنی محمد علی جان بن پیر الدین جو اپنے زمانہ میں روساء و مقتدر شہر میں سے تھے۔ موصوف ایام غدر میں ناظر (بعد میں رعیہ) گورسہائے کے ساتھ گجرولہ میں مقیم تھے۔ وہ مستقل کے ڈپلومہ یافتہ تھے۔ غدر سے پہلے بریلی میں وکالت شروع کی تھی۔ بغاوت شروع ہوئے پر وطن آئے اور اس نازک زمانہ میں اپنی خدمات انگریزی حکومت کی تائید و خیرخواہی میں ناظر موصوف کو پیش کیں اور تا اختتام غدر برابر ان کے ساتھ رہے اور یہ شورش میں مختلف خدمات انجام دیں جس کی تصدیق پروانہ مرقومہ ۳۱ر اکتوبر ۱۸۵۹ء سے ہوتی ہے جو ناظر گورسہائے سے اعتراف خدمات میں عطا کیا تھا اس میں ناظم موصوف تحریر کرتے ہیں کہ یہ شخص بتدائے غدر یعنی ۱۰ر جون ۱۸۵۷ء سے آج تک میرے ہمراہ و بہ رفاقت میرے بمقام گجرولہ وغیرہ حاضر رہا اور خیرخواہی سرکار بہادری کرتا رہا اور چال رویہ اس کا بہت اچھا رہا۔ جس کام کو میں نے تفویض اس کے کیا بجاں فشانی انجام دیا۔ اس شخص سے میں بہت رضامند ہوں۔ میرے رو برو یک قابل ترقی ہے و یہ پیر الدین کا جس کے مکان پر میں مقیم ہوں اس کا بیٹا ہے۔"

نقل روبکار عدالت فوجداری:

نقل روبکار بہ عدالت فوجداری ضلع مراد آباد باجلاس مسٹر رابرٹ ڈنلاپ مجسٹریٹ تاریخ ۱۸ نومبر ۱۸۵۸ء نوعیت جرم سرغنہ ہونے اور ترغیب دینے بغاوت۔

سرکار مدعی

بنام

شبیر علی خان ساکن امروہہ مدعا علیہ

واضح ہو کہ ان سب اشخاص کو جو زاید تین ہزار سے ہونگے بہ سبب ہونے ذات سیّد کے بہت پہلے سے لے (املاک) معافی وغیرہ بعد وضع محصول سرکاری سابق سلطنت اسلامی سے ملے تھے، جو (املاک) خیرات میں ملے تھے بالکل معاف تھے اور جو خدمت میں ملے تھے اس پر بیس ہزار روپیہ نذرانہ کا لگایا گیا تھا لیکن کُل سرکاری جمع، جو ان کے حق میں معاف ہوئی ڈیڑھ لاکھ روپیہ کے قریب ہوگی۔ یہ سب مرحمت معافی وغیرہ جو سلطنت سابق نے کی سرکار انگریزی نے بھی بجنسہ بحال رکھی۔ (لہذا) عذر فسخ معافی کا واسطے غدر بغاوت کے جو بعض اوقات مسلمان باغیوں نے پیش کیا اس کا ان سادات کے مقدمہ سے مطلق تعلق نہیں۔ (لیکن) باوجود اس کے (سوائے امروہۃ کے) کوئی دوسرا مقام ایسا نہیں جہاں سرکار انگریزی کی نسبت اس قدر زیادہ دشمنی کا اظہار ہوا ہو یا رعایا اس قدر زیادہ رضا مندی سے بغاوت کرنے کو مستعد ہوگئی۔ اوّل غدر میں (باغی) تھانہ اور تحصیل سرکاری پر چڑھ گئے اور تحصیل کو لوٹ لیا اور ۱۷ ہزار روپیہ لیا اور تھانہ دار اور جمعدار کو مار ڈالا۔ پھر کل سیّد معافی داران امروہۃ اکھٹے ہو کر معہ اپنے سرگروہوں سیّد علی مظفر خان ۲ے اور سیّد محمد حسین خان ۳ے کے مراد آباد آئے اور نواب صاحب نواب یوسف علی خان بہادر کو ایک عرضی اپنے معاملہ میں دی جس میں

لے اس روبکار کی عبارت جابجا بے ربط ہے اس لیے توضیح مطلب کے لیے خطوط وحدانی میں خاکسار مؤلف نے بعض الفاظ اپنی جانب سے درج کر دیے ہیں۔

۲ے یعنی سیّد علی مظفر خان بن سیّد امان علی خان بن سیّد علی اعظم خان گھڑیال والے ایام غدر میں حکومت انگریزی کے وفادار رہے۔ ہز ہائی نس نواب محمد یوسف علی خان والی رامپور نے حسب ذیل پروانہ خوشنودی بہ صلہ خدمات ایام غدر مرقومہ ۱۹ رجب ۱۲۷۵ھ ۱۸۵۸ء ان کو عطا فرمایا تھا۔ "خان صاحب مشفق مہربان کرم فرمائے مخلصاں سلمہ اللہ تعالیٰ۔ بعد شوق ملاقات بہجت آیات واضح خاطر محبت مآثر باد۔ مشتقابر طبق ملاحظہ عرضی آں مہربان کہ بہ علامت ماہدن خود خیرخواہ سرکار ... ابتدائی غدر و ہم فہمید سید محمد رضا علی در بارہ یاد ماندن از حرکات کوتاہ اندیشی بدرخواست سند خوشنودی مزاج وصول یافتہ بود کیفیت خوبی و شریک ماندن آں مہربان ہمراہ فوج ایں سرکار در ہنگام شورش گلزار علی وغیرہ بدمعاشان از حکیم محمد سعادت علی خان بہادر طلب شدہ بود جواب بہ ملاحظہ حکیم صاحب موصوف حاں خیرخواہی و اطاعت و اشتراک و فرمان پذیری ہر گونہ آں مہربان نسبت اہل ایں سرکار بوجود اجابہ ... و سابق نیز مراتب خیرخواہی در رخ اعتقادی آں مہربان منقوش خاطر است بعد بہ ملاحظہ کیفیت مذکور زیادہ تر موجب رضامندی و خوشنودی مزاج ایں جانب گردید۔ لازمہ محبت با آن است کہ ہمیں طور بقدیم مراتب خیرخواہی و اطاعت معروف بودہ خط بذا را سند خوشنودی مزاج ایں جانب تصور نمایند۔ باقی خیریت زیادہ مسرور باد۔"

۳ے سید محمد حسین خان بن سید انور علی خان ساکن محلہ دربار کلاں عم بزرگوار سید شبیر علی خان۔

عبارت بدواسطے سرکار انگریزی کے لکھی تھی جو انہوں نے واپس دے دی، پھر دوسری عرضی داخل کی جو مسل میں موجود ہے اور عبارت بدنسبت انگریزان کے اس میں نکالی گئی اور دوسری عرضی میں جو شامل مسل ہے نواب صاحب کو اس طریق پر لکھا ہیکہ نواب صاحب موصوف سرکار انگریزی کی طرف سے گویا منصرم نہ تھے، نواب صاحب موصوف کو آزاد اور ہمیشہ کا حاکم سمجھا کہ بعد عملداری نصرانیوں کے گویا نواب صاحب موصوف نئے طریق پر حاکم ہوئے۔ پھر سیّد شبیرؔ علی خان اور سیّد محمد سبحانؔ علی مفرور نے اپنی عرائض پادشاہ دہلیؔ کے پاس بھیجیں جن میں سرکار انگریز کو کافران و ظالماں لکھا ہے اور یہ دو عرائض بھی مع اور چند عرائض ساکنان امروہہ کے بہ تصدیق خیر خواہی بادشاہ کے دفتر سے ملیں جو شامل مسل رکھی گئیں اور بجواب عرضی سیّد شبیرؔ علی خان ایک فرمان (شقّہ) بادشاہ سے واسطے انتظام کرنے بطور افسر علاقہ کے آیا۔ واضح ہے کہ شبیر علیؔ خان اور محمد حسینؔ خان اور شرف علیؔ تینوں افسر (سرگروہ) من جملہ معافی داران کے کُلی بندوبست واسطے اجرائے اس فرمان (شقّہ) کے بہ تجویز جمع کرنے روپیہ کے بنیوں اور مہاجنوں سے کرتے تھے کہ سب انتظام اچانک بہ سبب فتح دہلیؔ کے بند ہوگیا۔ جب اشتہار بہ حکم معافی یا عام معافی جرم بغاوت بہ استشنائے جرم افسران کے ملکہ معظمہ کے ہاں سے پہنچا تو ہم نے حوالات سے سب کو بہ استشنائے شبیر علیؔ خان اور محمد حسینؔ خان اور شرف علیؔ کو چھوڑ دیا اور پھر احکام سرکار بہ نسبت اس اشتہار معافی کے پہنچے جن میں تاکید ہے کہ جہاں تک ممکن ہو کل مراتب بغاوت کے معاف کئے جاویں تو ہم نے کل مسل پھر دیکھی ہمارے نزدیک باوجودیکہ جرم شرکت اس میں نسبت اجرائے شقّہ کے شرفؔ علی اور محمد حسینؔ خان پر بھی پایا جاتا ہے لیکن انہوں نے اوّل فرمان (شقّہ) طلب نہیں کیا اور نہ کوئی عرضی بادشاہ کو دی اس سبب سے چھوڑنا ان کا مطابق ہدایت اشتہار کے ممکن ہے۔ اس واسطے حکم ہوا کہ محمد حسینؔ خان اور شرف علیؔ چھوڑ دئے جاویں اور شبیر علیؔ خان بہ علّت افسر رہنے بغاوت کے سپرد محکمہ صاحب سشن جج بہادر مختار باختیار اسپیشل کمشنر کے ہوئے اور فہرست تابعان امروہہ کی جو انگریزی میں ہے وہ بھی شامل اس روبکار کے کی جاوے۔

اس مقدمہ کی سماعت مسٹر ایلگزنڈر اسپشل کمشنر نے کی اور حسب ذیل روبکار کے ذریعہ جس کی نقل مسل مقدمہ سید شبیر علی خان سے خاکسار مؤلف کو دستیاب ہوئی سزائے دائم الحبس بہ عبور دریائے شور و ضبطی جائدادی گئی۔

نقل روبکار عدالت سشن:

نقل روبکار عدالت سشن و اسپشل کمشنر (علاقہ و مقام مرادآباد) بہ جلوس مسٹر ایلگزنڈر شیکسپیئر صاحب بہادر قائم مقام سشن جج و اسپشل کمشنر واقع ۲۷ر جنوری ۱۸۵۹ء۔

سرکار	مدعی
	بنام
شبیر علی خان	سیّد امروہہ	مدعا علیہ

(۱) بتاریخ ساتویں جنوری ۱۸۵۹ء یہ مقدمہ ہمارے سامنے پیش ہوا تھا ہم نے مدعا علیہ کی نسبت بہ ثبوت جرم ترغیب دینے اور سرغنہ ہونے بلوہ کے دائم الحبس کرنا عبور دریائے شور معہ ضبطی جانداد حسب ہدایت دفعہ ۵ سرکلر گورنمنٹ نمبر ۵۴۲۲ تجویز کرکے چٹھی نمبر ۲ مورخہ ۷/ ماہ رواں استدعائے منظوری کے حسب وجوہات مندرجہ ذیل گورنمنٹ سے کی تھی۔

تصریح وجوہات

دفعہ نمبر۲۔ مدعا علیہ منجملہ بڑی جماعت سیّدوں کے ہے، جو قصبۂ امروہۃ میں سکونت رکھتے ہیں اور جن کے حق میں منحملہ زر مالگذاری ہر سال قریب ڈیڑھ لاکھ روپئے کے بطور عطائے معافی یا نذرانہ کے معاف ہوتا ہے، یہ سب عطیات شاہان سابق دہلیؔ کی طرف سے ان کو مرحمت ہوئے تھے اور سرکار انگریزی نے بدستور سابق ان عطیات کو بحال و برقرار رکھا مگر باوجود ایسی مرحمتوں کے امروہۃ کے سوائے کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جس میں ایسی زیادہ دشمنی اور زیادہ مستحکم تمرد نسبت عملداری سرکار انگریزی کے ظہور میں آئی ہو جیسی کہ سادات کی جانب سے امروہۃ میں ظاہر ہوئی، غدر کے اوّل ہی مہینہ میں جبکہ ضلع افسران انگریزی کے قبضہ میں تھا امروہۃ کے تحصیل و تھانہ پر حملہ ہوا اور

سترہ ہزار روپیہ سرکاری باغیوں نے بہ سرداری گلزار علی ۱ ایک سیّد کے لوٹا اور کوتوال و جمعدار پولیس کو قتل کیا، جولائی ۱۸۵۷ء میں ایک بڑی جماعت ان سیّد معافی داروں کی مرادآباد میں آئی اور نواب رام پور کو جو اس زمانہ میں منصرم ضلع تھے عرضی گذارنی۔ منجملہ ان کی گذارشوں کے ایک یہ تھی کہ نذرانہ جو اُن سے لیا جاتا ہے ان کے حق میں معاف کیا جاوے۔ سیّدوں کا زور اور نام ایسا تھا کہ نواب نے ان کی درخواستیں قبول کرنے کو اپنی رضا مندی ظاہر کی۔

دفعہ نمبر۳۔ ہر چند اس عرضی میں دو ناموں کی تشریح ہے (یعنی علی مظفر خان و محمد حسین خان) مگر یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ قریب دو سو سیّدوں کے مرادآباد میں آئے پس اس میں شک نہیں ہوسکتا کہ مدّعا علیہ بھی اس گروہ میں شامل تھا کیونکہ عرضی مذکور کل سادات امروہہ کی جانب سے گذارنی گئی تھی۔

دفعہ نمبر۴۔ علانیہ کھلی ہوئی بغاوت جو شبیر علی خان سے سر زد ہوئی یہ تھی کہ اس نے معزول بادشاہ دہلی کو ایک عرضی، جس کی تاریخ تحریر مطابق ہوتی ہے ۲۴/ جولائی ۱۸۵۷ء سے بھیجی، اس میں شورش و فساد کا سبب درہمی و برہمی عملداری (کفر ظلمہ) یعنی عملداری سرکار انگریزی کے لکھا ہوا ہے۔

دفعہ نمبر۵۔ اس عرضی کے جواب میں ایک شقّہ جس کی تاریخ تحریر ۵/ اگست ۱۸۵۷ء سے مطابق ہوتی ہے، بادشاہ معزول دہلی کی طرف سے پہنچا اُس کے پہنچنے کا جو اثر علاقہ میں ہوا کیفیت اسکی بالتّشریح رپورٹ مرسلہ تحصیلدار امروہہ مورخہ ۲۷ ماہ مذکور موسومہ نائب والی رام پور متعینہ مراد آباد میں مندرج ہے۔ تحصیلدار اس میں لکھتا ہے کہ بہ سبب پہنچنے شقّہ کے شبیر علی خاں نے واسطے نگاہداشت فوج کے

---

۱ یعنی گلزار علی بن سید اکبر علی بن سید قرب علی بن سید عبدالواحد بن سید عبدالباری بن دیوان سید محمود ابتداءً کثیر جائیداد کے مالک تھے۔ عیاشی اور فضول خرچی میں سب جائیداد صائع کر بیٹھے تو مختاری کا امتحان پاس کیا اور غدر سے پہلے مرادآباد میں عدالت ہائے فوجداری و کلکٹری میں مختاری کا کام کرتے رہے۔ ۱۹ مئی ۱۸۵۷ء کو جب مرادآباد میں غدر ہو گیا تو اسی شب میں ایک جماعت کے ساتھ یہ امروہہ آئے اور یہاں بغاوت میں انہوں نے نمایاں حصہ لیا جس کے حالات اوپر بیان ہو چکے ہیں۔ غدر کے بعد مدت العمر روپوش رہے۔ ضلع بریلی وغیرہ میں ایام جلاوطنی پریشان حالی میں بسر کئے اور اسی عالم جلاوطنی میں وطن اصلی کو سدھارے۔ خلیق بہت وجیہ و شکیل اور طبعاً فیاض طبع، جری و جوان مرد تھے۔ ان سے کوئی عقب نہیں۔

شاہ دہلی کے لئے مہاجنوں سے زر کثیر طلب کرنا شروع کیا ہے جو تدابیر کے واسطے امن و اماں کے پیش ہوئیں اور ان میں سے حن پر قدرے اثر بھی مرتب ہوا وہ شقہ کے آنے سے باطل ہوگئیں اور پھر یہ کہ فوج معہ توپ کے ضرور یہاں آوے۔

دفعہ نمبر۲ ۔ عرضی شبیر علیؔ خان متذکرہ بالا موسومہ بہ شاہ معزول دہلیؔ کے دفتر میں دستیاب ہوئی جبکہ فوج انگریزی نے دہلیؔ کو فتح کیا۔ جو کہ مذعا علیہ نے بہ سبب حاصل ہونے شقہ کے علانیہ مفسدہ میں شرکت کی کہ تحصیلدار امروہۃ کی کیفیت سے جو بلا شبہ صحیح ہے ثابت اور اس میں شرکت بھی قرار واقعی ظاہر ہے کہ مذعا علیہ ترغیب دہندہ اور سرغنہ بلوہ کا سرکار انگریزی کے مقابلہ میں تھا اور خاص حیثیت مذعا علیہ کی یعنی وہ سرکار کی طرف سے معافی دار ہے اس کے جرم کو زیادہ سنگین کرتی ہے اسلئے پھانسی سے در گذر کر سب سے بڑی سزا، جو اس کو دینی چاہئے حسب تشریح بالا تجویز کی گئی۔"

سید شبیر علی خان کے اقربا نے ان کی بے گناہی ثابت کرنے اور قید سے رہائی دلانے کی تمام ممکن کوششیں کیں، درخواست اور میموریل حکام بالادست کو ارسال کئے مگر افسوس کہ یہ سب کوششیں رائگاں گئیں۔ مسماۃ خاتونؔ دولت زوجہ سید مذکور کی درخواست (بزبان انگریزی) موسومہ ہزایکسی لنسی ارل کیننگ بہادر گورنر جنرل ووائسرائے کی نقل بطور ضمیمہ نمبر(۱) اشائع کی جاتی ہے، جس سے ایام غدر کے بعض تاریخی حالات پر روشنی پڑتی ہے۔

مسلمانوں کی تباہی کی دردناک داستان:

غدر ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ شمالی ہندوستانؔ کے مسلمانوںؔ کے لئے قیامت صغریٰ سے کم نہ تھا۔ سینکڑوں بڑے بڑے خاندان ہمیشہ کے لئے تباہ و برباد ہوگئے۔ ہزاروں لاکھوں گھر صفحۂ ہستی سے حرفِ غلط کی طرح مٹ گئے۔ روہیلکھنڈؔ میں سب سے زیادہ تباہی ضلع مرادآبادؔ کے مسلمانوں پر آئی، خاص مرادآباد میں نواب مجو خان مرحوم کی جو ضلع کے سب سے بڑے تعلقدار تھے اور امروہہ میں بھی دو ایک روساء علی الخصوص سید شبیر علی خان، شیخ محمد افضل صدیقی اور درویش علی خان مرحوم کے خاندان کی جائدادیں واملاک ضبط ہوگئیں۔ اس کے علاوہ اور متعدد نامور خاندان تباہ ہوگئے۔ غدر کا سارا الزام مسلمانوں کے سر تھوپا جاتا تھا اور بقول سرسید مرحوم

"کوئی آفت ایسی نہیں ہے جو اس زمانہ میں ہوئی ہو اور یہ نہ کہا گیا ہو کہ مسلمانوںؔ نے کی گو وہ رام دینؔ اور ماتا دینؔ نے ہی

کی ہو۔ کوئی بلا آسمان پر سے نہیں چلی جس نے زمین پر پہنچنے سے پہلے مسلمانوں کا گھر نہ ڈھونڈھا ہو۔"

ہر بلائے کز آسماں آید گرچہ بردیگرے قضا باشد
برزمیں نارسیدہ می پرسد خانۂ مسلماں کجا باشد

ایسی حالت میں سرسیّد خاںؔ مرحوم ومغفور کا اپریل ۱۸۵۸ء میں صدر الصدور کے عہدہ پر بجنورؔ سے مرادآباد تبدیل ہوکر آنا مسلمانان ضلع کے حق میں بہت کچھ بہتری کا باعث ثابت ہوا۔ مولانا حالیؔ 'حیات جاوید' میں لکھتے ہیں:۔

"وہ یعنی سرسیدؔ بجنورؔ میں مسلمانوں کی تباہی اپنی آنکھ سے دیکھ کر آئے تھے۔ جب مرادؔ آباد پہنچے تو ان کی تباہی و بربادی کا اور بھی زیادہ عبرت انگیز نقشہ ان کی نظر سے گذرا جس سے ایک اور چوٹ ان کے دل پر لگی۔ گورنمنٹ کا غصہ خاص کر مسلمانوںؔ کے حال پر بدستور چلا جاتا تھا۔ ہندوؔ خیر خواہی کی آڑ میں مسلمانوںؔ سے دل کھول کھول کر بدلے لے رہے تھے اور اگلے پچھلے بغض نکال رہے تھے۔ مسلمانوں کو مجرم قرار دینے کے لئے کوئی ثبوت درکار نہ تھا ان کا مسلمانؔ ہونا ہی ان کے مجرم ٹھہرانے کے لئے کافی تھا۔ مسلمانوں کے ساتھ بے قاعدہ رعایت یا ہمدردی کرنا سرکاری عہدہ داروں کی قدرت سے باہر تھا اس لئے سرسیدؔ اپنے منصب کے لحاظ سے کوئی سلوک ان کے ساتھ نہیں کرسکتے تھے، اگرچہ ان کے مرادؔ آباد میں آنے سے کسی قدر ان ناگفتہ بہ بے اعتدالیوں کا انسداد ہوا جو خاص مرادؔ آباد میں بعض ناخدا ترس لوگ سرکار کی خیر خواہی کے پردہ میں کرتے تھے کیونکہ حسن اتفاق سے انہیں دنوں میں اسٹریچیؔ صاحب مرادؔ آباد کے کلکٹر و مجسٹریٹ مقرر ہوگئے تھے اور ان کو سرسیدؔ کی رائے اور مشورہ پر پورا اعتماد تھا۔"[1]

"باغیان امروہہؔ" کے عنوان سے جو مطول فہرست مرتب ہوئی تھی اس کے لحاظ سے یہاں کے بعض رئیسوں کی جائدادیں معرض خطر میں تھیں۔ سرسیّد مرحوم نے اپنے ایک لکچر میں ضلع مرادآباد کے متعلق فرمایا تھا کہ ایک بڑا غمکدہ ہماری قوم کے رئیسوں کی بربادی کا تھا[2]۔ ان الفاظ ہی سے یہاں کی تباہی کا تھوڑا بہت اندازہ ہوسکتا ہے۔ ۱۸۵۹ء میں باغیوں کی جائداد منضبطہ کی تحقیقات کے متعلق جو اسپیشل کمیشن بیٹھا اس میں دو یورپین ممبر ایک کمشنر روہیلکھنڈ اور دوسرے جج مرادآباد کے علاوہ ایک ہندوستانی ممبر یعنی سرسیّد مرحوم مقرر ہوئے، مولانا حالیؔ 'حیات جاوید' میں فرماتے ہیں۔

---

[1] [حیات جاوید صفحہ ۷۱] [2] [حیات جاوید صفحہ ۱۷]

"جائدادیں ادنی ادنی شبہ پر ضبط ہوگئی تھیں اور انگریزی حکّام نیچرل طور پر ہندوستانیوںؔ کی طرف سے عموماً بدگمان اور نہایت غیظ و عضب میں بھرے ہونے تھے۔ خصوصاً ضلع مرادآباد پر گورنمنٹ کا سخت عتاب تھا اور انگریز افسروں کا یہاں اعتدال پر رہنا دشوار تھا۔ مرادآباد کے معتبر اشخاص سے سنا گیا ہے کہ سرسیدؔ کی شرکت کے سبب یہاں کے کمیشن نے عذر داریوں کی تحقیقات نہایت اعتدال اور انصاف کے ساتھ کی اور صوبہ شمال مغرب میں ضبط شدہ جائدادیں جس قدر ضلع مرادآباد میں واگذاشت ہوئیں ایسی کسی اور ضلع میں نہیں ہوئیں۔"

خیر خواہان حکومت کو انعامات:

ذیل میں ان لوگوں کے نام مع تفصیل صلۂ خدمات درج کئے جاتے ہیں جو ایامِ غدر میں سرکار انگریزی کے خیر خواہ اور نواب صاحب رام پور کے عہدِ انتظام میں کارکن رہے، نیز امروہہ و ضلع کے دیگر مقامات پر مختلف خدمات انجام دینے کے صلہ میں انعامات حاصل کئے۔

تفصیل خدمات وانعامات	نام	نمبر
امروہہ کے ساکن، قوم کے جاٹ اور کلکٹری میں ناظر کے عہدہ پر مامور تھے، کچھ زمینداری بھی ان کے پاس تھی۔ جب میرٹھ کے غدر کی خبریں مرادآباد پہنچیں تو ان کو مع جاٹوں کی ایک کثیر تعداد کے انتظام قایم رکھنے کے واسطے امروہہ بھیجا گیا۔ بعد میں یہ امروہہ کے ناظم مقرر رہے۔ پھر نواب صاحب رام پور کے عہد انتظام میں جنوبی حصۂ مرادآباد کے ناظم رہے۔ ایامِ غدر میں حکومت انگریزی کی عمدہ خدمات انجام دیں۔ صلۂ خدمات میں راجہ کا خطاب اور گیارہ مواضعات انعام میں دئے گئے۔	گور سہائے	۱
مرادآباد کے کوتوال تھے مولوی منّو کے فتنۂ وفساد کو دفع کرنے کے صلہ میں ایک گاؤں ضلع بریلی میں ایک ہزار روپیہ سالانہ کی آمدنی کا انعام ملا۔	منشی امام الدین کمبوہ امروہوی	۲
ان کے باپ مددعلی امروہہ میں تھانہ دار تھے اور ابتدائے ایامِ غدر میں مارے گئے تھے، خود انہوں نے بھی باغیوں کی گرفتاری میں عمدہ خدمات انجام دیں اور پانچ گاؤں انعام میں حاصل کئے۔	افضل علی	۳
شہامت خان جمعدار مددعلی کے ساتھ امروہہ میں مارا گیا تھا اسکے ورثاء کو شاہ پور موضع انعام میں دیا گیا۔	وارثان شہامت خان	۴

۵	سید علی مظفر خان و سید علی منتظم خان (گھڑیال والے)	امروہہ میں ۱۹رمئی کو ۱۸۵۷ء کو جب باغیوں نے تھانہ و تحصیل پر حملہ کیا انہوں نے بہ معیت اپنے اعزاء اور ملازمین وغیرہ سعد اللہ خان ۱ منصف امروہہ کی جان بچائی۔ ان کو مع کاغذات عدالت منصفی اپنے مکان پر لاکر ٹھہرایا۔ شہر کے بقالوں اور مہاجنوں کو بھی لوٹ کھسوٹ سے بچایا۔ شہر کی حفاظت میں مستعدی سے مدد کی، صاحب کمشنر سے جو نینی تال میں مقیم تھے برابر خط و کتابت جاری رکھی۔ شہزادہ فیروز شاہ کا مقابلہ جب ناظم امروہہ کی فوج سے ہوا انہوں نے ناظم مذکورہ کی اعانت کی۔ پروانہ خوشنودی و اعتراف خدمات مورخہ ۲۳راکتوبر ۱۸۵۸ء عطا ہوا۔
۶	سید محمد حسن خان (دانشمند)	امروہہ میں انتظام قائم رکھنے اور یہاں کے حالات سے حکام بالخصوص ناظر گور سہائے کو اطلاعات دینے میں مدد کی۔ پروانہ خوشنودی عطا ہوا۔
۷	پیر امین الدین (پیرزادہ)	بہ شرح صدر۔ ناظر گور سہائے قیام امروہہ کے زمانہ میں کچھ عرصہ ان کے مکان محلہ قریشیان میں مقیم رہے۔ پروانہ خوشنودی عطا ہوا۔
۸	پیر محمد علی جان (پیرزادہ)	جون ۱۸۵۷ء سے اکتوبر ۱۸۵۸ء تک برابر ناظر گور سہائے کے ساتھ رہے۔ پروانہ خوشنودی عطا ہوا۔
۹	سید ظہور حسن (دوست علی والے)	ابتداء میں کچھ عرصہ امروہہ کے ناظم رہے۔ ان کے دونوں فرزند سید منظور حسن و سید نور الحسن اور ان کے بھائی سید ظہور حسین بھی معین و مددگار رہے۔
۱۰	مولوی محب علی خان (عباسی)	نواب صاحب رام پور کی جانب سے امروہہ کے تحصیلدار رہے۔ بدامنی کے زمانے میں انتظام قائم رکھنے میں خدمات لائقہ انجام دیں۔ اعتراف خدمات میں خطاب ''خانی'' من جانب نواب صاحب رام پور اور پروانہ خوشنودی حاصل کیا۔
۱۱	مولوی کریم بخش (عباسی)	نواب صاحب رام پور کے عہد انتظام میں کوٹ گشت یعنی انسپکٹر پولیس رہے۔ اعتراف خدمات میں پروانہ خوشنودی حاصل کیا۔
۱۲	حکیم امجد علی خان (کمبوہ)	ایام غدر میں شاہجہاں پور میں تحصیلدار اور انگریزی حکومت کے بڑے بہی خواہ تھے۔ شاہجہاں پور اور امروہہ میں خدمات لائقہ انجام دیں۔ صلہ خدمات میں ڈپٹی کلکٹری کا عہدہ ملا۔
۱۳	سید فرحت علی (دوست علی والے)	ابتدا ریاست رام پور میں بہ عہدہ رسالداری مامور تھے۔ ایام غدر میں دو سو سواروں کے افسر کی حیثیت سے من جانب نواب صاحب رام پور امروہہ میں تعینات رہے۔ آپ کے فرزند سید ابراہیم علی و ریحان علی شریک کار رہے۔
۱۴	سید یعسوب الدین (دوست علی والے)	من جانب نواب صاحب رام پور امروہہ میں کچھ عرصہ تھانہ دار رہے۔ خدمات مفوضہ کو خوش اسلوبی سے انجام دیا۔

۱ سعد اللہ خان، منصف بعد میں نواب محمود خان باغی کے شریک کار ہوئے۔

۱۸۵۷ء کے بعد سے:

۱۸۵۷ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہاتھوں سے زمام حکومت کلیتاً نکل کر عمال سلطنت برطانیہ کے ہاتھ میں آگئی۔ اس وقت سے سوائے اس کے کہ کبھی کبھی بعض فرقوں کے تنگ خیال اور گندہ دہن لوگوں کی شرارتوں اور عدم رواداری کی وجہ سے مذہبی تنازعات ہوتے رہے اور کوئی واقعہ ایسا پیش نہیں آیا جو شہر کے امن وامان میں خلل انداز ہوتا۔ بدقسمتی سے ڈسٹرکٹ گزیٹیر کے اس بیان میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ امروہہ کے شیعہ وسنّی فرقہ ایک دوسرے کے خلاف مذہبی منافرت وعداوت کے جذبات رکھتے ہیں اور بہت معمولی سی بات پر ایک دوسرے سے دست وگریبان ہونے پر آمادہ ہوجاتے ہیں۔ غدر سے کچھ عرصہ پہلے شیعہ وسنّی لڑپڑے تھے۔ ایک اور ہنگامہ میں بھی جو بعض ساکنان محلہ دربارکلاں ومحلہ مولانا کے مابین واقع ہوا تھا ایک دو جانیں ضائع ہوئی تھیں لیکن اس زمانہ میں ایسے مآل اندیش، مخلص اور بارسوخ بزرگ فریقین میں موجود تھے کہ باوجود قتل وخونریزی کی سنگین وارداتیں ہوجانے کے صرف رات کی رات میں تمام نزاعات باہمی کا آپس میں مل بیٹھ کر خود فیصلہ کرلیا۔ عمال پولیس اور حکومت کو دست اندازی اور مداخلت کا مطلق موقع نہ دیا۔ حکومت نے زائد پولیس کے اخراجات کا ٹیکس مبلغ پچیس ہزار روپیہ کا جرمانہ باشندگان شہر پر عائد کیا تھا جس کے خلاف اسی زمانہ میں صدائے احتجاج بلند کی گئی تھی۔ موقع واردات جامع مسجد محلہ مولانا کا وہ مقام تھا جہاں اب بھی آٹھویں محرم کو تعزیوں کے جلوس کے ساتھ شاید پچھلی مخالفتوں کی یاد تازہ کرنے کے لئے فریقین کا غیر معمولی ہجوم ہوتا ہے اس کے علاوہ دل آزار کتابوں کی اشاعت اور مذہبی مناظرے بھی فریقین کے ناعاقبت اندیش لوگوں کی بدولت ہوتے رہے۔ کتاب 'ناصر الایمان' پر جو حکیم امجد علی خان کے نام سے غالباً مولوی سید رافت علی کی کسی تصنیف پر لکھی گئی تھی امروہہ کے شیعہ وسنّیوں کے درمیان ۱۳۱۰ھ میں سخت ہنگامہ رہا۔ بالآخر اس کتاب کے نسخے بہ حکم صاحب کمشنر بریلی تلف کئے گئے ۱۹۰۲ء میں ہندو اور مسلمانوں کے درمیان ایام عشرہ محرم میں بلوہ ہوگیا تھا جس کے فرو ہونے پر مقدمات قائم کئے گئے۔ بعض لوگوں کو سخت سزائیں دی گئیں اور عمائدین شہر میں سے بھی بعض آنریری مجسٹریٹوں کو معطل کیا گیا۔ اب کچھ عرصہ شیعہ وسنّی کے اختلافات کے ساتھ ساتھ بدعتی اور وہابی کے جھگڑے شروع ہوگئے ہیں۔ بیرونجات سے کرایہ کے واعظ بلائے جاتے اور دھوم دھام سے جلسے ہوتے ہیں۔ مجالس وعظ اس وقت تک کامیاب نہیں سمجھی جاتیں جب تک کہ فریق مخالف پر سب وشتم اور لعن طعن کی اچھی طرح بوچھاڑ نہ ہو اور فریقانہ بغض وعناد کی چنگاریوں زور وشور سے بھڑک کر اتحاد واخوۃ اسلامی کی حبل متین کو جلا کر خاک سیاہ نہ کردیں اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ اے کاش ان مدعیان علم کی حقیقت سے اہل شہر واقف ہوں اور ان کے زہریلے اثر سے محفوظ رہ کر اتحاد قومی کے شیرازہ کو منتشر نہ ہونے دیں۔

بعض "جاہل" جنہیں دعویٰ ہے کہ ہم عالم ہیں
گھر سے نکلے ہیں کہ دیں قوم کو درسِ اخلاق
مگر اطوار ہیں ایسے کہ ہر ایک محفل میں
بات جو منہ سے نکالی وہی تھی کان پہ شاق
اختلاف ان سے جنہیں ہو انہیں گالی دیں گے
ان لفظوں کا کچھ اس درجہ ہے بیہودہ مذاق
گالیاں دیکے بھرا پیٹ تو کردی تکفیر
اس سے اکتائے تو جاری ہوا فتوائے طلاق
کیوں نہ اسلام ہو ایسے علما سے بیزار
جن کی ہر بات سے پیدا ہو شقاق اور نفاق
ان مشاغل سے یہ ہے ان "جہلا" کا مطلب
کہ نہ چھن جائے ہمارا کہیں حلوائے طباق

آثار قدیمہ

آثار قدیمہ عہد ہنود

شائقین آثار قدیمہ کے نکتۂ خیال سے نہایت افسوس ہے کہ امروہہ میں ہندؤں کے عہد آثار قدیمہ میں سے کوئی چیز موجود نہیں ہے۔ اول تو فاتحین نے ہی مفتوح قوم کی تمام یادگاروں کو مٹادیا اور کچھ دستبرد زمانہ کے ہاتھوں پردۂ فنا میں روپوش ہوگئیں راجہ کے محلات، قلعہ، پرانے مندر اور تجانوں کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا، بڑے بت خانہ کی بجائے خانہ خدا تعمیر ہوا، مسجد کیقبادی (صندو کی مسجد) اس کی یادگار ہے بت خانہ کے کچھ پتھر مسجد کے صحن اور دروازہ کے نیچے تہہ خاک گویا زبان حال سے کہہ رہے ہیں۔

بہ بیں کرامت تبخانہ مرادی شیخ — کہ چون خراب شود خانہ خدا گردد

پختہ فصیل مسلمانوں کی آمد کے چند صدیوں بعد تک باقی تھی، شہر کی آبادی جب بڑھنے لگی تو یہ بھی کھد گئی، اس کے دروازے ایک عرصہ تک قایم رہے، غدر ۱۸۵۷ء سے پہلے محلّہ بت خانہ میں کسی تعمیر کے لئے بنیاد کھودی گئی تو ایک دو زینخ بڑی بڑی اور موٹی اینٹوں کی برآمد ہوتی تھی، جو اتنی گہری تھی کہ ان ہی اینٹوں سے کئی مکانات تعمیر ہوگئے اور بیخ کا کچھ حصہ پھر بھی باقی رہ گیا یہ اسی پرانے قلعہ کے ایک برج کی بیخ تھی اور بھی مختلف مقامات سے اس وضع کی اینٹیں برآمد ہوتی رہی ہیں، جو بلاشبہ ہندو راجاؤں کے قلعے اور محلات کی بنیادوں کی اینٹیں ہیں۔ ۱؎

﴿تصویر صفحہ ۸۶﴾

بائیں کا کنواں:

شہر سے باہر بہ سمت گوشۂ شمال و مغرب دو میل کے فاصلہ پر ایک باؤلی البتہ ہندؤں کے عہد کی یادگار بتائی جاتی ہے جو عرف عام میں ''بائیں کا کنواں'' مشہور ہے بیان کیا جاتا ہے کہ باؤلی راجہ کرپا ناتھ کے باغ کی ہی جو کائستوں کے سورج دھج خاندان کا راجہ تھا۔ لیکن طرز تعمیر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسلامی عہد کی تعمیر ہے یا اس عہد میں اس کی ترمیم کی گئی ہے۔ یہ باؤلی بہت وسیع اور قدیم طرز کی کنکر کے پتھر سے بنی ہوئی ہے۔ سیڑھیاں نیچے پانی تک چلی گئی ہیں جن کے جانبین دالان بنے ہوئے ہیں ۱۹۰۲ء میں اس کی مرمت ہوئی تھی۔ ہر سال یہاں چھڑیوں کا میلہ لگتا ہے۔ ۲؎ ﴿تصویر صفحہ ۹۷﴾

۱؎ ڈسٹرکٹ گزیٹیر۔ ۲؎ بابو شیو رتن نجھانی نے اپنے خاندانی حالات کے تذکرے میں ضمناً اس کا اظہار کیا ہے کہ بائیں کا کنواں ان کے مورث اعلیٰ سری رام قانون گو عہد جہانگیری کا بنوایا ہے اور اس اراضی میں واقع ہے جو ان کو حسب فرمان جہانگیری ... ۱۱ جلوس مطابق ۱۰۲۵ھ میں ''موازی یک صد بیگہ زمین یک حصہ ... سری رام پور'' بادشاہ کی جانب سے مدد معاش میں عطا ہوئی تھی۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔ لیکن خود اس کنوئیں کا نام اس بات کی دلیل ہے کہ یہ اس عہد سے قبل کی تعمیر ہے۔ اس قسم کے زینہ دار کنوؤں کو ہندؤں کے عہد میں ''بائیں'' کہتے تھے۔ ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں میں بابر نے ایسے کنوئیں بنوائے اس وقت سے ان کو 'باؤلی' کہنے لگے۔ اس قسم کے کنوؤں یا باؤلیوں کا رواج ہندوستان میں بہت قدیم زمانے سے ہے۔ خود بابر بادشاہ نے لکھا کہ ''ہندوستان چاہ کلانے زینہ دار بائیں می گویند''

باؤلی کا لفظ بھی اصل میں ''باہوں'' تھا۔ یعنی اس چشمہ کو کہتے ہیں جو فوارہ کی مانند زور سے زمین کے اندر سے نکلتا ہے۔ ''بائیں'' کا لفظ ابن بطوطہ نے بھی اپنے سفرنامہ میں استعمال کیا ہے اس لیے امروہہ میں بائیں کا کنواں منشی سری رام قانون گو کے عہد جہانگیری کا بنوایا خیال کرنا صحیح نہیں۔ اغلب یہی ہے کہ یہ کنواں شروع اسلامی عہد کی یادگار ہے اور یہ بہت ممکن ہے کہ وہ اراضی جس میں یہ ''باؤلی'' تھی پہلے سے موجود تھی من جانب سلطنت اسلامی منشی سری رام کو عنایت ہوئی تھی۔

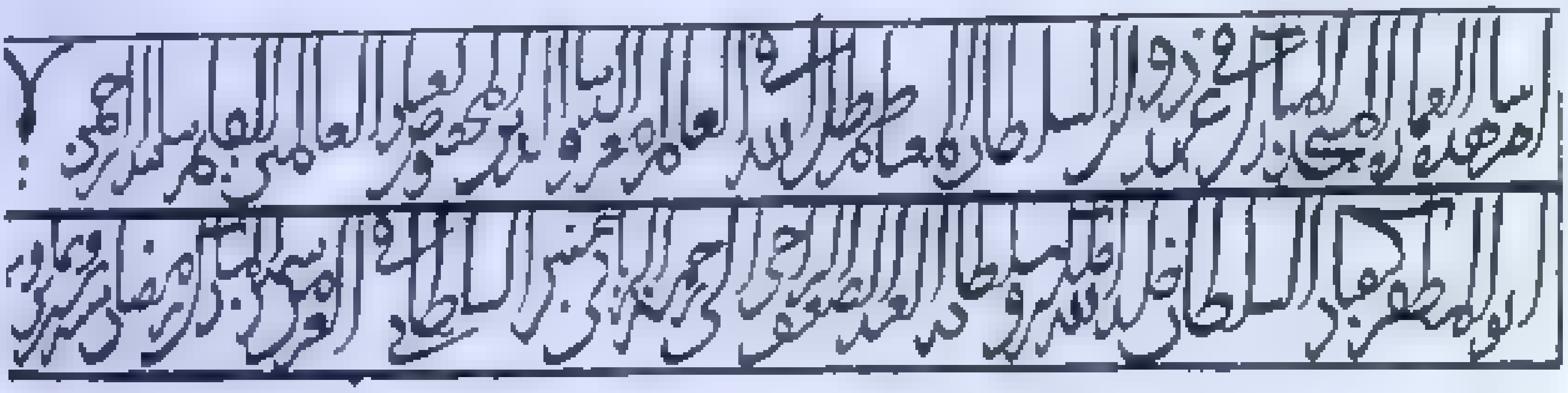

قدیم کتبہ جات جو مسجد کیقابادی کی دیواروں پر نصب ہیں

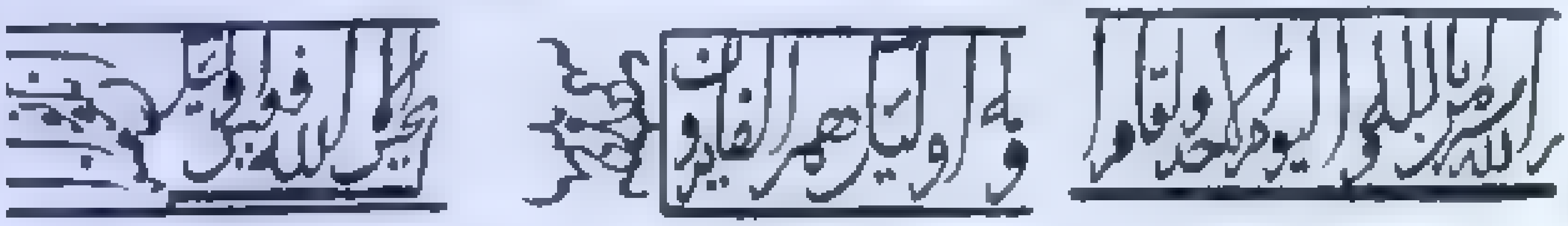

آیات قرآنی کی بعض کتبوں کے ٹکڑے

آیات قرآنی مسجد صدو

آثار قدیمہ عہد ہنود

ہندوؤں کے عہد کی کوئی عمارت امروہہ میں موجود نہیں لیکن اس عہد کی عمارتوں کی اینٹیں بعض مقامات سے وقتاً فوقتاً برآمد ہوتی رہی ہیں۔

محلہ شیخ چا بن کی مسجد کے دوبارہ تعمیر کے وقت بنیادوں کے لیے جو زمین کھودی گئی اس میں سے ایسی ایسی اینٹیں برآمد ہوئیں جن پر نقش ونگار اور مورتیاں بنی ہوئی تھیں۔

ذیل میں بعض اینٹوں کی تصویریں درج کی جاتی ہیں:

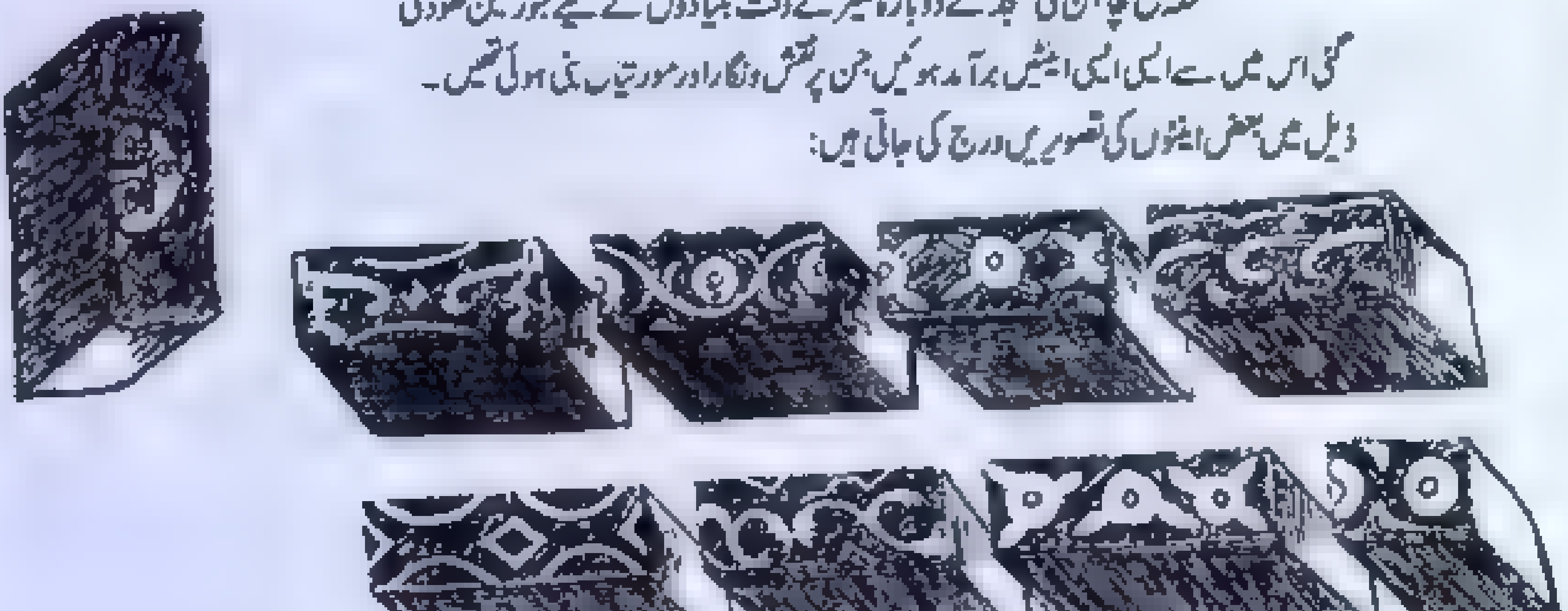

آثار قدیمہ عہد ہنود

بانسدیو تالاب:

یہ تالاب بھی امروہہ میں بہت قدیم ہے۔ بعض لوگ اسے بانسدیو نام ایک ہندو فقیر کا بنایا ہوا بتاتے ہیں اور بعض خیالی رام کھتری ساکن محلہ کالا کنوئیں کا، غالباً یہ تالاب ہندوؤں کے عہد کی یادگار ہے۔ بعد میں یہاں چند مندر اور شوالے بھی تعمیر ہو گئے ہیں۔ اس کے علاوہ مکندوالے باغ کے پاس قدیم کنوئیں بھی ہیں جو اسی عہد کی یادگار بتائے جاتے ہیں۔ ﴿تصویر صفحہ ۹۸﴾

آثار قدیمہ عہد اسلامی

مسجد کیقبادی:

یہ مسجد جواب "صدو کی مسجد" کے نام سے مشہور ہے امروہہ کی قدیم ترین عمارت ہے۔ ۶۸۶ھ میں ملک عنبر سلطانی حاکم امروہہ نے اس کو تعمیر کرایا تھا۔ تعمیر عمارت کا حسب ذیل کتبہ تحبط ثلث اندرون مسجد شمالی جوتہ پر دو سطروں میں کندہ ہے۔ ﴿تصویر صفحہ ۹۹-۱۰۰﴾

امر بنياء هذه العمارت المسجد المباركة في عهد دولة
السلطان المعظم ظلّ الله في العالم معز الدنيا والدين المخصوص
بعباد ربّ العالمين القائم بتائيد الرّحمٰن ابوالمظفر كيقاد السّلطان
خلدالله ملكه وسلطانه العبد الضعيف الرّاجى الى رحمة الرّبانى عنبرّ
سلطانى فى الغرة من شهر المبارك رمضان سنة ست وثمانين و ستماء

ملک عنبر نے قرآن پاک کی آیت بھی پتھروں پر کندہ کرا کے مسجد کی محراب اور دروں پر نصب کرائی تھیں۔ ان آیات کے چند ٹکڑے اب بھی مسجد کے دروازہ کے اندرونی رُخ پر نصب ہیں ایک میں "وَاولٰئِكَ هُمُ الفائِزُون" پڑھنے میں آتا ہے۔ ﴿تصویر صفحہ ۸۶﴾

۹۶۳ھ میں جب یہ عمارت کسی صدمہ سے شکستہ ہو گئی تھی تو قطب الدین قتاق خاں نے، جو اس زمانہ میں امروہہ کے حاکم تھے، اس کی مرمت کرائی۔ اس کی تصدیق حسب ذیل کتبہ سے ہوتی ہے جس کے تین شعر مسجد مذکور کے جنوبی در کی پیشانی پر اور دو شعر دروازہ مسجد کے شمالی پایہ پر منقوش ہیں۔

در عہد عدل خان زمان فلک جناب — کز فیض عدل است وجہاں خلد جاودان
کان سخاؤ خواجۂ دنیا و قطب دین — عالی تبار قافلہ سالار راستان
ازبہر خاص و عام جہان ساخت مسجدے — کز مسجد الحرام و دہد در صفا نشان
فرشش بہ روشنی و شرافت چو آفتاب — سقفش بہ سادگی و لطافت چو آسمان
تاریخ ایں خجستہ بنا بررواق چرخ — کلک قضا نوشت بنائے قتاق خان

۹۶۳ھ

اس کے بعد ۹۸۱ھ میں یہ مسجد پھر شکستہ ہوگئی۔ اس وقت سیّد محمد میر عدل امروہوی نے نہ صرف اس کی مرمت کرائی بلکہ اس کی تعمیر میں اضافہ بھی کیا۔ ابتداءً مسجد کے صرف تین گنبد تھے سیّد محمد میر عدل نے ان پر دو گنبدوں کا اور اضافہ کیا حسب ذیل کتبہ اندرون مسجد جنوبی جوتہ پر کندہ ہے۔

بہ عہد اکبر غازی جلال دولت دین	مدار ملک و ملل بادشاہ خلق اللہ
زمانہ خادم درگاہ اوست بے تکلیف	ستارہ بندۂ میزان اوست بے اکراہ
بنا نمود در امروہہ مسجد جامع	معزّ دین محمد امیر خلق پناہ
سپہر مرتبہ سیّد محمد عادل[1]	کہ وصف اوشدہ اور اوخلق یکہ دگاہ
دلم چونکۂ تاریخش از خرد پرسید	جواب دادا روان مصرعے خوش دلخواہ
ہنوز ہائے اخیر و بگوئے تاریخش	بنائے میر عدالت پناہ عالی جاہ

قائلہ وکاتبہ عارفی ۹۸۱ھ

تیسری مرتبہ جب پھر یہ مسجد قابل مرمت ہوگئی تو ۱۱۶۳ھ میں مسلمانان امروہہ نے اس کی مرمت کے لیے اہل شہر سے عام چندہ کی اپیل کی۔ اس اپیل کی نقل، جس کو اس زمانہ کی اصطلاح میں "صورت حال" کہا جاتا تھا تاریخی دلچسپی کے لحاظ سے ذیل میں درج کی جاتی ہے۔ اس پر تقریباً نوّے اشخاص کے دستخط ثبت تھے۔ دستخط کنندگان میں نصف تعداد سادات کی ہے اور نصف دیگر شرفاء امروہہ کی۔ مثلاً میر اسد اللہ خان عرف میر کلو، سیّد علی اعظم خان (گھڑیال والے)، سیّد تاج محمود خان (دانشمند)، سیّد شجاعت علی (جدامجد سیّد معظم حسنین محلہ گذری)، سیّد محمد صلابت، سیّد محمد کفایت و سیّد محمد امانت (شفاعت پوتہ)، سیّد علی حسن خان (درباں کلاں)، خواجہ خیر اللہ خان (محلہ بخشی)، مولوی محمد سعید عباسی، مولانا غلام مصطفےٰ عباسی، مولانا نواز محمد عباسی، ابوالمکارم عباسی، نظام الدین عباسی (محلہ مولانا) وغیرہ

نقل صورت حال درج چندہ مرمت جامع مسجد امروہہ مرقومہ ۱۱ شوال ۱۱۶۳ھ

بِسمِ اللّٰهِ الرّحمٰنِ الرّحِيم لهُ الحَمدُ وَبِه نَستعين وَالصَّلوة علىٰ رسوله واله واصحابه احمعين ٥حق سبحانه تعالىٰ درقرآن مجيد و فرقان حميدی فرمايد ـ انّما يعمر مساجدَ اللّٰه من اٰمن باللّٰه واليوم الاٰخر واقام الصّلوة واتى الزّكوة ولم يخش الا اللّٰه فعسىٰ اولئك ان يكونوامن المرهتدين ٥

معنی آیۂ کریمه این است که بنا نمی کند مسجد ہائے خدائے تعالیٰ رامگر آن کس که ایمان آورده است به خدائے تعالیٰ و ایمان آورده است به روز قیامت وکسے که قایم کرده است نماز ادواده است زکوة راد نه می ترسد مگر از خدائے تعالیٰ و اقدس پس زوداست که آنہا یعنی تعمیر کنندگان مساجد باشنداز ہدایت یافتگان و فرموده است رسول خدا صلّی الله علیه وسلّم ـ

---

[1] یعنی سیّد محمد میر عدل۔ ضرورت شعری کے لیے "عادل" لکھا گیا۔

منْ بنیٰ مسجداً بنی الله لهٗ بیتاً فی الجنّة ٥ معنی حدیث شریف این است که آن کس که بناه کند مسجد رابناه کند خدائے تعالیٰ برائے آن کس خانه دربهشت ۔

بربریك از سادات عظام و مشائخ کرام و جمهورانام سکنه قصبه امروہۂ روشن و مُبرین است که مسجد جامع قصبۂ مذکور در عهد سلطان معزالدّین کیقباذ بنا شدۂ و قریب پانصد سال بر تعمیر این مسجد منقضی گشته چنانچه تاریخ بناه که برسنگے ازان مسجد منقوش است غرۂ رمضان المبارك ٦٨٦ھ است و بمت وبزرگان اسلاف برمرمّت و تعمیر این مسجد مبارك مصروف مانده چنانچه مغفرت پناه میر سیّد محمد عادل ١ مرحوم در ٩٩١ ہجری ٢ مرمت نمود و دوگنبد برسه قدیم زیاده بناه فرموده حالا مسجد مذکور به سبب کهنگی شکسته شده نوبت به آن رسیده که از پادر آید و باز بنائے این چنین مسجد عالی شان از سر نو خیلے وشواراست پس چوں ثواب بنائے مسجد به موجب فرموده خدائے تعالیٰ و رسول اوﷺ ثابت است لهذا برذمهٔ ہمت کافه انام وجمهور اہل اسلام لازم وواجب است که سعی بلیغ نموده تربیت و مرمّت ایں مسجد نمایند چوں مبلغے خطیرمی باید تا ایں مسجد درست شوده یك کس طاقت میر انجام آں ندارد بنا بر آں تدبیر سر انجام مبلغ مطلوبه به ایں وضع است که ہریك از سادات و شرفا واہل حرفه یك تنکه شاہجهانی فی نفرازذات خود وعیاں واطفال خود بدہندو جاگیر داراں فی لك دام پنج روپیه و سکّان دہات دو روپیه سردیہه آبادویك روپیه سردیہه پاہی کاشت سر انجام نمایند تا ثواب یابند و حق سبحانه تعالیٰ درمال و اولاد آنہا خیر و برکت دہدد پندداں مطیع الاسلام که ربقهٔ اطاعت اسلام درقبهٔ جان دارند دریں امرنیك انجام با مسلمین موافقت نمایند تادوز مره اہل اسلام نیك نام باشند ۔

نخیاں زاموال بری خورند نخلاں غم سیم وزری خورند

تحریر فی التّاریخ یازدہم شهر شوّال المکرم ١١٦٤ه یکہزارویك صد و شصت و چهار ہجری "

چندہ فراہم ہوا، مرمت بھی ہوگئی لیکن افسوس اسی زمانہ میں صدّو کے میلہ سے جلب منفعت وکشید زر کے لالچ نے مہتمم ومتوسلین مسجد اور بعض اہل محلہ کو خانۂ خدا کے اصلی مقصد سے بے پرواہ کردیا، مسلمانانِ شہر نے دوسری مسجد واقع محلّہ مولانا کو آباد کیا اور یہ نہایت قدیم مسجد جامع اور تاریخی ومتبرک عمارت چندلوگوں کی حرص وآز اور عام مسلمانوں کی غفلت اور مُداہنت کا شکار ہوگئی۔

١ یعنی میر سید محمد میر عدل امروہوی ٢ یہ کتاب کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔ اصل کتبہ میں ۹۹۱ھ کندہ ہے۔

عزیزوں نے اس سے توجہ اٹھالی عمارت کا ہے اُس کی اللہ والی

یہ مسجد جو پانچ صدیوں سے زیادہ مدت تک امروہہ کی مسجد جامع رہی، جہاں مسلمانانِ امروہہ کے اسلاف کرام علماء وفضلاء، مشائخ اولیاء خالق معبود کی عبادت میں معروف رہتے تھے جس مقام کو ان بزرگوں کی نورانی پیشانیاں سجدہ میں مس کرتیں آہ وہ متبرک مقام اب مشرکین کا جولانگاہ بنا ہوا ہے، جس مقام پر کلام پاک کی تلاوت، تفسیر وحدیث کا درس ہوتا تھا، جہاں علماء وطلباء کا ہجوم رہتا تھا وہاں مکانات مسکونہ تعمیر ہوگئے، مسجد کا کنواں تک میٹسن ہال کے چبوترہ میں شامل کرلیا۔ مسجد کے دو گنبد ومینار ٹوٹے پڑے ہیں، نہ فرش وفروش ہے اور نہ روشنی وصفائی کا انتظام، نہ بانگ وصلوٰۃ کا اہتمام۔ اب یہ خانہ خدا مسلمانانِ امروہہ کی غفلت اور بے حسی کا مرثیہ خواں ہے۔

"وہ کن کا خدا ہے کہ جس کا یہ گھر ہے!!"

مسجد جامع کلاں:

معمرہ شیخ عمر حسین بن شیخ پیرک"۔ یہ مسجد محلہ کنکوئی میں تحصیل کے محاذ میں ہے۔ کوئی کتبہ مسجد میں نصب نہیں تاہم متعدد فرامین وپروانجات شاہی سے جو خاکسار مؤلف کی نظر سے گذرے، معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسجد ابتدائے عہد اکبری میں اس زمانہ کی تعمیر ہے جب مسجد کیقبادی کی شکستگی کی وجہ سے امروہہ میں نماز جمعہ کے لئے کوئی دوسری وسیع مسجد باقی نہ تھی۔ اوائل عہد مغلیہ میں اس مسجد کے مصارف کے لئے (۸ بسوہ) عب بیگہ زمین، من جانب حکومت اسلامی، موضع شاہ پیرک سرائے میں جسے غلطی سے لوگ "پبلک سرائے" کہتے ہیں، دی گئی تھی۔

مسجد عباسیاں:

معمرہ مومن محمد عباسی علیہ الرحمۃ۔ یہ مسجد محلہ مولانا میں خاکسار مؤلف کے جد اعلیٰ مولنٰا محمد عباسیؒ نے اواخر عہد اکبری میں اپنے اس مکان کے متصل، جو اب قاضی ابن عباس صاحب عباسی کی ملکیت ہے، تعمیر کی تھی، مولانائے موصوف جب آخر عمر میں شاہی خدمات سے سبکدوش ہوکر وطن چلے آئے اسی مسجد میں درس دیا کرتے تھے۔ اس مسجد کے مصارف بھی حکومت اسلامی کی جانب سے ادا ہوتے تھے۔ شہنشاہ عالمگیر انار اللہ برہانہ، کا فرمان مجریہ ۲۲ شہر ذیقعدہ ۸ جلوس موافق ۱۰۷۵ھ خاکسار مؤلف کے پاس ہے جس میں "مبلغ شش و نیم تنکہ یومیہ بلا قصوداز محصول پرگنہ امروہہ" اس مسجد کے مصارف کے لئے مقرر کئے گئے تھے۔ بعد میں بعوض یومیہ ایک ملک تعدادی پچیس بیگہ (۲۵ بیگہ) بموجب پروانہ نواب جعفر خاں مجریہ شعبان ۱۰۸۶ھ مصارف مسجد کے لئے وقف ہوگئی جس کا اہتمام مولنٰا عبدالرشید عباسی رحمۃ اللہ علیہ کا خاندان کرتا رہا۔ حال میں اس مسجد میں کچھ ترمیم ہوگئی ہے۔

چلہ کی مسجد:

۱۰۲۹ھ میں زوجہ سید ابوالقاسم ولد سید محمد میر عدل نے تعمیر کرائی تاریخ تعمیر کا کتبہ حسب ذیل ہے۔

در عہد ابوالفتح نورالدین جہانگیر بادشاہ غازی عصمت پناہی بی بی زینب زن سید ابوالقاسم الحسینی والدہ

سید محمد متمم این مسجد را بنا ساخت۔ قطعہ

چو از فضل حق وز مدد مصطفیٰ[1] بنا مسجد خوب مرغوب شد
چو تاریخش از عقل کردم طلب بگفتا بگو، مسجدے خوب شد

اہل محلہ کی کوشش سے ۱۲۸۸ھ میں اس کی مرمت اور استرکاری ہوئی۔ منشی قادر علی ساکن محلہ اس کی کیا خوب تاریخ نکالی۔

چو تاریخ بنا شد مسجدے خوب مرمت خوب، تاریخ مرمت
۱۰۹۲ھ ۱۲۸۸ھ

مسجد درگاہ ملک الشہداء حاجی سلیمان:

واقع محلہ شاہی چبوترہ۔ یہ مسجد ۱۰۶۶ھ میں شیخ منصور بن شیخ پیرو منتبائے شیخ تاج نے تعمیر کرائی تھی۔ اس سے پہلے بھی اس مقام پر ایک قدیم مسجد تھی جو مسلمانوں کی آمد کے ابتدائی زمانہ میں بتخانہ کو مسمار کر کے بنائی گئی تھی۔ بتخانہ کے پتھراب بھی صحن مسجد میں دبے پڑے ہیں اور ایک پتھر مسجد کے دروازہ کے پاس الٹا نصب ہے۔ مسجد کے اندر محراب میں ایک پتھر پر یہ عبارت کندہ ہے۔

اللہ محمد علی

بانی مسجد بہ عالم از ہمہ منصور شد
قائلہ وکاتبہ عبداللہ بسلیم ۱۰۶۱ھ

مسجد کے بیچ کے در پر حسب ذیل قطعہ تاریخ کندہ ہے:۔

"ھو اللہ۔ در عہد صاحب قران ثانی شہاب الدین محمد شاہ جہاں پادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ،

چو منصور بن پیرو شیخ تاج پسر کردہ پروردہ باخویشتن
زبعد[1] ایں دو داور چو منصور کرد بنا مسجدے خلدساں خوب روشن
دو تاریخ از سال دو گفتہ طبع اگر نیک دارند اہل سخن
یکے گفت بنا کرد منصور تاج منصور پیرو نوکرد مسجد کہن"

۱۰۶۷ھ ۱۰۶۶ھ

(قائلہ وکاتبہ شیخ مدد وارستا حسین[2])

کچھ عرصہ ہوا اس مسجد کی مرمت ہو کر صحن وسیع کیا گیا اور کچھ اور بھی ترمیم ہوئی۔

مسجد جامع امروہہ:

یہ عالی شان اور خوبصورت مسجد محلہ مولانا میں متصل تالاب بانباڑی مرتفع مقام پر واقع ہے۔ اس کے پیچھے تالاب اور باغات سے پر فضا منظر نے مسجد کی زیبائش کو دوبالا کر دیا ہے۔ موسم برسات میں بالخصوص جب مسجد کے پشت کے دروازے کھلے ہوتے ہیں تو کچھ عجب

---

[1] معلوم ہوتا ہے کہ یہ مصرعہ غلط کندہ ہو گیا۔ [2] یہ الفاظ اسی طرح کندہ ہیں۔

دلآویز اور پُر بہار منظر ہوتا ہے۔ ﴿تصویر صفحہ ۱۰۱-۱۱۱﴾

ابتداءً یہ مسجد صرف ایک پچھلی گہہ اور مختصر سے صحن پر مشتمل تھی اسے سیّد عبدالخالق بن دیوان سیّد محمود بن سیّد عبدالماجد بن سیّد عبدالخالق بن سیّد شاہ ابوالحسنؒ بن سیّد محمد میر عدلؒ نے غالباً ۱۱۷۰ء میں اپنے خاندانی قبرستان سے متصل تعمیر کرایا تھا۔ مسجد سے جانب شمال سیّد شاہ ابوالحسنؒ اور ان کی اولاد میں دیوان سیّد محمود اور دوسرے اشخاص کی قبریں تھیں۔ اس خاندان کے قبرستان کے علاوہ اس مقام پر، جہاں اب صحن کا شرقی حصہ اور حوض وغیرہ ہے دوسرے قدیم خاندانوں کے افراد کی بھی کچھ قبور تھیں۔ سیّد عبدالخالق مذکور نے قبرستان کی خدمت اور مسجد کی جاروب کشی کے لیے ایک نقارچی کو مقرر کیا تھا۔ اسے کچھ اراضی بھی خدمت کے معاوضہ میں دی تھی، اب اس کی اولاد مسجد سے متصل شمالی مغربی گوشہ میں رہتی ہے۔

مسجد کیقبادی میں جو ابتداء سے امروہہ کی جامع مسجد تھی شہر کی آبادی کے بڑھنے سے اوّلاً تو کافی گنجائش نہیں رہی تھی پھر صدوؔ کے میلے کے ہنگامے بھی نمازیوں کی تکالیف کا موجب ہونے لگے۔ اس لیے سیّد عبدالحق کی معمرہ اس مسجد کو، جو بجلی کے گرنے کے حادثہ کی وجہ سے بہت شکستہ اور غیر آباد ہوگئی تھی حضرت قبلہ گاہی کے نانا صوفی خدا بخش عباسیؒ نے ۱۲۷۳ھ میں از سرِ نو درست کرایا، حسب ذیل قطعۂ تاریخ مسجد کی اندرونی گہہ میں محراب کے پاس کندہ ہے مصرعۂ تاریخ بھی بے نظیر ہے۔

ترمیم شکستگی مسجد — از رونق دیں خبر برآورد
ایں مسجد پاک بعد صد سال — از سجدۂ شکر سر بر آورد

۱۲۷۳ھ

اس سے تقریباً بیس برس بعد جب حضرت مولانا مولوی احمد حسن محدثؒ مراد آباد کے مدرسہ مسجد شاہی سے مستعفی ہو کر ۱۳۰۱ھ میں امروہہ تشریف لائے۔ مدرسۂ اسلامیہ کا اس مسجد میں اجراء ہوا، مولانا موصوف بجائے حافظ سیّد مہربان علی کے امام جمعہ مقرر ہوئے اور جمعہ و جماعت کو ترقی ہوئی تو مسجد کی یہ ایک گہہ نمازیوں کے ہجوم کی وجہ سے ناکافی ہونے لگی اس لیے بعض اکابرین شہر و منشی حکیم الدین تحصیلدار وقت نے دوسری گہہ کی تعمیر کی تجویز کی، چنانچہ خود مولانا موصوف حضرت قبلہ گاہی مولوی علی محمد عباسی، نواب وقار الملک مرحوم، مولوی نادر شاہ خان، قاضی نبی بخش عباسی، مولوی امجد علی عباسی، میر غلام جیلانی، سیّد امتیاز علی منصف کی کوششوں اور دیگر عمائدین محلہ دربار کلاں، کٹکوئی، قریشیان، صدو و محلہ چہ کی اعانت سے بہ اہتمام مستری حیات بخش ۱۳۰۱ھ میں زرِ تفریق سے کارِ تعمیر کا آغاز ہوا۔ شیخ گلزار علی (قوم کلال) نے لکڑی اور روپیہ سے بہت کچھ مدد کی اور دو سال کی مدت میں بہ ہزار جدوجہد اس عالی شان تعمیر کی تکمیل ہوئی سیّد ظہور حسن ثاقب (محلہ چلہ) نے حسب ذیل قطعۂ تاریخ لکھا جو اگلی گہہ کے بیچ کے در پر باہر جانب کندہ ہے۔

چوں بہ پیش مسجد اہل سُنن — خوب شد تعمیر نو خاطر پسند
گفت ثاقب مصرعہ تاریخ او — گشت صدر مسجد جامع دو چند

۱۳۰۳ھ

مسجد کا موجودہ عالی شان اور خوشنما دروازہ بھی اسی زمانہ میں تعمیر ہوا خاکسار مؤلف کے برادر بزرگ مولوی محمد داؤد عباسی بی اے (علیگ) مرحوم نے قطعۂ تاریخ لکھا جو دروازہ کی پیشانی کندہ ہے۔

وہ زو دروازہ ہمایوں شاں — کہ بہ رفعت شدہ ز چرخ قریب
یافت واؤد از سروشِ فلک — سالِ تعمیر او عجیب وغریب

۱۳۰۳ھ

اس سے تقریباً تیس سال بعد ۱۳۳۳ھ میں مہتمان مسجد نے شمالاً وجنوباً مسجد کی توسیع کی۔ یہ واقعہ سلطان ابن سعود کے انہدام مقابر کی کارروائی سے بہت پہلے کا ہے ہم امروہہ کی تاریخ میں یاد رکھنے کے قابل ہے کہ توسیع مسجد کی بنا پر بانی مسجد اوران کے اہل خاندان کی جو قبور شمالی قطعہ میں صدیوں سے موجود تھیں وہ مسمار کردی گئیں۔ صوفی خدا بخش عباسی مرحوم کی قبرالبتہ مسمار نہیں کی گئی جو اگلی گہ کے شمالی مینار کے پاس اب تک موجود ہے۔ حضرت مولانائے محدث امروہوی کی قبر بھی صحن مسجد کے جنوبی مشرقی گوشہ میں موجود ہے۔

صحن مسجد کے شرقی کنارہ پر متصل دروازہ قدیم مدرسۂ اسلامیہ کی وسیع عمارت ہے، جس میں درس تدریس کے متعدد کمرے ہیں، مدرسہ کا کتب خانہ ودفتر بھی اسی عمارت میں ہے۔ دارالاقامہ کے متعدد کمرے صحن مسجد کے جانب جنوب اوردروازہ کے متصل ہردو جانب ہیں۔ اب کچھ اور عمارت ایک قطعۂ زمین خرید کر جانب شمال تعمیر ہونا تجویز ہوئی ہے۔

شیری کی مسجد:

یہ متصل کنزہ غلام علی واقع ہے۔ ۱۲۰۳ھ میں کوکل خان مختار عام سید ابراہیم وسید عاقل نے کارواں سرائے کے قریب تعمیر کی تھی۔ کوئی کتبہ تو موجود نہیں لیکن طرز تعمیر یقیناً قدیم ہے۔

مسجد سید ابدال محمد:

یہ خوشنما مسجد بیرون شہر متصل محلہ لکڑہ واقع ہے۔ سید ابدال محمدؒ بن سید محمد منور نے ۱۱۳۱ھ میں تعمیر کرائی تھی۔ حسب ذیل قطعہ تاریخ پتھر پر کندہ ہے۔ ﴿تصویر صفحہ ۱۰۲﴾

سید ابدال حامی اسلام — مسجدے ساخت است عرش مماس
سال تاریخ از خرد گفتہ — خانۂ کعبہ رانہاد اساس

۱۱۳۱ھ

احاطۂ مسجد کے شرقی وشمالی گوشہ میں شاہ عبدالرسول قادری کا مقبرہ ہے جو سید ابدال محمدؒ کے پیر طریقت تھے۔ سید ابدال محمدؒ سنی المذہب، عابد، زاہد، صوفی منش بزرگ تھے۔ صاحب تاریخ اصغری لکھتے ہیں۔

"سید ابدال محمد منصب دار شاہی تھے۔ نواب دوندے خان کے عہد میں بڑی عزت اور توقیر پائی۔ نواب ممدوح ان کو اپنا پیر کہتے تھے۔ سید موصوف نے ایک مسجد تعمیر کی اور کنواں بنایا اور شاہ عبدالرسول کا

عکس وصیت نامہ سید فیض احمد ولد سید ابدال محمدؒ

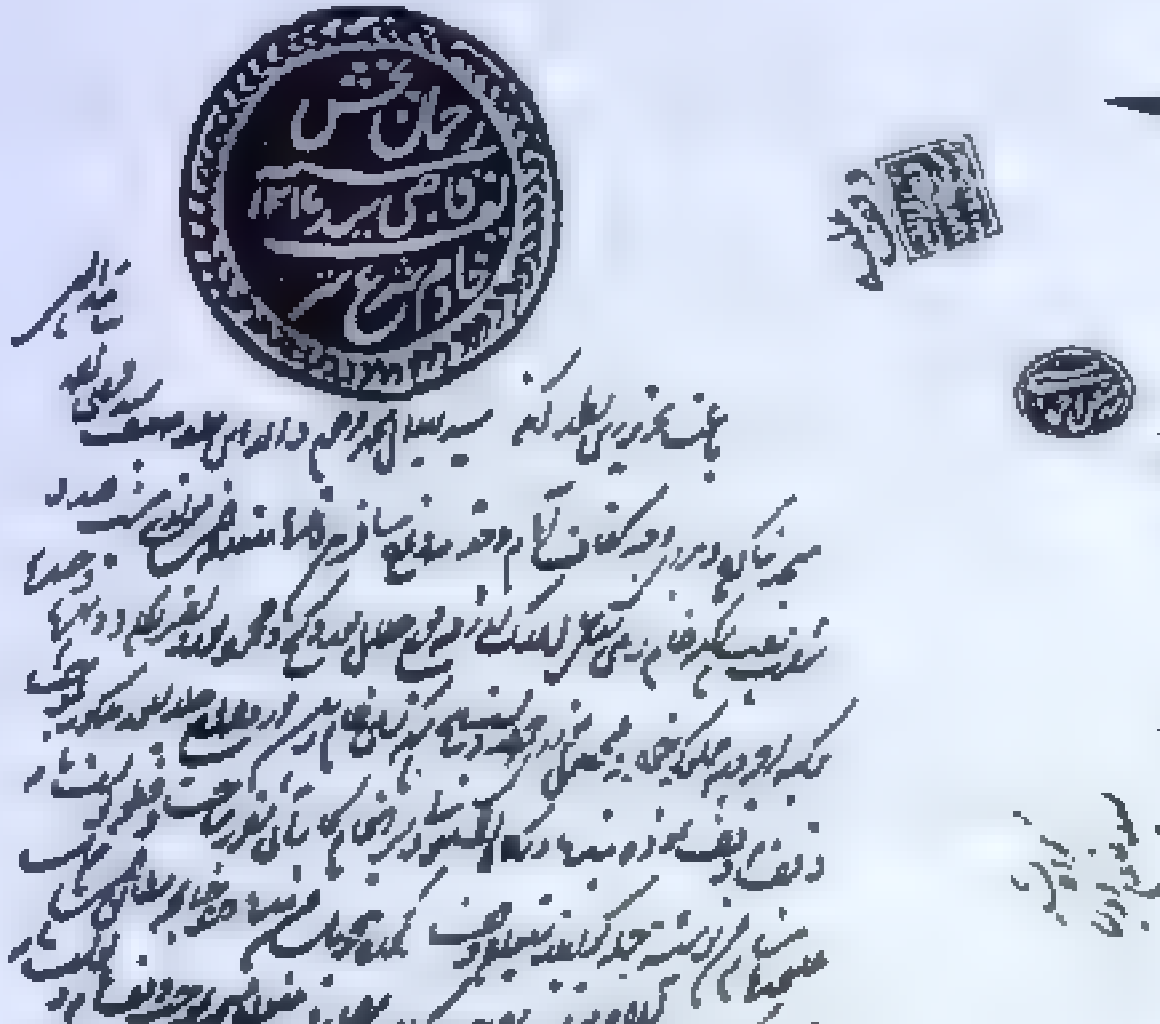

مقبرہ جن کو دہلیؒ سے اپنے ہمراہ لائے تھے مسجد مذکور کے احاطہ میں بنوایا جس کا برج بہت خوبصورت ہے۔ موضوع جلالؔ پور وغیرہ جانداد معافی بنام مسجد وقف کر کے اپنے بیٹے سیّد فیض احمدؒ کو اس کا متولّی کیا۔ پھر تعلقات دنیا وی ترک کر کے اسی مسجد کے ایک مکان میں گوشہ نشینی اختیار کی اور چالیس برس عبادت میں مصروف رہے۔ قرآن شریف حفظ تھا۔"

اصل دستاویز وقف نامہ خاکسار موٗلف کو دستیاب نہیں ہوئی، تاہم سیّد ابدال محمدؒ اور نواب دوندےؒ خان کی بعض تحریرات سے جو خاکسار موٗلف کے پاس موجود ہیں، نیز سیّد ابدال محمدؒ کے فرزند سیّد فیض احمد کے وصیت نامہ کی عبارت اور بعض دیرینہ کاغذات سے یہ امر بخوبی ثابت ہوا سیّد ابدال محمد سُنی حنفی، مشائخ کے معتقد و مرید اور صاحب حال بزرگ تھے۔ ان کے اخلاف میں ان کے فرزند و جانشین سیّد فیض احمد اور سیّد قائم علی بن سیّد فیض احمد مذکور جو یکے بعد دیگرے جائداد موقوفہ کے متولّی ہوتے رہے اپنے آبائی مذہب کے پابند تھے۔ سیّد بشیر علی بن سیّد قائم علی مذکور نے ابتہ آخر عمر میں شیعیت کا اظہار کیا تھا۔

خاکسار موٗلف کو اس بحث سے قطعاً کوئی دلچسپی نہیں کہ اس وقف پر سُنّی قابض ہوں یا شیعہ لیکن جہاں تک تاریخی حالات اور واقعات کا تعلق ہے حقیقت حال کا اظہار لازم ہے۔ تاریخی شواہد و آثار اور دیرینہ کاغذات سے اس کا ثبوت ملتا ہے کہ واقف اور ان کے جانشین متولی سنی المذہب تھے۔ جن اغراض کے لئے یہ وقف کیا گیا تھا ان کا اجمالی تذکرہ وصیت نامہ، سیّد فیض احمد متولی بن سیّد ابدال محمدؒ مرقومہ دوم شہر رجب المرجب ۱۲۱۰ھ میں درج ہے۔ جس کی نقل تاریخی دلچسپی کے لئے ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

نقل وصیت نامہ سیّد فیض احمد متولی

"باعث تحریر این سطور آں کہ سیّد ابدال محمد مرحوم والد این عبدضعیف سیّد فیض احمدؔ بتائید الہٰی مسجد بنا کرد وبرائے وجہ کفاف امام وخدمت و خرچ مسافرین وغیرہ متعلقہ آں موازی ہشت صدوشصت ہفت بیگہ خام زمین زراعی املاک دررقبہ موضع جلالؔ پور وکہنچ و محمود پورؔ و نصیر نگلہ ودیرۃ وجہدۃ پرگنہ امروہۃ مملوکۂ خود و محصول موازی دو صدوبست وپنج بیگہ زمین خام زین دررقبہ موضع جلال پورمذکوریہ موجب وقف نامہ موقف نمودہ بندۂ درگاہ رامتولّی وسرانجام کارآں مقرّر ساخت و قطعۂ تولیت نامہ علیحدہ بنام من نوشتہ جملہ کواغذ مذکورمتعلقہ وقف مذکوریہ تحویل من بندہ دادچنانچہ مطابق آں تاحال بندۂ درگاہ محاصل آراضی موقوفہ را حصول کردہ تصرّف مصارف متعلقۂ مسجد بہ موجب وقف نامہ و تولیت نامہ کردہ آمدہ حالا بندۂ درگاہ برخوردار سیّد قائمؔ علی رامتولی و سرانجام کار مسجد و آراضی موقوفہ ازطرف خود مقررنمودہ بجائے خود قائم مقام گردانیدہ تمامی اسناد

متعلقه مسجد راحوالهٔ برخوردار مذکورنمودم باید که برخوردار مذکوراسناد مذکوره رابه هوشیاری نزد خود واشته به دیانت و احتیاط سر انجام کار متعلقه مسجد نموده محاصل آراضی مذکور رادروجه کفاف موذن و امام و جاروب کش سگان مسجد وخرج مسافرین و آب و چراغ وغیره صرف می کرده باشدومُدام به مرمّت شکست و ریخت مسجد و مکانات آں خبر گیران باشد وانچه ازمصارف متعینه وضروری آن باقی ماندآن رابه امانت نزد خود نگاه داشته به اشرکاری مسجد وتیاری حجره و دالان مقابل خرج نمایندوعزل و نصب مؤذن و امام وغیره خدمت مسجد به اختیار ادست ذمهٔ خود شناسند۔" (اصل وصیت نامہ صفحہ ۹۲ پر ملاحظہ فرمائیں)

تحریر فی التاریخ دوم شہر رجب المرجب ۱۲۱۰ھ

مندرجۂ بالا وصیت نامہ میں "امام" کا لفظ متعدد جگہ تحریر ہے، یہ لفظ کسی شیعہ کے قلم سے اصطلاحاً بھی "پیش نماز" کے لئے نہیں نکل سکتا۔ اس وصیت نامہ کی عبارت سے صاف واضح ہے کہ اصل دستاویز وقف نامہ وتولیت نامہ میں بھی اس قسم کے الفاظ تحریر ہیں۔ واقف اور ان کے جانشین متولی اگر شیعہ مذہب ہوتے تو "امام" کی بجائے "پیش نماز" تحریر ہوتا اور ایسی وسیع وخوشنما مسجد کے بجائے کوئی امام باڑہ تعمیر کرتے یا وقف کے مصرف میں مجالس وتعزیہ داری کی مدات کو بھی شامل کرتے۔ واقعہ یہ ہے کہ نواب آصف الدولہ کے زمانہ سے پیشتر امروہہ میں کوئی ایک مسجد بھی شیعہ حضرات کی موجود نہیں تھی اور نہ حضرات شیعہ میں جمعہ یا جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا انتظام امروہہ تو کیا اس زمانہ میں شمالی ہند کے کسی مقام پر موجود نہ تھا [1]۔ اس لئے نہ مساجد تعمیر ہوتی تھیں اور نہ اس زمانہ میں شیعوں کے لئے تعمیر مسجد کی کوئی ضرورت تھی۔ علاوہ ازیں موجودہ متولی اور مہتمم کے انتظام سے پیشتر تک جو غالباً ۱۹۰۷ء سے شروع ہوا اس مسجد میں باوجود سابقہ متولی کے شیعی مذہب ہونے کے امام وموذن سنی المذہب مقرر ہوتے رہے [2]۔ مولانا عبدالعزیز جو پچھلے زمانہ میں سنی علماء میں شان امتیاز رکھتے تھے یہاں درس دیتے رہے، مسجد کی امامت بھی ان ہی سے متعلق رہی۔ مولوی عبدالعزیز ساکن انبہٹہ ضلع سہارنپور مولوی عبدالعزیز ساکن بجنور جو سنی حنفی مذہب تھے ۱۳۰۲ھ تک اس وقف سے تنخواہ پاتے رہے۔ صوفی عبدالرزاق (ساکن محلہ بچدرہ) کے والد شیخ عبدالقادر اور خادمان درگاہ شاہ ولایتؒ میں شیخ ہدایت بخش اور ان کے فرزند پیرجی عبدالرشید یکے بعد دیگرے اس مسجد میں متولیان جدید کے عہد سے قبل تک موذن مقرر ہوتے رہے۔

تاریخی حالات کے سلسلہ میں صداقت بیانی مجبور کرتی ہے کہ اس کا اظہار بھی کردوں کہ جدید انتظام میں حضرت شاہ عبدالرسول قادریؒ کے مرقد منور اور احاطہ مسجد میں اور قبور کی ہیئت کو جو سنیوں کے طریقہ پر تعمیر تھیں، تبدیل کر دیا گیا مسجد جامع محلہ مولانہ کے مہتممین نے تو توسیع عمارت کے بہانہ سے بانی مسجد اور ان کے اہل خاندان کی قبور کو منہدم کر دیا تھا۔ جو تاریخی نقطہ نظر سے سخت معیوب ہے لیکن اس سے معیوب تر یہ کارروائی ہے جو یہاں ان بزرگوں کے خواہ مخواہ شیعی مذہب ثابت کرنے کے لئے کی گئی۔ لیکن طرفہ تر ماجرا یہ ہے کہ خود بانی مسجد سید ابدال محمد اور ان کے فرزند سید فیض احمد کا مرقد انور چونکہ درگاہ شاہ ولایتؒ کی چہاردیواری اور مجاوران درگاہ کی جائے نشست سے قریب ہے ان کی ہیئت کو اب تک تبدیل نہ کیا جا سکا۔ قدیم کتبہ کے علاوہ مسجد میں جدید کتبہ بھی نصب کرائے گئے ہیں۔

---

[1] [تاریخ عمادالسعادت مطبوعہ نول کشور صفحہ ۱۳۷۔] [2] مؤلف تاریخ اصطفیہ کا یہ بیان کہ "اس مسجد میں ہمیشہ خطاط وغیرہ مذہب شیعہ سے رہے ہیں" ہرگز صحیح نہیں۔ خاکسار مؤلف کی نظر سے سابقہ متولیوں کے جو کاغذات گذرے ہیں ان سے بخوبی ثابت ہے کہ اس مسجد میں امام موذن خطاط وغیرہ متولیین سے ۱۹۰۷ء سے پہلے سب سنی مذہب مقرر ہوتے تھے۔

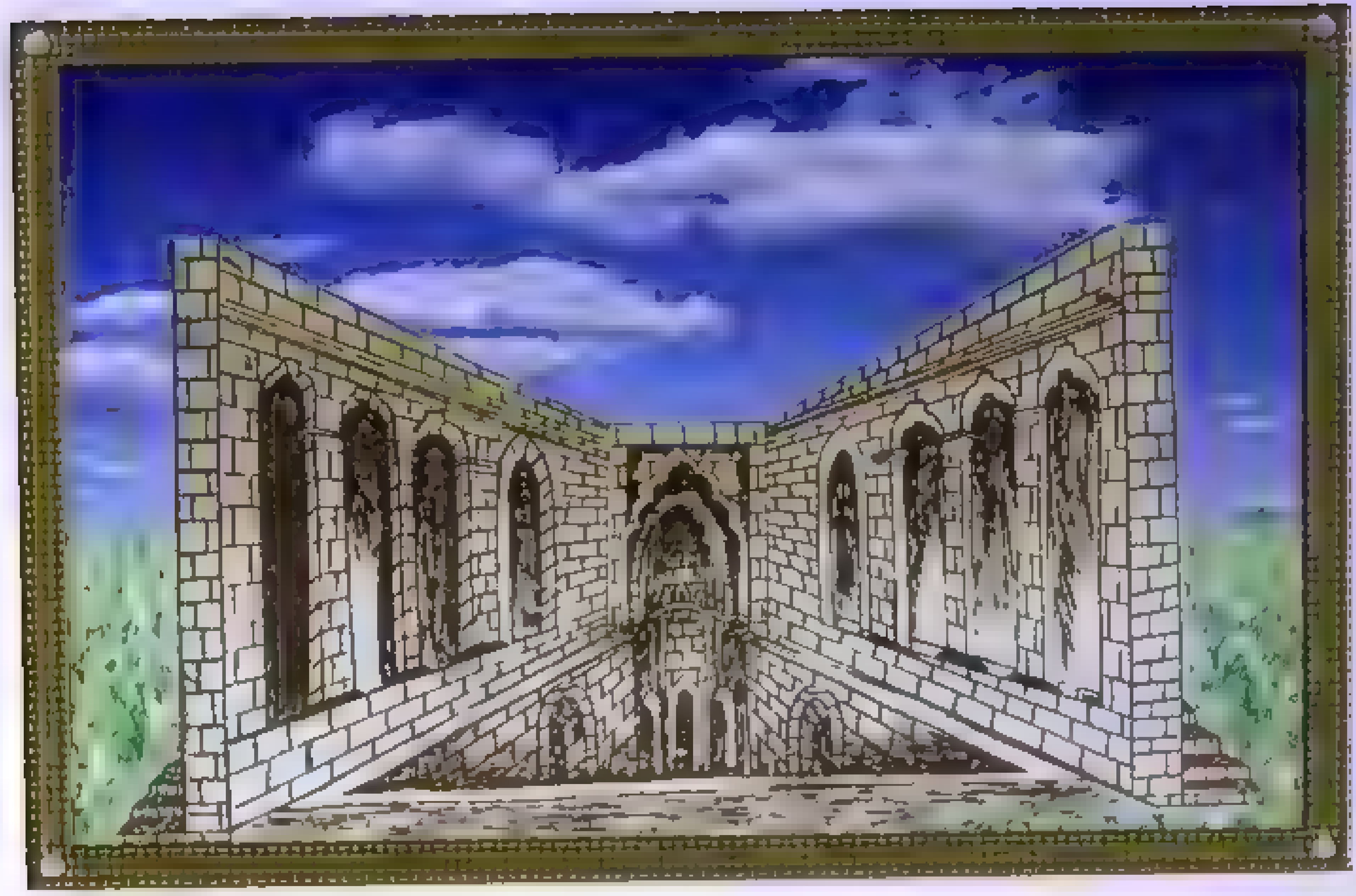

Baika Kuan بائی کا کنواں

Baika Kuan بائی کا کنواں

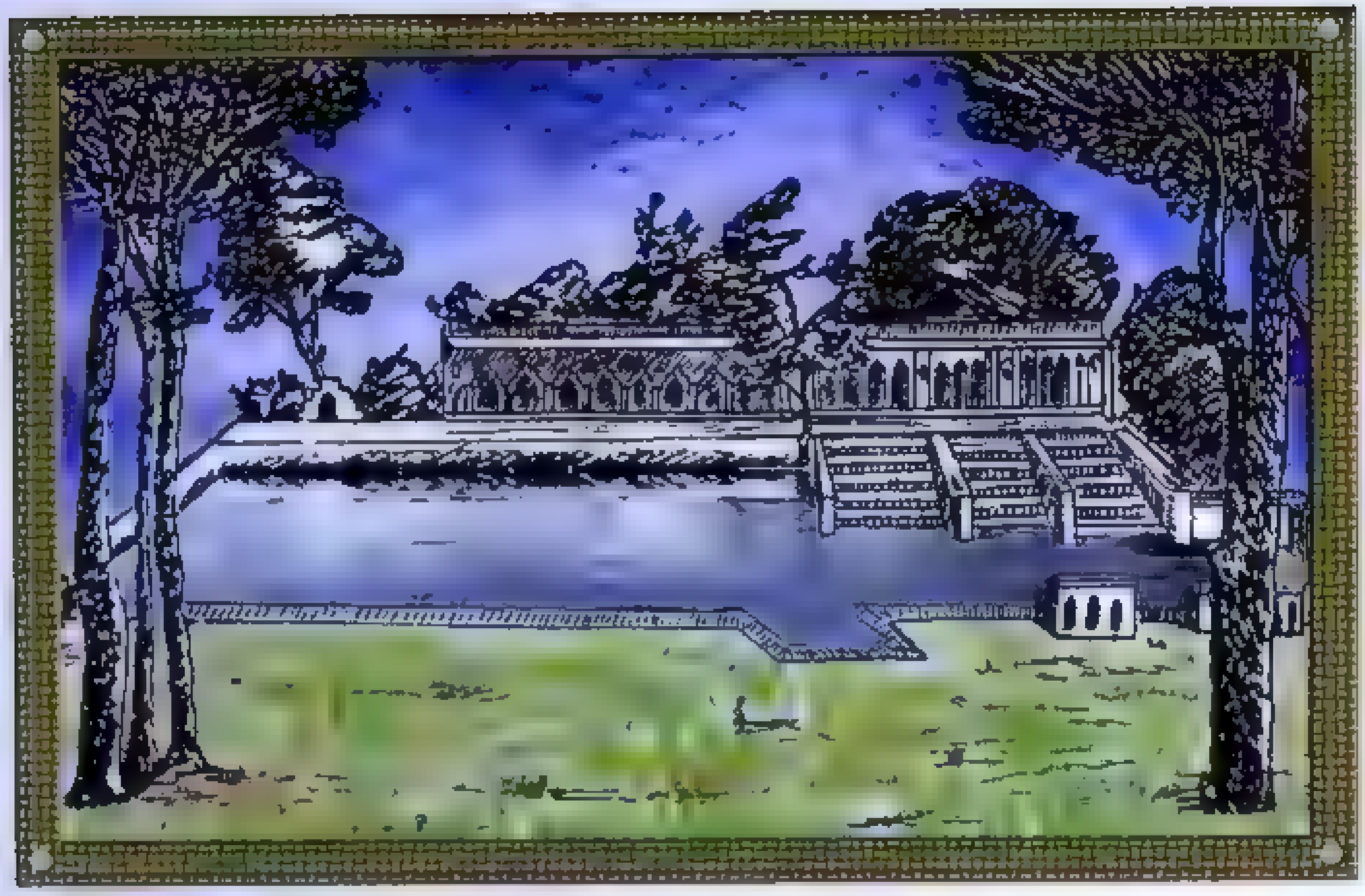

Talab Bans Dev

تالاب بانس دیو

Talab Bans Dev

تالاب بانس دیو

Masjid Kaiqbadi (Mohalla Saddo)

مسجد کیقبادی (محلہ صدو)

Masjid Kaiqbadi (Mohalla Saddo)

مسجد کیقبادی (محلہ صدو)

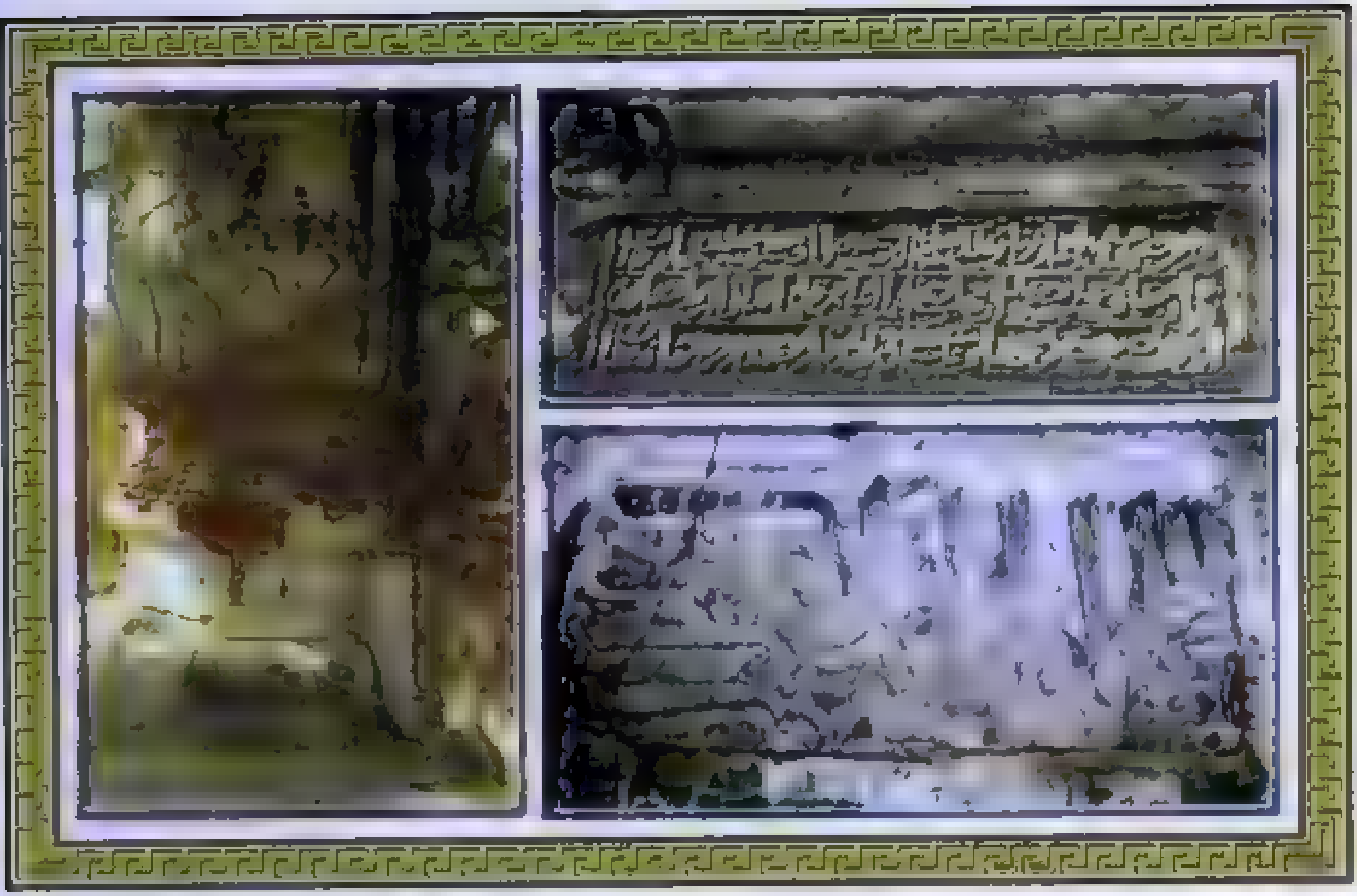

Masjid Kaiqbadi (Mohalla Saddo) مسجد کیقبادی (محلہ صدو)

Eid Gaah عیدگاہ

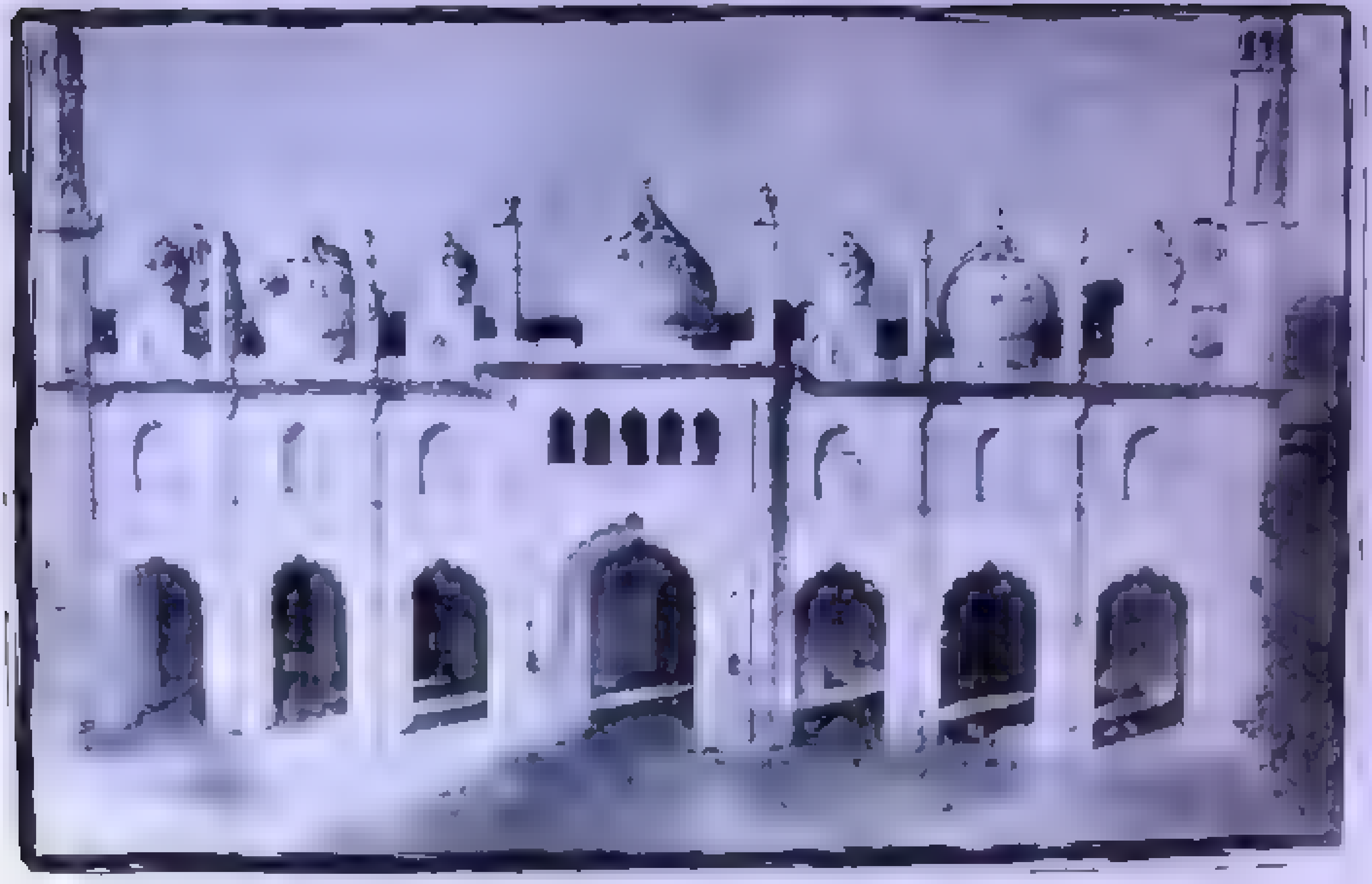

Masjid Jama Amroha (Mohalla Maulana) — مسجد جامع امروہہ (محلہ مولانا)

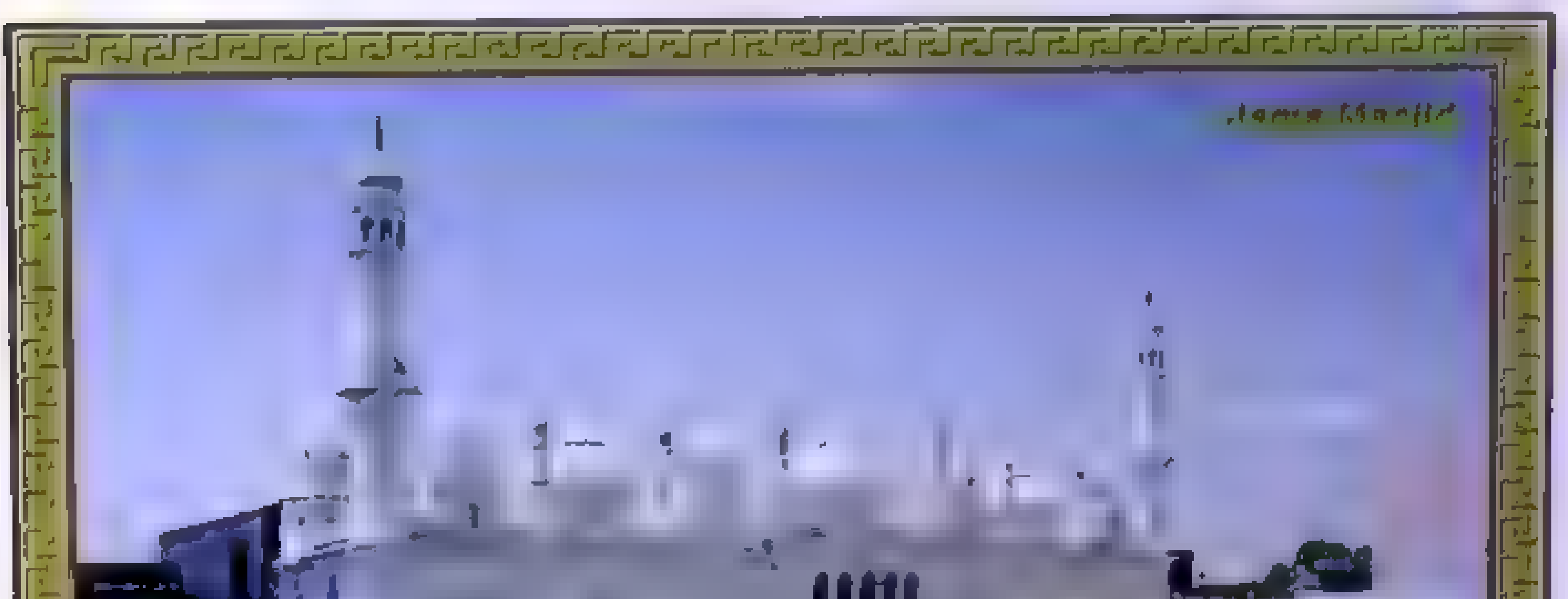

Masjid Jama Amroha (Mohalla Maulana) — مسجد جامع امروہہ (محلہ مولانا)

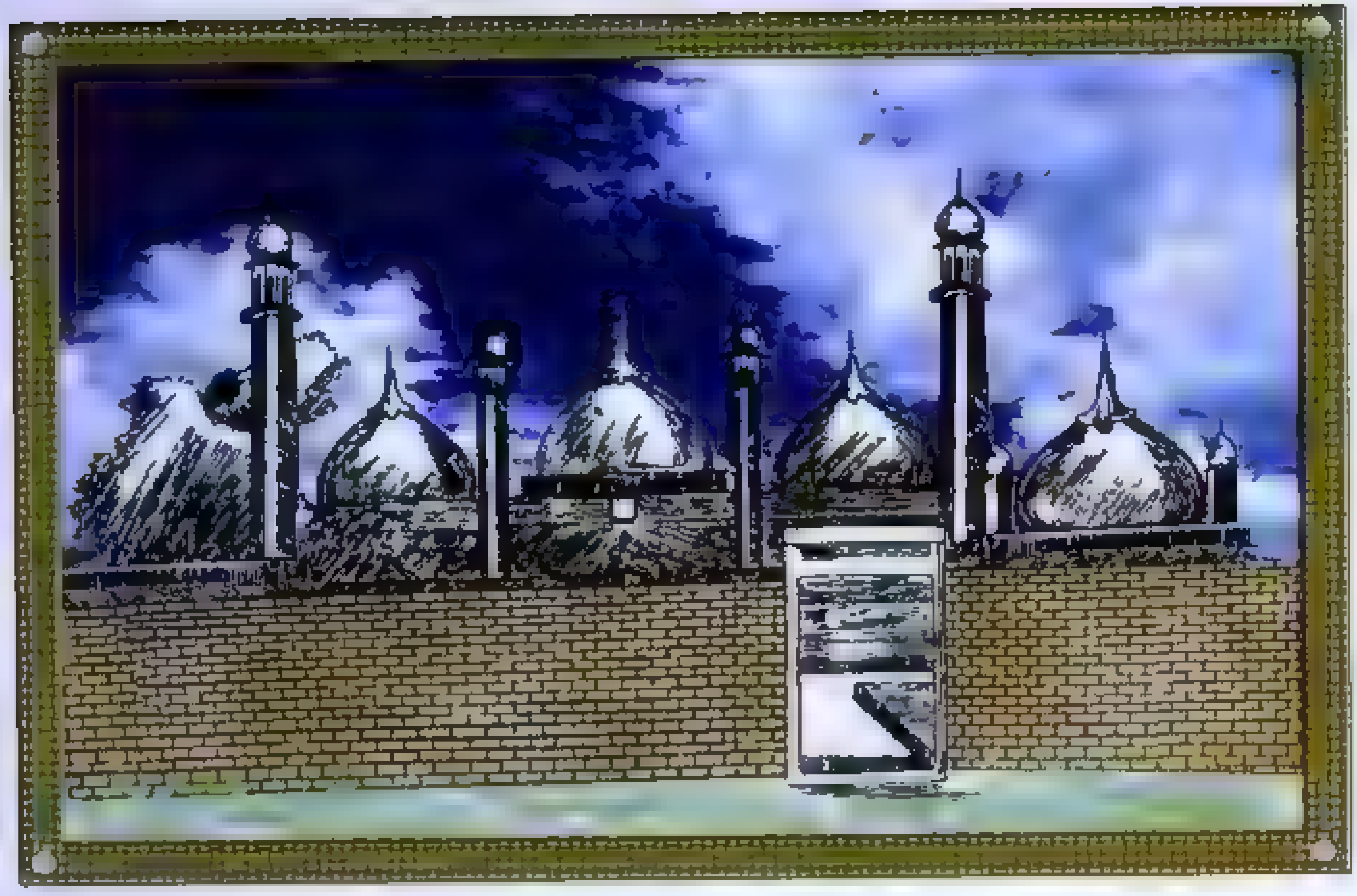

Masjid Sayed Abdaal

مسجد مقبرہ سید ابدال محمدؒ

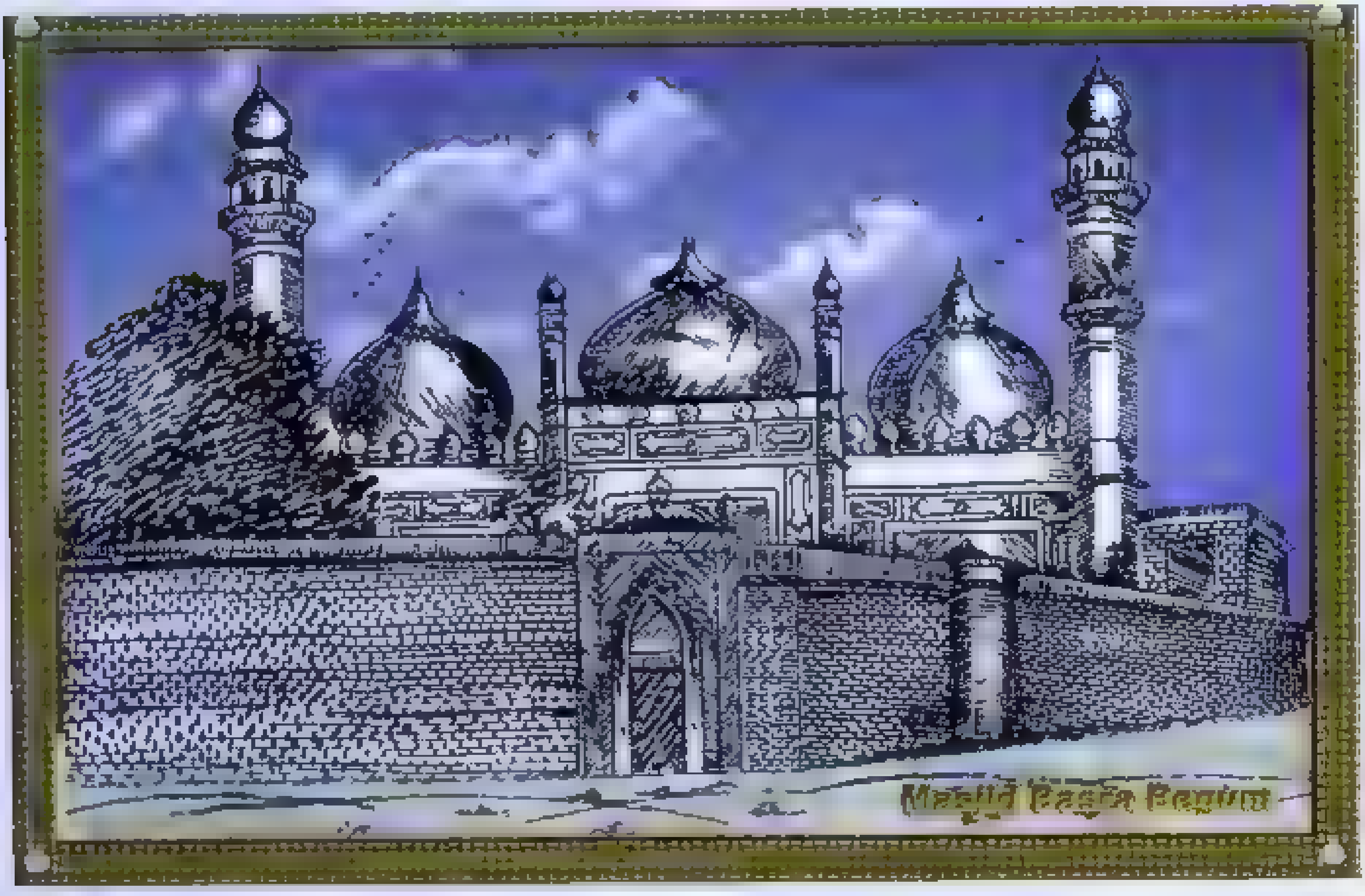

Masjid Basri Begum

مسجد بصری بیگم

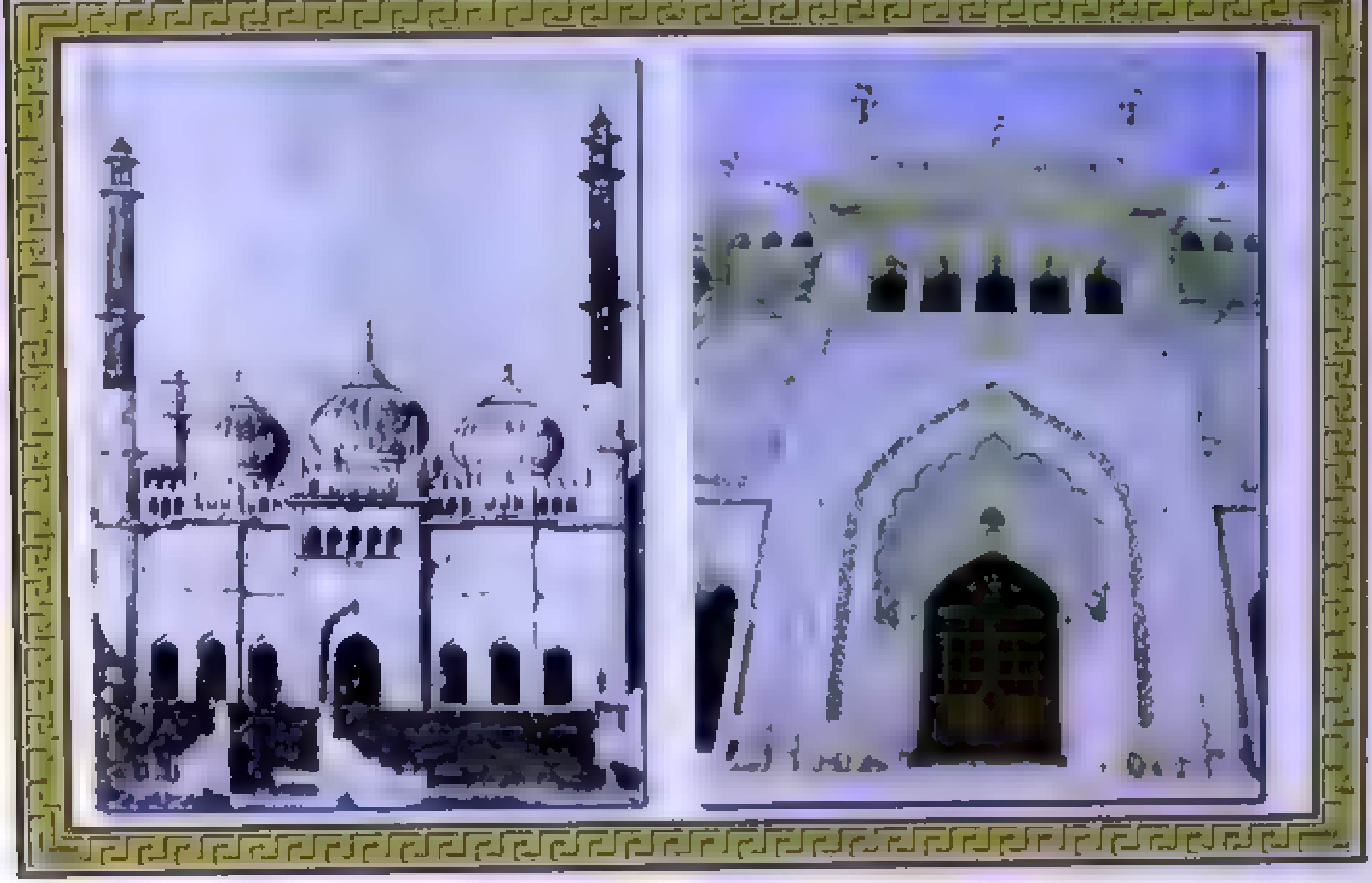

Ashraful Masajid

اشرف المساجد (مسجد جامع شیعان امروہہ)

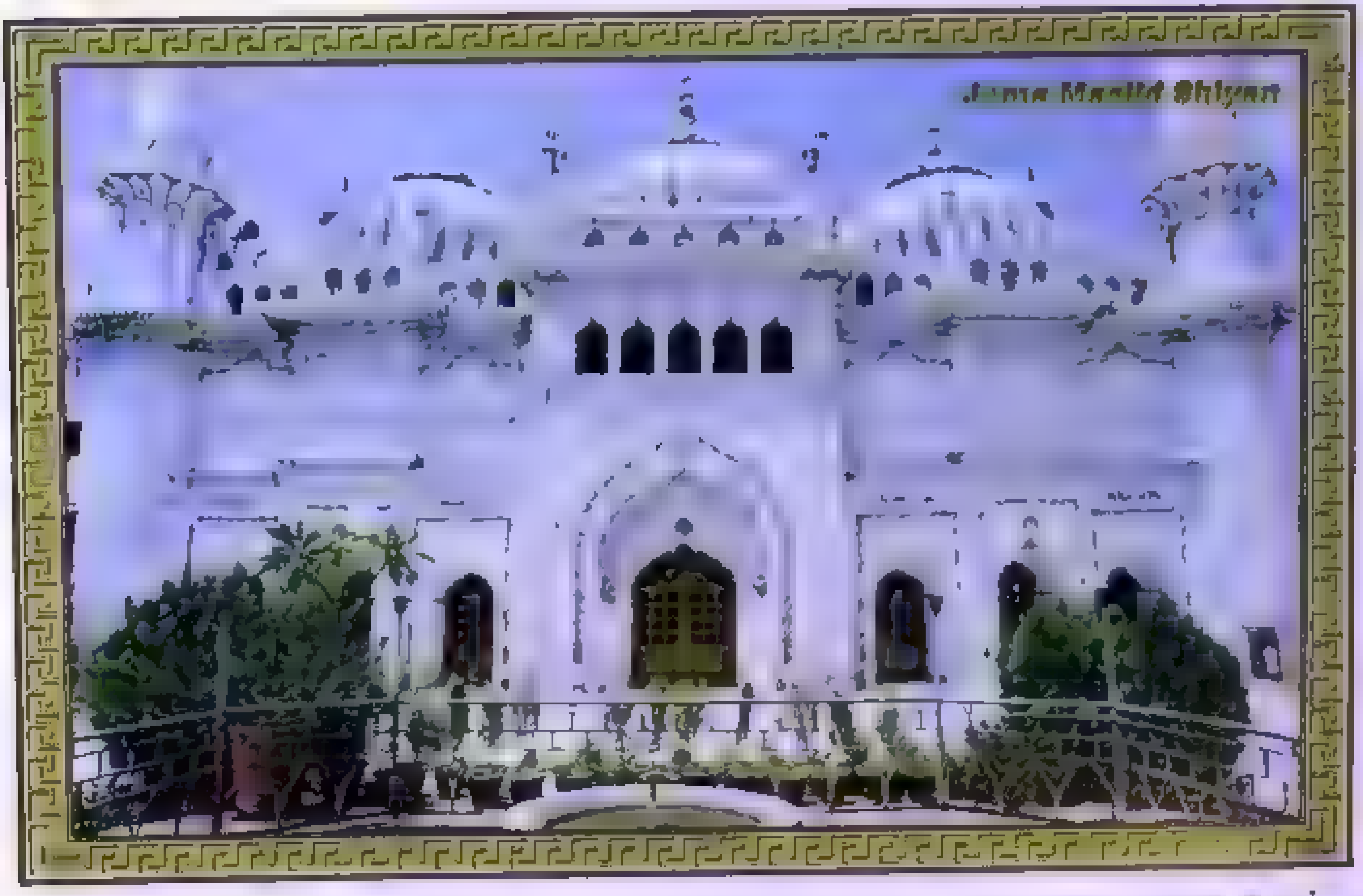

Ashraful Masajid

اشرف المساجد (مسجد جامع شیعان امروہہ)

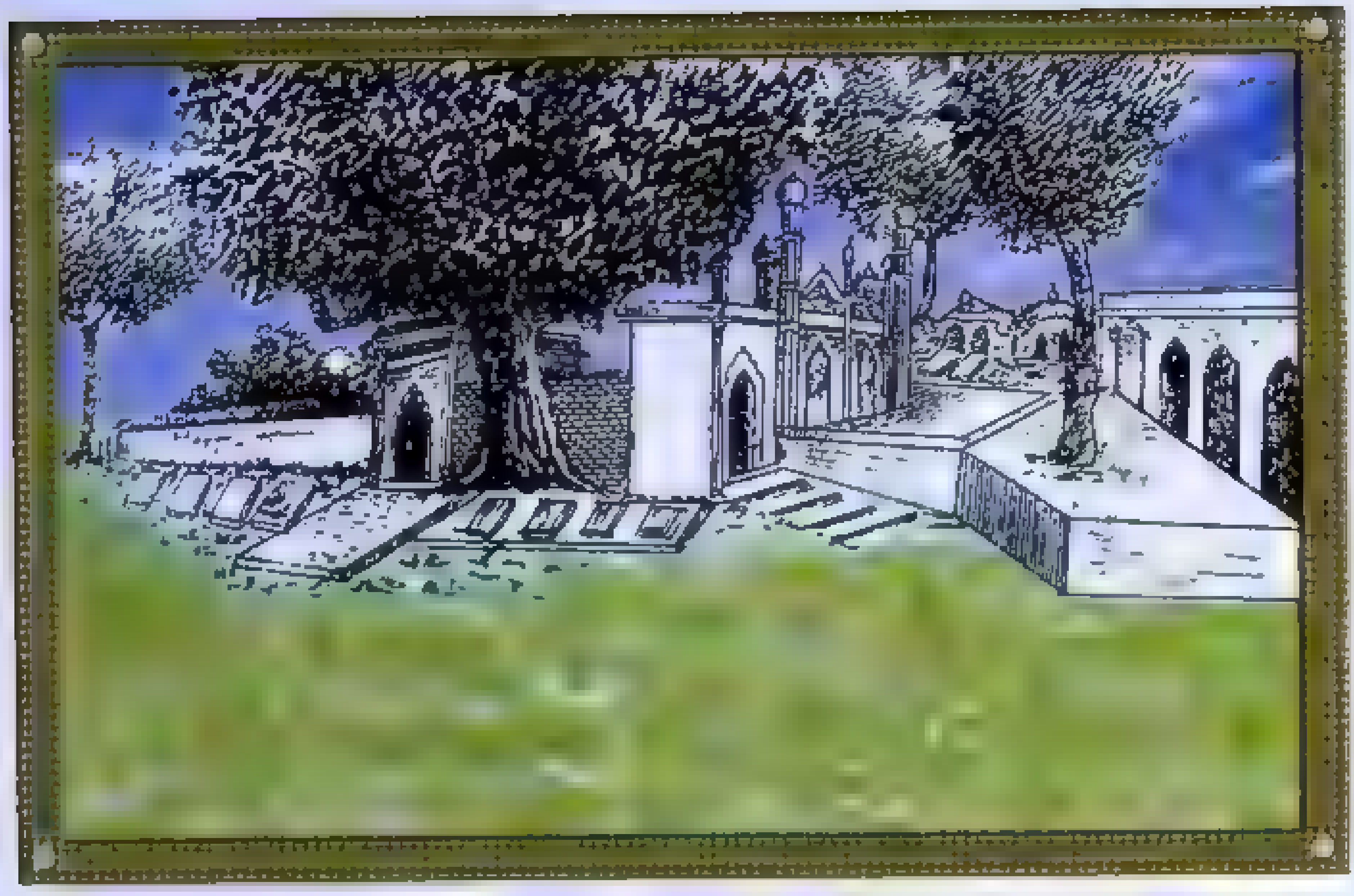

Dargah Shah Vilayat

درگاہ حضرت شاہ ولایت

Dargah Shah Vilayat

درگاہ حضرت شاہ ولایت

Dargah Shah Vilayat

درگاہ حضرت شاہ ولایت

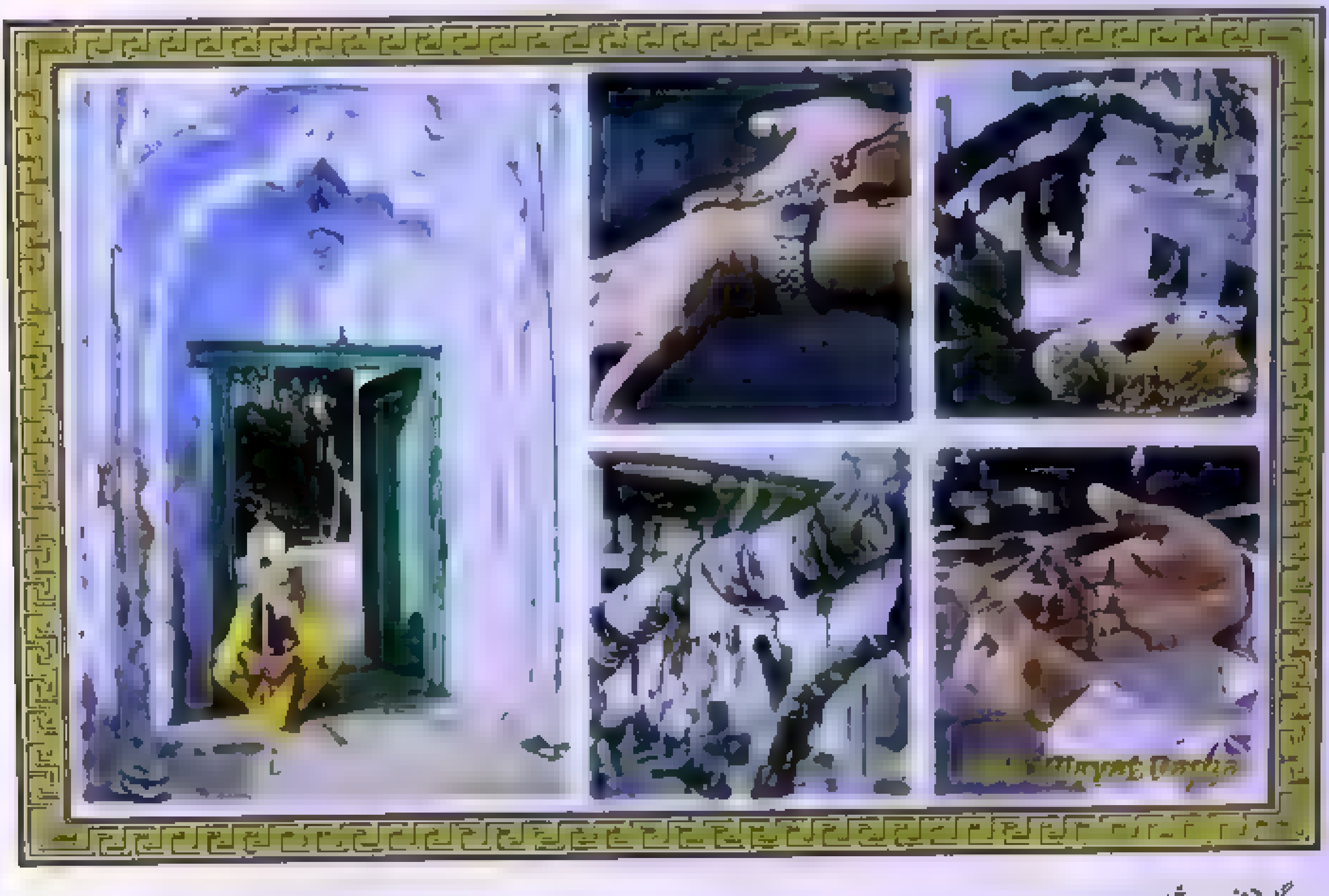

Dargah Shah Vilayat

درگاہ حضرت شاہ ولایت

Shah Ibn Badar Chishti

روضہ منورہ حضرت شاہ ابن بدر چشتیؒ

Shah Ibn Badar Chishti

روضہ منورہ حضرت شاہ ابن بدر چشتیؒ

Dargah Miyan Mauj

درگاہ حضرت شاہ عضد الدین جعفریؒ و میاں موجؒ

Dargah Miyan Mauj

درگاہ حضرت شاہ عضد الدین جعفریؒ و میاں موجؒ

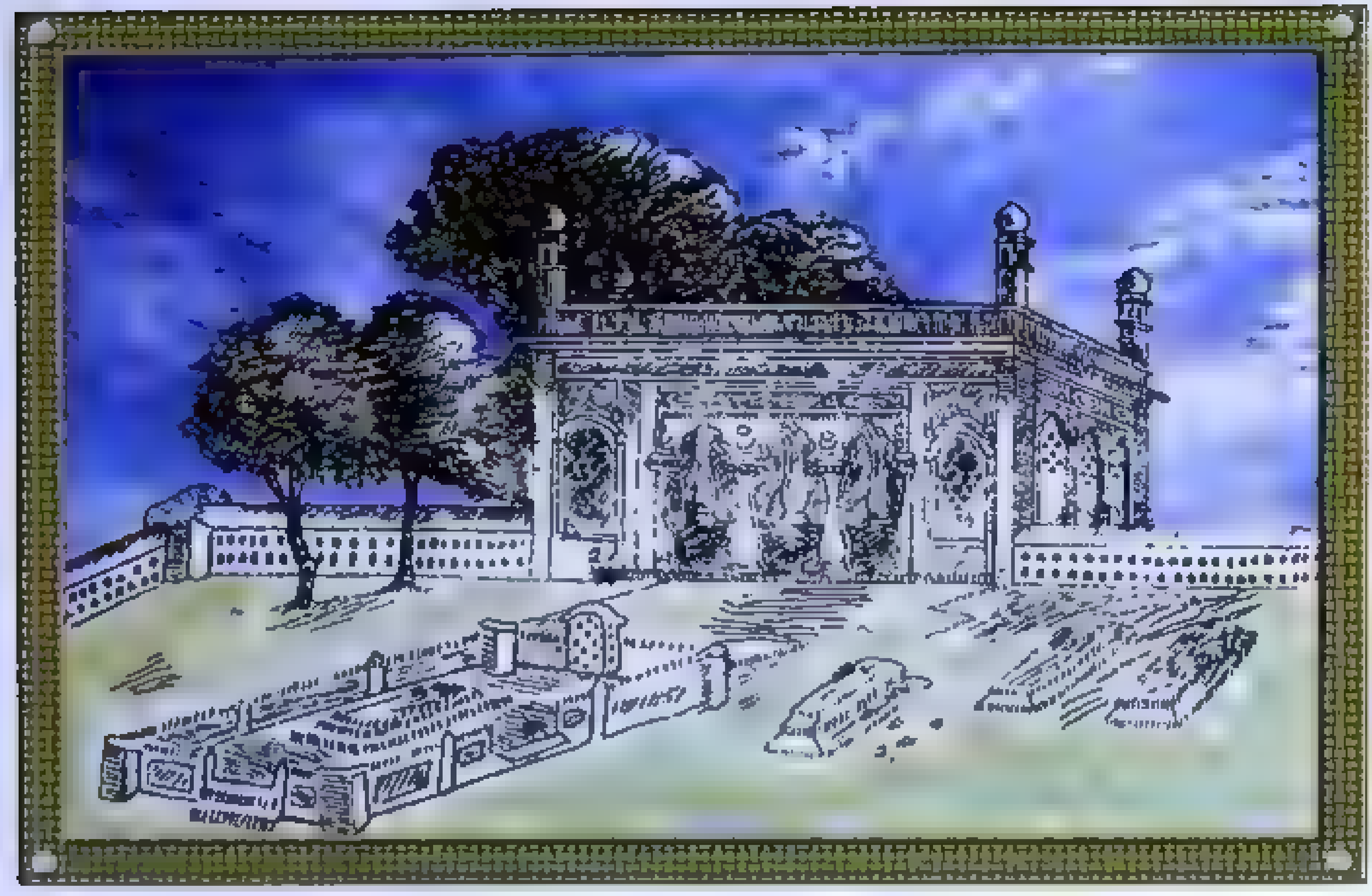

Dargah Shah Abdul Hadi

درگاہ شاہ عبدالہادیؒ

Dargah Shah Abdul Hadi

درگاہ شاہ عبدالہادیؒ

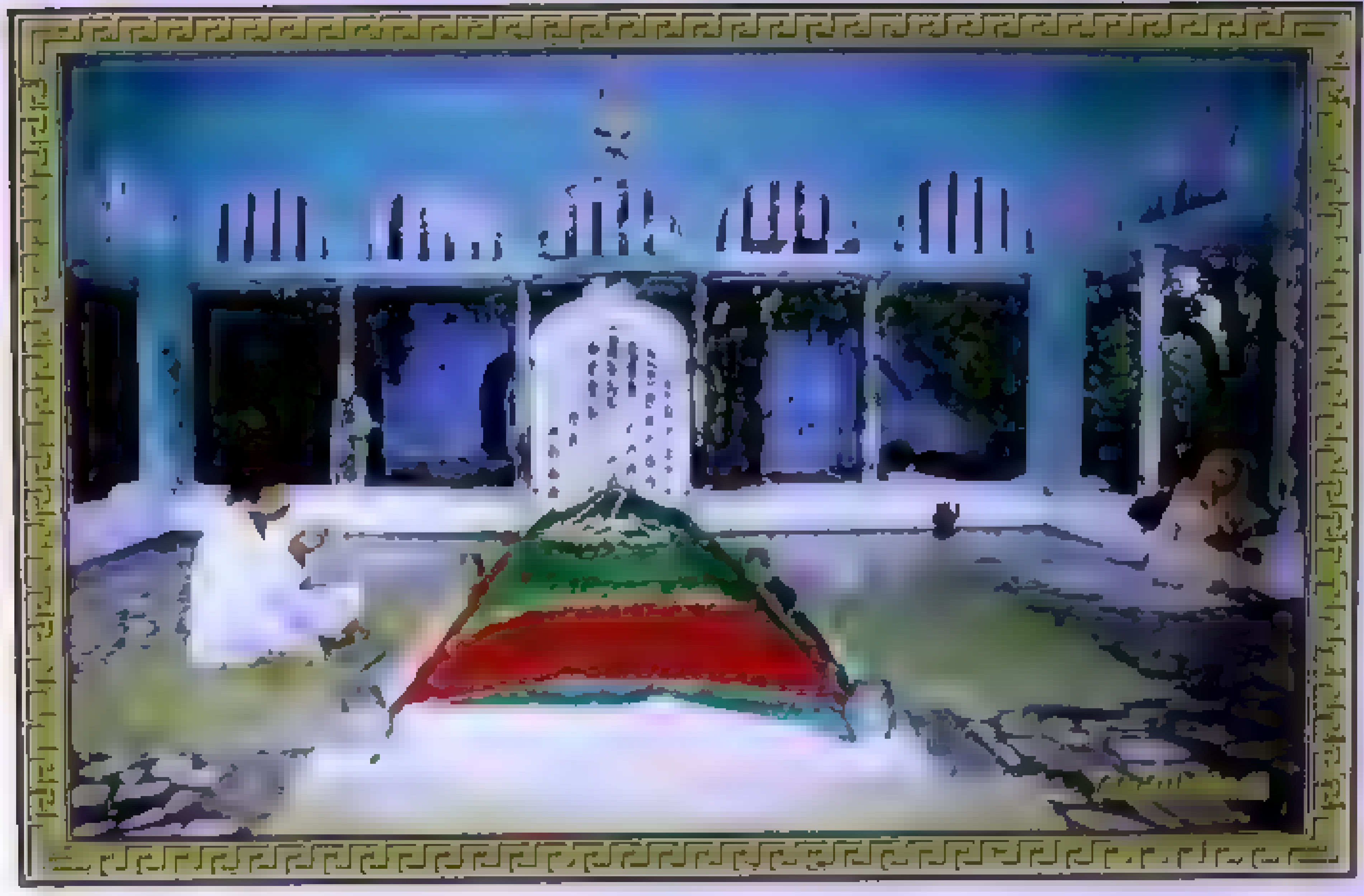

Dargah Shah Abdul Hadi

درگاہ شاہ عبدالہادیؒ

A Mosque of Amroha

امروہہ کی ایک خوبصورت مسجد

Maqbara Qutubuddin Khan

مقبرہ قطب الدین خان

Maqbara Qutubuddin Khan

مقبرہ قطب الدین خان

Dargah Shah Nasiruddin Chisti

درگاہ شاہ نصیرالدین چشتی

Jama Masjid (Main Gate)

جامع مسجد (دروازہ)

Masjid Dargah Shah Abdul Majid Chishti

مسجد درگاہ شاہ عبدالمجید چشتی

Masjid Dargah Shah Abdul Majid Chishti

مسجد درگاہ شاہ عبدالمجید چشتی

مسجد میر کلّو:

۱۲۱۷ھ میں یہ وسیع اور خوشنما مسجد معہ عمارت مدرسہ سیّد اسد اللہ خان عرف میر کلّو نے اپنے مکانات کے متصل محلّہ گذری میں تعمیر کرائی اور ایک موضع جبھرن اس کے اخراجات کے لئے وقف کیا۔ سیّد ابدال محمدؒ کی طرح میر کلّو بھی اپنے آبائی مذہب اہل سنت والجماعت کے پیرو تھے۔ عدالت نے بھی اس وقف کو سُنیوں ہی کا وقف قرار دیا۔ متولی اگرچہ شیعہ مذہب ہیں لیکن مسجد آباد ہے۔ اور اس میں سُنیوں کا مدرسہ بھی ہے جو اچھی حالت میں ہے۔

مسجد بصرّی بیگم:

یہ وسیع اور خوشنما مسجد متصل مراد آبادی دروازہ واقع ہے۔ سیّد فیض علی بن سیّد افضل علی بن سیّد محمد فاضل نبیرہ دیوان سیّد محمود کی زوجہ بصرّی بیگم ہمشیرہ سیّد غلام حسین خان نائب ریاست رامپور نے ۱۱۰۸ھ میں یہ مسجد تعمیر کرائی تھی۔ احاطہ مسجد کے اندر بصرّی بیگم کی قبر بھی ہے۔ اسی نمونہ کی ایک اور مسجد انہوں نے شیر خان سرائے شہر سنبھل میں تعمیر کرائی تھی جہاں ان کے مرشد میرن شاہ کا مقبرہ ہے۔ مسجد کے لئے کوئی جائداد وقف نہ تھی۔ شیخ حسین بخش نے ۱۳۰۰ھ میں ڈھائی سو روپیہ سالانہ کی ایک جائداد وقف کی۔ ﴿تصویر صفحہ ۱۰۲﴾

مسجد حافظ عباس علی خانؒ:

ابتداء یہ ایک مختصری مسجد تھی، عہد شاہ جہاں بادشاہ میں شیخ بایزید نے تعمیر کی تھی۔ ناتمام وشکستہ حالت میں تھی۔ غدر ۱۸۵۷ء سے چند سال قبل اس مسجد کو سا مگ رام وبد گھنشیام داس تاجزی¹ نے اس پر قبضہ کر کے منہدم کر کے مندر قرار دے دیا تھا۔ حافظ عباس علی خان نے ۱۸۵۳ء میں اس مسجد کی دخلیابی کا تاجزی مذکور کے خلاف عدالت جج مراد آباد میں دعویٰ دائر کیا۔ دعویٰ ڈگری ہوا، تاجزی مذکور نے ولسن صاحب جج کے یہاں اپیل کیا، جو کامیاب ہوا۔ حافظ صاحب نے ہائی کورٹ آگرہ میں اپیل کیا وہاں سے فیصلہ حافظ صاحب کے موافق ہوا لیکن ہنوز دخل نہ ملنے پایا تھا کہ ۱۲۷۳ھ میں غدر ہو گیا مسلمانوں نے بطور خود مسجد پر قبضہ کر کے عمارت تعمیر کی۔ جب بعد غدر کے انگریزی عملداری شروع ہوئی ناظر گور سہائے امروہہ کے ناظم وحاکم مقرر ہوئے ان کی اعانت سے تاجزی مذکور کو انہدام مسجد کا موقع خوب ہاتھ آیا۔ اس نے مسجد کو کلیتاً مسمار کر دیا۔ ۱۲۷۸ھ مطابق ۱۸۶۳ء میں حافظ عباس علی خان نے عدالت سب جج مراد آباد میں پانچ ہزار روپیہ خرچہ اور دخل یابی کا دعوے کیا جو ڈگری ہوا۔ بالآخر ۱۲۷۹ھ مطابق ۱۸۶۵ء میں مسلمانوں کو دخل ملا اور مسجد از سرنو تعمیر ہوئی۔ آپ کے فرزند مولوی احمد حسین خان صاحب نے قطعۂ تاریخ کہا۔ ﴿تصویر صفحہ ۱۱۵﴾

شکستہ چو بتخانہ را اہل دین ۔۔۔ پئے مسجد وباب مسجد غریب
بنا حافظ عباس علی خان نمود ۔۔۔ بہ تعمیر گم اللہ وفتحاً قریب

---

¹ عوام غلطی سے تو زی کہتے ہیں۔ اصل میں یہ لفظ تاجزی ہے اور تجزیدی سے مشتق ہے جسکے معنی ہیں تمیں دیدوں کا جاننے والا۔ ملاحظہ ہو حصہ دوم۔

مسجد ننھے خاںؔ :

یہ خوبصورت وخوشنما مسجد بیرون شہر جانب جنوب ننھے خاںؔ والے باغ میں واقع ہے۔ ننھے خاںؔ، جو حیات خان حاکم سنبھل کے خسر تھے، امروہہ میں ساکن تھے۔ اپنے زمانہ میں نامور اور متمول شخص تھے۔ یہ مسجد اور ایک کنواں بارہویں صدی ہجری کے اواخر میں انہوں نے تعمیر کرایا تھا اور باغ بھی نصب کیا تھا مسجد جا بجا شکستہ ہوگئی ہے۔ یہ کنواں ''خونی کنویں'' کے نام سے مشہور ہے۔ ﴿تصویر صفحہ ۱۵﴾

مسجد مُحلہ شفاعت پوتہ :

یہ مسجد اگرچہ عہد اسلامی کی تعمیر نہیں ہے۔ لیکن اپنی زیبائش وسعت اور مسلمانوں کے ایک فرقہ کی عبادت گاہ ہونے کے لحاظ سے قابل تذکرہ ہے۔ ابتداء یہاں ایک مختصر سی مسجد تھی جسے حاجی شیخ اشرف علی عظیم آبادی نے جو امروہہ میں سکونت پذیر ہو گئے تھے، ۱۲۳۳ھ میں تعمیر کرایا تھا۔ اس کی وجہ صاحب تاریخ اصغری نے یہ لکھی ہے کہ جناب مولوی سید محمد عبادت صاحب (پیش نماز شیعان امروہہ) بہ سبب نہ ہونے مسجد کے نماز جماعت امام باڑہ میں پڑھا کرتے تھے لہذا حاجی صاحب نے یہ مسجد مختصر بنائی لیکن بہ سبب کثرت نمازیوں کے ہمیشہ اہل جماعت کو ایذا کشمکش کی ہوتی تھی تو حاجی صاحب نے مسجد کو وسعت دینی چاہی اور کچھ سامان تعمیر بھی فراہم کیا مگر آغاز تعمیر کی نوبت نہ پہنچی تھی کہ ۱۲۶۳ھ میں وفات پائی۔ اس لیے امروہہ اور بیرونجات کے شیعہ حضرات نے چندہ جمع کر کے اس مسجد کو وسیع کیا۔ پانچ سال میں یہ عالی شان اور خوشنما مسجد تعمیر ہوئی۔ سال تکمیل تعمیر ۱۲۸۴ھ ہے اور نام اشرف المساجد مسجد کے بیچ کے در پر یہ مصرعہ و تاریخ جداگانہ پتھروں پر کندہ ہیں مصرعہ ''ظہور عام بہ تعمیر کل جماعت شد۔'' ﴿تصویر صفحہ ۱۰۳﴾

مسجد اشرف بنا گشتہ چواز فضل الہ	مقتدایان رابتر میمش بساجد وکداست
سال تاریخش چو پرسیدم زہاتف فرقی	گفت ہشتاد و چہار و یکہزار ود و صداست

۱۲۸۴ھ

مسجد کے جنوبی گوشہ میں شیعہ یتیم کتبخانہ کہ کمرے ہیں اور اس سے متصل سید المدارس کی خوشنما اور وسیع عمارت ہے۔

مزارات خانقاہیں اور مقبرے

مزاراتِ شہداءِ متقدمین :

شہدائے متقدمین کے مزارات جا بجا اندرون و بیرون شہر واقع ہیں، ان میں اکثر وہ غازیان اسلام ہیں جو مسلمانوں کی آمد کے ابتدائی زمانہ میں یہاں کے معرکہائے جنگ وجدال میں شہید ہوئے۔ یہ مزارات تاریخی حیثیت رکھتے ہیں، مسلمانان شہر کو ان مزارات سے

Masjid Hafiz Abbas Ali Khan

مسجد حافظ عباس علی خانؒ

Masjid Nathe Khan

مسجد نتھے خان

عقیدت ہے۔ ہر پنجشنبہ کو اکثر مزارات پر لوگ فاتحہ خوانی کے لیے جاتے اور چراغ روشن کرتے ہیں۔ ان میں چند اُن بعد کے شہداء کے مزارات بھی شامل ہیں جن سے لوگوں کو عقیدت ہے۔ مزارات کی تفصیل یہ ہے۔ سیدنا ابراہیم شہید۔ شہر کے گوشہ شمال و مغرب میں بہ فاصلہ ایک میل لب سڑک تا چپور۔ ان کا مقبرہ احمد شاہ درّانی کے وقت میں تعمیر ہوا۔ حسن شہید:۔ جانب شمال محاذی عیدگاہ۔ محمد شہید ۔ جانب غریب شہر سے دو میل کے فاصلہ پر موضع بجنوسرائے میں۔ حامد شہید ۔ محلہ قریشیان میں۔ (وزیر سنگھ امیر سنگھ کایستہ نے تخمیناً پچاس سال قبل یہ مزار از سر نو بنوایا تھا) عثمان شہید ۔ متصل رام تالاب۔ ثمن شہید:۔ جانب شرق۔ مبارک شہید:۔ جانب جنوب شہر سے ایک میل لب سڑک ڈھکہ۔ ثمن شہید ثانی ۔ واقع محلہ چنگلی۔ ماکم شہید:۔ واقع محلہ کوزہ گران۔ جھنڈا شہید:۔ واقع محلہ شیخ زادگان (اب یہ محلہ اسی نام سے موسوم ہے) بھورے خان شہید ۔ جانب شرق صاحب جلال و جوش و خروش ہیں (تصویر صفحہ ۱۳۳)۔ جہانگیر شہید:۔ واقع محلہ جزودیہ۔ عبدالحکیم عباسی شہید:۔ متصل تکیہ ساہو جانب جنوب۔ کنوارے شہید۔ متصل روضۂ شاہ گھاسی۔ جہانگیر شہید ثانی:۔ محلہ موہانہ متصل دیوانخانہ قاضی ابن عباس عباسی۔ ہدایت اللہ شہید:۔ بادشاہی چبوترہ اندرون مکان مولوی احسان الحسن۔ تھے خان شہید ۔ محلہ ککوئی۔

مزارات اولیاء:

امروہہ میں مشائخ و اولیاء کے مزارات یوں تو بہ کثرت ہیں لیکن یہاں صرف ان مزارات کی تفصیل درج کی جاتی ہے جنہیں کوئی تاریخی اہمیت حاصل ہے۔

درگاہ حاجی سلیمان حاجی عبداللہ:

یہ مختصر سی درگاہ محلہ شاہی چبوترہ میں متصل مسجد واقع ہے۔ صاحبان مزار کا مفصل حال معلوم نہیں۔ البتہ امروہہ میں یہ مزارات بہت قدیم ہیں۔ روایت ہے کہ غازیان متقدمین میں یہ دونوں صاحب نسبت بزرگ تھے۔ یہاں کے بتخانہ کو انہوں نے ڈھایا، شوق جہاد میں جام شہادت نوش فرمایا اور اسی مقام شہادت پر مدفون ہوئے۔ ۱۰۶۷ھ میں عہد شاہجہاں میں شیخ منصور ولد شیخ پیر و ہمسائے شیخ تاج نے اس درگاہ کو تعمیر کرایا تھا۔ احاطۂ درگاہ میں حاجی سلیمان اور حاجی عبداللہ کے مزارات پہلو بہ پہلو ہیں۔ احاطہ کی دیوار پر جو پتھر نصب ہے، اس پر یہ عبارت کندہ ہے۔

"بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ در عہد صاحب قرآن ثانی شہاب الدین محمد شاہ جہاں بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ، شیخ منصور روضۂ ملک شہداء حاجی عبداللہ و حاجی سلیمان بنا ساخت

شیخ منصور روضۂ شہداء — نذر بستہ کہ داوش ایزد پور
پیشتر از تو لبد آن پور — تام معمور کرد بلوز سرور
بہ وفائے نذر چو کرد بنائے — از جہاں کرد رحلتش آں پور
چون بجستم زعقل تاریخش — سال او شد عمارت معمور"
"از استا حسین — ۱۰۶۷ھ قائلہ و کاتبہ شیخ نمرہ"

اس درگاہ کا تیل خرچ بھی اور درگاہوں کی طرح منجانب حکومت مقرر تھا۔

مزار سیّد نظام گنج رواںؒ:

سیّد صاحب کا مزار محلہ نوبت خانہ میں لب سڑک مسجد کی پشت پر مختصر احاطہ میں واقع ہے۔ امروہہ کے اولیاء میں ان کا زمانہ سب سے زیادہ قدیم ہے۔ گنڈار شاہ مجذوب کی قبر بھی آپ کے جوار میں ہے۔

درگاہ شاہ اعز الدین سہروردیؒ:

شاہ صاحب اولیائے متقدمین میں ہیں، حضرت شاہ ولایتؒ کے زمانہ سے تقریباً ایک صدی پہلے آپ امروہہ تشریف لائے آپ کی درگاہ حضرت شاہ ولایتؒ کی درگاہ سے جانب جنوب تقریباً ایک فرلانگ کے فاصلہ پر واقع ہے۔ مزار پُر انوار کے پاس کھرنی کا جو درخت اب تک موجود ہے غالباً اس سے زیادہ کوئی پرانا درخت امروہہ میں نہیں۔ درگاہ کے سامنے برگد کا درخت بھی اپنی قدامت زبان حال سے بتلا رہا ہے۔ اس نواح میں بعض شکستہ چبوتروں اور قبروں کی اینٹیں آثار قدیمہ کی تلاش و جستجو میں وقتاً فوقتاً خاکسار مؤلف کی نظر سے گذریں جن کی ساخت و جسامت ہی ان کی قدامت کی دلیل ہے۔ انہیں سے بعض ڈیڑھ ڈیڑھ فٹ لمبی چوڑی اور دو دو تین تین انچ موٹی تھیں جو یقیناً مسلمانوں کی آمد کے ابتدائی زمانہ کی معلوم ہوتی ہیں۔ حضرت شاہ ولایتؒ کی درگاہ یا کسی اور قدیم مزار کے پاس اس ساخت اور جسامت کی اینٹیں یا آثار قدیمہ مؤلف کی نظر سے باوجود تلاش و جستجو نہیں گذرے امتداد زمانہ کی وجہ سے جب یہ مزار شکستہ و بے نشان ہوگیا تھا تو ۹۰۷ھ میں شیخ جمن نامی ایک شخص نے اسے درست کرایا۔ نبو شاہ اسی درگاہ میں رہا کرتے تھے، ان کی قبر بھی احاطۂ درگاہ جنوبی مشرقی گوشہ میں ہے اس لئے عوام میں یہ درگاہ ''نبو شاہ کی درگاہ'' مشہور ہوگئی۔ اس درگاہ میں بھی درگاہ شاہ ولایتؒ کی طرح غیر نیش زن بچھو پائے جاتے ہیں [۱] ۔ بڑھ تلے والے کایستہ خاندان کو اس مزار سے موروثی عقیدت ہے۔ وزیر سنگھ وامیر سنگھ کایستہ نے اس درگاہ کی چہار دیواری وغیرہ از سرنو تعمیر کرائی تھی۔ ہر سال ۲۹ / ۳۰ رمضان کو آپ کا عرس ہوتا ہے جس کا اہتمام اسی کایستہ خاندان کی جانب سے کیا جاتا ہے۔ حکومت اسلامی کی جانب سے تیل چراغ کا خرچ ملتا تھا۔

مزار حاجی حرمین سہروردیؒ:

شاہ اعز الدین سہروردیؒ کی درگاہ کے محاذ میں ایک چبوترہ پر جانب شرق واقع ہے۔ آپ کی والدہ معظمہ کی قبر بھی پہلو میں ہے، آپ کی مرقد منور پر ایک کتبہ پتھر پر کندہ ہے جو صاف پڑھنے میں نہیں آتا۔ شیخ عبدالحکیم مورث [۲] خاندان شیوخ الملقب بہ ''داڑھی رنگے'' کو اس مزار سے عقیدت تھی، بعد وفات وہ اسی کے قریب دفن ہوئے، اسی وجہ سے ان کے اخلاف کے قبرستان بھی یہاں ہیں۔ اس مزار کے تیل چراغ کے مصارف بھی اسلامی حکومت کی جانب سے مقرر تھے۔

درگاہ حضرت شاہ ولایتؒ:

امروہہ کی یہ مشہور معروف درگاہ مرجع خاص و عام ہے۔ حضرت شاہ ولایتؒ کی بہت سی ان کرامتوں اور تصرفات کے منجملہ، جو عوام

---

[۱] ملاحظہ ہو حصہ دوم۔ [۲] ملاحظہ ہو حصہ دوم۔

میں مشہور ہیں۔ ایک یہ کرامت بھی خاص شہرت رکھتی ہے کہ احاطہ درگاہ میں بچھو ڈنک نہیں مارتا اور فی الواقع یہاں غیر نیش زن بچھو پائے جاتے ہیں جنہیں مجاوروں کے بچے پکڑ لاتے اور زائرین کو دکھایا کرتے ہیں۔ اسی قسم کے غیر نیش زن بچھو اس نواح کے پرانے قبرستانوں اور بالخصوص درگاہ حضرت قطب عالم سید عبدالعزیز الملقب بہ شاہ فخرالدین قدس سرہ، وغیرہ میں بھی ملتے ہیں۔ مولانا آل حسن نخشبی مولف تحفۃ التواریخ لکھتے ہیں کہ:۔ ﴿ تصویر صفحہ ۱۰۳-۱۰۵ ﴾

"وکرامات وتصرفات حضرت سید عبدالعزیز قدس سرہ، مشہور است کہ عقارب اندرون درگاہ بہ کسے نیش نہ می زنند روزے محسرر اوراق باچندے رفقائے بہ درگاہ عالی جاہ حاضر شد عقربے چند خورد وکلاں زیر خشت ہائے دیوار احاطہ نشستہ دید مذبدست خود گرفتم دانگشت بر نیشہائے نہادم پس ہیچ اثر آنہا نیا ختم" لے

"حضرت سید عبدالعزیز قدس سرہ (یعنی شاہ فخرالدین سہروردیؒ) کی کرامتوں اور تصرفات میں سے یہ بات مشہور ہے کہ آپ کی درگاہ کے اندر بچھو کسی کے ڈنک نہیں مارتے ایک دن راقم (یعنی مولانا آل حسن نخشبی مرحوم) چند دوستوں کے ساتھ درگاہ عالی جاہ میں حاضر ہوا، چند چھوٹے بڑے بچھو احاطہ درگاہ میں اینٹوں کے نیچے بیٹھے دیکھے ان کو ہم نے اپنے ہاتھوں میں پکڑ لیا اور ان کے ڈنک پر انگلی بھی رکھی لیکن کسی قسم کا کوئی اثر محسوس نہ ہوا۔

درگاہ کے مجاور اور بعض عوام بیان کرتے ہیں کہ درگاہ عالی جاہ کے بچھوؤں کو گر احاطہ درگاہ سے باہر لے جایا جائے تو پھر "نیش عقرب" کا بہ مقتضائے فطرت استعمال شروع کر دیتے ہیں۔ اس سلسلہ میں سید کمال بن سید لعل مؤلف اسراریہ جو نسبتاً حضرت شاہ ولایتؒ کی نسل میں تھے اور خود بھی صاحب حال بزرگ تھے، عوام کے اس خیال کے خلاف اپنا ذاتی تجربہ، جو انہوں نے تقریباً تین سو برس پہلے کیا تھا، اپنی کتاب میں بیان کرتے ہیں جو یقیناً دلچسپی سے پڑھا جائے گا۔

راقم الحروف (اعنی سید کمال بن سید لعل مؤلف اسراریہ) کژدم ہائے آنجا (درگاہ حضرت شاہ ولایتؒ) را بہ سنبھل آوردہ است وہم دریں جا کس را نمی گزند مردمان ہم جابجا می برند نیش نمی زنند۔ ۲ے

راقم الحروف (یعنی سید کمال بن سید لعل مولف اسراریہ) (درگاہ حضرت شاہ ولایتؒ کے) بچھو کو سنبھل تک لے آیا یہاں بھی وہ کسی کو نہیں کاٹتے، لوگ جگہ جگہ لے جاتے ہیں مگر کہیں ڈنک نہیں مارتے۔

زمانہ حال میں بھی متعدد حضرات کا تجربہ صاحب اسراریہ کا مؤید ہے۔ ۳ے

درگاہ حضرت شاہ ولایتؒ میں عہد مغلیہ سے قبل کی سوائے قدیم چہار دیواری اور بعض کھنڈروں کے اور کسی عمارت کے آثار موجود نہیں۔ محمد شاہ بادشاہ کے عہد سلطنت میں شیخ غلام محمد نے، جو قوم کلال کے ایک متمول شاہی اہلکار اور مشائخ کے معتقد تھے۔ درگاہ کی موجودہ چہار دیواری بارہ دری اور مسجد اپنے صرف سے تعمیر کی تھی۔ بعد میں جنوب رویہ دروازہ شیخ گلزار علی نے اور شرق رویہ دروازہ سید اعجاز حسنین (محلہ گذری) نے تعمیر کرایا اور مسجد کی مرمت بھی انہوں نے کرائی۔ دروازہ سے متصل ایک حجرہ مولوی محب علی خان عباسی کا اور

لے [تحفۃ التواریخ صفحہ ۱۱۷] ۲ے اسراریہ قلمی۔ ۳ے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو حصہ دوم۔

ایک دالان متصل مزار منور شاہ صاحب شیخ گلزار علی کا مقبرہ ہے۔

حضرت شاہ ولایتؒ کے پہلو میں آپ کی زوجہ معظمہ کی قبر ہے اور پائیں مزار آپ کے ولد اکبر قاضی سید امیر علی وران کی زوجہ کی اور دونوں کی پائیں شاہ ولایتؒ کے فرزند اصغر سید عبدالعزیز [1] (جن کو سید عزیز الدین و عزیز اللہ بھی کہا جاتا ہے) اور ان کی زوجہ کی اور ان کے پائیں مسماۃ بختوئی دختر شاہ ولایتؒ کی قبور ہیں۔ ان ہی قبور سے متصل جانب شرق سے سید اشرف جہانگیر چشتیؒ نبیرۂ حضرت شاہ ولایت کا جو شرف الدین کے نام سے بھی موسوم ہیں، مرقد منور ہے اور اس سے متصل اور اہل خاندان کی قبور ہیں۔ جانب غرب متصل دیوار حضرت شاہ ولایتؒ کے مرشد زادہ اور خلیفہ شیخ معین الدین ناگوری قدس سرہ کا مزار پر انوار ہے، درگاہ کے شمالی مغربی گوشہ میں سید محمد ابدال السلطان یہ دودھ دھاری نبیرۂ شاہ ولایتؒ کا مزار ہے جس کا احاطہ سید علی مظفر خان بن سید امان علی خان (گھڑیال والے) نے تعمیر کرایا تھا۔

احاطہ درگاہ میں حضرت شاہ ولایتؒ کے خاندان کے علاوہ بعض اور قدیم قبور بھی ہیں۔ خاندان قاضی زادگان کے دو ایک بزرگوں کی قبریں بھی اندرون احاطہ ہیں۔ حجرہ سے متصل بہ جانب شرق ایک قبر قاضی ابہدیہ [2] کی ہے۔ بیرون احاطہ حضرت شاہ صاحب کی اولاد خاندان قاضی زادگان، خاندان شیخ معین الدین ناگوری اور سادات و شرفا کے چند اور خاندانوں کے قبرستان ہیں۔ انہی قطعات آراضی میں درگاہ کے مجاور کچھ رقم لیکر عوام الناس کے مردے بھی دفن کرا دیتے تھے جس کی بنا پر بعض دھنوں، قسائیوں اور دوسری پیشہ ور اقوام کے دو ایک قبرستان بھی کچھ عرصہ سے ان اطراف میں ہو گئے ہیں۔

انیسویں سے اکیسویں رجب تک تین دن عرس ہوتا ہے۔ ۱۲۱۵ھ میں ۲۸ بیگہ زمین موضع داؤد سرائے میں بہ موجب پروانہ مہری احمد علی خان عرس درگاہ شاہ ولایت کے لئے وقف تھی۔ ابتداءً شاہ ولایتؒ کی اولاد عرس کا انتظام کرتی تھی۔ اب پہلی تاریخ میں درگاہ کے مجاور، دوسری تاریخ میں بڑھ تکیے والے کا یستہ اور تیسری تاریخ میں شہر کے قسائی، تیلی وغیرہ روشنی اور عرس کا انتظام کرتے ہیں۔ انتزاع سلطنت اسلامی تک تیل چراغ کے مصارف کے لیے یک ٹکہ اور خادمان درگاہ کو ۲/ یومیہ ملتا تھا، چند بیگہ زمین بھی خادمان درگاہ کو ملی ہوئی تھی۔

گور غریباں:

عید گاہ سے لیکر درگاہ حضرت شاہ ولایتؒ اور اس کے اطراف و جوانب میں دور دور تک قبروں کا ایک شہر خموشاں بسا ہوا ہے، خدا معلوم کون کون عارفان باصفا، صاحبان حشمت و جاہ، یہاں منتظر نفخ صور ہیں۔ ﴿تصویر صفحہ ۱۰۰﴾

عطر مٹی کا جو نہ ملتے تھے — نہ کبھی دھوپ میں نکلتے تھے
گردش چرخ سے ہلاک ہوئے — استخواں تک بھی ان کے خاک ہوئے

---

[1] صاحب تاریخ واسطیہ نے ان قبور کے متعلق کچھ عجب غلط سلط کیا ہے۔ حضرت شیخ معین الدین ناگوری کے حجرے نور کا اول تو ذکر ہی ایسے الفاظ میں کیا ہے، جس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ ان کا دل یہ باور نہیں کرتا کہ حضرت ممدوح کا مزار بھی یہاں بتایا جائے پھر آپ کے مرقد منور کو سید ... بن سید عبدالعزیز کی قبر لکھ ... حالانکہ ان کی قبر اپنے پدر بزرگوار کے متصل جانب شرق ہے۔ حجرہ کے متصل جس قبر کو حضرت شیخ معین الدین ناگوری کا مزار بتایا جاتا ہے وہ حقیقتاً حضرت شاہ ولایتؒ کے خادم شیخ علام کی قبر ہے جن کی اولاد میں خادمان درگاہ کا خاندان ہے۔

[2] ان کا نام تاریخ مؤلف واسطیہ نے قاضی عبداللہ ... لکھا ہے یہ ہرگز صحیح نہیں اصل نام "ابہدیہ" ہے۔ جو سید عمادیہ کے فرزند تھے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو حصہ دوم)۔

بڑے بڑے سنگین چبوترے وحظیرے شکستہ اور ہزاروں قبریں ٹوٹی پڑی ہیں۔ صدہا قبروں کا اب نام ونشان بھی باقی نہیں۔ مرنے کے بعد کس شان سے مقبرے تعمیر ہوئے، آج کوئی نام لیوا بھی موجود نہیں ۔ تعویذ مارے مارے پھر رہے ہیں۔ عجب حسرت کا مقام ہے۔

تھے جو مشہور قیصرو فغفور　　　باقی ان کے نہیں نشان قبور
تاج میں جن کے ٹکتے تھے گوہر　　　ٹھوکریں کھاتے ہیں وہ کاسۂ سر

عہد اسلامی کے آثار قدیمہ کی تلاش وجستجو میں خاکسار مؤلف کا شہر کے قبرستانوں میں بارہا گذر ہوا، گھنٹوں گورغریباں کی ایک ایک اینٹ کو دیکھتا پھرا۔ کہنہ کاغذات میں جن کے جاہ وحشم کا حال پڑھا تھا، شہرخموشاں میں آکر ان کا کچھ عجب حال پایا۔ بیکسی کے عالم میں منوں مٹی کے نیچے دبے پڑے ہیں۔ حسرتیں بادل بن بن کر ان کی ٹوٹی قبروں پر چھائی ہوئی ہیں، ابرنیساں کے سوا نہ کوئی آنسو بہانے والا ہے اور نہ تنہائی وبیکسی کے سوا کوئی ہمدم وانیس۔ سید غلام علی کٹڑہ والے جیسے امیر کبیر کا مزار مرقع عبرت ہے۔ جن کے دیوانخانوں اور محسراؤں میں پرفضا پائیں باغ موجود تھے آج ان کی لحد کے پاس سرو، بید وچنار کے درخت تو کجا، گلاب وچنبیلی کے خشک پھول بھی نہیں، سبزہ تک افسردہ نظر آتا ہے۔ مزار کی اینٹیں بکھری پڑی ہیں۔

خشک گل، افسردہ سبزہ، شمع چپ، بلبل اُداس　　　جی بھر آیا عالم گور امیراں[1] دیکھکر

میں اس مرتفع اور شکستہ چبوترہ پر کھڑا تھا، چاروں طرف آسودگان عدم کی خواب گاہوں اور شہرخموشاں کی قبروں کا ایک سلسلہ لامتناہی چلا گیا تھا، اس منظر نے خیال کو تحریک دی سوچنے لگا کہ یہ مٹی اور اینٹ وچونہ کے اُبھرے ہوئے ڈھیر جن میں سے ہزاروں صدمات بارش سے زمین دوز ہوگئے ان میں کس کس کی تمنائیں اور کیسی کیسی آرزوئیں مایوسی سے دست وگریباں ہوکر عالم سکوت، میں متحیر پڑی ہوئی ہیں، خدا جانے ان میں کتنے مدبران ملک اور وزیران سلطنت ہونگے، کتنے بہادر وجانباز شعراء وانش پرواز ہونگے، وہ بھی ہونگے جو عین عنفوان شباب میں چل دیئے اور وہ بھی جو عمر طبعی کو پہنچ کر مرے۔ کیا آج ان میں کسی کو دنیاوی عیش ولطف کے کچھ مزے یاد ہیں۔ وہ دولت وتمول کے کھیل، وہ ساز وسامان آرائش، وہ عیش وعشرت، وہ حسن وعشق کے چرچے، وہ شب ماہ کی دلفریبیاں، وہ نسیم سحر کی عطر بیزیاں، وہ احباب کے جھمگٹے، یعنی وہ تمام دنیاوی مشاغل جن میں سے ایک ایک بات کا زندگی میں کیا کچھ اہتمام تھا کیا اب بھی ان کی یاد دل میں باقی ہے۔ یہ سوچتا ہوا ذرا آگے قدم بڑھایا تھا کہ ایک ضعیفہ کی دل ہلا دینے والی اور درد بھری آواز نے اپنی جانب متوجہ کیا۔ اپنے اکلوتے اور جواں مرگ بیٹے کی قبر سے لپٹی ہوئی آہ وبکا میں مصروف تھی، بڑھاپے میں ایک یہی سہارا تھا جسے موت کے ظالم ہاتھ نے اس سے چھین لیا تھا۔ یہاں سے تھوڑی دور چلا تھا کہ مٹی کا ایک تازہ ڈھیر سامنے آیا۔ یہ ان مولوی صاحب کی قبر ہے جو ابھی چند مہینے ہوئے وہابی وبدعتی کے ہنگامہ آرائیوں میں نمایاں حصہ لیا کرتے تھے۔ آج عالم بیکسی میں خاموش پڑے ہیں۔ جلسوں میں فریق مخالف پر کیسی کچھ بوچھاڑ کرتے تھے۔ اب ان کے سرہانے کیسا ہی شور مچاؤ، چیختے چیختے مرجاؤ، یہ ہوں ہاں کچھ نہیں کر سکتے۔ غرض یہ کہ اس شہرخموشاں کے عبرت افزا نظارے، لق ودق میدان کے سناٹے شکستہ وبوسیدہ قبروں کی حالت، قبرستان کے درختوں کی الم انگیز سنسناہٹ نے دل پر خیالات کا ایک ہجوم طاری کردیا اور میں اس عبرت انگیز کلام کو پڑھتا ہوا مردوں کی نگری سے زندوں کے رین بسیرے کی طرف لوٹا۔

---

[1] اصل شعر میں بجائے "غریباں" کے "امیراں" کی لفظی ترمیم کی گئی ہے۔

کل ہوس اس طرح سے ترغیب دیتی تھی مجھے　　خوب ملکِ روس ہے اور سرزمین طوس ہے
گر میسر ہو تو کیا عشرت سے کیجئے زندگی　　اس طرف آوازِ طبل اک سو صدائے کوس ہے
سنتے ہی عبرت یہ بولی اک تماشا میں تجھے　　چل دکھاؤں تو جو قیدِ آز میں محبوس ہے
لے گئی یکبارگی گورِ غریباں کی طرف　　جس جگہ جانِ تمنا سو طرح مایوس ہے
مرقدیں دو تین جتلا کے لگی کہنے مجھے　　یہ سکندر ہے، یہ دارا ہے یہ کیکاؤس ہے
یہ وہی ہیںگے جو دعوائے خدائی کر گئے　　یہ افلاطوں، یہ ارسطو اور یہ جالینوس ہے
پوچھ تو ان سے کہ جاہ وحشمت دنیا سے آج　　کچھ بھی ان کے ساتھ غیر از حسرت وافسوس ہے

درگاہ شاہ نصیر الدین چشتی:

شاہ صاحب کی درگاہ بیرون شہر جانب شمال ومغرب متصل باندیو پارک واقع ہے۔ بارہویں صدی ہجری کے آخر تک یہ درگاہ بارونق اور آباد تھی، عرس بھی ہوتا تھا، لیکن اب ویران وسنسان ہے۔ عرس بھی نہیں ہوتا۔ ان کی اولاد میں اب کوئی مذہب آبائی پر نہیں، جو چند لوگ ہیں وہ دو دو چار چار پشت سے شیعی المذہب ہیں۔ جن کو عرس وغیرہ سے قدرتاً کوئی دلچسپی نہیں ہوسکتی۔ ﴿تصویر صفحہ ۱۱۱﴾

درگاہ شاہ نظام الدین سہروردیؒ:

آپ کا مزار محلہ دستار سیاہ میں واقع ہے۔ مدت دراز سے شکستہ پڑا تھا۔ مولانا سید عبدالرحمن مکی نے ۱۳۲۷ھ میں از سرنو بنوایا اور احاطہ درگاہ کو، جس کی کچھ اراضی بمرور ایام قرب وجوار کے بعض مکانات میں شامل ہوگئی ہے، پختہ کرایا۔ ایک کمرہ بھی بنوایا۔ اب یہ مقام بارونق ہے۔ مولانا کا قیام بھی یہیں ہے۔

مزار عارف باللہ حضرت شاہ شکر اللہ قادریؒ:

حضرت عارف باللہ شاہ شکر اللہ قادری قدس اللہ روحہ عہد جہانگیر کے خدا رسیدہ اور قادریہ سلسلہ کے صاحب کمال بزرگ تھے ۔آپ کا سلسلہ بیعت کئی پشتوں تک امروہہ میں جاری رہا۔ مشائخ امروہہ کی بعض قدیم دستاویزات پر ''سید قطب بن سید محمد افضل صاحب سجادہ حضرت شاہ شکر اللہ عارف باللہ قادریؒ'' کے دستخط ان ہی الفاظ کے ساتھ تحریر ہیں۔ ۱۰۷۹ھ یعنی عہد عالمگیر تک اس خاندان کے بزرگوں کا تذکرہ کاغذات میں ملتا ہے۔ خاکسار مؤلف کو امروہہ کے قبرستانوں اور مزارات میں اکثر بزرگوں کی قبروں اور مزارات کی شکستگی کے نظارہ نے بارہا متألم کیا ہے لیکن جس وقت ایک صوفی منش دوست کی معیت میں حضرت ممدوح کے مزار کی تجسس میں اس مقام پر پہنچا جو آپ کا آرام گاہ ہے زبان قلم سے نکلے ہوئے الفاظ قلب کی اس اذیت اور دل کی اس بیتابی کا اظہار نہیں کرسکتے جو اس منظر کے دیکھنے سے پہنچی۔ محلہ کالی پگڑی (دستار سیاہ) میں، جس کا نام ہی حضرت ممدوح کی خاندانی خصوصیت کا آج بھی اظہار کر رہا ہے، امام باڑہ کے سامنے، جو کسی زمانہ میں حضرت ممدوح کی خانقاہ تھی، مٹی کا ایک اونچا ڈھیر پڑا ہے اس کی چہار دیواری کی بنیادوں کے

کچھ آثار اب بھی باقی ہیں۔ یہیں حضرت کا مزار پُر انوار تھا، ایک قبر کی کچھ اینٹیں بھی بکھری پڑی ہیں۔ یہ نظارہ ہی کسی قبر پرست کے لیے نہ سہی آثار قدیمہ کے مجھ جیسے شیدائی کے لیے کچھ کم اذیت دہ نہ تھا۔ مگر آہ! اے امروہہ کے اسلاف پرست مسلمانوں! سنو، اس بزرگ، اس ولی اللہ کا مرقد منور محلہ کے یکہ والوں کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال ہو رہا ہے، یہاں گھوڑے بندھتے ہیں، جس مقام پر اس بزرگ کی ہڈیاں دفن ہیں وہاں گھوڑوں کی لید اور پیشاب کی عفونت آ رہی ہے!!

خانقاہ کی اینٹیں تو خیر امام باڑہ ہو جانے کی وجہ سے سلامت ہیں، لیکن یہ امام باڑہ یا بالفاظ صحیح خانقاہ جس واجب الاحترام بزرگ کی یادگار ہے کیا اس کا مزار اس کا بھی مستحق نہیں کہ گھوڑوں کی ٹاپوں کی زد سے تو اسے محفوظ کر دیا جائے! یہ سچ سہی کہ حضرت کی نسل میں اب ایک دو اشخاص جو باقی ہیں ان میں سے کوئی فرد امروہہ میں موجود نہیں، امام باڑہ کے متولی منشی اظہر علی عرائض نویس جو کسی عدالتی کارروائی کی بنا پر متولی ہو گئے ہیں، اگر اختلاف عقائد کی وجہ سے اس طرف متوجہ نہیں تو کیا امروہہ کے اور مسلمانوں اور بالخصوص شیخ صدیق علی خان وغیرہ اہل محلہ یا مولوی احسان الحسن اور مولوی صبغۃ اللہ صاحبان کا بھی کوئی فرض نہیں؟

نام نیک رفتگاں ضائع مکن　　　　تا بماند نام نیکت یادگار

روضہ منورہ حضرت شاہ ابن بدر چشتیؒ [1]:

یہ بہت مشہور و معروف روضہ شہر سے جنوب و مشرق میں ریلوے اسٹیشن کے قریب واقع ہے۔ مرقد منور ایک مرتفع چبوترہ پر ہے پہلے چبوترہ بلند نہیں تھا اس پر سرخ پتھر کی بارہ دری تھی، جو پیر بنجارہ [2] کی معمرہ بیان کی جاتی ہے۔ کسی صدمہ سے مسمار ہو گئی تھی پھر دوبارہ تعمیر نہ ہو سکی اس کے بعض خوبصورت نقش و نگار سے مزین پتھر جو اپنے صناعوں کی صناعی اور کاریگری کے زبان حال سے شاہد ہیں چبوترہ کی سیڑھیوں پر نصب ہیں، احاطہ درگاہ کی پختہ چہار دیواری تھی جس کے آثار بھی اب تک باقی ہیں۔ آپ کے فرزندان باکمال شاہ نور الدین و شاہ صدر الدین قدس اللہ اسرارہم اور دوسرے بیٹوں پوتوں کے مزارات بھی متصل مرقد منور واقع ہیں۔ سید جمال کا مزار بھی جن

---

[1] یعنی پیر بنجارہ بن شاہ مسعود بن شاہ قاسم بن حضرت شاہ ابن بدر چشتیؒ۔ آپ کا نام وہی حضرت پیر زادگان کے مطبوعہ شجرہ میں "محمد مقصود" درج ہے، آپ کے دستخط مستورد قدیم دستاویزات خاندانی پر ان الفاظ میں ملتے ہیں "فقیر بنجارہ بن شیخ مسعود" معلوم ہوتا ہے کہ آپ سے بنجاروں کی قوم کو عقیدت تھی، شاید ان کے پیر ہونے کی وجہ سے۔ "پیر بنجارہ" مشہور ہو گئے ہوں اور بوجہ کسر نفسی اپنے نام کی بجائے "فقیر بنجارہ" لکھتے رہے ہوں۔ بہر حال اس لقب کی کوئی وجہ بھی کیوں نہ ہو۔ بنجاروں کی قوم کو، جس کی بڑی تعداد اس زمانہ میں ناندہ (متصل مراد آباد) کرتی تھی اور تجارتی کاروبار کی وجہ سے اس میں مال و دولت بھی کافی تھا، حضرت شاہ ابنؒ کے خاندان سے عقیدت و ارادت تھی۔ اس قوم کے افراد نے آپ کے روضہ منورہ کی سنگین بارہ دری کا سامان تعمیر فراہم کیا اور یہی پیر بنجارہ کے انتظام میں بہ عہد شاہجہاں بادشاہ تقریباً ۱۰۴۵ھ میں تعمیر ہوئی۔ یہ بارہ دری کس شان کی تھی اس کا اندازہ صرف ان چند پتھروں سے ہو سکتا ہے جو چبوترہ کی سیڑھیوں پر نصب ہیں۔ مشہور مقولہ ہے کہ تاریخ ہمیشہ اپنے واقعات کو دہراتی رہتی ہے آج ۱۳۵۵ھ میں پہلی تعمیر سے تقریباً تین سو برس کے بعد نبیرۂ پیر بنجارہ کی ساتویں پشت میں شیخ پیر بخش سعد الدین احمد اسی مقام پر سنگین عمارت زیر تعمیر کرا رہے ہیں۔

[2] بنجارہ۔ یہ لفظ سنکرت زبان کے لفظ "بنج" (वाणिज) سے مشتق ہے جس کے معنی بیوپار اور سوداگر کے ہیں۔ بعض لوگ اس کو فارسی کے لفظ "برنج آر" کی بگڑی ہوئی شکل کہتے ہیں جس کے معنی چاولوں کے حمال کے ہیں لیکن یہ صحیح نہیں۔ سنسکرت کی ایک بہت قدیم کتاب "داس کمار چرتر" کے ایک قصہ میں "بنجارہ" کا لفظ موجود ہے۔ اس صوبہ میں جو بنجارے آباد ہیں وہ ہمیشہ سے یہی کاروبار کرتے رہے ہیں کہ مقام سے دوسرے مقام کو تجارتی اشیاء لیجاتے تھے۔ نظیر اکبرآبادی فرماتے ہیں "سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارہ" انگریزی سلطنت میں ذرائع باربرداری کے وسیع ہونے کی وجہ سے ان کے آبائی پیشہ میں بھی خلل واقع ہو گیا۔ سلطان علاء الدین خلجی نے جو ضابطے تجارت اور نرخ اشیاء کے قدیم کئے تھے ان میں ان بنجاروں کے بھی فرائض متعین کیے گئے تھے۔ اس زمانہ کی تاریخوں میں ان کا اکثر ذکر آتا ہے۔ بعض جگہ انہیں لفظ "ملتانیاں" سے بھی موسوم کیا گیا ہے۔ اس صوبہ کے بنجارے بھی اپنا اصل ملتان سے بتاتے ہیں۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ ابتداءً یہ ہندو جہونوں کی ایک شاخ "چارن بھاٹوں" میں سے تھے، اپنا پیشہ ترک کرکے تجارت کا کاروبار کرنے لگے۔ ان کی چار بڑی قسمیں ہیں۔ ترکیا بنجارے، بید بنجارے، ہوا ناہ بنجارے، مکیری بنجارے اور بہروپ۔ پھر ان سب میں بہت سی شاخیں ہیں صرف ترکیوں میں ہی ۳۶ فرقے ہیں۔ اوّلاً ناندہ میں ان کی خاص سکونت تھی وہاں سے بلا سپور، مرادآباد وغیرہ مقامات پر جا بسے۔ بہر حال عہد ماضیہ میں یہ خوشحال اور متمول تھے۔

سے رشتہ کا تعلق تھا اور جن کو آپ سے عقیدت بھی تھی، احاطۂ مزار سے متصل ہے نیز خاندان پیرزادگان کے قبرستان بھی احاطۂ روضۂ منورہ میں ہیں۔ جہانگیر وشاہ جہاں وعالمگیر کے عہد سلطنت میں آپ کا عرس بڑی دھوم دھام سے ہوتا تھا۔ بیرونجات سے بڑی تعداد میں لوگ آتے تھے۔ فقراء ومشائخ اور مریدین کے قیام کے لئے روضہ سے متصل مکانات بھی تھے۔ مصارف روضہ کے لئے ڈیڑھ سو بیگہ اراضی سلطنت کی عطا کردہ تھی۔ یہاں اب ایک مسجد اور بارہ دری بھی ہے۔ ماہ ذی الحجہ میں گیارہ سے پندرہ تک پانچ دن عرس ہوتا ہے جس کا انتظام آپ کی اولاد کرتی ہے۔ ان کے علاوہ عرس کی ایک شب دکھنی جولاہے بھی کرتے ہیں جن کو حضرت سے موروثی عقیدت ہے۔ ان کے قبرستان بھی روضۂ منورہ سے متصل ایک قطعہ اراضی میں ہیں۔ ﴿تصویر صفحہ ۱۰۶﴾

مزار شیخ چاپن فاروقیؒ:

متصل آبادی جانب شرق تالاب پنباڑی۔ اس محلہ کا نام ہی محلہ شیخ چاپن پڑ گیا ہے جس کو عوام غلطی سے محلہ "شیخ چاپیں" کہتے ہیں۔ اس مقام پر مسلمانوں کی آمد کے زمانہ میں ایک بڑا بتخانہ تھا یہ بتخانہ قدیم شہر کے باہر اس تالاب کے کنارے تھا۔ بتخانہ کے بت بہ تعداد کثیر اس ڈھیر میں دبے پڑے ہیں۔ تقریباً بیس برس ہوئے گلاب شاہ ساکن مرادآباد نے زرتعریق سے اس مزار اور مسجد کی مرمت کرائی تھی۔

مزار حضرت شیخ پیرکؒ:

واقع محلہ نیازیان یہ مزار ایک وسیع احاطہ میں ہے جو پہلے تکیہ شیخ پیرکؒ کے نام سے موسوم تھا۔ اس احاطہ میں مختصری مسجد بھی ہے۔

مزار شاہ ضیف اللہ کاظمیؒ:

آپ کا مزار محلہ ککنوگی میں ہے، آپ مشائخ متاخرین میں حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ کے مرید، عالم باعمل اور صاحب نسبت بزرگ تھے۔ ۱۲۴۰ھ میں بوقت نماز عصر بحالت سجدہ واصل بحق ہوئے۔

مزار شاہ گدا قادریؒ:

آپ کا مزار شہر سے جانب جنوب متصل تالاب کیتھیا واقع ہے۔ یہاں علاوہ اہل خاندان کی قبور کے شیخ جان محمد اور شاہ گدا قادریؒ کے مرید شاہ عبدالواحد کے مزارات بھی ہیں، کسی زمانہ میں بارونق مقام تھا۔ ان درگاہوں کے یہ اراضی بھی سلطنت کی جانب سے مقرر تھی، خدام درگاہ کو یومیہ ملتا تھا، ان خدام کی نسل میں محلہ بتوال کے فقیر ہیں، جن کا پیشہ اب گداگری ہے۔

درگاہ شاہ عبدالمجید علویؒ:

پختہ چہار دیواری کے اندر متصل عیدگاہ واقع ہے۔ مرقد منور پر خوبصورت مقبرہ بنا ہوا ہے۔ جواب جابجا سے شکستہ ہو گیا ہے، آپ

کے بھائی اور جانشین شیخ فیضی ؒ کی قبر بھی یہیں مزار بے جواب اینٹوں کا ایک ڈھیر ہے۔ احاطہ درگاہ میں عالی شان مسجد ہے جس کے خوشنما گنبد جابجا سے شق ہوگئے ہیں، سامنے کا ایک مینار گر گیا، کنگرے ٹوٹے پڑے ہیں، گنبدوں پر خودرو درخت اُگ آئے ہیں۔ تاریخ تعمیر کا حسب ذیل کتبہ سنگ مرمر پر خوشنما حروف میں کندہ تھا یہ پتھر کسی صدمہ سے گر کر ٹوٹ گیا جس کے ٹکڑے بڑی تلاش سے دستیاب ہوئے۔ ﴿تصویر صفحہ ۱۱۲-۱۲۵﴾

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه مُحَمَّدُ الرَّسُولُ اللّٰه

یافت بنا از مدد ذوالجلال — سجدہ گہ خلق زسعی کمال

کاتبہ وراقمہ عبدالواحد — ۱۰۶۲ھ (اس کے بعد کی سطر پڑھنے میں نہیں آئی)

مسجد کے متصل شاہ صاحب کے خلیفہ عمدۃ الواصلین سید عبدالحکیمؒ کا مقبرہ ہے جو طرز تعمیر میں آپ کے مرشد کے مقبرہ کے مشابہ ہے۔ یہ بھی جابجا سے شکستہ ہوگیا ہے۔ سابق میں آپ کا عرس بھی خوب دھوم دھام سے ہوتا تھا۔ مصارف روضہ کے لیے ڈیڑھ سو بیگہ اراضی کی ایک مہک سلطنت کی عطیہ تھی۔ آخر عہد سلطنت اسلامی تک تیل چراغ کا خرچ اور درگاہوں کی طرح مقرر رہا۔ اس خاندان کے لوگ جب امروہہ میں باقی نہ رہے عرس بھی موقوف ہوگیا اور مقبرہ کی مرمت اور خدمت کرنے والا بھی کوئی باقی نہ رہا۔ مسجد اور مقبروں کی عمارتوں کی حالت نہایت درجہ زبوں ہے۔ یہ تاریخی عمارتیں مسلمانان امروہہ کی غفلت اور بے حسی کا اپنی زبان حال سے مرثیہ خواں ہیں۔

ع۔ حسرت برس رہی ہے یہ کس کا مزار ہے

خانہ خالی را دیو می گیرد۔ خدا [illegible] ہیں جو اس متبرک مقام یعنی مسجد اور مقبرہ کا اپنے کو "مالک یا قابض" سمجھ کر اس متبرک زمین میں جہاں ان بزرگوں کے جسم خاکی دفن ہیں ہل چلاتے، کاشت کرتے اور باغ اور درختوں سے خوب نفع حاصل کرتے ہیں لیکن مسجد یا مقبرہ یا کسی قبر کی مرمت میں ایک حبہ صرف کرنا ناجائز سمجھتے ہیں۔ خاکسار مؤلف جب ان عمارتوں کی تصویر کشی کے لئے ایک مصور کو ساتھ لیکر محمد شاہ عمادالدین صاحب کی معیت میں یہاں پہنچا تو ہماری نظروں نے یہ دردناک منظر بھی دیکھا کہ کسی نالائق نے سید عبدالحکیم قدس سرہ کے مقبرہ کی متصل بعض قبروں کے چبوترہ کے پتھر اور اینٹیں نکالنا شروع کی ہیں غالباً غرض یہ ہے کہ ان کو فروخت کرکے چند ٹکے وصول کرے! آہ! اے امروہہ کے مسلمانوں! تمہاری بے حسی اور بے حمیتی اس سے کیا زیادہ ہوگی کہ ایسے متبرک اور تاریخی عمارتوں اور قبروں کو درست کرنا در کنار تمہیں میں ایسے نابکار بھی ہیں جو ان کی اینٹیں تک بیچ بیچ کر اپنا دوزخ بھر رہے ہیں لیکن نہ تمہاری غیرت کو کوئی تحریک ہوئی ہے اور نہ تم اس کا کوئی درد اپنے دل میں محسوس کرتے ہو!"

امروہہ کے مسلمانوں کو اگر یہ توفیق نہیں کہ ان آثار قدیمہ اور بزرگوں کی یادگاروں کو برباد مسمار ہونے سے محفوظ رکھیں تو کاش حکومت کے محکمہ آثار قدیمہ ہی کی توجہ اس طرف منعطف ہو عہد شاہجہان کی یہ تاریخی عمارتیں ہیں۔ جن کی درستی وحفاظت اس محکمہ کا فرض اولین ہے۔

روضہ شاہ گھاسی چشتیؒ:

یہ روضہ تالاب پنجڑی کے قریب سید عزالدین سہروردی کی درگاہ سے جانب شرق وجنوب میں ہے۔ مرقد منور پر خوشنما مقبرہ

Roza Shah Abdul Majid Alwi

روضہ منورہ حضرت شاہ عبدالمجید علوی

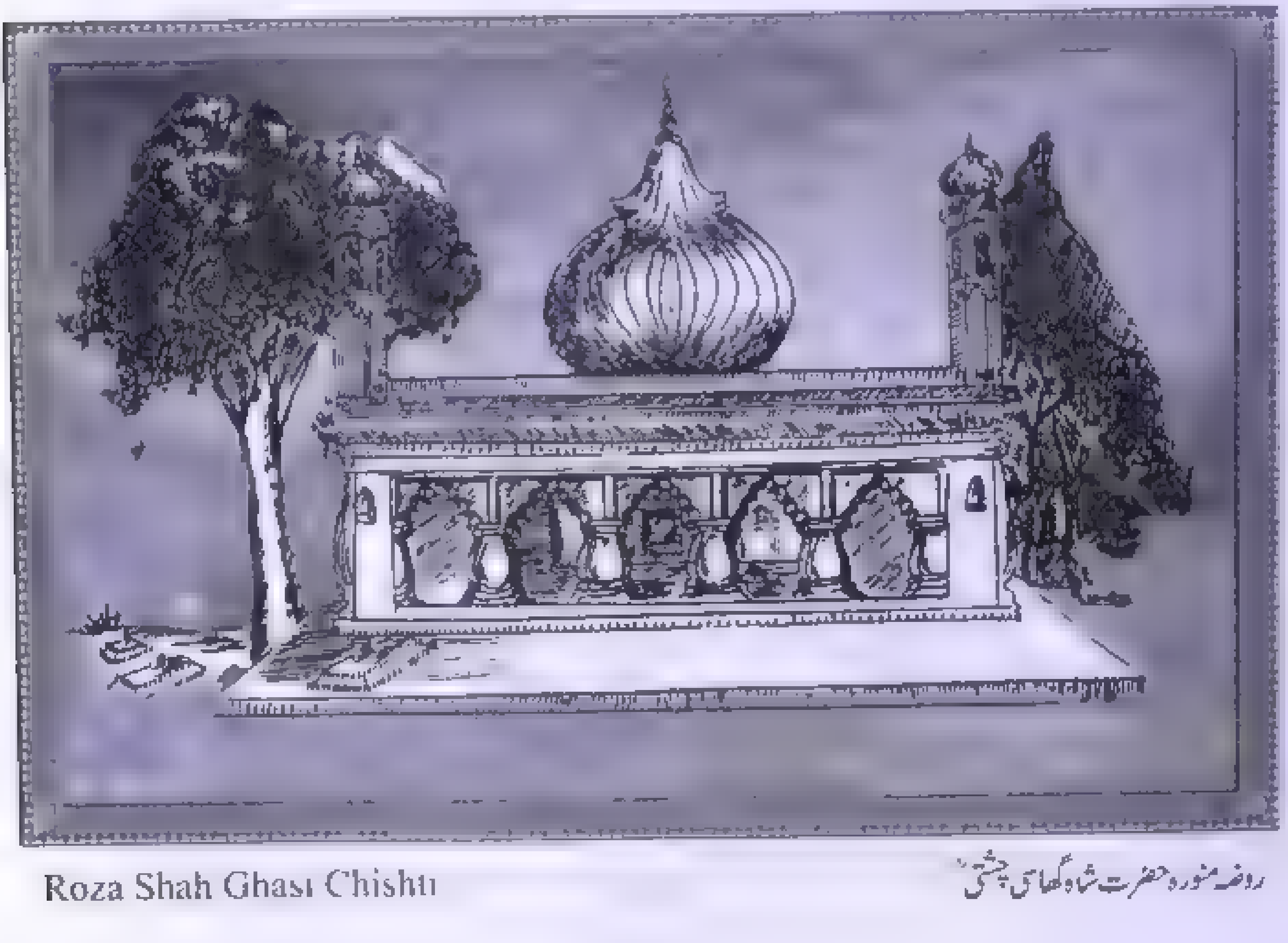

Roza Shah Ghasi Chishti

روضہ منورہ حضرت شاہ گھاسی چشتی

ہے جو اچھی حالت میں ہے۔ چہار دیواری البتہ جا بجا شکستہ ہوگئی ہے۔ ۱۸۰۸ء میں یہاں خانقاہ وحجرہ کی عمارتیں آپ کی زندگی میں تعمیر ہو گئی تھیں بعد وصال آپ یہاں دفن ہوئے۔ یہ روضہ مولانا عبدالرشید عباسی قدس سرّہ نے تعمیر کرایا، اس کا باغ ان ہی کا نصب کردہ ہے۔ مولانا کا مزار بھی اپنے مرشد کے جوار مزار چبوترہ پر واقع ہے۔ اور زیر چبوترہ جانب جنوب شیخ عبدالسناق کی قبر ہے۔ اسلامی حکومت سے اس روضہ کے تیل چراغ کا خرچ بھی ملتا تھا اور کچھ اراضی بھی مصارف روضہ کے لئے وقف تھی۔ ۲۹ رمضان کو عرس ہوتا ہے۔

﴿تصویر صفحہ ۱۰۵﴾

مزار شاہ علاولؒ چشتیؒ:

آپ کا مزار پر انوار درگاہ شاہ عبدالمجید علویؒ سے بجانب شرق نصف فرلانگ پر واقع ہے۔ کچھ عرصہ پیشتر تک یہ مقام ویران حالت میں تھا۔ خاکسار مؤلف کے جدّ امجد حضرت مولانا احمد علی شاہ عباسیؒ نے بجائے قدیم خاندانی قبرستان کے شاہ علاولؒ کے جوار میں اپنے تدفین کی وصیت فرمائی تھی، حضرت قبلہ گاہی نے بھی اپنے لئے جوار پدر بزرگوار کو پسند فرمایا۔ برادر عزیز حکیم مقصود احمد عباسی مرحوم کا جنازہ بھی دہلی سے لایا گیا اور حسب وصیت یہیں دفن ہوئے۔ عزیزہ سلیقہ بیگم عباسی مرحوم کی میت بھی دہلی سے امروہہ آئی اور وہ بھی یہیں دفن ہوئیں۔ اب حال میں اصغری بیگم مرحومہ کا جسم خاکی دہلی سے لا کر یہیں سپرد خاک کیا گیا، ایک اور عزیزہ کو بھی یہیں جگہ ملی غرض یہ کہ یہ قطعات اراضی خرید کر آپ کے مزار کی اور چبوترہ کی سنگین فرش سے درستی کی گئی ہے، باغ وچمن بندی سے اس مقام کو بارونق کرنے کا انتظام کیا جارہا ہے۔

درگاہ شاہ عضدالدینؒ جعفریؒ:

جانب غرب متصل آبادی محلہ نوگزہ۔ یہ درگاہ عوام میں آپ کے فرزند وجانشین حضرت شاہ معزالدینؒ المعروف بہ ''شاہ موجؒ'' کے نام سے مشہور ہے۔ شاہ قیام الدینؒ اور اس خاندان کے بزرگوں کے اکثر مزارات یکجا وپہلو بہ پہلو ہیں۔ درگاہ میں مختصری مسجد بھی ہے اور اسی سے متصل سکونتی مکانات بھی ہیں ۲۸ رجب کو شاہ عضدالدینؒ اور ۹ شوال کو شاہ موجؒ کا عرس ہوتا ہے۔ جلسۂ سماع بھی ہوتا ہے۔ امروہہ و بیرونجات میں اس خانوادہ کے مرید اور عقیدت مند پہلے بہ کثرت تھے، اب بھی یہ سلسلہ قائم ہے۔ ﴿تصویر صفحہ ۱۰۶﴾

درگاہ شاہ عبدالہادیؒ:

بیرون شہر جانب شمال نصف میل کے فاصلہ پر ہے۔ شاہ عبدالہادیؒ کی وفات ۱۱۹۰ھ میں مقام کھائی کھیڑہ ضلع بریلی میں ہوئی تھی جہاں سے تابوت امروہہ لایا گیا اور خاندانی باغ میں دفن کرکے وسیع وخوشنما عمارت مزار ودرگاہ کی تعمیر کی گئی۔ کچھ حصہ منہدم ہو چکا ہے لیکن بڑا حصہ باقی ہے۔ ماہ شوال میں ۶ سے ۸ تک ہر سال عرس ہوتا ہے جس کے مصارف موضع براہی کی ملک موقوفہ نواب محب اللہ خان سے ادا ہوتے ہیں۔ شاہ عبدالباریؒ، شاہ رحمن بخشؒ وشاہ غلام مصطفیؒ کے مزار اور خاندانی قبرستان بھی یہیں ہے۔ ﴿تصویر صفحہ ۱۰۸-۱۰۹﴾

شاہ رحمت اللہؒ:

مزار متصل محلہ قریشی میں چبوترہ پر واقع ہے۔ ۱۵ رشعبان کو عُرس ہوتا ہے۔ آپ کی زوجہ کی قبر بھی پہلو میں ہے۔

مزار شاہ پیر بخشؒ:

متصل مرادآبادی دروازہ بیرون شہر ایک مرتفع چبوترہ پر واقع ہے۔ سابق میں عُرس بھی اچھے پیانہ پر سادات دربار کلاں کی جانب سے ہوتا تھا جن کو آپ سے موروثی عقیدت تھی۔

حاجی غلام علی شاہؒ:

مزار محلہ چاہ میں لب سڑک دہلی۔ احاطہ میں باغیچہ، مسجد اور دالان ہے۔

مزار یتیم شاہؒ:

جانب غرب درگاہ شاہ ولایتؒ لب سڑک داؤد سرائے۔ مرتفع چبوترہ پر مختصری چہار دیواری میں واقع ہے۔

مزار سیّد عبدالغنیؒ:

محلہ تل میں لب سڑک دہلی۔

مولانا سیّد امانت علیؒ:

مزار متصل مزار شاہ عبدالغنیؒ جانب غرب ایک مرتفع چبوترہ پر ہے۔

روضہ حافظ عباس علی خاںؒ:

متصل روضہ درویش علی خان۔ آپ کے لائق فرزند مولانا احمد حسین خان نے ۱۳۳۱ھ میں خانقاہ و مسجد بنوائی ہے، جس کے دو درجے اور چار کوٹھریاں بازو میں ہیں۔ ایک وسیع باغ بھی نصب کیا ہے۔ ہر سال ماہ بیساکھ میں آپ کا عُرس ہوتا ہے، سالانہ عُرس کے علاوہ معمولی جلسہ بھی ہر مہینہ میں ۵/۶ رتاریخ کو سالانہ عُرس کے نمونہ پر ہوا کرتا ہے۔ درگاہ مسجد کے لیے چار قطعات باغ بھی وقف ہیں جن کی مجموعی آمدنی تقریباً ۶۰۰ سالانہ ہے۔ ﴿تصویر صفحہ ۱۲۸﴾

Roza Abbas Ali Khan

روضہ حافظ عباس علی خاںؒ

Roza Darwesh Ali Khan

روضہ درویش علی خاں

Murdabadi Darwaza　　　　　　　　　　　　　　　　　　　مرادآبادی دروازہ

Murdabadi Darwaza　　　　　　　　　　　　　　　　　　　مرادآبادی دروازہ

Murdabadi Darwaza　　　مرادآبادی دروازہ

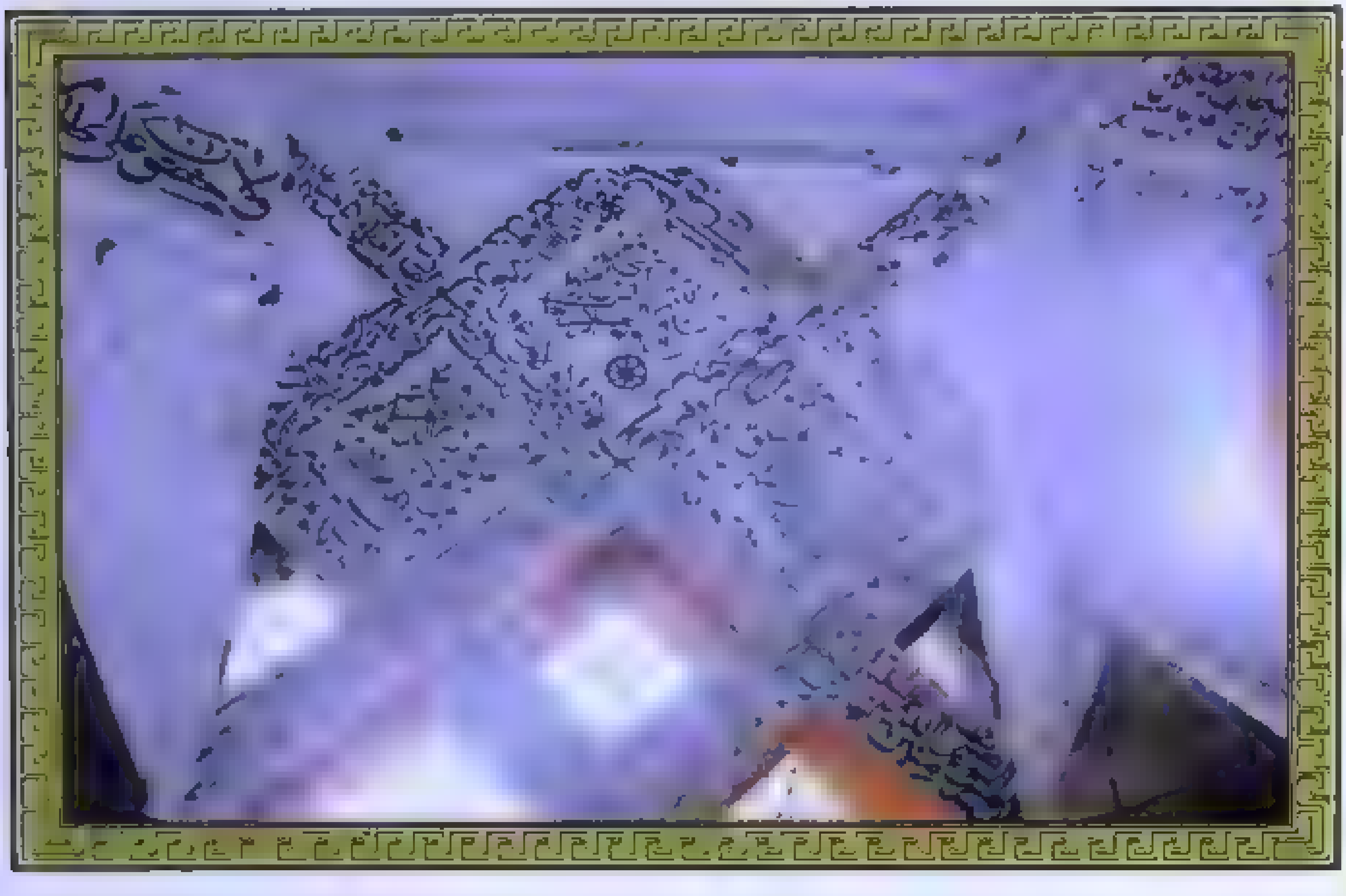

Sayedul Madaris　　　سیدالمدارس

Chah Gauri

چاہ غوری

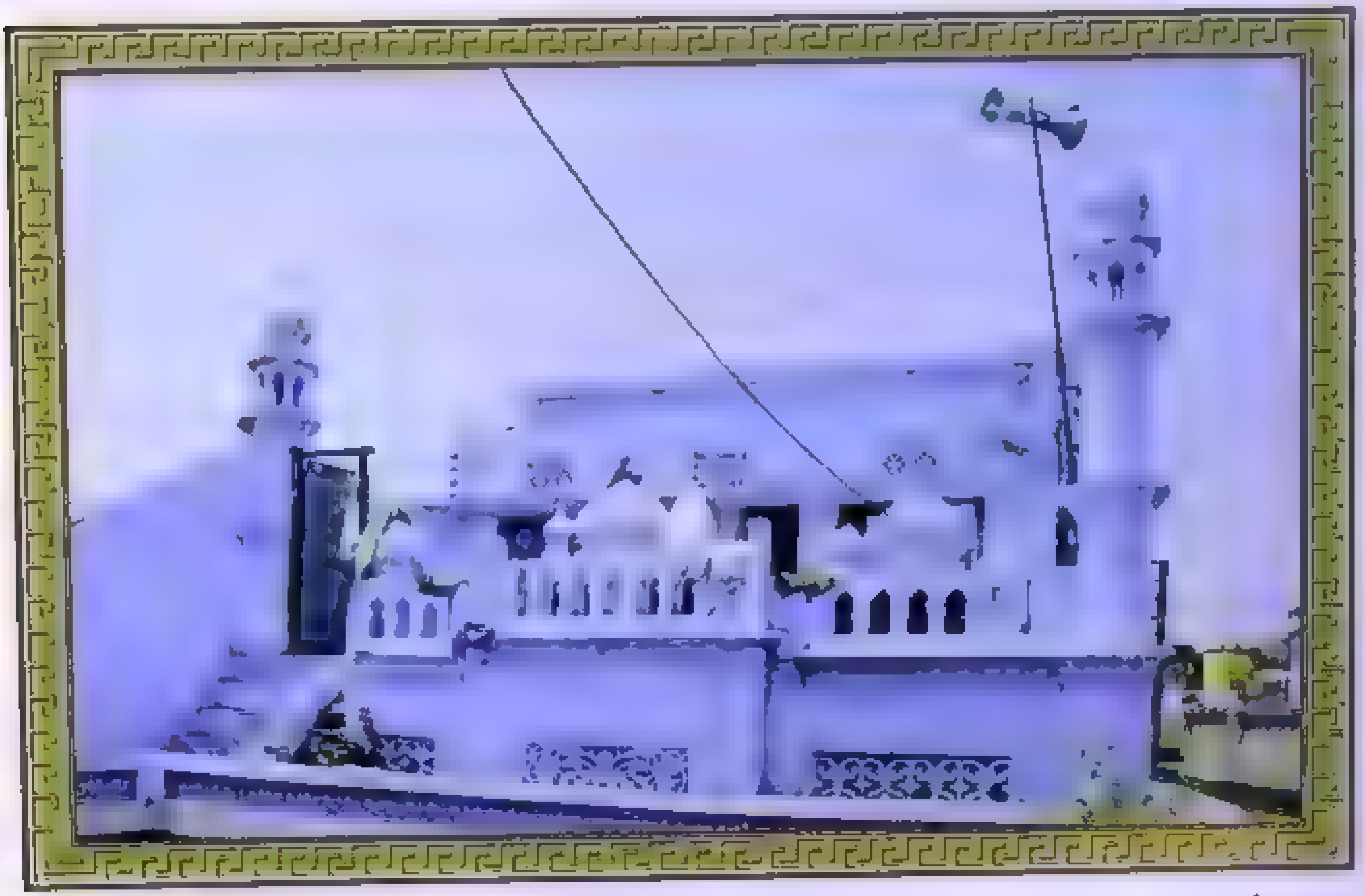

Masjid Chah Gauri

مسجد چاہ غوری

Mahmood Ahmed Abbasi's House

محمود احمد عباسی کا مکان جو کبھی داؤد منزل ہوا کرتا تھا۔

Mahmood Ahmed Abbasi's House

محمود احمد عباسی کا مکان

Bhure Khan Shaheed

بھورے خاں شہید

امروہہ کی جھلکیاں

مروہہ کی جھلکیں

امروہہ کی جھلکیں

امروہہ کی جھلکیاں

امروہہ کی جھلکیاں

امروہہ کی مصنوعات

Street of Amroha

امروہہ کی گلیاں

خانقاہیں

امروہہ کی خانقاہوں میں اب معدودے چند کا صرف نام باقی ہے۔ شہر سے ذرا باہر نکلو ہر چہار طرف خانقاہوں، فقرا کے تکیوں کے کھنڈر اور آثار ملیں گے، کسی زمانہ میں یہ سب آباد تھے۔ وارد، صادر اور مسافر کے قیام اور طعام کا انتظام تھا۔ ان میں بعض کے متعلق اوقاف کی املاک واراضیات بھی تھیں، جن میں سے بعض پر لوگ غاصبانہ قابض ہو گئے، کچھ فروخت ہو گئیں۔ خاموں نے اینٹیں تک بیچ کھائیں۔ اب نہ خانقاہیں باقی ہیں اور نہ تکیے، حضرت شاہ ابن بدر چشتی قدس سرۂ العزیز کی خانقاہ کے علاوہ، جو ترمیم و مرمت کے بعد اچھی حالت میں ہے، کسی کا کھنڈر باقی رہ گیا ہے اور کسی کا صرف نام۔

پڑی ہیں سب اُجڑی ہوئی خانقاہیں　　وہ درویش وسلطاں کی امید گاہیں
کھلی تھیں جہاں علم باطن کی راہیں　　فرشتوں کی پڑتی تھیں جن پر نگاہیں
کہاں ہیں وہ جذب الٰہی کے پھندے
کہاں ہیں وہ اللہ کے پاک بندے

۱۔ خانقاہ حضرت شاہ ولایتؒ:

اس خانقاہ کا نہ اب وجود باقی ہے اور نہ آثار۔ آٹھویں اور نویں صدی ہجری میں یہ خانقاہ آباد تھی۔ سیّد محمد ابدال ذودہ دھاری، شیخ معین الدین ناگوری اور سید اشرف جہانگیر قدس اللہ اسرارہم کا یہاں افادہ جاری تھا۔

۲۔ خانقاہ شاہ نصیر الدینؒ:

یہ خانقاہ محلہ نوگیاں میں واقع تھی، اب اس کا وجود بھی نہیں۔ اسی کے کسی حصہ میں اب امام باڑہ بن گیا ہے۔ آٹھویں و نویں صدی ہجری میں یہ خانقاہ خوب آباد تھی، اس کے بعد عرصہ دراز تک باقی رہی۔

۳۔ خانقاہ عارف باللہ حضرت شاہ شکر اللہ قادریؒ:

یہ خانقاہ محلہ کالی پگڑی میں واقع تھی۔ عہد جہانگیر بادشاہ سے عہد عالمگیری کے بعد تک خوب رونق پر تھی۔ کچھ عرصہ سے اہل محلہ نے علم وغیرہ یہاں رکھ لیے تھے پھر ایک صاحب نے عدالتی کارروائی میں اس خانقاہ کو امام باڑہ ظاہر کر کے اس کی تولیت بھی حاصل کر لی۔ اب یہ باضابطہ امام باڑہ ہے۔

۴ - خانقاہ حضرت شاہ آنؒ :

یہ خانقاہ بہ تبدیل ہیئت موجود ہے اور اسی نام سے اب ایک محلہ بھی موسوم ہو گیا ہے۔

۵ - خانقاہ حضرت شاہ محمدی فیاض جعفریؒ :

حضرت شاہ محمدی فیاض جعفریؒ گیارہویں صدی ہجری کے مشائخ کبار میں سے تھے۔ آپ کے بزرگ ہرگانو (اودھ) کے رہنے والے تھے۔ آپ نے امروہہ میں سکونت اختیار کی۔ ''سرائے محمدی'' آپ ہی کے نام سے موسوم ہے۔ محلہ لکڑہ کے متصل جانب شمال جن قطعات زمین میں اب کاشت ہوتی ہے یہاں آپ کے مکانات، خانقاہ و مسجد تھی۔ اس میں بیس ہزار پانسو پندرہ گز رقبہ شامل تھا۔ حویلیات کے علاوہ خانقاہ کی عمارت کا ذکر کہنہ دستاویزات میں ان الفاظ میں تحریر ہے '' **یک ایوان و دو حجرہ بابت خانقاہ ازخشت پختہ مسقف بہ چوب و خانہائے خام چھپر پوش بابت سرائے آبادانی۔** ''

حضرت ممدوح کا مرقد منور آگرہ میں ہینگ کی منڈی متصل مندر آریہ سماج لب سڑک واقع ہے۔ آپ کے فرزندان باکمال سعد محمد مکی ودرویش محمد مدنی تک یہ خانقاہ خوب آباد رہی لیکن اب نہ یہ خانقاہ باقی ہے اور نہ حویلیات وسرائے آبادانی۔ رہے نام اللہ کا۔ درویشی کا سلسلہ آپ کے بھائی شاہ حامد جعفری کی نسل میں جاری رہا اور اب تک جاری ہے۔ حضرت شاہ عضد الدین جعفریؒ آپ کے برادر زادہ اور مرید و خلیفہ تھے۔ جن کے مرید و خلیفہ حضرت شاہ عبدالہادی صدیقیؒ ہوئے شاہ عضد الدین نے محلہ لکڑہ سے جانب جنوب اقامت اختیار کی۔ اب اس خاندان مشائخ میں مجی شاہ علاء الدین جعفری سجادہ پدری پر متمکن ہیں۔ سلمہ اللہ تعالیٰ۔

خانقاہ محلہ چلہ :

ابتداء یہ شاہ گدا کی اولاد کا دیوانخانہ تھا، بعد میں اسی جگہ شاہ غلام علیؒ اور دوسرے مشائخ کا یہاں قیام رہا اس وجہ سے یہ مقام خانقاہ مشہور ہو گیا۔ شاہ غلام علیؒ کے مزار کے متصل بھی ایک دالان اور مسجد حکیم حکمت اللہ خان کے خاندان نے تعمیر کرائی تھی جو خانقاہ کے نام سے موسوم ہے۔

مقبرے

مقبرہ قطب الدین خاں :

یہ مقبرہ قطب الدین خان امروہہ کے ایک حاکم کا ہے جو عوام میں مقبرہ قطب شاہ سے موسوم ہے [1]۔ اور کنکوئی کے جنگل میں شہر سے متصل واقع ہے۔ بہت خوبصورت گنبد بنا ہوا ہے۔ دو مینار منہدم ہو گئے دو باقی ہیں گنبد کی چھت میں پلاسٹر کے خوشنما بیل بوٹے

---

[1] طرز تعمیر زیادہ قدیم نہیں، وسط عہد مغلیہ کی تعمیر ہے۔

بنے ہوئے تھے جس کے چند حصے باقی رہ گئے ہیں وسط گنبد میں اندر کی جانب پیتل کا بڑا توا لگا ہوا تھا کسی ظالم نے اس کو بھی نکال لیا۔ امروہہ میں اس سے زیادہ خوشنما کوئی عمارت نہیں لیکن افسوس بڑا حصہ اس کا شکستہ ہوگیا ہے۔ کبوتروں کی بیٹ اور کوڑے کرکٹ کا ڈھیر لگا ہوا ہے۔ مقبرہ میں دو قبریں ہیں جن کی اینٹیں تک لوگ نکال کے لے گئے۔ عجب حسرت کا مقام ہے۔ ﴿تصویر صفحہ ۱۱۰﴾

دیدم پغدے نشستہ دروقت پگاہ — بر کنگرۂ مقبرۂ نوشرواں شاہ
فریاد کناں زروئے عبرت می گفت — کو آں ہمہ حشمت ومنال وآں ہمہ جاہ

اہل شہر کو اس کی مرمت ودرستی کا خیال نہیں۔ یہ ایک اہم تاریخی یادگار ہے کاش محکمہ آثار قدیمہ کی توجہ اس طرف مبذول ہو!

مقبرہ درویش علی خان:

یہ مقبرہ درویش علی خان لے منصب دار پنجہزاری فرخ سیری المتوفی ۱۱۳۱ھ کا ہے جو ۱۲۰۸ھ کے بعد کی تعمیر ہے مقبرہ کے اندر ایک پتھر پر حسب ذیل کتبہ کندہ ہے۔ ﴿تصویر صفحہ ۱۲۸﴾

"مرقد انور نواب محمد درویش علی خان بہادر است کہ بہ عہد پادشاہ غازی محمد فرخ سیر و محمد شاہ بہادر بر منصب پنجاہ و دو ہزاری سرفراز و بہ خدمت عرض مکرری ونیابت مہر بخشی رسالۃ والا شاہی بالا شاہی ممتاز بود وتمامی پرگنہ امروہۃ بہ صرف مطبخش جاگیر گردید و بتاریخ ۱۴/ محرم ۱۱۳۱ھ در جنگ بارہۃ شہید شد۔ بہ پہلوئے راست فرزند اکبر غلام محی الدین خان المخاطب بہ درویش علی خان ثانی است وبہ پہلوئے چپ فرزند اوسط محمد فخر الدین خان است، ہر دو بتاریخ ۱۵/ ذیقعدہ ۱۱۵۲ھ درمعرکۂ نادر شاہی شہید شدند۔ وپائین مرقدش بیرون مقبرہ قبر فرزند اصغر محمد شمس الدین خان۔ است کہ بتاریخ ۲۴/ شوال ۸ ۱۲۰ھ وفات یافت۔

مقبرہ سید اسد اللہ خان عرف میر کلو:

یہ مقبرہ سید اسد اللہ خان عرف میر کلو منصبدار پنجہزاری عہد عالمگیر ثانی کا ہے جو ان کی معززہ مسجد (محلہ گذری) کے صحن میں بنا ہوا ہے۔ ۱۱۹۳ھ میں تعمیر ہوا۔ کوئی کتبہ نصب نہیں۔

لے ان کا منصب پانچ ہزاری نہیں بلکہ پنج ہزاری تھا جیسا کہ خود ان کے تبرکات موتی بشارت علی خان وغیرہ کی عرضی موسومہ شاہ دہلی میں بیان کیا گیا ہے۔ نواب کا خطاب بھی نہیں تھا۔ نواب صمصام الدولہ جن کی فوج میں یہ داروغہ توپخانہ تھے، خود آٹھ ہزاری منصب رکھتے تھے ایسی حالت میں ان کے ایک ماتحت اور متوسل کا پانچ ہزاری منصب دار اور نواب کے خطاب سے مخاطب ہونا اور تمام پرگنہ امروہہ کا ان کے باورچی خانہ کے خرچ میں بطور جاگیر عطا ہونا ان قیاسوں میں سے ہے جو خاص خاندانی کے لیے گھڑ لیے جاتے ہیں (ملاحظہ ہو حصہ دوم تذکرۂ درویش علی خان) یہ کتبہ بھی قدیم نہیں ۱۲۰۸ھ کے بعد کا ہے۔

متفرق عمارتیں

دروازہ کھمیر مناف:

یہ دروازہ ۹۸۵ھ میں شیخ ابوالمناف بن شیخ داؤد مورث شیوخ صدیقی الملقب بہ مناف پوتہ نے اپنے مکانات و حویلیات کا تعمیر کیا تھا۔ مصرعۂ تاریخ ہے۔

درِ احاطۂ اعلیٰ بلند شیان دارد (۹۸۵ھ)

اصلی تعمیر منہدم ہو کر موجودہ دروازہ بعد میں تعمیر ہوا۔

مُراد آبادی دروازہ قلعہ معصرہ سید عبد الماجد:

یہ دروازہ سیّد عبد الماجد بن سیّد عبد الخالق بن سیّد شاہ ابوالحسن بن سیّد محمد میر عدل کے قلعہ کا شرقی دروازہ ہے۔ یہاں سے خام راستہ مراد آباد کو جاتا ہے اسلئے عوام میں ''مراد آبادی دروازہ'' مشہور ہو گیا۔ قلعہ کے مکانات منہدم ہو کر بے نشان ہو گئے۔ کہیں کہیں اس کی فصیل کے آثار اب تک باقی ہیں۔ دروازہ کے شمالی پایہ پر ایک پتھر لگا ہوا ہے، جس پر یہ عبارت اور قطعۂ تاریخ کندہ ہے۔

''اللہ اکبر''

'' در عہد سُلطان عالی شان صاحب قرآن ثانی شہاب الدین محمد شاہ جہاں بادشاہ غازی خلّد اللہ ''

'' ملکہ ' سیادت مآب میران سید عبدالماجد این قلعہ بنا نمود۔

''شد چو ایں قلعہ خوّمی افزائے   خوب و مضبوط و خاص مستحکم''

''خواستم سالش از پیر خرد   گفت بشمسار قلعۂ خوّم''

'' بہ اہتمام بندۂ کمال خان خانہ زاد۔ شہر رمضان المبارک ۲ ۱۰۵ھ (معماران)''

میراں سید عبدالماجد عہد شاہجہانی کے نامور منصب دار تھے [1]۔ یہ قلعہ اُنہوں نے اپنی سکونت کے لیے اپنی عمر کے آخری ایام میں ایک گڑھی کی وضع پر بنوانا شروع کیا تھا۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے فرزند دیوان سید محمود نے اس کی تکمیل کی۔ تقریباً چار سال میں تعمیر کا کام ختم ہوا۔ اس کی شرقی حد یہ دروازہ تھا جو اب ''مراد آبادی دروازہ'' کے نام سے مشہور ہے۔ کشک تالاب [2] کے کنارے دور

---

[1] تاریخ اصغری میں ان کے منصب کی تعداد چہار صدی لکھی ہے لیکن یہ صحیح نہیں ان کا منصب ہشت صدی تھا جو آخر عہد مغلیہ کے ہشت ہزاری کے برابر سمجھا جاتا ہے۔

[2] کشک لفظ ''کوشک'' سے بگڑ کر کشک ہوا۔ اس قلعہ کے ایوانات اور کوشک کی تعمیر کے لئے مٹی اس مقام سے کھودی گئی تھی اس سے یہاں اتنا بڑا گڑھا ہو گیا جسے بعد میں برسات کے پانی نے تالاب کی شکل میں تبدیل کر دیا۔ چونکہ دیوان سید محمود کا کوشک جس محل اس علاقہ میں بنا ہوا تھا اس لیے اس کا نام تالاب کوشک پڑ گیا جو اب کشک کے نام سے موسوم ہے۔

تک فصیل چلی گئی تھی۔ غربی حد وہاں تھی جہاں اب مردانہ شفاخانہ ہے ، اس فصیل کے اب تک کچھ آثار باقی ہیں۔ تکیہ شیخ پیرک ؒ کی شرقی حد پر جو دیوار ہے اور رائے بہادر شیونرائن آنجہانی کے مکانات سے متصل چلی گئی ہے وہ اسی قلعہ کی دیوار ہے۔ جنوبی فصیل کا پتہ سرائے مچھرٹہ کی شکستہ دیواروں سے چلتا ہے۔ شمالی فصیل کا کوئی نشان باقی نہیں رہا۔ چھنگا دروازہ بھی اسی قلعہ کی فصیل کا دروازہ سمجھئے۔ ۱۰۷۰ھ میں میراں سیّد عبدالماجد کے فرزند دیوان سیّد محمود نے اس قلعہ کے اندر بہ اہتمام کمالؔ خان ایک فراخ و کشادہ بازار بنوایا جواب ''بڑے بازار'' سے موسوم ہے۔ تاریخ تعمیر کا مصرعہ بھی کسی نے کمال کا موزوں کیا ہے۔ ع

کمالؔ آراستہ بازار محمود

اس قلعہ کے آثار کی تلاش و جستجو میں ایک دن خاکسار مؤلف چلتا پھرتا تالاب کشک پر جانکلا، شکستہ بارہ دری میں آکر کھڑا ہوا تھا کہ چشم تصور نے ایک پُر بہار منظر سامنے پیش کردیا جو کبھی عہد شاہجہانی و عالمگیری واقعاً یہاں ہوگا۔ عالی شان دیوانخانے، وسیع محلسرائیں، پُر فضا پائیں باغ، آراستہ بازار، ہر طرف چہل پہل، خوشی و خرمی۔ وجیہ و شکیل باشندے، مہذب و باوقار مجلسیں، سنجیدہ مذاق، علم و عمل کا چرچا، اذان کا شور، تکبیر کی آوازیں، پھر یکا یک پردہ ہٹا، ایک نیا منظر سامنے آیا۔ مکان بھی وہ ہی اور مکین بھی وہ ہی لیکن نہ وہ متانت و سنجیدگی، نہ وہ علمی چرچے، دن رات عیش و عشرت کے جلسے، یاران بادہ پیما کے جمگھٹے، طبلہ و سارنگی کے شور، قہقہوں کی آوازوں سے کان کے پردے پھٹے جاتے تھے۔ ابھی اس منظر کو نظر بھر کر بھی نہ دیکھنے پایا تھا کہ ایک اور مرقع سامنے آیا اس کو دیکھ کر تو انسانیت شرمانے لگی اور شرم و حیا نے بھی نظریں نیچی کرلیں۔ اتنے میں نہ وہ منظر تھا اور نہ وہ سماں۔ میں تھا اور قلعہ کے شکستہ کھنڈر۔ ﴿تصویر صفحہ ۱۲۹-۱۳۰﴾

امروہہ کا باغ تھا کبھی یہ ۔۔۔ فردوس کا داغ تھا کبھی یہ
ہر غم سے فراغ تھا کبھی یہ ۔۔۔ پُر نور چراغ تھا کبھی یہ
اب تو فقط اک کھنڈر پڑا ہے
اس گھر کو فلک بھی رو رہا ہے

یہاں سے آگے بڑھا، چند شکستہ مکان نظر پڑے جو کچھ زیادہ عرصہ نہیں گذرا گلزار تھے مگر اب

ہیں مکاں صورت شکستہ دلاں ۔۔۔ در کھلے مثل دیدۂ حیراں

غرض کہ قلعہ کے آثار قدیمہ میں اب صرف دو دروازے اور فصیل کے چند ٹکڑے باقی رہ گئے ہیں جو درد مند دلوں کو آٹھ آٹھ آنسو رُلاتے اور سرائے فانی کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پیش کردیتے ہیں۔ کل جس جگہ نوبت بجتی تھی آج وہاں زاغ و زغن کا بسیرا اور بوم کا پہرا ہے۔

کل جہاں پر تھا بلبلوں کا ہجوم ۔۔۔ آج اُس جا ہے آشیانہ بوم
کل جہاں پر شگوفۂ گل تھے ۔۔۔ آج دیکھا تو خار بالکل تھے

اب تک تو قلعہ کا نام باقی ہے آئندہ شاید یہ بھی باقی نہ رہے۔

ڈر ہے کہیں یہ نام بھی مٹ جائے نہ آخر ۔۔۔ مدت سے اسے دورِ زماں میٹ رہا ہے

چھنگا دروازہ:

اسکو بھی قلعۂ سید عبدالماجد کا شمالی دروازہ بتایا جاتا ہے۔ اب اس نام سے ایک محلہ موسوم ہوگیا ہے۔ وجہ تسمیہ محقق نہ ہوسکی۔

عیدگاہ:

بیرون شہر جانب غرب متصل درگاہ شاہ عبدالمجید علویؒ ایک مرتفع مقام پر واقع ہے۔ ابتداءً یہ عمارت مختصر تھی۔ شیخ غلام احمد[1] "شاہی گماشتہ ووقائع نگار و ہرکارۂ بادشاہی" نے ۱۱۷۸ھ میں اسکو از سرنو تعمیر کرایا جس کا حسب ذیل قطعۂ تاریخ وہاں کندہ ہے۔

ساخت بہر خدا غلام احمد ایں مبارک اساس نیک بنا
بہر تاریخ ایں سروش زغیب عید گاہ خجستہ ، واد ندا
۱۱۷۸ھ

امروہہ شیعہ سنیوں کے باہمی اختلاف کے نتیجہ میں ۱۸۹۰ء سے شیعوں کو عیدگاہ جانے کی حکومت نے ممانعت کردی ہے۔ عیدین کی نماز قاضی شہر پڑھاتے تھے۔ عہد سلطنت اسلامی میں "مبلغ پنجاہ روپیہ بہائے خلعت عیدالضحیٰ منجانب فوجدار امروہہ" قاضی صاحب کو ملتا تھا۔ انتزاع سلطنت اسلامی کے بعد بھی قاضی شہر نماز پڑھاتے رہے لیکن جب سے اس خاندان کے افراد نے بھی شیعہ مذہب اختیار کر لیا یہ سلسلہ موقوف ہوگیا اور اس وقت سے امام اہلسنت و جماعت نماز پڑھاتے ہیں۔ عہد اسلامی میں عیدگاہ کے لیے ایک خادم جاروب کشی کے لیے مقرر تھا۔ ۱۸۹۱ء میں عید جاروب کش کو ۱۲ روپے ماہ ملتا تھا۔ اب نہ جاروب کشی کا انتظام ہے اور نہ پوری طرح مرمت ہوتی ہے۔ برجوں کے جو کلس شکستہ ہوگئے ہیں ان کو بھی درست نہیں کرایا جاسکا۔ فرش بھی جابجا شکستہ ہوگیا ہے۔ (تصویر صفحہ ۱۰۰)

شیخ صدّو[2]

امروہہ کے تاریخی حالات یقیناً ناتمام و نامکمل متصور ہونگے اگر ان میں اُن بزرگوار کا کوئی تذکرہ نہ کیا جائے جو شمالی ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ بعض دور دراز صوبوں میں شیخ صدّو کے نام سے مشہور ہیں مگر افسوس جس قدر شہرت شیخ صدّو کے نام کو حاصل ہے ان بزرگوار کے تاریخی اور صحیح حالات اتنے ہی زیادہ تاریکی میں مستور ہیں۔ زبانی روایتوں سے البتہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ بارھویں صدی ہجری

---

[1] صاحب تاریخ اصغری و اصطفیہ نے لکھا ہے کہ "عیدگاہ شہر سے قریب کی جانب بہت وسیع بنائی ہوئی شیخ غلام احمد کارندۂ سید علام اسد اللہ خاں عرف میر کلو کی ہے" لیکن یہ بیان محض غلط اور شاید نسلی تعصب کا ثبوت ہے۔ شیخ غلام محمد شاہی عہدہ دار اور متمول ایک معزز شخص تھے۔ امروہہ میں خدمات وقائع نگاری پر مامور تھے۔ وہ سید اسد اللہ خاں کے زمانہ سے بہت پیشتر ۱۱۳۵ھ سے شاہی گماشتہ تھے رسالہ کا عہدہ شاہی کی خدمات بھی ان سے متعلق تھیں۔ وہ اگر سید اسد اللہ خاں کے، جن کا نام بھی صاحب اصغری نے صحیح نہیں لکھا، کارندہ ہوتے اور اس حیثیت سے عیدگاہ کی تعمیر کرتے تو کتبہ میں جو آج تک عیدگاہ کی دیوار پر ثبت ہے "کارندہ" کے بجائے "آقا" کا نام درج ہوتا۔ کتبہ کی عبارت ہی ان "مورخین" کے بیان کی تکذیب کے لیے کافی ہے۔

[2] اکثر لوگ "صدّو" کو "سَدّو" کہتے ہیں۔ "صدو" چونکہ "صدرالدین" کا عرف تھا اس لیے قدیم تحریرات میں یہ نام "ص" سے لکھا جاتا تھا نہ "س" سے۔

کے نصف آخر کے سنین میں امروہہ کی قدیم جامع مسجد یعنی مسجد کیقبادی کا ایک موذن شیخ صدر الدین [1] عرف شیخ صدّو تھا۔ اس کے باپ کا نام تو معلوم نہیں، ماں کا نام البتہ آسیا یا عائشہ مشہور ہے، اس شخص کو عملیات کا بہت شوق تھا، بیان کیا جاتا ہے کہ زین خان نام ایک موکل اُس کے تابع تھا، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ زین خان موکل نے شیخ صدّو کی کسی بے احتیاطی کی وجہ سے بہ حالت ناپاکی قابو پا کر اسے مار ڈالا۔ اس وقت سے اس کی روح آوارہ پھرتی ہے اور یہ بزرگوار خصوصاً عورتوں پر اپنا عمل کرتے ہیں اور جس طرح پنجاب میں مکار یا بیمار عورتوں پر ''سخی سرور'' آجاتے ہیں اسی طرح اس صوبہ میں خصوصاً اضلاع ایٹہ، متھرا، علی گڈھ وغیرہ کے ادنیٰ اور جاہل طبقہ کے ہندو اور مسلمانوں میں شیخ صدّو بدنام ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ ۱۰۹۶ھ میں شیخ صدّو کے میلہ نے خاصی رونق حاصل کر لی تھی۔ لوگ دور دور سے آنے لگے تھے۔ اس سنہ میں امروہہ کے ایک کائستھ لالہ دولت رائے ایک تحریر میں لکھتے ہیں کہ

لالہ جے سنگھ رائے معہ قبیلان برائے ذات میراں (غالباً میاں) صدّو درامروہہ، آمدہ بودند، ملاقات فددی کروند الخ	لالہ جے سنگھ مع اپنے اہل خاندان میراں (غالباً میاں) صدّو کی ذات دینے امروہہ آئے تھے۔ مجھ سے بھی ملاقات ہوئی الخ

شیخ صدّو کے معتقدین اس کا یقین رکھتے ہیں کہ اس عامل کی زندگی میں اس کے موکل خوبصورت اور جوان عورتیں اس کے پاس لایا کرتے تھے اس لیے مرنے کے بعد سے اس کی روح خوبصورت اور جوان عورتوں پر آجاتی ہے، اس سے گلوخلاصی کی تدبیر یہ ہے کہ امروہہ کی اس نہایت قدیم مسجد کے اندر، جو ۶۸۱ھ سے ۱۲۰۰ھ کے بعد تک یعنی تقریباً پانسو برس مسلسل امروہہ کی مسجد جامع تھی اور اب عوام الناس میں ''سدّو (صدّو) کی مسجد'' یا شیخ سدّو (صدّو) کی خانقاہ کے نام سے شہرت رکھتی ہے، اس میں لوہے کی جو زنجیر [2] بیچ کے گنبد میں لٹکی ہوئی ہے اور جو یقیناً فانوس کے آویزاں کرنے کی زنجیر ہے اور اب ''مُرادکی زنجیر'' کہلاتی ہے، اسے ہاتھ سے مس کر لیا جائے، نیز شیخ صدّو، اس کی ماں مسماۃ عائشہ اور اس کے موکل زین خان کے نام پر چڑھاوا چڑھایا جائے جس کا تناسب یہ قرار دیا گیا ہے کہ شیخ صدّو کے طاق پر اگر پانچ روپے چڑھائے جائیں تو سوا روپیہ زین خان کے طاق پر اور پانچ آنہ مسماۃ عائشہ کے طاق پر، ان لوگوں کے گمان میں شیخ صدّو کا مقام اس خانہ خدا کے اندر وسط مسجد کا پیش طاق، اس کی ماں کا شمالی پیش طاق اور موکل زین خان کا جنوبی پیش طاق ہے، ان مقامات پر علاوہ زرِنقد کے بکرا، مرغ، کپڑا اور مٹھائی وغیرہ کا چڑھاوا چڑھایا جاتا ہے جس کو ان کی اصطلاح میں ''میاں کی جات (ذات) دینا'' کہتے ہیں۔ چڑھاوے میں ایک صحنک، ایک کوزہ اور ''میاں'' کا رومال بھی ہوتا ہے۔ جو معتقدین ''میاں کی جات'' دینے آتے ہیں ''عاشق'' یعنی حاجی کہلاتے ہیں۔

تقریباً بیس پچیس سال پیشتر تک ہزارہا ہندو اور مسلمان، جن میں غالب حصہ ہندوؤں کا ہوتا تھا' دور و دراز مقامات سے ''میاں کی جات (ذات) دینے'' ہر چہار شنبہ کو امروہہ آتے اور ہزارہا روپیہ نقد اور چڑھاوے کی چیزوں کی قیمت کی مجموعی رقم تین چار ہزار

---

[1] صدّو والے شیوخ اپنا سلسلہ نسب شیخ صدر الدین تک منتہی کرتے ہیں جنھیں وہ امام مسجد جامع بتاتے ہیں۔ اس زمانہ میں اس مسجد کے امام حاجی مولوی محمد امین بن محمد عیسیٰ متوطن صوبہ بہار تھے جن کا اولاد و رش یہاں ایک مدت تک جاری رہا اور بعد انتقال وہ اسی مسجد کے پیش دروازہ چبوترہ پر مدفون ہوئے۔ کچھ مددِ معاش کے لیے ایک ملک محمود پور علاقہ پرگنہ مرتی بجانب سلطنت اسلامی ہوئی تھی۔ ان کی نسل سے امروہہ میں کوئی خاندان نہیں ان کے خادم کا نام شیخ عبدالقادر ولد شیخ مصطفیٰ تھا۔

[2] اس زنجیر کو قدیم نجاتکی زنجیر بتایا جاتا ہے لیکن اس کی ساخت سے صاف ظاہر ہے کہ یہ خیال صحیح نہیں، زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ یہ زنجیر مسجد جامع کے فانوس کی زنجیر ہے۔

روپے تک پہنچتی تھی۔

صدّو کی آمدنی پانچ مساوی حصوں میں تقسیم کی گئی تھی جن میں سے تین حصے سیّدوں کے اور دو حصے صدّو والے شیخوں کے قرار دیئے گئے۔ یہ خاندان، جو صدّو کی آمدنی کے مالک ومختار بنے، یقیناً امروہہ کی شاہی مسجد جامع کے متوسلین وملازمین یعنی اُس زمانہ کے امام ومؤذن وجاروب کش وغیرہ کی نسل سے ہیں۔ سادات کے بعض خاندانوں علی الخصوص نبیرگان سیّد محمد میر عدل اور سیّد مبارک کو شہنشاہ اکبر کے زمانہ سے خدمت کا حق زمین داری عطا ہوا تھا جس سے مراد یہ تھی کہ علاوہ دیگر سادات وشرفاء کے، جو معافیدار تھے، باقی جملہ اجلاف وپیشہ ور اقوام باشندگان امروہہ سے جو بطور رعیت خالصہ کی آراضی میں آباد ہوں، نیز سرایوں، بازاروں، میلوں وغیرہ کی آمدنی سے حق زمین داری ان سادات کو حاصل ہو۔ اس سلسلہ میں صدّو کے میلہ کی آمدنی کا ایک حصہ بھی بطور حق زمین داری ان سادات کو ملتا رہا۔ آمدنی جب وافر ہونے لگی تو وہ ایک ایسی جائیداد بن گئی جس کو ان لوگوں نے "معافی" کے لفظ سے تعبیر کرنا شروع کر دیا۔ چڑھاوے کی اشیاء کا نام "ابواب" قرار دیا گیا۔ حصے سہام پر منقسم ہوئے، جو بطور وراثت ورثہ کے تقسیم ہونے لگے۔ ان حصص وسہاموں کی بیع وشرا بھی مثل دیگر املاک وجائداد کے ہونے لگی۔ رفتہ رفتہ بعض خاندانوں کی معاش کا انحصار کلیتاً اسی آمدنی پر ہو گیا۔ اور کچھ افراد اس کی بدولت صاحب جائداد اور رئیس بن گئے۔

سوا سو برس تک شیخ صدّو کے میلہ کا ہنگامہ خوب رونق پر رہا، اسلامی عبادت گاہ میں مشرکانہ رسمیں دھڑلے سے ادا ہوتی رہیں، لیکن امروہہ کے دیندار، غیر تمند مسلمان، جو مساجد کے سامنے باجا بجائے جانے، رام ڈول کے جلوس کے کسی سڑک پر گز دو گز بڑھ جانے یا ایام عشرۂ محرم میں کسی برات کے باجے کی آواز تک سننے کے متحمل نہیں، ان باتوں پر جو مارنے مرنے کو تیار ہو جاتے ہیں، وہ حمیت دینی کا دم بھرنے والے مسلمان، خانۂ خدا کی بے حرمتی کا نظارہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہے۔ جس متبرک مقام پر کبھی امروہہ کے ان ہی سیادت و مشیخت مآب مسلمانوں کے آبائے کرام کی پیشانیاں معبود حقیقی کی عبادت میں جھکتی تھیں، جہاں کبھی حضرت شاہ ولایت، حضرت شاہ نصیر الدین چشتی، حضرت شاہ ابن بدر چشتی قدس اللہ اسرارہم نے بلکہ یہاں کے مختلف خاندانوں کے مورثوں نے نمازیں پڑھی ہونگی، جس مقام کو ان بزرگوں کی نورانی پیشانیاں سجدہ کی حالت میں مس کرتی ہونگی آہ! ثم آہ! اسی متبرک مقام کو مشرکوں، نیچ ذات کے ہندوؤں حتیٰ کہ بھنگی چماروں کے گردآلود پیروں کی خاک نجس وناپاک کرتی رہی اور بعض مسلمان تابنے، چاندی کی چند ٹکلیوں کے حصول کے لیے ہاتھ پھیلائے، ان کے پیچھے دوڑتے رہے! خدائے قدوس کی عبادت اور تکبیر کی آوازوں کی بجائے شیخ صدّو موکل زین خان اور مسمّاۃ عائشہ کی عملاً پرستش ہوتی اور ان کے نام کی جے پکاری جاتی رہی اور باوجود ان تمام مشرکانہ افعال واعمال کے یہ "مسلمان" مسلمان ہی رہے اور دین وایمان کے مدعی بھی!

کرے غیر گر بت کی پوجا تو کافر
جو ٹھیرائے بیٹا خدا کا تو کافر
کہے آگ کو قبلہ اپنا تو کافر
کواکب میں مانے کرشما تو کافر
مگر مومنوں پر کشادہ ہیں راہیں
پرستش کریں شوق سے جس کی چاہیں

امروہہ کے مسلمان تو حمیت دین کی آزمائش میں پورے نہ اُترے، علانیہ شرک پرستی کے سدّباب کے لیے انہیں کسی عمل کی توفیق

نہ ہوئی، غیرتِ دین اور جوشِ ایمان کے اظہار کا زریں موقع اُنہوں غفلت اور مداہنت کی بدولت اپنے ہاتھ سے کھو دیا بالآخر خود غیرت حق کو حرکت ہوئی اور خانۂ خدا کو شرک و بدعات سے پاک کرنے کا ذریعہ پیدا ہوا۔ اتروَلی کے موقع شناسوں نے امروہہ کے صدّو داہوں کو شکست فاش دی۔ صدّو کے معتقدین نے امروہہ آنا چھوڑ دیا، اب شاید کوئی بھولا بھٹکا ادھر آنکلتا ہے ورنہ کثیر تعداد اترولی (ضلع علی گڈھ) جاتی ہے۔

امروہہ کے مسلمانوں کے لئے یہ ایک قیمتی موقع ہے! کیا وہ اب بھی اپنا فرض ادا کرنے کے لئے تیار ہو نگے؟ یاد رکھو! اسلام کے نزدیک شرک سے بدتر کوئی گناہ نہیں۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُاَنْ یُشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَاءُ	اللہ تعالیٰ تمہارے تمام گناہوں سے درگذر کر سکتا ہے مگر اس کو کبھی معاف نہیں کر سکتا کہ تم اُس کی محبت میں کسی دوسرے کو شریک کرو۔

ہاں، اے امروہہ کے مسلمانو! اے صدّو والے شیخو اور سیّدو! اور آہ، اے عار نگران وذروان حقیقت توحید اسلامی!!! اسلام تم سے تمہارے ادائے فرض کا طالب ہے، خدائے ابراہیمؑ و محمدؐ علیہما السلام کی شریعت شرکی نجاست سے توحید کی حفاظت چاہتی ہے، قرآن کریم اسی کو حقیقتِ اسلامی بتاتا ہے، تمہارے بزرگوں کی، بانیان مسجد کی روحیں بےچین و بیقرار ہیں، خدارا اب بھی اپنا فرض پہچانو! اٹھو اور اس خانۂ خدا کو مشرکانہ رسموں کی نجاست سے پاک کرو!! اور

وَلَا تَکُوْنُوْ کَالَّذِیْنَ نَسُوااللّٰہَ فَاَنْسٰاھُمْ اَنْفُسَھُمْ اُولٰئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْن	ترجمہ ان لوگوں کی طرح مت بنو، جنہوں نے خدا کو بھلا دیا نتیجہ یہ نکلا کہ خود اپنے کو بھول گئے۔ وہ یقیناً فاسقوں میں سے تھے۔

اِسلامی مدارِس

عہد اسلامی میں موجودہ زمانہ کی طرح مدارس کے لیے جداگانہ عمارتیں بنانے کا دستور نہ تھا، مسلمانوں کا پہلا مدرسہ حقیقت میں وہ مسجد نبوی تھی جس کو حضور سرورؐ کائنات نے مدینہ منوّر میں بنایا تھا' مسجد نبوی کے بعد سے دنیا میں جتنی مسجدیں تعمیر ہوئیں انہیں اسلامی عبادت گاہ ہونے کے علاوہ آپ اسلامی مدارس سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں۔ امروہہ کے اسلامی مدارس بھی زیادہ تریہی مساجد تھیں۔ طریقۂ تعلیم بھی سادہ تھا، اُستاد مسجد میں آکر بیٹھ جاتا اور اس کے گرد و پیش شاگردوں کا حلقہ بندھ جاتا علما، پڑھانے کے لئے نہ کسی مرد کے طالب ہوتے اور نہ فیس کے، محض خالصاً للہ درس دیتے۔

اسلامی سلطنت ان کے اخراجات کی کفیل تھی۔ ان ہی مدارس کے تعلیم یافتہ چٹائی کے فرش پر بیٹھ کر پڑھنے والے وہ علمائے عظام ہوئے جن کے فضائل وکمالات سے تذکروں اور تاریخوں کے صفحات پُر ہیں لیکن افسوس نہ وہ مدارس باقی رہے اور نہ وہ خالصاً للہ تعلیم دینے والے اُستاد اور نہ وہ علم کے سچے شیدائی شاگرد۔ جو چند دینی مدارس اب موجود ہیں کافی سرمایہ نہ ہونے کی وجہ سے ان کی تعلیمی و انتظامی حالت قابلِ اطمینان نہیں۔

مدارس وہ تعلیم دیں کے کہاں ہیں　　مراحل وہ علم ویقیں کے کہاں ہیں
وہ ارکان شرع متیں کے کہاں ہیں　　وہ وارث رسولِ امیں کے کہاں ہیں
رہا کوئی اُمت کا ملجا نہ ماوا
نہ قاضی نہ مفتی نہ صوفی، نہ مُلا

۱۔ مدرسہ معزّیہ:

مسجد کیقبادی کی تعمیر کے ساتھ یہ مدرسہ بھی اسی مسجد میں جاری ہوا جو غالباً امروہہ کا سب سے پہلا مدرسہ تھا۔ لیکن افسوس سوائے نام کے مدرسہ کا کچھ حال معلوم نہ ہوسکا، ورنہ کاغذات کے مطالعہ سے البتہ اتنا پتہ ضرور چلتا ہے کہ مسجد کے جنوبی وشرقی حصہ میں، جہاں اب بعض لوگوں کے مسکونہ مکانات وعمارتیں ہیں، طلبہ کے رہنے کے حجرے وغیرہ بنے ہوئے تھے۔ جنوبی حصہ کے متصل حضرت شاہ نصیر الدینؒ کی خانقاہ تھی وہاں اسباب کنان محلہ نوگیاں کے مکانات ہیں۔ ۱۳۰۹ھ تک اس مدرسہ میں علماء کا افادہ درس جاری رہا۔ مدرسہ کے غالباً آخری مدرس حاجی مولوی محمد امین بن مولوی محمد عیسیٰ متوطن صوبہ بہار کے انتقال کے بعد سے جو مسجد جامع کے پیش دروازہ مدفون ہوئے اس مدرسہ کی تعلیمی حالت اچھی نہیں رہی۔ بعد میں سید اسد اللہ خان عرف میر کلّو نے اسی ضرورت کی وجہ سے اپنا مدرسہ جاری کیا۔

۲۔ مدرسہ مولوی دوست محمدؒ:

مولوی دوست محمد[۱] بن شیخ محمد شاکر بن شیخ نور محمد بن شیخ کبیر بن شیخ گدائی نے یہ مدرسہ ابتدائے عہد عالمگیری میں غالباً متصل محلہ قریشی جاری کیا تھا جو عرصہ تک جاری رہا۔ مولوی دوست محمد کے بعد ان کے شاگرد رشید مولوی شیخ سلطان الدین محمد بن شاہ قیام الدین محمدؒ درس وتدریس میں مشغول رہے۔ اس زمانہ میں مدارس کے ہونہار اور غیر مستطیع طلبہ کو اسلامی حکومت کی جانب سے وظائف بھی ملتے تھے۔ ذیل میں اس مدرسہ کے ایک ہونہار طالب علم شیخ فیض محمد برادر زادہ مولوی سلطان الدین محمد کے موسومہ ایک پروانہ کی نقل تاریخی دلچسپی کے خیال سے درج کی جاتی ہے۔

---

۱ مولوی دوست محمد کے خاندان کا شمار قوم کلال میں ہوتا ہے لیکن ایک دستاویز صورت حال عہد عالمگیری میں اس خاندان کو شیخ صدیقی بھی لکھا ہے۔

محمد فرخ
سیرے بادشاہ غدے
افضل الدین قدر

حضرت ظلِ سبحانی

چوں بوضوح پیوست کہ یک روپیہ درمایہ باسم فیض محمد اطالب علم از تلامذۂ شیخ سلطان الدین محمد بموجب اسناد حکّام سابق بر محصول سایر قصبہ امروہہ از قدیم مقرّر است وسوائے آں ہیچ ممروجہ معیشت نہ دارد بنا بر آں تہصدق فرق مبارک بندگان حضرت قدر قدرت قضا صولت خدیو گیہان خداوند زمین دزمان

بحال داشتہ شد

باید کہ درمایہ مذکورہ ماہ بہ ماہ بمشار الہدمی رسیدہ باشدکہ صرف مایحتاج خود نمودہ بہ دعائے دولت ابد مواصلت مواظبت نمودہ باشد۔
بتاریخ بشتم شہر ذی قعدہ سنہ ۵ جلوس والا قلمی شد نصہ ۔

تکمیل تعلیم کے بعد مولوی فیض محمد کو بموجب پروانہ مہری "عظمت اللہ خان بہادر فدوی محمد شاہ بادشاہ غازی" دو روپیہ یومیہ بطور مدد معاش ملتے رہے۔ اس کے بعد اس مدرسہ کی حالت دریافت نہ ہو سکے۔

مولوی فیض محمد کے کوئی عقب نہیں ان کے بھائی شیخ بشارت اللہ عرف شیخ بساون کے تین بیٹے ہوئے۔ ایک تبارک علی جن کی اولاد میں شیخ محمد اختر بن شیخ احمد علی بن نیاز علی مذکور ہیں۔

دوسرے ولایت علی جن کی اولاد میں منشی عبدالقیوم عطار بن حکیم عبداللہ و عبدالسلام و عبدالحکیم و عبدالقدیر و عبدالعزیز بن حافظ سعداللہ بن ولایت علی مذکور ہیں تیسرے حکیم منور علی جن کے پوتے شیخ نور محمد بن حکیم برکت اللہ ہیں۔

۳۔ مدرسہ میر کلّو:

میر اسداللہ خان عرف میر کلّو منصب دار ہفتہزاری عہد عالمگیر ثانی نے، جو سنّی المذہب تھے، اپنے مکانات سے متصل ۱۱۷۲ھ میں ایک وسیع مسجد تعمیر کی۔ اسی میں یہ مدرسہ بھی جاری کیا۔ ۱۱۸۳ھ میں موضع جھرن کے بیس بسوے مسجد و مدرسہ مصارف کے لیے وقف کئے۔ وقف نامہ مرقومہ ۷/شعبان ۱۱۸۳ھ میں مصارف وقف کی شرح ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

"دروجہ کفاف موذّن و امام و مدرس وعلمآو طلبآ و حفاظ جہت اذان و اقامت وقیام نماز و درس و تدریس علوم دینی و اشتغال حدیث۔"

اسلامی حکومت کی جانب سے بھی ایک روپیہ یومیہ مدرسہ کو امداد ملتی تھی۔ میر کلّو کی وفات ۱۱۹۳ھ بعد بھی عرصہ تک یہ مدرسہ اسی عمدگی کے ساتھ جاری رہا لیکن بعد میں متولی صاحبان کے تبدیلی عقائد کی وجہ سے مدرسہ کے انتظامات میں کچھ خلل پیدا ہو گیا تھا، اب ۱۳۴۴ھ سے عزیزی محبوب احمد عباسی کی کوششوں کی بدولت مدرسہ کی نشاۃ ثانیہ کا آغاز ہوا ہے۔

۴۔ مدرسہ خورشید جاہی:

سید سعید حسن بن سید ظہور حسن نبیرۂ سید دوست علی (محلہ کٹکوئی) کی تحریک سے ۱۲۹۹ھ میں یہ مدرسہ جاری ہوا۔ نواب خورشید جاہ بہادر اس زمانہ میں حیدر آباد دکن سے شمالی ہند کی سیر و سیاحت کے لیے تشریف لائے تھے۔ کسی تقریب سے ان کا مراد آباد بھی آنا ہوا وہاں سے امروہہ تشریف لائے اور ان ہی کے نام سے یہ مدرسہ بھی موسوم کیا گیا۔ سید سعید حسن مرحوم نے اجراء مدرسہ کے متعلق ایک پمفلٹ لکھا، جس میں پرانے طرز کے مکاتب کی تعلیم کے نقائص اور طریقۂ تعلیم کی اصلاح پر بحث کی گئی تھی اور اہل شہر سے مدرسہ کے اجراء مقاصد و اغراض، نصاب تعلیم و نظم و نسق مدرسہ کے متعلق مشورہ بھی طلب کیا گیا تھا، جو جوابات موصول ہوئے ان کو بھی ایک رسالہ کی صورت میں طبع کرا کے شائع کیا گیا۔ غرض کہ بڑے اہتمام سے یہ مدرسہ ابتداءً سید مرتضیٰ علی کے مکان (محلہ گذری) میں جاری ہوا لیکن افسوس صرف چند سال جاری رہ کر بند ہو گیا۔

۵۔ تاج المدارس:

مدرسۂ خورشید جاہی کے ساتھ ہی ساتھ یہ مدرسہ بھی بعض اکابر شہر کی تحریک پر ابتداءً مولوی سبحان علی (پیرزادہ) کے مکان (محلہ چاہ شور) میں جاری ہوا۔ حکیم زین العابدین منتظم اور شیخ عبداللہ و شیخ عظیم اللہ (قوم کلال) سیکریٹری تھے۔ چند سال تک یہ مدرسہ بہت اچھی حالت میں جاری رہا، کسی اختلاف کی وجہ سے شیخ عبداللہ نے انتظامات سے دستکشی اختیار کر لی تو مولوی نادر شاہ خان مرحوم مدرسہ کے سیکریٹری ہوئے بعد میں اس مدرسہ کا الحاق جامع مسجد محلہ مولانہ کے مدرسہ سے ہو گیا۔

۶۔ تاج المدارس ثانی:

شیخ عبداللہ نے پہلے مدرسہ سے دستکش ہو جانے کے بعد منشی امام الدین (کمبوہ) کے مکان (محلہ شاہی چبوترہ) پر یہ مدرسہ جاری کیا۔ اس مدرسہ کو نواب وقار الملک مرحوم و مغفور کی سرپرستی حاصل ہو گئی۔ اس وقت سے اس مدرسہ نے اچھی ترقی حاصل کی، انگریزی کی تعلیم کا بھی اس مدرسہ میں اجراء ہوا۔ امروہہ گورنمنٹ اسکول کی حالت جب ایسی خراب ہو گئی کہ سرشتۂ تعلیم نے اس کی اعلیٰ جماعتوں کے بند کرنے کا قصد کیا تو نواب صاحب ممدوح نے اس مدرسہ کا الحاق بھی سرکاری اسکول سے کر دیا اور اس زمانہ میں نواب صاحب کی مساعی جمیلہ کی بدولت سرکاری اسکول میں مسلمان طلباء کی مذہبی تعلیم کا بھی بندوبست کیا گیا جس کے اخراجات ممدوح ہی ادا کرتے رہے۔

۷۔ مدرسۂ اسلامیہ مسجد جامع (واقع محلہ مولانا):

۱۸۵۷ء؍۱۲۷۳ھ کے کچھ عرصہ بعد جب مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ امروہہ تشریف لائے تو آپ کی تحریک پر مسجد جامع میں مدرسہ قائم ہوا جس کا نام ''قاسم العلوم'' رکھا گیا۔ اس کے مہتمم مولوی محب علی خان عباسی اور مولوی رافت علی (دربار کلاں) تھے اور مولانا آل حسن بخشی اور مولوی محمد حسین جعفری اس کے اساتذہ میں سے تھے۔ چند سال بعد یہ مدرسہ بند ہو گیا۔ ۱۳۰۱ھ جب حضرت مولانا مولوی احمد حسن محدث امروہوی مراد آباد کے مدرسہ اسلامیہ واقع شاہی مسجد سے مستعفی ہو کر امروہہ تشریف لائے اور اپنے مکان پر طلباء کو درس دینا شروع کیا تو مولوی نادر شاہ خان مرحوم حضرت قبلہ گاہی مولوی علی محمد عباسی مرحوم کی تحریک پر مدرسہ قاسم العلوم کا پھر احیا کیا گیا۔ حضرت مولانائے محدث امروہوی کے علم وفضل کی شہرت اور آپ کی زبردست شخصیت نے اس مدرسہ کو چند ہی روز میں اوج کمال پر پہنچا دیا۔ اس کی شہرت دور دور پہنچی، بنگال و بہار، پنجاب وصوبہ سرحدی بلکہ بیرون ہند سے طلباء جوق در جوق آنے لگے اور امروہہ کے فیض علم کا سرچشمہ جو حوادثِ روزگار سے خشک ہو گیا تھا، پھر جاری ہوا۔ اہل شہر نے بھی مسافر نوازی و علم دوستی کا ثبوت دیا، طلباء کے قیام و طعام کا بھی بحسن وخوبی انتظام کیا۔ مسٹر نیول، مؤلف ڈسٹرکٹ گزیٹیر، اس مدرسہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''یہ مدرسہ عربیہ ہمیشہ سے مرکز علم رہا ہے اور اس میں ہندوستان کے ہر حصہ سے طلبہ کھنچ کر آتے ہیں۔'' مدرسہ کے انتظامات کا بار شروع زمانہ سے زیادہ تر مولوی نادر شاہ خان مرحوم کے ذمہ رہا، درمیان میں کچھ عرصہ کے لیے منشی عبدالحمید عباسی بھی مہتمم رہے، سید امتیاز علی منصف مرحوم اور بعض دیگر حضرات نے بھی وقتاً فوقتاً مدرسہ کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیا لیکن جب بعد میں اس قدیم مدرسہ کی کشتی اختلافات کے بھنور میں جا پھنسی تو پھر اسی سن گر جواں ہمت بزرگ مولوی نادر شاہ خان نے باوجود پیرانہ سالی اور معذوری کے انتظامات کا بار اپنے کندھوں پر اٹھالیا۔ لیکن افسوس بعض ترفع پسند اور کوتاہ اندیش لوگوں نے اختلافات کو یہاں تک وسعت دی کہ بالآخر ایک کے بجائے'' اور دو کے بجائے تین مدرسے اسی ایک شہر میں قائم ہو گئے۔ جداگانہ مدرسوں کا قائم ہونا اور اجتماعی کوششوں کا انتشار بجائے خود باعث ضعف واختلال ہے لیکن رقیبانہ چشمک اور تفرقہ اندازی اس سے بھی بدتر۔ تینوں مدرسوں کی مالی اور انتظامی حالت خراب ہے۔

کھنڈر رکھوں ہمارے تفرقوں کی یادگار اب تک
پڑے ہیں جابجا ٹوٹے ہوئے اطراف عالم میں

مولوی نادر شاہ خان مرحوم کے انتقال کے بعد سے اسی مدرسہ کے تعلیم یافتہ مولوی حاجی سید معظم حسین دوبارہ اب مہتمم ہیں اور مولانا حافظ عبدالرحمن صاحب شاگرد رشید مولانائے محدث امروہوی صدر مدرس۔ تعداد اساتذہ ۱۱، تعداد طلباء ۲۵۰، اخراجات ماہانہ تقریباً ۵۰۰۔

۸۔ مدرسہ محمدیہ:

یہ مدرسہ اعلیٰ پیمانہ کا مدرسہ نہ تھا، ایک بڑا مکتب خانہ تھا جسے حکیم عبدالسلام صدیقی مرحوم نے محلہ قریشی میں ۱۳۰۰ھ کے قریب جاری کیا تھا۔ نصاب تعلیم وہی طرز قدیم کا تھا۔ حافظ محمد حسین جو بعد میں مدرسہ ''قاسم العلوم'' میں پڑھاتے تھے، اس کے مدرس تھے۔ چند سال جاری رہ کر بند ہو گیا۔

۹ ۔ سیّد المدارس :

سیّد المدارس کی بنیاد بطور ایک معمولی اُردو مکتب کے محض چندہ سے تحریک حکیم امجد علی خان ۱۶ راگست ۱۸۹۲ء کو قائم ہوئی۔ ۱۸۹۴ء میں علاوہ اُردو کے فارسی کی ابتدائی تعلیم بھی جاری ہوگئی عربی تعلیم کا بھی اضافہ ہوا اور اس طرح یہ مکتب ایک مستقل عربی مدرسہ کی صورت میں تبدیل ہوگیا اور صرف ماتحت دفعات میں اتنا اُردو نصاب باقی رکھا گیا جس سے طلبہ نکل کر اگر گورنمنٹ مدارس میں داخل ہونا چاہیں تو ان کو سہولت و آسانی ہو۔ ﴿تصویر صفحہ ۱۳۰﴾

شیعان امروہہ کے لیے یہ سب سے پہلا مبارک موقع تھا کہ اپنی زبان اور مذہبی تعلیم کی درسگاہ سرزمین امروہہ پر صورت پذیر ہوئی۔ مولوی سیّد نذر حسین مرحوم ساکن محلّہ مجھر ٹہ نے تحریک اپنے لایق داماد مولوی سیّد اعجاز حسن مرحوم اپنی کل منقول جائداد مدرسہ کے حق میں وقف فرد دی، پھر ایک وقف، مسماۃ ہاجرہ خاتون زوجۂ علی ابن الحسین ساکنہ محلّہ شفاعت پوتہ کی طرف سے مکمل ہوا اور اس طرح مدرسہ کے دائمی بقا کے اسباب فراہم ہوگئے۔

۱۹۰۳ء میں مدرسہ کی موجودہ عالی شان عمارت کی بنیاد ڈالی گئی جو چھ کمروں اور ایک وسیع ہال اور دو برآمدوں پر مشتمل ہے اس کی تعمیر حکیم سیّد محمد صاحب اور ان کے خاندان کی عالی توجہ کا نتیجہ ہے۔ اس عمارت کا افتتاح ۱۹۰۵ء میں سر جیمس لیٹوش بہادر سابق لفٹنٹ گورنر صوبجات متحدہ نے فرمایا اور اسی موقع پر یہ حکم نافذ ہوا کہ سادات امروہہ کی تعلیم گاہ سے آٹھ لڑکے ہر سال گورنمنٹ ہائی اسکول امروہہ میں بلافیس تعلیم پاسکتے ہیں۔

عرصۂ دراز تک مدرسہ میں عربی کا نصاب قدیم جاری رہا۔ اب چند سال سے علاوہ درس نظامی کے الہ آباد یونیورسٹی کا مجوزہ نصاب درجۂ مولوی و عالم و فاضل بھی جاری ہے اور انتہائی درجہ بخطاب سیّد الافاضل قائم ہے۔ مدرسہ کی مستقل آمدنی میں علاوہ جائداد موقوفہ کے سرکاری امداد، میونسپل بورڈ امروہہ کی امداد اور ہز ہائینس نواب صاحب بہادر رامپور کی کافی اعانت بھی ہے۔

مدرسہ میں دس مدرس اور ایک سو انیس (۱۱۹) طلبہ ہیں۔ اس مدرسہ سے صوبہ بہار، پنجاب و بمبئی وغیرہ کے بہت سے تشنگان تعلیم سیراب اور اجازت سے مشرف ہوئے۔ جناب مولانا سیّد محمد صاحب مجتہد، جو وسیع الاخلاق اور روشن خیال عالم ہیں، صدر مدرس ہیں۔

۱۰ ۔ نور المدارس :

اصل میں اس مدرسہ کا نام ''اشرف المدارس'' تھا۔ ۱۳۰۶ھ میں یہ مدرسہ حضرات شیعہ نے محلّہ دانشمندان میں جاری کیا تھا ۱۹۰۳ء میں حاجی سیّد نور الحسن محلّہ دانشمندان کے ایک شیعہ بزرگ نے اپنی اور اپنی زوجہ کی کل جائداد بذریعۂ وقف نامہ مورخہ ۲۸/۲۹ دسمبر ۱۹۰۳ء مدرسہ کے لیے وقف کردی اس لیے اس مدرسہ کا نام بھی ان کے نام پر ''نور المدارس'' رکھا گیا۔ مذہب اثنا عشری کی دینیات کے علاوہ سررشتۂ تعلیم کے فارسی و عربی امتحانات کے لئے طلبہ کا تیار کرنا اس مدرسہ کی خصوصیت ہوگیا۔ مولانا حاجی سیّد مرتضیٰ حسن صاحب نے اپنا تمام وقت عزیز طلباء کی درس و تدریس میں صرف کیا، ان کی محنت و جانفشانی سے مدرسہ نے خوب ترقی کی متعدد طلبہ امتحانات میں کامیاب ہوکر برسرروزگار ہوئے۔ سررشتۂ تعلیم نے بھی مدرسہ کی پوری امداد کی لیکن افسوس کچھ عرصہ سے باہمی اختلاف کی بنا پر مولانائے ممدوح نے مدرسہ سے اپنا تعلق علیحدہ کرلیا اور اب مدرسہ کی تعلیمی حالت بھی پست ہوگئی ہے۔

۱۱۔ امام المدارس:

ابتداءً یہ مدرسہ امامیہ مذہب (اثنا عشریہ) کی دینی تعلیم کی غرض سے ۱۹۰۱ء میں قائم ہوا، شمس العلماء مولانا سید نجم الحسن صاحب مجتہد نے افتتاح کیا۔ سن ۱۹۰۳ء میں بیادگار جشن تاجپوشی ملک معظم ایڈورڈ ہفتم، انگریزی تعلیم کے درجے بھی کھولے گئے۔ ۱۹۰۸ء میں آٹھویں جماعت تک تعلیم دی جانے لگی۔ سید انتقی حسن مرحوم کی کوششوں کی بدولت جو اس زمانہ میں تاحیات مدرسہ کے منیجر رہے ۱۹۱۶ء میں مدرسہ کا سررشتہ تعلیم سے الحاق ہو گیا اور ۱۹۱۸ء میں مبلغ ۹۰ روپے ماہوار مدرسہ کو سرکاری امداد ملنا شروع ہوئی، رفتہ رفتہ اس میں اضافہ ہوتا رہا، اب دو سو دس روپیہ ماہوار امداد ملتی ہے۔ یہ مدرسہ اپنی تعلیمی اور انتظامی حالت کے لحاظ سے بہت غنیمت ہے، اس کا اجراء قیام و استحکام اور ترقی سب کا دار و مدار سادات محلّہ ارزانی پوتہ (بنگلہ) کی مآل اندیشی اور تعلیمی دلچسپی کی بدولت ہے۔ مدرسہ کے بانیوں میں حاجی سید مقبول احمد، حکیم مولوی سید مصطفیٰ اور سید محمد باقر کے نام خصوصیت سے قابل تذکرہ ہیں۔ موجودہ مہتمم مولوی سید محمد مجتبیٰ معروف بہ مولوی سید چاند ہیں اور ہیڈ ماسٹر سید محمد تقی بی۔ اے (علیگ) ایل۔ ٹی ہیں فی الحال مدرسہ کا کچھ حصہ امام باڑہ کی عمارت اور کچھ کرایہ کے مکانات میں ہے لیکن اس کی شدید ضرورت ہے کہ مدرسہ کی اپنی عمارت ہو جس کے لئے غالباً زمین پہلے سے موجود ہے۔ کیا مسلمانان امروہہ کبھی خواب غفلت سے بیدار ہو کر اپنے بچوں کی تعلیم کا معقول بندوبست کرنے پر آمادہ ہوں گے؟

امروہہ میں ایک ہندو اسکول ہے اور ایک یہ مسلم اسکول لیکن دونوں اسکولوں کی مالی حالت ان کی رفتار ترقی دونوں قوموں کی ذہنیت ان کے قول و عمل، ان کے غفلت و بیداری کا عبرتناک اور سبق آموز ثبوت پیش کر رہی ہے۔ ہندو اسکول اس مسلم اسکول سے تقریباً بارہ برس بعد قائم ہوا ہے، آج اس کی عمارت کی تعمیر شروع ہو رہی ہے اس کے لیے اسکول کے پاس تقریباً پچاس ہزار روپیہ کی مجموعی رقم اسکول فنڈ اور گورنمنٹ کی امداد کی موجود ہے۔ مسلم اسکول کے پاس عمارت کی ''تعمیر فنڈ'' میں بھی کچھ ہے؟ اس کا جواب اور حسرتناک جواب ذرا اسکول کے مہتمم مولوی سید محمد مجتبیٰ کے پاس جا کر ان کی زبان سے سنئے!! واحسرتا !!!

یارانِ تیز گام نے محمل کو جالیا   ہم محوِ نالۂ جرسِ کارواں رہے

کیا امروہہ کے تیس ہزار مسلمان، جن میں بعض ایسے دولتمند اور ایسے ایسے تعلیم یافتہ حضرات بھی شامل ہیں جو آج اس بیسویں صدی میں بھی شادی کی تقریبات کے موقع پر دور دور سے رنڈیاں بلوا کر ناچ کراتے اور ان خرافات میں سیکڑوں روپیہ صرف کر دینے میں تامل نہیں کرتے آئے دن ڈپٹی صاحب اور جنٹ صاحب اور کوتوال صاحب اور نہ معلوم کن کن صاحب کی دعوتوں، ٹی پارٹیوں، ڈراموں اور ناٹکوں میں بیدریغ خرچ کرنے کو موجود ہیں، تو کیا یہ مسلمان دولتمند، تعلیم یافتہ، ضروریات زمانہ سے باخبر مسلمان چند ہزار روپیہ اسکول کی عمارت کے لیے جمع نہیں کر سکتے؟ ان سطور کی لکھے جانے کی بعد معلوم ہوا کہ اسکول کی عمارت کی سنگِ بنیاد رکھنے کا اہتمام ہو رہا ہے۔

۱۲۔ مسلم اسکول:

۱۹۱۲ء میں صاحبزادہ آفتاب احمد خان مرحوم، جو اس زمانہ میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے آنریری جائنٹ سکریٹری تھے، انجمن سادات امروہہ کے جلسہ کی صدارت کے لیے امروہہ تشریف لائے۔ خاکسار مؤلف بھی جناب ممدوح کی معیت میں حاضر ہوا۔ اس وقت اپنے وطن کی تعلیمی پستی کا جو احساس مجھے ہوا اس سے متاثر ہو کر ایک رسالہ ''مسلمانان قصبۂ امروہہ کی خدمت میں ان

کے تعلیمی حالات اور ضروریات کے متعلق ایک ضروری التماس'' کے عنوان سے لکھا جسے کانفرنس نے اپنے صرف سے شائع کرا کے مارچ ۱۹۱۳ء میں امروہہ میں تقسیم کیا۔ رسالہ مذکور کے آخر میں مسلم اسکول کے قائم کرنے کی تحریک کی گئی تھی۔ رسالہ کی اشاعت کے بعد اس کی کوشش کی گئی کہ امام المدارس کو ترقی دی جائے اور اس کے انتظام و اہتمام میں مسلمانان شہر کی کافی نیابت ہو۔ اس سلسلہ میں خاکسار مؤلف بار بار علی گڑھ سے امروہہ حاضر ہوا، لیکن افسوس مسلمانان شہر کو متفق و متحدہ کام کرنے کی توفیق نصیب نہ ہوئی اس لیے مئی ۱۹۱۳ء میں بہ سرپرستی نواب وقار الملک مرحوم ''مسلم اسکول'' کا آغاز ہوا۔ رفتہ رفتہ اسکول نے اچھی ترقی کی شیخ کریم بخش پینشنر (Pansions) انسپکٹر سکریٹری اور مکرّی رئیس الدین احمد و حکیم اسرار الحق معاون سکریٹری تھے۔ ۱۹۱۴ء میں ہز آنر سر جیمس ملسٹن لفٹنٹ گورنر صوبجات متحدہ جب بہ تقریب دورہ امروہہ تشریف لائے اس اسکول کے جلسہ میں بھی شرکت فرمائی اور جیب خاص سے چندہ بھی عنایت کیا۔ اسکول کے معاون سکریٹری رئیس الدین احمد صاحب نے ایک مکان بھی اسکول کے لیے وقف کیا، طلبہ کی تعداد بھی بہت کافی ہو گئی، مڈل کلاس تک تعلیم کا انتظام تھا اساتذہ بھی قابل اور سند یافتہ تھے، اہل شہر کو اسکول کے ساتھ دلچسپی تھی، چندہ کے علاوہ سرکاری امداد بھی ملتی تھی لیکن افسوس مدرسہ کے منتظمین کے آپس کے لایعنی جھگڑوں اور کشمکش نے بالآخر اسکول کا خاتمہ کر دیا اور چند سال جاری رہ کر یہ مدرسہ بھی بند ہو گیا۔ واحسرتا!

ہزاروں باغ ویراں ہو گئے آپس کے جھگڑوں میں پلٹ کر بھی نہیں آئی جہاں فصل بہار اب تک

۱۳۔ ہندو اسکول:

اس مدرسہ کا پورا نام ''تج رام جارج کارونیشن ہندو اسکول ہے ۱۹۱۲ء میں جاری ہوا۔ لالہ تج رام قوم ویش مہیسری نے جو لالہ جھبالال کے چچا تھے لاولد انتقال کیا۔ لالہ جھبالال نے پنڈت لال گوپال وکیل کے مشورہ سے دان (خیرات) کی رقم بجائے پنڈتوں کے دینے کے ایک مدرسہ کے قائم کرنے میں صرف کی۔ ابتداءً پنڈت لال گوپال سکریٹری اور لالہ جھبالال منیجر رہے۔ ملک معظم کی تخت نشینی کے زمانہ میں یہ اسکول جاری ہوا تھا اس لیے ''جارج کارونیشن اسکول'' سے موسوم کیا گیا۔ فی الحال اسکول میں مڈل کلاس تک تعلیم دی جاتی ہے۔ مدرسہ کی عمارت کے لیے بھی پندرہ بیس ہزار روپیہ جمع ہے۔ کل عمارت کی لاگت کا اندازہ تقریباً پچاس ہزار روپیہ ہے جس میں سے نصف رقم کے عطیہ کا گورنمنٹ نے وعدہ کیا ہے۔ زمین بھی حاصل کر لی گئی ہے۔ آج کل ڈاکٹر پریم ناتھ سکریٹری اور لالہ جھبالال منیجر ہیں طلبہ کی تعداد سو ہے۔ تعلیمی و انتظامی حالت قابل اطمینان ہے۔

۱۴۔ گورنمنٹ ہائی اسکول:

یہ اسکول ۱۸۶۳ء میں ابتداءً اینگلو ورنیکلر اسکول کے طرز پر قائم ہوا۔ پھر ہائی اسکول کے درجہ تک ترقی ہوئی۔ عرصۂ دراز تک یہ اسکول اس عمارت میں رہا جہاں اب منصفی کی عدالت ہے۔ ۱۹ء میں موجودہ عمارت متصل ریلوے اسٹیشن تعمیر ہوئی۔

عکس چچلکہ نوشتہ شیخ رحمۃ اللہ بن شیخ محمد شاکر نبیرہ حضرت شاہ ابن"

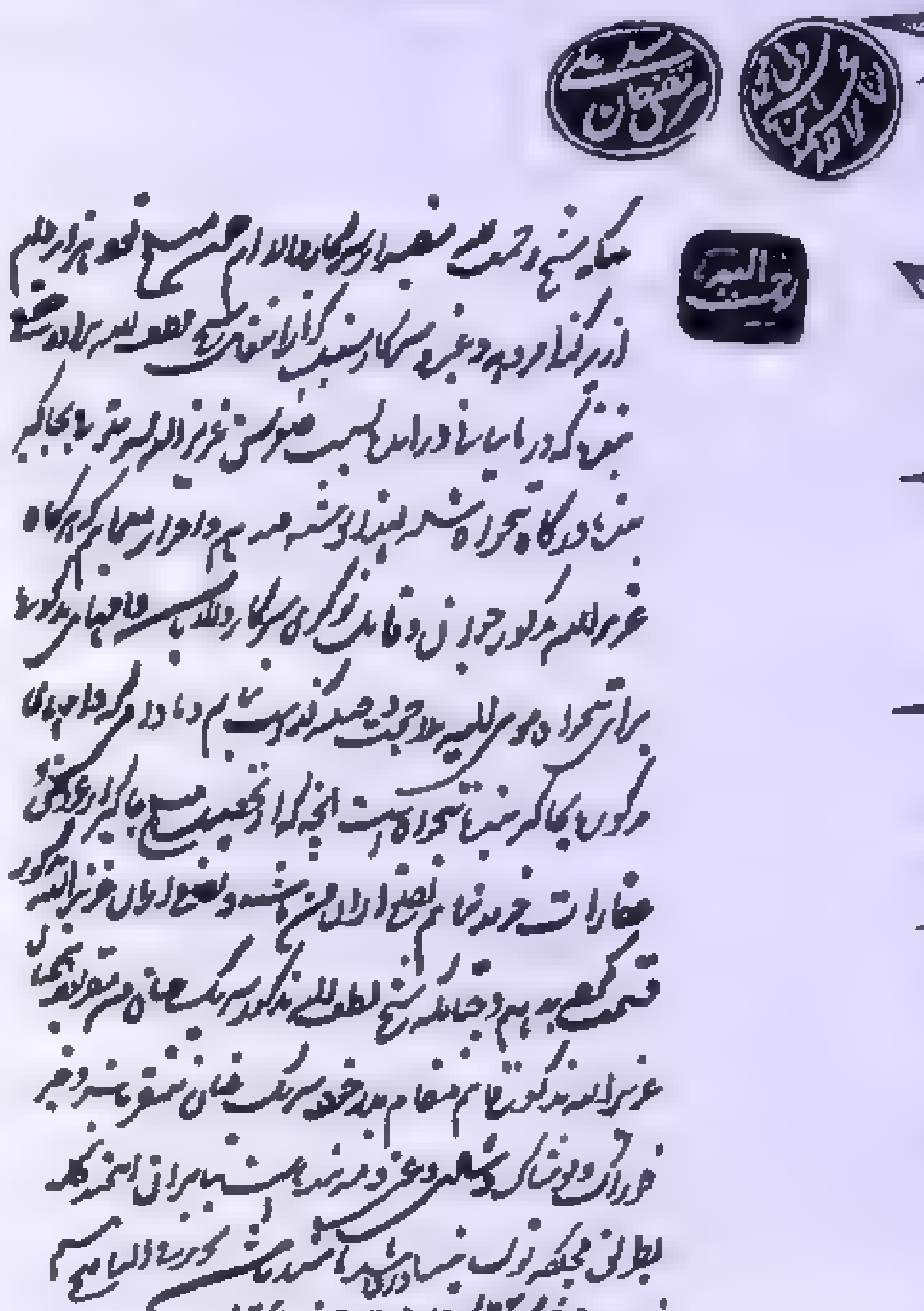

امروہہ کی مصنوعات

مٹی کے برتن:

امروہہ کی یہ بہت مشہور اور قدیم صنعت ہے۔ چکنی مٹی سے جسے ''گوال چنا'' کہتے ہیں، یہ برتن بنائے جاتے ہیں۔ یہ مٹی تالابوں کی تہہ میں سے نکلتی ہے جو بہت باریک اور ہلکی اور رنگ میں سیاہی مائل اور پکنے کے بعد سرخ ہو جاتی ہے۔ یہ صنعت ہندو کوزہ گروں کی مخصوص صنعت ہے۔ طرح طرح کی چیزیں بناتے اور طلائی و نقرئی کام ان پر کراتے ہیں۔ صاحب ''مرأت آفتاب نما'' لکھتے ہیں۔ [1] ﴿تصویر صفحہ ۱۳۶﴾

امروہہ شہریست مطبوع است اکثر قوم سادات و انجا سکونت پذیرفته اند ظروف گلی بغایت نازک و باریک منقش به نقوش گونا گون و مذہب بو قلمون و در انجامی سازند حتی که حقه گلی مع سرپوش و چلم و چنبر به قیمت یک اشرفی تا دو سه می ارزو کوزه و کاسه هم برین قیاس۔	امروہہ ایک اچھا شہر ہے، سادات کی اکثر قوموں نے وہاں سکونت اختیار کی ہے۔ مٹی کے برتن نہایت نازک اور باریک جن پر طرح طرح کے نقش و نگار ہوتے اور جنہیں طرح طرح سے سجاتے ہیں وہاں بنائے جاتے ہیں حتیٰ کہ مٹی کا حقہ مع سرپوش و چلم و چنبر بھی بنتا ہے جس کی قیمت ایک اشرفی سے دو یا تین اشرفی تک میں سستی ہے۔ کوزہ اور پیالہ کا اسی پر قیاس کیجئے۔

تقریباً ستر اسی برس پیشتر تک امروہہ کی یہ صنعت خوب رونق پر تھی۔ مٹی کے برتن تحفتہً دور دور بھیجے جاتے تھے حتیٰ کہ خدیو مصر کے محل میں بھی امروہہ کے ان برتنوں کو جگہ دی گئی تھی [2]۔ شروع عملداری قوم برطانیہ میں امروہہ کے رؤساء ''صاحبان عالی شان'' کو یہ برتن تحفہ میں بھیجا کرتے تھے۔ سید امان علی خان (گھڑیال والے) کے موسومہ جن کو اس زمانہ کے انگریز ''نواب'' کے لقب سے مخاطب کرتے تھے، ایک انگریز عہدہ دار کی فارسی تحریر کا عکس اس موقع پر درج کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ دیکھئے اعلیٰ طبقہ کا ایک انگریز امروہہ کی اس صنعت کا کن تعریفی الفاظ میں تذکرہ کرتا ہے۔

نرگس دان وغیره ظروف سفالی ... مرسول شده ...... مطبوع خاطر افتاد۔ الحق ہر ہمه قابل تحسین و آفرین اندو خوش قسمی و شکلی یکه زیاده از دیگرے بنظر در آمد ند و تعریف صنعت و کار ستانی کاریگران آنجا از خامه و زبان نه می توانند گرید۔	نرگس دان وغیرہ مٹی کے برتن جو ارسال فرمائے نہایت پسند آئے۔ سچ یہ ہے کہ ان میں ہر ایک قابل تعریف اور توصیف ہے۔ عمدگی اور شکل میں ایک سے ایک بڑھ کر۔ وہاں کے کاریگروں کی صنعت اور کام کی تعریف زبان قلم سے نہیں ہو سکتی۔

---

[1] مرأت آفتاب نما (قلمی) مصنفہ سید عبدالرحمٰن، المخاطب بہ شاہنواز خان ہاشمی بنیانی ثم الدہلوی در زمان ابو المظفر شاہ عالم بادشاہ غازی۔

[2] سفرنامہ مولوی مسیح اللہ خان مرحوم۔

افسوس اس صنعت کے قدردان نہ رہے تو یہ صنعت بھی مٹ گئی۔ خاندانی کوزہ گروں میں سے جو چند افراد باقی ہیں وہ اب بھی مٹی کے برتن بناتے ہیں مگر اب وہ بات کہاں!

بقچہ کے پلنگ:

بقچہ کا پلنگ بھی امروہہ کی قدیم صنعت تھی۔ بنانے والے اب بھی موجود ہیں مگر بنوانے والے کہاں۔ عہد محمد شاہ بادشاہ کے ایک عہدہ دار میر یعقوب مراد آباد سے امروہہ کے ایک اہلکار لالہ کشن چند سے ایک تحریر میں آم کے مربہ واچار کے بھیجنے کے ساتھ ''چارپائی بقچہ کلاں'' کی فرمائش بھی کرتے ہیں۔ ذرا اس زمانہ کے ہندو مسلمانوں کے رابطۂ اتحاد و تعلقات کا اندازہ طرز تحریر سے کیجئے۔ القاب میں ہندو مسلمان کا کوئی فرق نہیں۔ ''در حفظ الٰہی بودہ'' کے الفاظ ملاحظہ ہوں اور آج کی تنگ ظرفی بھی ملحوظ خاطر رہے۔

" عزت و خصوصیت دستگاہ لالہ کشن چند در حفظ الٰہی بودہ بعافیت باشند۔
مکرر آنکہ واچار و مربائے انبہ و چار پائی بقچہ کلاں تیار کنانیدہ ارسال
حضور نمایند۔ ہر چند بزودی برسد مہرائے شماست و برائے انبہ از حضور
بسیار تاکید است باید کہ درختہائے انبہ کہ قسم اوّل وکلاں باشند خرید نمودہ
در قید خود نگاہ دارند و قیمت آں نقد بدہند۔ دریں خدمت تغافلے بنا ید کرد۔ "

تحریر فی التاریخ یازدہم شوال ۱۰ جلوس معلّی (مطابق ۱۱۴۱ھ ۱۷۲۸ء)

بقچہ کے پلنگوں کے سوائے اور قسم کے پلنگ تسچہ اور ۔ پچ سچہ بھی بنتے تھے۔

رتھ اور بہلی:

رتھ اور بہلی کی صنعت بھی یہاں قدیم سے ہے۔ یہاں کے بڑھیوں میں بعض خاندان صرف رتھ اور بہلی بنانے کا کام کرتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ خوب بناتے ہیں۔ دور دور کے میلوں میں لے جاتے اور فروخت کرتے ہیں۔ اگرچہ زمانہ حال میں سواری کی دوسری ایجادوں نے اس صنعت پر خاص اثر ڈالا ہے لیکن پھر بھی یہ صنعت بالکل معدوم نہیں ہوئی۔

ڈھولک اور پتیلیاں:

امروہہ میں ڈھولک اور پتیلیں بھی اچھی بنتی ہیں اور دور دور جاتی ہیں۔ آم کی لکڑی ان کی ساخت میں استعمال ہوتی ہے۔

قالین سازی:

امروہہ میں اس صنعت کے موجد صادق علی تھے جنہوں نے بیکا نیر میں مرزا پور کے ایک جولاہہ سے اس صنعت کو سیکھا

اور امروہہ میں جاری کیا۔ نہایت خوبصورت اور سستے قالین یہاں تیار ہوتے ہیں ان کے لیے اُون یہیں تیار کیا جاتا ہے۔ گڈریہ عورتیں اس کو کاتتی ہیں۔

امروہہ کی کشتی نما ٹوپیاں:

تقریباً پچیس برس پیشتر تک امروہہ میں ریشم اور کلابتون کے کام کی کشتی نما ٹوپیوں کی صنعت خوب رونق پر تھی۔ صدہا اشخاص اور بالخصوص شریف بیوہ عورتوں کی معاش کا انحصار اسی کام پر تھا۔ جب سے ترکی وایرانی ٹوپیوں کے نئے نئے فیشن نکلنے لگے اس صنعت پر بھی اوس پڑ گئی۔

امروہہ کے باشندے

عہد قدیم کے باشندگان امروہہ کی تعداد کا صحیح اندازہ کرنا بہت دشوار ہے تاہم لشکر اسلامی کی موجودگی سے یہ قیاس ہو سکتا ہے کہ موجودہ آبادی سے اس وقت تعداد یقیناً بہت زیادہ ہوگی۔ انگریزی حکومت کے ابتدائی زمانہ سے موجودہ زمانہ تک یہاں کے باشندوں کی جو تعداد مختلف سنین میں رہی ہے اس کا گوشوارہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

سنہ	کل تعداد باشندگان	کمی	بیشی
۱۸۴۷ء	۷۲،۶۶۷ ✿		
۱۸۵۳ء	۳۵،۲۸۴	۳۷،۳۸۳	
۱۸۹۵ء	۳۲،۳۱۴	۲،۹۷۰	
۱۸۷۲ء	۳۴،۹۰۴		۲،۵۹۰
۱۸۸۱ء	۳۶،۱۳۵		۱،۲۳۱
۱۸۹۱ء	۳۵،۳۲۰	۸۲۵	
۱۹۰۱ء	۴۰،۰۷۷		۴،۷۵۷
۱۹۱۱ء	۴۲،۴۱۰		۲،۳۳۳
۱۹۲۱ء	۴۰،۴۴۸	۱،۹۶۲	

✿ معلوم ہوتا ہے یہ اعداد صحیح نہیں ورنہ آٹھ سال میں تقریباً تیس ہزار باشندوں کی تعداد کا کم ہو جانا قرین قیاس نہیں ہو سکتا۔

۱۹۲۱ء کی مردم شماری کی رو سے مجملہ کل تعداد باشندگان نصف سے قدرے زائد عورتوں کی تعداد ہے اور نصف سے کچھ کم مردوں کی۔ شہر میں کل کی تعداد ۴,۵۵۹ ہے۔ مختلف مذاہب کے پیروؤں کی تعداد حسب ذیل ہے۔

مجموعی تعداد باشندگان امروہہ		ہندو			مسلمان			آریہ عیسائی وغیرہ		
مرد	عورت	کل تعداد	مرد	عورت	کل تعداد	مرد	عورت	کل تعداد	مرد	عورت
۱۹,۹۸۵	۲۰,۴۶۳	۱۰,۱۷۸	۵,۲۷۹	۴,۸۹۹	۲۹,۵۶۰	۱۴,۳۴۴	۱۵,۲۱۶	۷۱۰	۳۶۲	۳۴۸

ہندو باشندے

امروہہ کے ہندو باشندوں کی تعداد ۱۹۲۱ء کی مردم شماری کی رو سے ۱۰,۱۷۸ ہے جن میں ۵,۲۷۹ مرد اور ۴,۸۹۹ عورتوں کی تعداد ہے۔

اس شہر کے ہندوؤں میں چھ مختلف قوموں کے لوگ ہیں یعنی (۱) برہمن (۲) ویش (۳) کھتری (۴) جاٹ (۵) کائستھ (۶) شودر۔ ان میں سے ہر ایک قوم کے بہت سے گوتر اور آل (خاندان) ہیں۔

برہمن:

برہمنوں میں یہاں سب سے زیادہ تعداد گوڑ برہمنوں کی ہے، اس کے بعد سارسوت کی۔ کان کبج، گوتم اور گجراتی برہمنوں کے صرف چند گھر ہیں۔

۱۔ گوڑ برہمن:

ان کا نکاس چونکہ ملک گوڑ (نواح بنگال) سے ہے اس لیے اس نام سے مشہور ہوئے۔ امروہہ میں ان کی تعداد تقریباً آٹھ سو ہے۔ ان میں تقریباً ہی آل (خاندان) ہیں۔ یعنی جوشی۔ تاڑی۔ شکل۔ چتر ویدی۔ مصر۔ پوٹھیہ۔ پانڈے اور کاتنے۔ یہ لوگ ہندوؤں کے اکثر محلوں میں ساکن ہیں۔

ان میں زیادہ قدیم خاندان پنڈت بھگوت دت ساکن بھاگیرت ٹولہ کا ہے۔ پنڈت جی کے اجداد میں تھل داس مصر منجم، طبیب اور مذہبی علوم میں خاص قابلیت رکھتے تھے۔ عہد محمد شاہ بادشاہ میں حسب ذیل پروانہ کے ذریعہ ان کو قوم ہندو ساکنان امروہہ کا عہدۂ چوکراتی دیا گیا تھا۔

نقل پروانہ

عاملان حال واستقبال پرگنہ امروہہ سرکار سنبھل مضاف صوبہ دار الخلافہ شاہجہاں آباد بدانند ، دریں والا بظہور پیوست کہ نتھمل مصر در طریقہ برہمنی خیلی خبردار وبکسب منجمی وطبابت بسیار ہوشیار ست لہذا نظر بر استحقاق او نمودہ چوکرایتی قوم برہمنان ششم حصہ در سوم یک تنکہ شادیانہ ہنگام شادی کتخدائی وکار خیر تولد فرزند شرفاء و غرباء قوم ہندو ساکنان قصبۂ مذکور مقرر نمودہ شد باید کہ مشار الیہ را در چوکرایتی دخیل کنا بندہ وجہہ مقررہ می دہانیدہ باشند بوجہی اہمال نسازند دریں باب تاکید دانستہ حسب المسطور بعمل آرند

تحریر فی التاریخ بست و ششم شہر صفر ۶ مطابق ۱۱۵۷ھ

پرگنہ امروہہ سرکار سنبھل متعلق صوبۂ دار السلطنت شاہجہاں آباد (دہلی) کے حکام کو معلوم ہو کہ ہمارے سامنے ظاہر کیا گیا ہے کہ نتھے مل مصر ہندوؤں کے مذہبی علم سے خوب واقف ہے اور نجومی اور طبابت میں بھی بہت ہوشیار ہے لہٰذا اس کے استحقاق کو مدنظر رکھ کر برہمنوں کی چوکرایتی کا چھٹا حصہ اور امروہہ کے ہندوؤں میں بیاہ شادی کے موقع پر اور کار خیر میں اور ہندوؤں کے شرفاء اور غریبوں میں بیٹے کے پیدا ہونے کی تقریبوں کے موقع پر سے ایک تنکہ بطور حق دیا جانا مقرر کیا گیا لہٰذا چاہیے کہ نامبردہ کو چوکرایتی پر دخل کرا کے مقررہ حق دلاتے رہیں اور کسی وجہ سے اس میں دریغ نہ کریں اور اس معاملہ میں تاکید جانکر حسب ہدایت عمل کریں۔

مورخہ ۲۷ ماہ صفر ۶ جلوس مطابق ۱۱۵۷ھ ۱۷۴۴ء

نتھے مل داس مصر کے لال من داس مصر، ان کے کیسری مل مصر ہوئے۔ کیسری مل مصر کے پانچ بیٹے ہوئے۔ راجی مل، ہر سہائے، رام نرائن، رام پرشاد اور سالگ رام۔ راجی مل کے پوتے پنڈت بھاگوت دت مصر ہیں۔ دوسرے اشخاص کی اولاد میں پنڈت برج بلبھ ولد سندر لال وغیرہ ہیں۔

شاہانِ اسلام کی جانب سے جہاں مسلمان فقراء و مشائخ کو روزینے ملتے تھے وہاں اہل ہندو کے پروہتوں اور پنڈتوں کی بھی مدد معاش مقرر تھی۔ روزینہ کی فہرست میں امروہہ کو متعدد برہمنوں کے نام نظر آتے ہیں۔ مثلاً ۱۱۸۹ھ میں امروہہ کے حسب ذیل پنڈتوں کو مدد معاش میں اسلامی سلطنت کی جانب سے روزینہ ملتا تھا۔

رام کشن چوبے (۳۷ دام)، بھن سکھ مصر (۲۵ دام)، صاحب رائے (۲۵ دام)، نند رام گجراتی (۲۵ دام)،
انکن برہمن (۲۵ دام)، والی مصر (۲۵ دام)، سکھا مصر (۲۵ دام)۔

اس قسم کی مدد معاش بہت پہلے سے مقرر تھی۔ شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے زمانہ میں بھی بدستور ملتی رہی۔ مسلمان بادشاہوں کے ظلم و ستم کے افسانے تراشنے والے ذرا ان باتوں پر بھی نظر رکھیں، سلطنت اور رعایا کے ان تعلقات کو بھی تو دیکھو اور پھر جو دل چاہے کہو۔

تمہیں لے دے کے ساری داستاں میں یاد ہے اتنا
کہ عالمگیر ہندو کش تھا، ظالم تھا، ستمگر تھا

گوڑ برہموں میں پنڈت ہر رام تجازی، پوتھیہ چھدّی لال ساکنان محلہ چوک، چوبی مدن لعل ساکن محلہ کوٹ قابل تذکرہ ہیں۔ ان ہی میں جوشی بھی شامل ہیں۔ جوشی حقیقتاً جوتشی کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ ان میں پنڈت گلاب سنگھ جوشی بی۔ اے سب جج پرتاب گڈھ اور ان کے بھائی پنڈت نند کشور جوشی وکیل امروہہ نامور ہیں۔ چترویدوں میں چوبے بھگوت داس ولد چوبے موہن لال کا خاندان ہے جو اپنے زمانے کے بڑے ساہوکار تھے۔ ان کی ہنڈی چلتی تھی۔ ان کی نسل میں چوبے کنج بہاری ہیں جو ملکی کاموں سے دلچسپی رکھتے ہیں۔

۲۔ سارسوت برہمن:

ان کے بزرگ ابتداءً دریائے سرستی (پنجاب) کے قریب رہنے والے تھے اس لیے سارسوت کہلائے۔ ان میں بھی مختلف ال (خاندانوں) کے لوگ ہیں۔ امروہہ میں ان کے تقریباً سات آل ہیں یعنی سندھ، شوہری، کلسہ، پاٹھک، بھارت دواجی ترویدی اور جوشی۔ ان کی تعداد بمقابلہ گوڑ برہموں کے بہت کم ہی یعنی امروہہ میں تقریباً تین سو کی تعداد ہے جو زیادہ تر محلہ کالا کنواں، بڑا بازار اور چوک وغیرہ میں رہتے ہیں۔ محلہ کالا کنواں پر پنڈت کامتا پرشاد اور ان کے فرزند پنڈت گیانا نند اور محلہ جاٹ بازار میں ڈاکٹر چندی پرشاد اور ان کے بھائی حکیم روپ کشور ان میں نامور ہیں۔ ڈاکٹر چندی پرشاد ترویدی غالباً اپنی قوم کے پہلے فرد ہیں جنہوں نے اپنے فرقہ کی قدامت پسندی کے خیالات کے خلاف سمندر پار جا کر انگلستان سے D P.H. (ڈپلومہ آف پبلک ہیلتھ) کی سند حاصل کی۔ فی الحال کانپور میں ہیلتھ آفیسر کے عہدہ پر مامور ہیں۔

۳۔ کان کج برہمن:

ان کا نکاس قنوج سے ہے اسلئے کان کج کہلائے۔ ان کی تعداد امروہہ میں بہت کم ہے ان میں ایک شخص جوگل کشور ساکن محلہ منڈی چوب ایام غدر ۱۸۵۷ء سے پہلے نامور طبیب تھے۔ شعر وسخن سے بھی ذوق تھا مگر شعر ایسا کہتے تھے کہ بہ ظاہر موزوں ہوتا تھا مگر مطلب خبط۔ یہ شعر ان کا مشہور ہے۔

اس کے غم میں مجکو اک رونا بہانا ہوگیا　　　اشک جو آنکھوں سے نکلا پنیہ دانا ہوگیا

اس کے علاوہ گوتم اور گجراتی برہموں کے بھی چند گھر امروہہ میں ہیں جو محلہ کوٹ وکالا کنوئیں میں ساکن ہیں۔

اس کے علاوہ ہڑے بھی امروہہ میں ہیں جو برہمن ہونے کے مدعی ہیں لیکن برہمن ان کے دعوے کو تسلیم نہیں کرتے۔ ان کے نسب کے متعلق یہ روایت مشہور ہے کہ برہمن مرد اور شودر عورت سے یہ نسل چلی۔ یہ لوگ عام طور سے جوتش کا پیشہ کرتے ہیں اور خیرات لیتے ہیں۔

ویش:

ویشوں میں اگرواں، گہنی، مہیسری، کھنڈیل وال خاندانوں کے لوگ امروہہ میں ساکن ہیں۔ ان میں کوئی خاندان یہاں

زیادہ قدیم نہیں۔ مہاجنی ساہوکاری اور غلہ وغیرہ کی تجارت ان کا عام پیشہ رہا ہے۔ اسی کی بدولت بعض خاندانوں نے اچھی دولت اور زمینداری و جائیداد معافی پیدا کی۔ محلہ کوٹ کے اگروال ویشوں میں چند افراد نے اعلیٰ تعلیم بھی حاصل کی ہے۔

ا۔ اگروال ۔

ان کا نکاس اگروہہ (علاقہ ہریانہ) متصل ضلع حصار (پنجاب) سے ہی اسلئے اگروال کہلائے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ سلطان شہاب الدین غوری کے زمانہ میں یہ لوگ اپنے قدیم وطن سے منتشر ہوئے۔ ان کی آبادی زیادہ تر محلہ کٹرہ غلام علی۔ بیگم سرائے، بڑا بازار اور محلہ کوٹ میں ہے۔

کٹرہ غلام علی کے اگروال ویشوں میں لالہ نند کشور ولد لالہ گنگارام کا خاندان ہے۔ ان میں ساہو وینکٹیش پرشاد امروہہ میونسپلٹی کے سب سے پہلے چیئرمین اپنے عادات وخصائل کے اعتبار سے نیک نام وہردل عزیز ہیں۔ اسی محلہ میں ڈاکٹر نروتم سرن، لالہ بدبرجی وغیرہ ہیں بیگم سرائے میں خزانچی نند کشور اور لالہ بابولال کا خاندان ہے۔ محلہ کوٹ میں اگروال ویشوں کے دو خاندان ہیں۔ پہلا خاندان لالہ جوہری مل کا ہے جو ایام غدر ۱۸۵۷ء میں امروہہ کے متمول اور مشہور ساہوکار تھے ان کے فرزند لالہ گوبند پرشاد کے اولاد صلبی نہ تھی اس لیے ساہو دیوکی نندن کو جو جن کا حال ہی میں انتقال ہوا، اپنا متبنیٰ کیا۔ ساہو موصوف کے بھی اولاد پسری نہیں۔ اسی خاندان میں لالہ جگموہن سرن اور لالہ برج نندن پرشاد میونسپل کمشنر بھی ہیں۔ اگروالوں کے اسی خاندان کی دوسری شاخ میں ساہو بنواری سرن کا خاندان ہے۔ جن کے لائق فرزند رام بلب سرن بی اے، بی۔ ٹی آنجہانی غالباً اپنی قوم کے پہلے فرد تھے جنھوں نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی تھی۔ ۹ر مارچ ۱۸۹۱ء میں پیدا ہوئے۔ اکیس سال کی عمر میں الہ آباد یونیورسٹی سے بی اے کی سند حاصل کی۔ انگریزی علم ادب اور اقتصادیات (Political Economy) کے ساتھ عربی وفارسی ان کے مضامین میں داخل تھی۔ درس وتدریس سے خاص دلچسپی کی بناء پر ہندو اسکول امروہہ کی ہیڈ ماسٹری کا عہدہ قبول کیا، ایل ٹی کا امتحان بھی پاس کیا اور اپنے فرائض کو نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیا۔ وسیع الخیال اور ہندو مسلم اتحاد کے عملاً حامی تھے۔ افسوس عمر نے وفا نہ کی۔ عین عالم جوانی میں ۱۷ر اگست ۱۹۲۱ء کو عالم آخرت کو کوچ کیا۔ ان کے دونوں بھائی ساہو بابورام اور ساہو برج موہن بھی اپنے کاروبار میں ہوشیار ہیں۔ اسی خاندان میں ڈاکٹر پریم ناتھ اور بابو سوم ناتھ بی اے پسران لالہ بھولا ناتھ اور بابو رام کشن بی اے، ایل ایل بی، وکیل امروہہ، ان کے برادر حقیقی بابو کشوری لال بی اے، ایل ٹی، بھی ذی لیاقت ہیں۔ لالہ منا لال اور لالہ بدری پرشاد بھی اسی خاندان سے ہیں۔

محلہ کوٹ میں اگروال کا دوسرا خاندان بابو رام سروپ پروفیسر ٹیچرس ٹریننگ کالج لکھنؤ کا ہی ان کے بھائی بھی محکمہ جنگلات میں کنسرویٹر (Conservator) کے عہدہ پر مامور ہیں۔

۲۔ گھیی:

ان کی وجہ تسمیہ کے متعلق ایک روایت یہ ہے کہ گھی کا روزگار زیادہ کرتے تھے۔ اور دوسرے یہ کہ ویشوں میں گھیا ہیں اس لئے گھیی کہلائے یہ لوگ زیادہ تر محلہ کالی پگڑی، کالا کنواں اور چوک میں رہتے ہیں۔ ان میں بعض خاندانوں نے دادوستد کے کاروبار کی بدولت جائداد معافی زمینداری بھی پیدا کر لی ہے۔ ان میں لالہ جب لال ولد لالہ بجنا مل، منیجر ہندو اسکول، انکے برادر اورزادہ لالہ مدن

موہن میونسپل کمشنر لالہ جوگل کشور ولد لالہ کنجی لال اس کے بھائی لالہ مکٹ بہاری، لالہ رگھبیر سرن بی اے ایل ایل بی، آنریری اسسٹنٹ کلکٹر لالہ موتی چند پسران لالہ بالک رام، لالہ مہابیر پرشاد ولد لالہ چھوٹی ولالہ جگت نرائن نمودار ہیں۔ محلہ کوٹ میں گہنی ویشوں کا ایک خاندان لالہ بدرام کا ہے جن کی اولاد میں بابو ہزاری لال قانون گو اور بابو رام سکریٹری آریہ سماج اور لالہ جگدیش سرن ہیں۔

۳۔ بھیسری:

ان کا نکاس رہتاس گڈھ سے بتایا جاتا ہے۔ زیادہ تر یہ لوگ بڑا بازار اور جاٹ بازار میں رہتے ہیں۔ لالہ نانک چند میونسپل کمشنران میں نامور ہیں۔

۴۔ کھنڈیل وال:

ان کا نکاس بھرت پور سے ہے۔ امروہہ میں ان کی تعداد کم ہے اور زیادہ تر محلہ کوٹ میں ساکن ہیں ان میں ایک نوجوان گریجویٹ ہیں۔

کھتری:

کھتریوں کا شمار بعض لوگ ویشوں میں کرتے ہیں۔ ان کے نسب کے متعلق یہ روایت مشہور ہے کہ راجپوت مرد اور ویش عورت سے جو نسل چلی وہ کھتری کہلائی ۱؎۔ یہ لوگ زیادہ تر کوچہ کھتریان، بڑا بازار میں ساکن ہیں ان میں ٹنڈن وغیرہ کئی آل کے لوگ ہیں۔ مہاجنی، کپڑے وغلہ وغیرہ کی تجارت عام پیشہ ہے۔ اسی کی بدولت بعض خاندانوں نے کافی جائداد بھی پیدا کی ہے۔ لالہ انندن سروپ آنریری مجسٹریٹ اور ان کے برادر زادہ لالہ راجہ رام لالہ منگل سین میونسپل کمشنران میں متمول اور نمودار ہیں۔

جاٹ:

اس قوم کے نسب کے متعلق مختلف روایات ہیں، بعض ان کو راجپوتوں کی شاخ سمجھتے ہیں اور بعض کا خیال ہے کہ یہ غیر ایرین ہیں، بعض ان کو انڈو سیتھین (Indo Sythian) کہتے ہیں لیکن قول مرجح یہ ہے کہ یہ لوگ گڈھ غزنی (کابل) سے ہندوستان آئے۔ غزنی میں ''یوتی'' (Yu-ti) نام ایک قوم کا پتہ چلتا ہے جو قدیم زمانہ میں وہاں سے ہندوستان آئی ۲؎۔ عربی تاریخوں میں بھی ''زط'' یعنی جٹ قوم کا تذکرہ ملتا ہے جو قدیم زمانہ میں جنوبی ایران سے عراق عرب تک پھیلی ہوئی تھی۔ ہندوستان کے جاٹوں کی خاندانی روایتوں میں بھی بیان کیا گیا ہے کہ ان کا نکاس گڈھ غزنی سے ہے۔ بہر حال ان کے نسب کے متعلق کوئی روایت بھی صحیح ہو ان کی دو بڑی شاخیں ہیں یعنی دیس والے اور پچھادے۔ امروہہ اور یہاں کے قریب وجوار کے جاٹ زیادہ تر پچھادیے ہیں یعنی پچھم سے آئے ہوئے۔ پنجاب میں جاٹوں کا زیادہ حصہ مسلمان ہے۔ امروہہ میں پہلے ان کی آبادی زیادہ تر ''جاٹ بارہ'' میں بھی جسے اب جاٹ بازار کہا

۱؎ [ضمیمہ میموارس سر ہنری ایلیٹ صفحہ ۲۹۹]   ۲؎ [ضمیمہ میموارس سر ہنری ایلیٹ صفحہ ۱۳۳]

جاتا ہے۔ یہاں ناظر (بعد میں راجہ) گور سہائے ولد ہر پت سنگھ کی سکونت بھی تھی۔ بعد میں یہ لوگ مراد آباد جا رہے۔ اب ان جاٹوں کی آبادی زیادہ تر محلّہ قریشی میں ہے۔ ان میں چودھری، ہیت رام اور چودھری منگل سین نمودار ہیں۔

کائستھ:

کائستھوں کے نسب کے متعلق بھی مختلف روایتیں ہیں۔ منوجی کے قدیم تقسیم اقوام کے مطابق کائستھوں کا شمار ان چار ذاتوں یعنی براہمن، چھتری، ویش اور شودر میں سے کسی میں نہیں ہوتا لیکن جو لوگ ان کا شمار شودروں میں کرتے ہیں وہ غلطی کرتے ہیں۔[1] کائستھ ہندوستان کی شریف قوم ہیں ان میں سے سورج دھج خاندان کچھ عرصہ امروہہ پر حکمراں رہا ہے۔ ایک روایت یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ جب پرس رام نے چھتریوں کی نسل کا قلع قمع کر دیا تو ان کی حاملہ عورتیں غنیم کے خوف سے مفرور اور روپوش ہو گئیں۔ اور جو بچے ان سے پیدا ہوئے وہ کائستھ یعنی جسموں کے اندر چھپے ہوئے کہلائے۔ کائستھ کا لفظ سنسکرت زبان کے الفاظ काय بمعنی جسم اور स्थ باقی یا پوشیدہ سے مشتق بتایا جاتا ہے۔ بہر حال ان کے نسب کے متعلق کوئی روایت بھی قابل قبول ہو یہ قوم ذہانت اور علم و دانش میں ایک نامور اور ممتاز قوم ہے۔ مسلمانوں کے عہد سلطنت میں دفاتر اور دارالانشاء کا کام زیادہ تر اسی قوم کے افراد کرتے تھے۔ ان میں صدہا اشخاص فارسی کے خوش استعداد ادیب شاعر اور عالم ہوئے۔ عربی و فارسی کی تعلیم ان میں عام تھی۔ اکثر کائستھ خاندانوں کے افراد اسلامی دینیات قرآن شریف وغیرہ کی تعلیم بھی حاصل کرتے، مشائخ اور اولیاء اللہ سے عقیدت رکھتے اور بعض اسلامی طرز سے عبادت بھی کرتے تھے۔ امروہہ کے بعض کائستھ خاندانوں کو حضرت قطب عالم شاہ اعز الدینؒ اور شاہ ولایتؒ سے خاص عقیدت تھی۔ نصف صدی پیشتر تک یہ لوگ ان حضرات کے عرس کا انتظام بھی اچھے پیمانہ پر کرتے تھے اور بعض اب بھی کرتے ہیں۔ انگریزی عہد میں ہندوستان کے کائستھوں نے علوم مروجہ کی تحصیل اور مغربی طرز معاشرت کے اختیار کرنے میں بہ نسبت اور اقوام کے فوقیت حاصل کی ہے۔ امروہہ کے کائستھوں میں بھی بعض افراد نے انگریزی کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی ہے اور اچھے عہدوں پر مامور ہیں۔ کائستھوں میں بھی ہندوؤں کی اور قوموں کی طرح متعدد شاخیں ہیں جن میں سے خاص یہ ہیں۔ ماتھر، بھٹناگر، سکسینہ، سورج دھج، سریباستب، گور، کرن، نگم، بالمیک اشٹ، استہانہ، کالسرشٹ، ان میں اوّل الذکر چار خاندانوں کے لوگ امروہہ میں آباد ہیں۔

ماتھر کائستھ:

ماتھر کائستھوں کا نکاس متھرا سے بیان کیا جاتا ہے اسلئے ماتھر کہلائے۔ ان میں بھی یہاں تین خاندان ہیں ایک خاندان قانون گویان ساکن محلّہ چوک کا دوسرا بدھ ٹکے والے کائستھوں کا، تیسرا خاندان سکنان محلّہ کالا کنواں کا۔ خاندان قانون گویان کے مورث لالہ متھرا داس ولد لالہ رام داس بعہد شہنشاہ جلال الدین اکبر دہلی سے امروہہ آئے اور تیرہ مواضعات پرگنہ امروہہ کے عہدہ ''چودھرائی وقانون گوئی ومقدمی'' پر مامور ہوئے۔ لالہ متھرا داس کے دو فرزند ہوئے لالہ پرمانند اور لالہ سری رام، یہ دونوں بھائی بعد وفات اپنے

---

[1] ''جاتی مالا'' کے مصنف نے کائستھوں کا شمار شودر میں کیا ہے اور لکھا ہے کہ ایک شودر بھوتی دت نامی سے فرائض کی بجا آوری میں ایسا ہوشیار و کارگذار تھا کہ جس شاہزادے کا ملازم تھا اس نے ''کائستھ کا خطاب اسے دیا سنسکرت میں ''کے'' کے معنی ''گھر'' کی اور ''ستھی'' کے معنی توطن پذیر ہونے کے ہیں خاکسار مؤلف کو اس سے اتفاق نہیں۔

(میمورس سر ہنری ایلیٹ)

والد لالہ متھرا داس کے حسب فرمان شہنشاہ نورالدین جہانگیر مجریہ ۲۷۔ ماہ ابان ۶ے جلوس مطابق ۱۰۲۱ھ خدمت آبائی یعنی ''چودھرائی وقانون گوئی ومقدمی پر مامور ہے۔ لالہ سری رآم کو ۱۰۲۵ھ میں ایک سو بیگہ آراضی معافی حسب فرمان مندرجہ ذیل نسلاً بعد نسل مدد معاش میں عطا ہوئی۔ اللہ اکبر۔

'' درین وقت میمنت اقران فرمان عالی شان نشان سعادت نشان شرف اصدار وعزایر دیافت که موازی یك صدبیگه زمین کی یك حصّه مزروع وسه حصه افتاده از موضع سریرام پور ثپه متوره من اعمال پرگنه امروہۃ سرکار سنبھل از ابتدائے خریف اوائیل دروجه انعام سری رآم بافرزندان حسب الضمن مقرّرو مفوض باشد که حاصلات آں رافصل به فصل وسال به سال دروجه معیشت خود خرج وصرف نموده بدعا گوئی دوام دولت ابد قرین استعمال نمود باشندمی باید که حکام وعمال وجاگیرداران وکروریان حال و استقبال دراستمرار وستقرار ابی حکم اقدس واعلیٰ کوشهده آراضی مذکوره راپمیوده وچك بسته به تصرف مشار الیهم بار گذاشته اصلا تغیر وتبدل بداں راه نه دہند ...... الخ

تحریر بتاریخ غرہ اردی بہشت ماہ الٰہی ۱۱ جلوس (مطابق ۱۰۲۵ھ ۔ ۱۶۱۵ء)

لالہ سری رآم کی اولاد امروہہ میں نہیں ہے ان کے بھائی پرمانند ۱؎ کی نسل میں قانون گوئی کا عہدہ متوارث ہو گیا اور اسی وجہ سے یہ خاندان ''قانون گویوں'' کا خاندان مشہور ہے۔ ان میں لالہ حکم سنگھ قانون گو تھے جو رائے بہادر بابو شیونراین کے اجداد میں چھٹی پشت میں ہوتے ہیں ان کے نام سے ''حکم سرائے'' آج تک مشہور ہے۔ لالہ حکم سنگھ کے فرزند لالہ شیام لال، ان کے فرزند لالہ جواہر مل اور ان کے فرزند لالہ جے گوپال ہوئے یکے بعد دیگرے آبائی عہدے پر مامور ہے۔ آخرالذکر ایام غدر ۱۸۵۷ء میں امروہہ کے قانون گو تھے۔ ان کے علاوہ اس زمانے میں دوسرے قانون گو ہر پرشاد تھے جو خاندان ساکن محلہ کالا کوئیں میں سے تھے۔ ان دونوں کی شہادت بھی سید شبیر علی خان کے خلاف مقدمہ بغاوت میں ہوئی تھی۔ لالہ جے گوپال کے دو لائق فرزند تھے، لالہ چھیدا لال اور بابو جگت نرائن۔ اول الذکر ابتداءً شکوہ آباد کے منصف اور بعد میں سب جج رہے۔ ان کے دو ہی فرزند ہوئے یعنی رائے بہادر بابو شیو نرائن اور بابو دھرم نرائن۔ رائے بہادر موصوف حکومت کے خیر خواہ، نیک نام رئیس، درباری، اسپیشل مجسٹریٹ درجۂ اوّل، چیئرمین امروہہ میونسپل بورڈ اپنے عادات

۱؎ رائے بہادر بابو شیونرائن بھٹناگر نے اپنے خاندانی حالات کے متعلق ایک مطبوعہ تحریر میں بیان کیا ہے کہ لالہ پرمانند کے فرزند برجناتھ داس ''آخر زمانہ شاہجہاں اور شروع زمانہ اورنگ زیب بادشاہ میں دیوان تھے''۔ اس عہد کی متعدد مستند کتب تاریخ مطبوعہ وقلمی موجود ہیں اور تقریباً تمام کتب خاکسار مؤلف کے زیر مطالعہ رہی ہیں لیکن ان میں کوئی تذکرہ لالہ برجناتھ کی وزارت یا کسی اعلیٰ منصب پر مامور ہونے کا نہیں ملا۔ ایک دوسری مطبوعہ انگریزی تحریر میں بیان کیا گیا ہے کہ رائے بہادر موصوف کے اجداد شاہان مغلیہ کے عہد میں خطاب یافتہ اور جاگیردار تھے۔ اس کا بھی خاکسار مؤلف کو کوئی تاریخی ثبوت نہیں ملا اور نہ کوئی فرمان دکھلایا گیا۔ ''قانون گوئی وچودھرائی ومقدمی'' کا عہدہ وراثتی منصب اور بھی نہیں ہوتا تھا اور خطاب صرف اعلیٰ منصب دار کو عطا ہوتا تھا اور جاگیر بھی منصب دار کو ملتی تھی۔ البتہ مدد معاش اور معافی جس کو اس زمانہ کی اصطلاح میں 'سیورغال' کہتے تھے ابتداً اس قسم کے عہدہ داروں کو دی جاتی تھی (مثل ملک مندرجہ فرمان موسومہ لالہ سری رام) ہندوستان کے اکثر مقامات پر کائستھ خاندان کے افراد عہد حکومت اسلامی میں قانون گوئی کے عہد پر مامور رہے ہیں۔ کفالت شعاری واسلامت روی سے اکثر خاندانوں نے بھی بھی جائدادیں پیدا کیں۔

وخصائل کے اعتبار سے ہر دل عزیز تھے۔ مفاد عامہ کے کاموں میں اپنے اوقات کا بیشتر حصہ صرف کرتے تھے، ان ہی خدمات کے اعتراف میں ان کو ۱۹۲۰ء میں "رائے بہادر" کا خطاب حکومت نے عطا کیا۔ ۱۹۲۴ء میں انتقال ہوا۔ ان کے لائق و ہونہار فرزند بابو کاشی نرائن بھی ذی لیاقت اور ہر دلعزیز ہیں۔ رائے بہادر کے اور حقیقی بابو دھرم نرائن ذی لیاقت وخوش اخلاق ہیں، علی گڑھ کالج کے ابتدائی دور میں تین سال تک تعلیم حاصل کی۔ ۱۸۹۴ء میں کلکٹری مراد آباد میں کچھ عرصہ عہدہ دار رہے۔ ۱۹۲۰ء میں ڈسٹرکٹ بورڈ مراد آباد کے چیئرمین منتخب ہوئے تین سال تک عمدگی سے ان خدمات کو انجام دیا۔ اب خانہ نشین ہیں۔ ان کے ایک صاحبزادے برج نرائن سلمہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے تعلیم یافتہ میں ۱۹۲۵ء میں بی اے کی سند حاصل کی۔

بابو چھیدالال کے بھائی بابو جگت نرائن باوجود متمول اور ذی مقدرت ہونے کے محض دلچسپی کے لحاظ سے اپنے موروثی عہدۂ قانون گوئی کا کام بذات خود انجام دیتے رہے۔ امروہہ میں بڑے نیک نام اور ہر دلعزیز تھے۔ ان کے بھی دو ہی فرزند ہوئے بابو ہر نرائن اور بابو رام نرائن۔ بابو ہر نرائن صاحب ۱۹۱۳ء میں آنریری مجسٹریٹ ہوئے، ۱۹۲۵ء سے اسپیشل مجسٹریٹ ہیں۔ میونسپل اور پبلک معاملات سے دلچسپی ہے۔ اپنے اصول کے پابند اور فرض شناس ہیں، امسال رائے بہادر خطاب ملا ہے۔ دوسرا قدیم اور ذی وجاہت خاندان بڑے تلے والے ماتھر کایستھ صاحبان کا ہے۔ خاکسار مؤلف نے اس خاندان کے دیرینہ کاغذات دیکھنے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ مجبوراً صاحب تاریخ صغریٰ کے بیان پر اکتفا کرتا ہوں، وہ اس خاندان کے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ۔

اگر چہ کوئی شجرہ یا فہرست یا فرمان دستیاب نہیں ہوا مگر بعض اولاد رائے بختاور سنگھ سے سنا گیا کہ "سیا رام، جن کے باپ صورت سنگھ ملقب بہ کروری تھے، سہاپور سے امروہہ میں آئے جس کو تخمیناً ساڑھے تین سو برس کا عرصہ ہوا، بیٹے ان کے دولت رائے دفتر بادشاہی کے افسر مقرر ہوئے اور حسن خدمت کے صلہ میں یہ خطاب راو سرفراز ہوئے۔ ان کے بیٹے رائے بختاور سنگھ جن کے نام سے یہ مشہور ہے۔ وکیل بادشاہ ہوئے اور رائے کا خطاب پایا ان کے پانچ بیٹے ہوئے، ایک رائے سلامت سنگھ دوسرے راو نعمت سنگھ، تیسرے راحت سنگھ چوتھے امانت سنگھ پانچویں ٹیک رائے۔ یہ پانچوں بھائی پادشاہ کی معزز نوکریوں پر شل رسالداری وغیرہ کے مامور رہے۔ نعمت سنگھ کو راو کا خطاب ہوا اور عہد نواب وزیر بہادر میں رائے سلامت سنگھ نے پچیس برس تک بھوجپور وغیرہ کی تحصیلداری کی اور امانت سنگھ کو کام سائر کا ملا اور عملداری صاحبان عالی شان (ایسٹ انڈیا کمپنی) میں بھی اکثر آدمی اس خاندان کے عمدہ عمدہ عہدوں پر مقرر ہوتے رہے ... الخ۔"[1]

[1] [تاریخ اصغری صفحہ ۵۱۔]

موجودہ زمانہ میں بھی بابو چھیل بہاری لال بی اے عرصہ تک ڈپٹی کلکٹر رہے اب کسی ریاست میں دیوان ہیں، پرانی تہذیب کا نمونہ اور با اخلاق شخص ہیں۔ بابو شیو ناتھ سنگھ اور بابو گلشن بہاری مختار عدالت اسی خاندان میں ہیں۔ منشی بنگن لال بھی جو کچھ عرصہ سے داد و ستد کا کاروبار کرتے ہیں اسی خاندان سے ہیں۔

تیسرا خاندان، ٹھٹر کایستوں کا محلہ کالا کنوئیں میں ساکن ہے۔ ان کے مورث لالہ گھنشیام داس [۱] عرف ٹھاکر کہنا کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ ابتدائے عہد مغلیہ میں امروہہ کے عہدہ قانون گوئی پر مامور تھے اور ۲۵ مواضعات ان کے حلقۂ قانون گوئی میں شامل تھے [۲]۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بابو بھگوتی سہائے بی۔ اے ایل ایل بی وکیل امروہہ نے اس وقت جبکہ کتاب کی طباعت کا کام تقریباً ختم ہو چکا تھا عہد جہانگیری کا اصل فرمان خاکسار مؤلف کو دکھایا جس کے ذریعہ ان کے اجداد میں سے سندر داس اور ہر رائے پسران راگھو داس کو بارہ مواضعات کا عہدہ چودہرائی و مقدمی اور پرگنہ امروہہ کا عہدہ قانون گوئی منجانب سلطنت اسلامی عطا ہوا تھا۔

فرمان کی عبارت سے ظاہر ہے کہ اس خاندان کے مورث جو ابتداءً ان عہدوں پر مقرر ہوئے گھنشام داس عرف ٹھاکر کہنا'' نہیں تھے بلکہ ان کا صحیح نام راگھو داس تھا۔ نیز عہد چودہرائی و مقدمی کے مواضعات کی تعداد ۲۵ نہیں بلکہ صرف ۱۲ تھی۔ ان بارہ مواضعات کو اس زمانہ کی اصطلاح میں ''پتہ کہناں'' سے موسوم کیا جاتا تھا چونکہ اس فرمان کی عبارت سے خاندان کایستھ صاحبان ساکنان محلہ کالا کنواں کے خاندانی حالات پر یک گونہ روشنی پڑتی ہے اس لیے فرمان مذکور کے اندراج کی بدقت تمام ایک صورت نکالی گئی۔

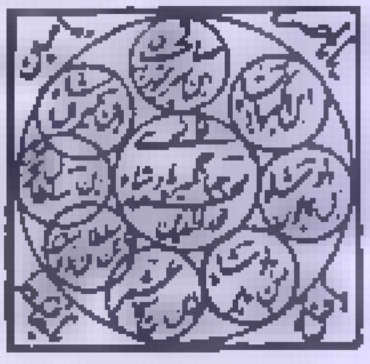

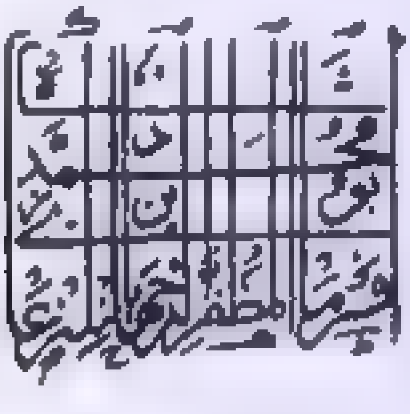

اللہ اکبر

چوں خدمت چودہرائی و مقدمی پتہ کنہاں و قانون گوئی پرگنہ امروہہ سرکار سنبھل کہ دوازدہ مواضع از پتہ مذکور حسب الضمن براگھوداس قانون گوئی

---

[۱] اس کا نام تاریخ اصغری نے ٹھاکر کہنا درج فرما کر تحریر کیا ہے۔ [۲] بابو بھگوتی سہائے وکیل امروہہ تحریر فرماتے ہیں کہ اس خاندان کے مورث ٹھاکر گھنشیام داس نے جو شہر امیں سکونت رکھتے تھے ہمایوں بادشاہ کو اس وقت کہ شاہ موصوف شیر شاہ سور سے شکست کھا کر سندھ جاتے ہوئے شہر سے گذر رہا دو دی تھی جس کے صلہ میں اس بادشاہ نے ہندوستان پر دوبارہ تسلط کرنے کے بعد ۱۵۵۰ء میں ٹھاکر گھنشیام داس کو امروہہ میں ۲۵ مواضعات جاگیر میں دے اور عہدہ قانون گوئی پر مامور کیا۔ عطائے جاگیر کا کوئی فرمان نہیں دکھایا گیا معلوم ہوتا ہے کہ یہ مواضعات جاگیر میں نہیں دئے گئے تھے بلکہ ان مواضعات کی قانون گوئی پر ان کا تقرر ہوا تھا۔ قانون گو کے پروانہ تقرری میں مواضعات کی تفصیل درج ہوا کرتی تھی، اوری تحریر سے ناواقفیت کی بنا پر ان مواضعات کو جاگیر سمجھ لیا گیا۔ قانون گو کے کسی عہدہ دار کو کسی بڑی جاگیر کا دیا جانا ہرگز قرین قیاس نہیں۔ علاوہ ازیں ۱۵۵۰ء جس میں یہ جاگیر عطا ہونا بیان کی جاتی ہے مطابق ہوتا ہے ۹۵۷ھ سے اور یہ وہ زمانہ ہے جبکہ ہمایوں بادشاہ ایران چلا گیا تھا۔ اور سلطان فرید خاں الملقب بہ شیر شاہ سریر آرائے سلطنت تھا۔ اس سے چندرہ سال بعد ہمایوں ہندوستان واپس آیا ہے۔ ٹھاکر موصوف نے ہمایوں بادشاہ کی کوئی بڑی خدمت کی ہوتی جس کے صلہ میں وہ ۲۵ مواضعات کی جاگیر کے مستحق ہوتے تو قانون گوئی جیسے معمولی عہدہ کی بجائے ان کو کوئی بڑا منصب عطا ہوتا۔ اس اعتبار سے یہ روایت بھی ان روایتوں میں سے معلوم ہوتی ہے جو امروہہ کے ہندو مسلمانوں کے اکثر خاندانوں میں قدامت خاندانی کے سلسلہ میں مشہور ہیں لیکن کوئی تاریخی حیثیت ان کو حاصل نہیں۔

متعلق بوده چنانچه دریں باب اسناد معتبر فرزندان اوبدست دارنده درینولا سنر داش وبرائے پسران مومی الیه بدرگاه گیتی پناه آمده بنظر اشرف اقدس اعلیٰ گذشته و بعرض مقدس رسید که راگهو داش فوت شد حکم جهان مطاع گردوں ارتفاع ...... به پدر آنها متعلق بوده بمشاء الیها مفوض و مرجوع بوده باشد که کماینبغی بلوازم مذکور قیام واقتدام ام نموده در آبادانی و ...... سعی و دولت خواہی بجا آورند نگذانه که در پته مذکور بلیه دستم شریکی واقعه شود ۔ الخ

پشت فرمان پر حسب ذیل عبارت مع تفصیل مواضعات پته کنہاں درج ہے

به تفصیل مواضع پته کنہاں بموجب یادداشت بدستخط جمدة الملکی مدادالمهامی اعتماد الدوله آنکه یادداشت چوں مواضع ذیل ازاعمال پرگنه امروہه راکه پته کنہاں نام است به راگهو داش چودہرالی ومقدمی آں مواضع و قانون گوئی امروہه سرکار سنبهلؔ تعلق داشته چنانچه اسناد معتبر بدست دارند و ...... سال بسال ...... اعلیٰ اشرف بمبریں منوال صورت بمیں یافقته است دریں ولاکه مشار الیه ودیعت حیات سهره سندر داش وبرائے فرزندان مشار الیه بدرگاه معلی آمده حکم شد که تعلقات مواضع مذکور بدستور سابق به سندر داش وبرائے فرزندان مومی الیه واولاد مقرّر و مسلم دارند ۔ شرح حاشیه بدستخط جمدة الملکی مدادارلمهامی ۔ اسناد خورداہنظر در آورده برطبق آں فرمان عالی شان در باب چودہرالی مواضع مذکوره مرقوم سازند

دوازدہ مواضع با مزرعہ متعلقہ پتہ کنہاں۔
(۱) کھسور پور (۲) موہن پور (۳) منگر پور (۴) رامپور (۵) نصیر پور با مزرعہ شیام پور (۶) محمود پور (۷) بنجلہ (۸) مسعود پور (۹) رائے پور (۱۰) داس پور (۱۱) اہاتا (۱۲) دودہ پور

لھ کرکنہا کے پوتے کی شادی خاندان قانون گویان ساکن محلہ چوک میں ہوئی تھی، وہ اپنا نابالغ لڑکا چھوڑ کر فوت ہو گئے تھے، زمانہ نابالغی میں تمام کام ننھیال والوں نے کیا، بالغ ہونے پر جب انہوں نے اپنا کام واپس چاہا تو ننھیال والوں نے حق پرورش کا استغاثہ عہد جہانگیر میں کیا اس وقت ننھیال والوں کی خدمت کا لحاظ کر کے قانون گوئی کے مواضعات نصف نصف ان دونوں خاندانوں میں تقسیم کر دیے گئے ۔ یہ روایت بابو بھگوتی سہائے بی اے ایل ایل بی وکیل امروہہ نے اپنے خاندانی حالات کے تذکرے میں قلمبند کر کے بھیجی ہے مگر خاندان قانون گویان کے اس فرمان عہد جہانگیری کے مضمون کے لحاظ سے جس کا حوالہ کسی دوسری جگہ دیا گیا ہے یہ روایت صحیح نہیں معلوم

لہ و ع کاغذ دریدہ

ہوتی بہرحال واقعات جو کچھ بھی ہوں قانون گوئی کا عہدہ اس خاندان میں بھی عرصہ دراز تک رہا۔ ایام غدر ۱۸۵۷ء میں لالہ ہر پرشاد قانون گو اس خاندان کے تھے، ان کے فرزند لالہ سنت پرشاد بھی قانون گو رہے۔ ان کے کوئی اولاد نہ تھی۔ اسی خاندان میں منشی من موہن لال بروقت ضبطی ملک اودھ لکھنؤ میں سررشتہ دار تھے، اس خاندان کے اور لوگ بھی حکومت انگریزی کے اچھے اچھے عہدوں پر مامور رہے ہیں موجودہ زمانہ میں بابو گوبند سروپ جج، بابو گوپال سروپ ڈپٹی کلکٹر، رائے صاحب چھیدالال دیوان ریاست ناگود، جن کے چھوٹے بھائی بابو بھگوتی سہائے امروہہ میں وکالت کرتے ہیں اس خاندان میں نامور ہیں۔

سکسینہ کائستھ:

ان کی آبادی زیادہ تر محلہ منڈی چوب میں ہے۔ ان میں اکثر لوگ پٹواری ہوتے رہے ہیں اور اب بھی ہیں جن میں لالہ بھولا ناتھ، اور لالہ دلواری لال وغیرہ نمودار ہیں۔

بھٹناگر کائستھ:

ان کا نکاس بھٹنیر سے ہے اس لئے بھٹناگر کہلائے۔ سلطان غیاث الدین بلبن کے زمانہ سے اس قوم کے لوگ مسلمان بادشاہوں کے دفاتر میں ملازم رہے۔ سلطان موصوف کے فرزند نصیر الدین قراخان کی عنایت اس قوم کے بعض اشخاص پر مبذول رہی، صوبۂ بنگال کی عنان حکومت جب اس شہزادہ نے اپنے ہاتھ میں لی بھٹناگر کائستھوں کے متعدد اشخاص اس کی ملازمت میں تھے۔ بعض مقامات پر اس قوم کے لوگوں نے قانون گوئی وغیرہ کی خدمات انجام دیں۔ شراب خوری کا رواج ان میں زیادہ تھا۔ امروہہ میں یہ خاندان بھاگیرت ٹولہ میں ساکن ہے۔ ان میں بھی لوگ پٹواری رہے ہیں۔ لالہ روشن لال تھانہ داران میں نمودار تھے۔

اہیر:

براہماپُران میں بیان کیا گیا ہے یہ لوگ چھتری مرد اور ویش عورت کی نسل سے ہیں لیکن قول مرجح یہ ہے کہ اہیر راجپوتوں کی اس یادوبنسی شاخ سے نکلے ہیں جن کا پیشہ مویشی چرانے کا تھا۔ رامائن مہابھارت میں ابھیرا (Abhiras) کا ذکر آتا ہے۔ دریائے تاپتی سے دیوگڈھ تک قطعات زمین کو ابھیرانہ مویشی چرانے والوں کا ملک کہا جاتا تھا۔ ابتداءً اس قوم کو سیاسی اقتدار بھی حاصل رہا۔ فرشتہ اور خزانہ عامرہ میں قلعہ ابہیرا کو ان کی راجدھانی بتایا اور کہا گیا ہے۔ الغرض ان کی تین بڑی شاخیں ہیں نندبنسی یادوبنسی اور گوال بنسی۔ امروہہ میں یادوبنسی اہیروں کی آبادی ہے جو زیادہ تر متصل محلہ ٹوگزہ رہتے ہیں اور کچھ اہیر محکم سرائے وغیرہ میں آباد ہیں۔ رؤساء اور زمینداروں کے یہاں ملازمت اور بیلی بانی کی خدمت کرنا ان کا عام پیشہ رہا ہے۔

کاشتکاری پیشہ اقوام:

ہندوؤں کی کاشتکاری پیشہ اقوام میں کاچھی (باغبان) اور لودھ قوم کے لوگ ہیں۔

کاچھی:

یہ قوم نہایت محنتی قوم ہے اور ہندوستان کے بڑے حصہ میں باغبانی وغیرہ کا موروثی پیشہ ہے۔

لودہ:

یہ بھی کاشتکاری پیشہ ہیں۔ ان کے نسب کے متعلق بھی مختلف روایتیں ہیں، ایک یہ کہ چھتری عورت اور اہیر مرد کی نسل ہیں دوسرے یہ چھتری مرد اور نیچ قوم کی عورت کی اولاد ہیں۔

شودر اقوام:

ا۔ بھڑ بھونجا:

ان کے متعلق روایت ہے کہ کہار مرد اور شودر عورت کی نسل سے ہیں۔ ان میں بھی سات کوری یا شاخیں بیان کی جاتی ہیں یعنی کنوجیہ، سکسینہ اور اتر آباد وغیرہ امروہہ میں یہ لوگ زیادہ تر اپنا پیشہ کرتے ہیں۔ تعداد بھی مختصر ہے۔

۲۔ ہندو حلوائی:

ان میں مختلف گوتر ہیں یعنی جھیسنا، بگرا، دوبے، کنوجیا، تیبو نجا وغیرہ امروہہ میں ان کی تعداد بہت مختصر ہے اور اپنا پیشہ کرتے ہیں۔

۳۔ دھوبی:

دھوبیوں میں بھی مختلف گوتر ہیں یعنی پچھیہ، کنوجیہ، مگھیا، بیلوار، باتھم، سرکی باتھم، بہرکا، اجودھیا اور گوسر۔ امروہہ میں دھوبی زیادہ تر پچھیا گوتر کے ہیں۔ بہرکا گوتر کے تین چوتھائی دھوبی مسلمان ہیں جو زیادہ تر لکھنؤ وغیرہ میں پائے جاتے ہیں امروہہ میں صرف دو چار دھوبی مسلمان ہیں جو حال ہی میں باہر سے آگئے ہیں ورنہ زیادہ تر ہندو ہیں۔ ان کے عورت اور مردوں کی اخلاقی حالت بھی پست ہے۔ شراب نوشی کا بھی ان میں رواج ہے۔

۴۔ چمار:

پدما، وراہ اور برہما دیورتا وغیرہ، ان کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ ملاح اور چنڈال عورت سے جو نسل چلی وہ چمار کہلائی۔ ان کی بھی سات گوتر بیان کی جاتی ہیں یعنی جتوا، کیان، کورل، جیسوارہ، جھوسیا، بربیریا اور کوری یا کور چمرا۔ آخر الذکر زیادہ تر اودھ میں ہیں اور جولاہہ کا پیشہ کرتے ہیں۔ چماروں کا عام پیشہ چمڑے کا کاروبار ہے۔ جسمانی ساخت کے اعتبار سے یہ قوم سیاہ فام بیان کی گئی ہے۔ مثل مشہور ہے کہ گندمی رنگ چمار اور سیاہ فام برہمن شاذ ہوتا ہے۔

करीआ बहान गोर चमार। इनके साथ न उतरिये पार

بہر در ایام مختلف اقوام کے میل سے ان کے بعض افراد کے رنگ و روغن میں بھی تبدیلی پیدا ہوگئی ہے۔ امروہہ کے مختلف مقامات پر کنارہ آبادی ان کی سکونت ہے۔

۵۔ بھنگی:

پرانوں میں کہا گیا ہے کہ برہمن مرد اور شودر عورت کی اولاد بھنگی کہلائی۔ ہندوستانی قومیت کا سب سے ادنیٰ عنصر یہی مظلوم قوم ہے۔ مختلف مقامات پر مختلف ناموں سے موسوم ہیں۔ یعنی بھنگی، لال بیگی، خاکروب، حلال خور، مہتر، چوہڑا وغیرہ۔ ان میں جو لوگ اپنے ہندو آباؤ اجداد کے طریقہ پر رہے وہ لال گرو کی پوجا کرتے ہیں اور جو مسلمانوں کے تمدنی اثرات میں آ گئے لال بیگ کو مانتے ہیں۔ ان میں بھی مختلف گوتر ہیں یعنی بنی وال، ہیلپر دار، ٹانک، گہلاٹ، کہولی کاگرا، سروہی، چنڈالیہ، سرساوال، سریار بھنگی بھی چند قوموں مثلاً دہانک، بیکری، راوت اور ہیلوں کو اپنے سے نیچ سمجھتے ہیں۔

مذہباً بھنگی نہ ہندو ہیں نہ مسلمان بعض رسمیں مسلمانوں کی انہوں نے اختیار کر لی ہیں، مردوں کا دفن کرنا، لال بیگ کے نام کی قربانی کرنا اور مردوں کے تیجے کی رسمیں ان میں عام ہیں۔ عشق و محبت کے جذبہ کی قوت نے ہندو مسلمانوں کے اعلیٰ طبقہ اور اونچی ذات کے بعض لوگوں کو سوسائٹی کے قواعد توڑنے پر بارہا مجبور کیا ہے۔ آج بھنگیوں میں خوبصورتی کے جو نمونے نظر آتے ہیں وہ ان ہی تعلقات کا نتیجہ سمجھئے۔ یہ لوگ بھی شہر کی آبادی کے کنارے ہر چہار طرف آباد ہیں۔ بڑے خدمتی اور محنتی ہیں۔ ان کے علاوہ کوتنے، کھرو وغیرہ یہاں آباد ہیں۔

امروہہ کے مسلمان

۱۹۲۱ء کی مردم شماری میں امروہہ کے مسلمانوں کی تعداد ۳۰,۳۳۸ تھی، جن میں مرد ۱۴,۳۴۴ اور عورتیں ۱۵,۲۱۶ شامل ہیں۔ باعتبار نسب مسلمانان امروہہ کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے یعنی عربی النسل، عجمی النسل اور ہندی الاصل۔

عربی النسل:

ان میں بھی تین مختلف شاخوں کے لوگ امروہہ میں ہیں یعنی ہاشمی، قریشی اور انصاری۔ ہاشمیوں اور قریشیوں کے تو یہاں متعدد خاندان ہیں، لیکن صحیح النسب انصاریوں کے صرف چند گھر ہیں۔

سادات بنی ہاشم:

امروہہ میں جتنے ہاشمی ہیں وہ سب ایک ہی دادا یعنی جناب عبدالمطلب کی نسل سے ہیں۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جناب ہاشم کے فرزندوں میں سوائے عبدالمطلب کے اور کسی کی نسل دنیا میں باقی نہیں۔

لیس فی الارحامد ھاشمی الا من ولد عبدالمطلب بن ھاشم[1]	سوائے اولاد عبدالمطلب بن ہاشم کے دنیا میں اور کوئی ہاشمی نہیں۔

[1] معارف ابن قتیبہ۔

جناب عبدالمطلبؑ کے بھی صرف دو بیٹوں یعنی جناب ابو طالبؑ و حضرت عباسؓ کی نسل میں سے چند خاندان یہاں ہیں یعنی اولاد حضرت علیؓ، اولاد حضرت عقیلؓ، اولاد حضرت جعفر طیارؓ، ابنائے جناب ابو طالب اور اولاد حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ۔

یہ اعتبار حسب و نسب اہل عرب میں سے قریش کو، قریش میں سے بنو ہاشم کو، اور بنی ہاشم میں سے بنو عبدالمطلب کو جو شرف و فضیلت حاصل ہے وہ محتاج تشریح نہیں۔ حضور سرورِ کائنات کا ارشاد ہے۔

خير العرب مضروخير مضر قريش وخير قريش بنو عبد ماف وخير بني عبدمناف بنو هاشم وخير بنو هاشم بنو عبدالمطلب والله ما اخترق فرقتان منذ حلق الله آدم الا كنت گی خير هما [1]

بہترین عرب کے بنی مضر ہیں اور بہترین بنی مضر کے قریش اور بہترین قریش کو بنو عبد مناف اور بہترین بنو عبد مناف کے بنو ہاشم اور بہترین بنو ہاشم کو بنو عبدالمطلب خداوند کریم نے جب سے حضرت آدم کو پیدا کیا اور فرقے بنائے مجھ کو بہترین فرقوں میں پیدا کیا۔

شجرۂ نسب خاندان بنی ہاشم

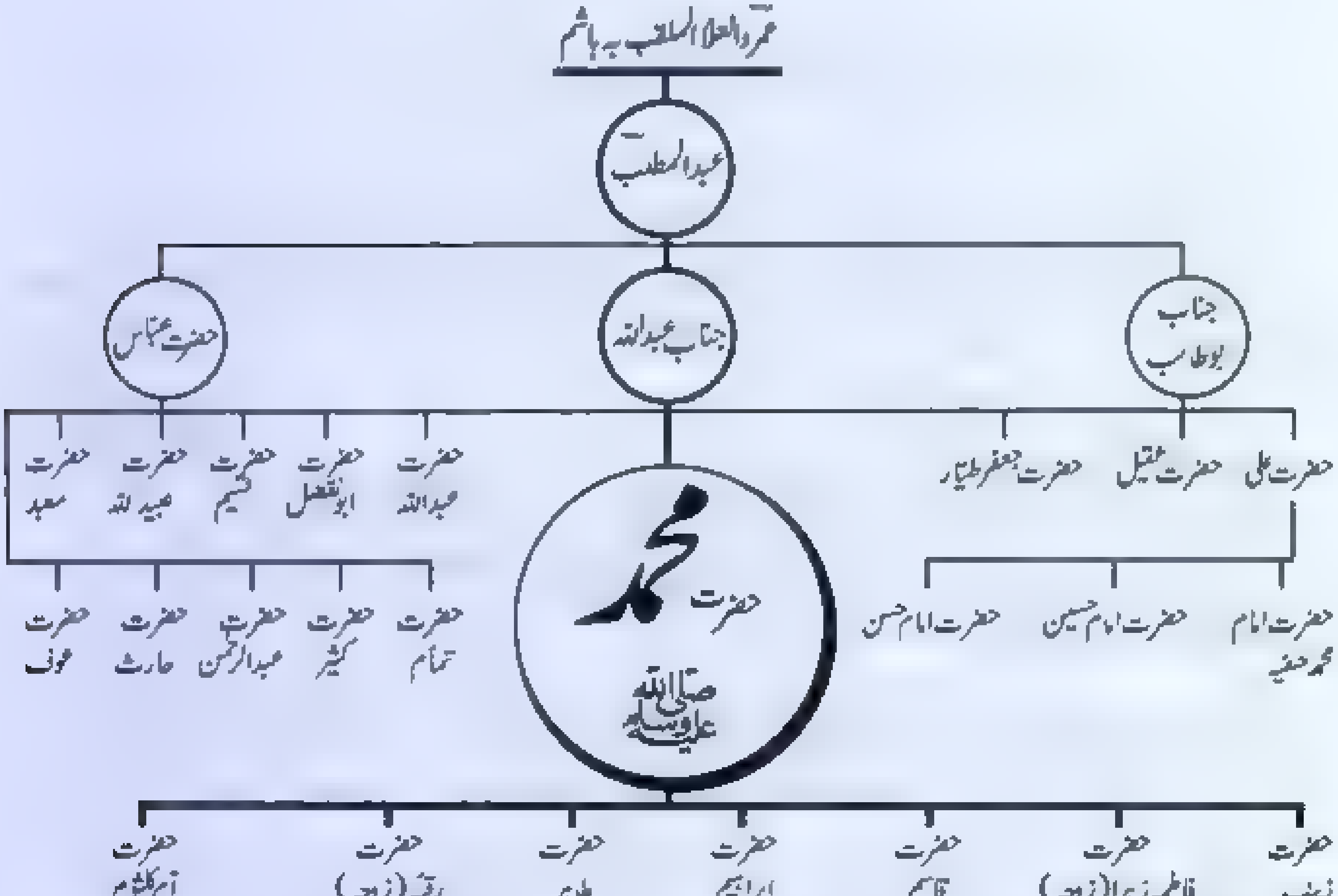

---

[1] [خصائص کبریٰ۔ صفحہ ۳۷۔]

یہی خاندان، خاندان نبی کریم ﷺ ہے، یہی لوگ اہل بیت و آل محمدؐ ہیں، یہی خمس وذوی القربیٰ کے مستحق ہیں اور ان ہی پر صدقہ وزکوٰۃ حرام ہے۔

بسانِ محمد علیہ السّلام	زکوٰۃ است برآلِ ہاشم حرام
پسند است ایں قوم رازاں شرف	کہ پاک اندچوں دُربجوفِ صدف

ان ہی میں خواجۂ کونین حضرت محمد مصطفےٰ امام الثقلین علی مرتضیٰؓ سیدہ النساء، فاطمہ زہراؓ، سید الشہداء حضرت حمزہ سید العرب وعم حضرت شفیع الناس حضرت عباسؓ ذوالجناحین حضرت جعفر طیارؓ، افصح العرب حضرت عقیلؓ سید اشباب اہل الجنۃ حضرت امام حسنؓ وحضرت امام حسینؓ حبرالامۃ سیدنا عبداللہ بن عباسؓ تھے۔ اس خاندان کا حسب ونسب، بزرگی وشرف اظہر من الشمس ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں۔

نحن اہل البیت شجرۃ النبوۃ ومختلف الملئکۃ واہل بیت الرسالۃ واہل البیت الرسالۃ ومعدن العلم [1]

ہم اہل بیت خانہ نبوت کے ستون ہیں، ہمارا ہی گھر فرشتوں کی گذرگاہ تھا کہ یکے بعد دیگرے نزول کرتے رہتے تھے۔ ہم رسول اللہ کے گھر والے ہیں۔ ہم رحمت ومعدن علم کے اہل بیت ہیں۔

شاعر کہتا ہے۔ [2]

تعالیٰ اللہ زہے قوم سر افراز	مقیمان حریم لطف و اعزاز
ازیشاں خانۂ دین گشت پُرنور	وزیشاں ملک احساں گشت معمور
فلک روشن زنور رائے ایشاں	ملک بوسیدہ خاک پائے ایشاں
بودسیر خیل ایں قوم کرم	وصی سرور اولاد آدم
علی مرتضیٰؓ کز رفعت قدر	سپہر شرع راشد چوں مہ وبدر
دگر آں نور چشم اہل بینش	حسنؓ مہر سپہر آفرینش
دگر از جملۂ ایشاں حسینؓ است	کہ مہرش مومناں رافرض عین است
دگر آں سیّد اہل شہادت	کہ عم مصطفیٰؐ [3] بود از سعادت
دگر عباسؓ کو عم نبیؐ بود	زار باب جرائم اجنبی بود
دگر جعفرؓ کہ ازغایات اعزاز	نمایددر بہشت عدن پرواز
دگر اولاد ایں جمع گرامی	کہ ملک شرع رابودند حامی
علوئے قدر ایں قوم شرفناک	بود برتر زوصف عقل وادراک
سلامے عطر ساں چوں نافۂ چیں	درودے چوں نسیم صبح مشکیں
نثار تربت پر نور ایشاں	قرین روضۂ معمور ایشاں

[1] معارف ابن قتیبہ۔ [2] [خصائص کبریٰ صفحہ ۲۷]۔ [3] یعنی حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

لفظ سیّد کا اطلاق :

عربی زبان میں سیّد کا لفظ مختلف معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ سیّد اللہ تعالیٰ کو بھی کہتے ہیں، آقا کو بھی، رئیس مقدم کو بھی اور حلیم وکریم کو بھی۔ صاحب لسان العرب کہتے ہیں۔ ۱

السیّد یطلق علی الرّب و الممالك و الشریف والفاضل و الحلیم و متحمل اذی قوم والزوج والرئیس والمقد م

سیّد رب اور مالک کو کہتے ہیں اور شریف فاضل اور بردبار کو بھی نیز اُس شخص کو جو اپنی قوم کی تکالیف برداشت کرے اور شوہر رئیس اور مقدم کو بھی۔

سیّد کے معنی افضل اور سردار کے بھی ہیں، ایک بدوی عرب جو اکثر حضور سرور کائنات کی خدمت میں حاضر رہتے تھے ان کی نسبت حضور نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا۔

هذا سیّد اهل الوبر یہ جنگل کے لوگوں کے سردار ہیں

اسی طرح یوم جمعہ کی نسبت فرمایا گیا **سیّد الایام یوم الجمعه** (یعنی دنوں میں افضل جمعہ کا دن ہے)، یا **سیّد الطُّعام الْحم** (یعنی کھانوں میں افضل کھانا گوشت ہے) یہاں سیّد کے معنی افضل کے ہیں۔ سیّد اور شریف ہم معنی ہیں۔

السّودو الشرف معروف ۲ یعنی سیادت وشرافت مترادف المعنی ہیں

غرض کہ سیّد کا لفظ عربی زبان میں حسب موقع ومحل مختلف معنی میں آتا ہے۔ اصطلاحاً تمام بنی ہاشم پر اس کا اطلاق ہوتا ہے اور ہر ہاشمی بلا تخصیص الشریف یا السیّد سے ملقب کیا جاتا ہے۔ صاحب صاجۃ الطرب لکھتا ہے۔ ۳

اما بعد الا سلام فقد انحصر الشریف العربی سلالت الهاشمید و یعبر عنها باهل البلیت .. (اهلیت صاحب الیثرا سلامیه) فلایعرف الشریف رسماً ویطلق علیه لقب السیّد الا اذاکان نسبه مُتّصِلا باحر من اهل البیت بدون التفات الیٰ حالته ولا الی صناعته۔

بعد اسلام کے عربی شرف خاندان ہاشم کے لئے مخصوص ہوگیا ہے یہی اہل بیت کے نام سے تعبیر کئے جاتے تھے (یعنی صاحب شریعت اسلامیہ کے گھر والے) پس رسمی کوئی شریف نہیں کہلائیگا کہ اس پر لقب سید کا اطلاق ہو، مگر اس وقت کہ اسکا نسب اہل بیت میں سے کسی کے ساتھ متصل ہو بغیر اس کی دنیوی حالت اور اس کے فن وپیشہ کے خیال کئے ہوئے۔

چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطی نے رسالہ زینبیہ میں اس کی تصریح کی ہے۔

---

۱ لسان العرب۔ ۲ صاجۃ الطرب فی تقدما العرب، مطبوعہ بیروت صفحہ ۳۸۔

اسم الشریف یطلق فی الصّدر الاول علی کل من کان من اهل البیت سواء کان حسنیاً ام حسینیاً ام علویاً من ذریة محمد بن الحنفیة وغیرہ من اولاد علی بن ابی طالب ام جعفریاً ام عقیلیاً ام عباسیاً ولھذا تجد من تاریخ الحافظ الذھبی مشحونا فی التراجم بذلک یقول الشریف العباسی الشریف العقیلی الشریف الجعفری الشریف الزینبی فلما ولی الفاطمیون بمصر قصر واسمه الشریف علی ذریة الحسن والحسین فقط واستمر ذلک بمصر الی الآن۔ [1]

شریف (یعنی سیّد) کے لفظ کا اطلاق صدر اوّل میں تمام اہل بیت کے افراد پر ہوتا تھا خواہ وہ حسنی ہوں یا حسینی یا علوی، اولادِ محمد بن حنفیہ سے ہوں یا سوائے ان کے حضرت علی ابن ابی طالب کی دوسری اولاد سے ہوں یا جعفری ہوں یا عقیلی یا عباسی۔ یہی وجہ ہے کہ ہم تاریخ حافظ ذہبی میں دیکھتے ہیں کہ بھرے ہوئے ہیں لوگوں کے حالات میں ان کے ساتھ یہ الفاظ کہا جاتا ہے ان کو سیّد عباسی سید عقیلی، سید جعفری، سید زینبی لیکن جب بنی فاطمہ کی سلطنت مصر میں قائم ہوئی تو انہوں نے لفظ شریف (یعنی سیّد) کو مختصر کر دیا اولاد جناب حسن و جناب حسین کے لئے فقط اور یہ دستور اب تک مصر میں جاری ہے۔

ہندوستان میں بھی، اہل مصر کی تقلید کی گئی اور سیّد کا لقب بالعموم بنی فاطمہ کے لیے استعمال ہونے لگا۔ علامہ جلال الدین سیوطی آگے چل کر لکھتے ہیں کہ۔

قال الحافظ ابن حجر فی کتاب الالقاب الشریف ببغداد لقب کل عباسی و بمصر لقب کل علوی ولاشک ان المصطلح القدیم اولیٰ وھو اطلاقه علی کل علوی و جعفری و عقیلی وعباسی کما صنعة الذھبی و کما اشار الیه الماوردی من اصحابنا والقاضی ابویعلی الفرامن الحنابلة کلاھما فی الاحکام السلطانیه دحرہ قول ابن مالک فی الالفیه [2]

حافظ ابن حجر (عسقلانی) کہتے ہیں کتاب القاب میں کہ شریف (یعنی سیّد) بغداد میں ہر عباسی کا لقب ہے اور مصر میں ہر علوی کا۔ اور اس میں شک نہیں کہ قدیم مصطلح بہتر ہے اور وہ یہ ہے کہ اطلاق اسم شریف (یعنی سیّد) کا ہر علوی و جعفری و عقیلی و عباسی پر ہوتا ہے جیسا کہ ذہبی نے تحریر کیا ہے اور جس طرح ماوردی نے کہ ہمارے اصحاب میں سے ہیں اشارہ کیا ہے اور قاضی ابویعلی فراء نے جو حنبلیوں میں سے ہیں احکام سلطانیہ میں ذکر کیا ہے اور اسی طرح قول ابن مالک کا الفیہ میں ہے۔

نسبتاً تمام بنو عبدالمطلب مساوی الحیثیت ہیں اور باعتبار نسب ایک کو دوسرے پر قطعاً کوئی فوقیت نہیں۔ ان سب پر لفظ شریف اور سیّد کا اطلاق ہوتا ہے۔ حضور سرورِ کائنات کا ارشاد ہے۔ [3]

بنو عبدالمطلب سادات اھل الجنّة — عبدالمطلب کی اولاد اہل جنت کی سردار ہے

آنحضرت ﷺ نے سیّد کا لفظ اپنے اہل بیت کے مختلف افراد کے لئے مختلف موقعوں پر استعمال فرمایا ہے مثلاً حضرت فاطمہ صلوٰۃ اللہ علیہا کے لیے سیّدۃ النساء اھل الجنّة فاطمة یا اپنے عم محترم حضرت حمزہ کے لیے سیّد الشھداء حمزۃ یا حضرات حسنین علیہ السلام کے لیے سیّدا شباب اھل الجنّة الحسن و الحسین یا حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کے لیے انتما سیّد العرب یا حضرت جعفر طیار کے لیے سیّد الشھداء جعفر۔ حضرت ابن مسعودؓ سے یہ حدیث مروی ہے اور تقریباً ان ہی الفاظ میں

---

[1] [اسعاف الراغبین صفحہ ۱ مطبوعہ مصر۔] [2] [اسعاف الراغبین صفحہ ۱ مطبوعہ مصر۔] [3] [تزئین المودۃ از جامع الصغیر علامہ جلال الدین سیوطی صفحہ ۱۵۰۔]

دوسری حدیث حضرت علیؑ سے مروی ہے۔ ۱؎

قال رائت النبی صلّی اللّٰه علیه وسلّم امثل ید العباسؓ من عبدالمطلبؓ قال هذا عمی وضوابیه و سیّد عمومتی من العربؑ و هو معی فی السنام الاعلی من الجنّة	فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرتؐ کو دیکھا کہ حضرت عباسؓ کے ہاتھ کو پکڑ کر اونچا کیا اور فرمایا کہ یہ میرے چچا ہیں، میرے باپ کے مثل ہیں اور میرے اعمام میں عرب کے سیّد (سردار) ہیں اور یہ میرے ساتھ ہوں گے جنت کے درمیانی اعلیٰ حصہ میں۔

صاحب ناسخ التواریخ شیعی مذہب لکھتے ہیں۔

"عباسؓ ابن عبدالمطلبؓ عم رسولؐ خدائیست و سیدے ازسادات اصحاب علی ۲؎ علیه السلام است"

سیّد شریف رضی برادر علم الہدیٰ سیّد مرتضیٰ فاطمی، جو بغداد میں نقابت الاشراف ۳؎ کے معزز عہدہ پر مامور تھے، امیر المومنین القادر باللہ العباسیؒ کو مخاطب کر کے کہتے ہیں۔ ۴؎

عطفاً امیر المومنین فاننا ۔۔۔ فی دوحة العلیاء، لا نفرق
مابیننا یوم الفخار تفاوت ۔۔۔ ابداً کلا نافی المعالی معرف
الا الخلافت میر تلک فاننی ۔۔۔ انا عاطل منها وانت مطوق

یعنی اے امیر المومنین متوجہ ہو کر سُن، ہم دونوں نسب کے شجرۂ بلند میں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہیں ہم دونوں میں فخر بیان کرنے کے وقت کسی قسم کی جدائی نہیں ہے۔ خلافت نے تمہیں امتیاز بخشا ہے میں اس سے بے بہرہ ہوں اور وہ تمہارے گلے کی آرائش ہے۔

غرض کہ نسب کے معاملہ میں ایک ہاشمی کو دوسرے ہاشمی پر مطلق کوئی فضیلت نہیں۔ جو شخص کسی عباسی، کسی جعفری، کسی عقیلی، کسی علوی کو کسی فاطمی سے نسبی معاملہ میں جدا کرتا ہے وہ بربنائے جہالت ایسا کرتا ہے۔ ان سب کا نسب قطعاً ایک ہے۔ کتاب حملۂ حیدری مصنفۂ سیّد مصطفیٰ شیعی مذہب میں، جو جناب سلطان العلماء سیّد محمد مجتہد لکھنوی کے ایماء سے شائع ہوئی اور آپ نے دیباچہ لکھا، حضرت عباسؓ عم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکرہ میں مختلف اشعار درج ہیں جن میں سیّد کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ ۵؎

کہ عباسؓ آں سیّد نامور ۔۔۔ مراہست اکنوں بجائے پدر
بتحدید حجاج از تحمی ۔۔۔ بدو گفت اے سیّد ہاشمی
دگر باعث شہرت آں خبر ۔۔۔ چنیں گفت کاے سیّد نامور
بگفتند با خندۂ و تحمی ۔۔۔ کہ اے نامور سیّد ہاشمی

۱؎ [ابن النجار کنز العمال صفحہ ۲۸۔] ۲؎ [ناسخ التواریخ جلد ۳ از کتاب دوم صفحہ ۹۵ے]
۳؎ نقابت الاشراف کا عہدہ بغداد میں بہت معزز عہدہ خاندان نبوت کی تولیت کے امور سے متعلق تھا۔ ۴؎ تاریخ تمدن جرجی زیدان۔ ۵؎ [حملۂ حیدری مطبوعہ صفحہ ۵۰۳۔]

صاحب عمادالسعادت، جو شیعی مذہب فاطمی سید ہیں، ایک عباسی سید، نواب ثابت جنگ میر علی قلی خان عباسی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"اگر چه خان مشارالیه سید عباسی النسب و برادرزاده
حسن قلی خان وزیر شاه طهماسپ صفوی ثانی است" ۱

خلاصۂ کلام یہ کہ سید و شریف کا لقب ہر ہاشمی کا لقب ہے خواہ وہ حسنی و حسینی ہو یا علوی و عقیلی یا جعفری عباسی۔ یہی لوگ آپس میں ایک دوسرے کے عصبہ و ہم کفو ہیں۔ سلطنت کی رقابتوں اور جھگڑوں نے البتہ بھائی بھائی میں بُعد و جدائی پیدا کردی تھی ورنہ پہلے سب ایک ہی خاندان تھا، باہم ارتباط و اتحاد اور محبت و خلوص تھا۔ آج امروہہ کے ایک شیعہ فاطمی اور سنی عباسی میں بدقسمتی سے بُعد و مخالفت کی ایک خلیج حائل ہے لیکن پہلے ان ہی کے مورثوں میں باہم کیسی الفت و محبت تھی۔ ذرا چچا بھتیجے کے تعلقات محبت کا حال تاریخ میں دیکھیے ۲

عن صهیب قال رائت علیاً یقبل ید العباس و رجل.. | حضرت صہیب فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علی کو دیکھا کہ حضرت عباس کے ہاتھ پیر کو بوسہ دیتے تھے۔

پھر حضرت عباس کو جو محبت اپنے اس فخر خاندان اور لایق بھتیجے حضرت علیؓ سے تھی اور جس درجہ وہ ان کو خلافت کا مستحق سمجھتے تھے اس کا اندازہ آپ کے ان مقولوں سے ہو سکتا ہے جو کتب تاریخ میں مندرج ہیں۔ حضرت عباسؓ کے بعد آپ کی اولاد بھی خلافت کے جھگڑوں میں حضرت علیؓ کے ساتھ رہی حالانکہ حضرت علیؓ کے حقیقی بھائی حضرت عقیل جناب امیر معاویہ کے ساتھی تھے اور جنگ صفین تک میں اپنے بھائی سے علیحدہ رہے ۳۔ اس زمانہ میں شادی بیاہ بھی صرف اپنے خاندان میں محدود تھا۔

کان سائر نبات علی عندولد العقیل وولد العباس ۴ | "حضرت علی کی سب صاحبزادیاں حضرت عقیل اور حضرت عباس کے صاحب زادوں کو منسوب ہوئی تھیں۔

نسب باپ سے لیا جاتا ہے یا ماں سے:

علم نفسیات و تشریح الابدان اور ان تمام مباحث سے قطع نظر کر کے جو نطفہ و استقرار حمل کے مسائل سے متعلق ہیں محض اقوام عالم کے دستور رواجات پر اگر نظر کی جائے تو یہ حقیقت آشکارا ہوتی ہے کہ متمدن دنیا کا کوئی طبقہ ایسا نہیں جس میں نسب باپ سے نہ لیا جاتا ہو۔ انسانوں کے علاوہ جانوروں تک کی نسل بھی نر ہی کی جانب منسوب کی جاتی ہے۔

اس حقیقت مسلمہ عالم کے خلاف جن اشخاص نے بنو ہاشم یا بنو عبدالمطلب میں فاطمی و غیر فاطمی کی تفریق شروع کی تھی انہوں نے اُس زمانہ کی سیاسی ضرورتوں اور مقاصد حالیہ کی بنا پر ایسا کیا تھا اور اس پروپیگنڈے کا منشاء و مقصد بھی صرف اس قدر تھا کہ ایک ہی خاندان کی مختلف شاخوں میں سے ایک شاخ کی کوئی وجہ فضیلت قرار دیکر اپنے طرفداروں کی جماعت میں اضافہ کیا جائے۔ اس سیاسی پروپیگنڈے کا ثبوت ان بہت سی موضوع احادیث سے چلتا ہے جو بنو فاطمہ و بنو عباس کی مدائح میں اُس زمانہ میں تصنیف ہوئی تھیں۔

---

۱ عمادالسعادت مطبوعہ ۲ کنز العمال رابن المغازی فی الرضعہ۔ ۳ شہید مقتل صفین مع معاویہ (عمدۃ الطالب) ۴ [معارف ابن قتیبہ مطبوعہ مصر صفحہ ۱۰۰]

نسب کے معاملہ میں نسبت مادری کے اصول کو اگر اہمیت دی جائے تو وہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے جس کا ذکر صاحب عمادالسعادت نے کیا ہے، وہ لکھتے ہیں۔[1]

در توران رسمی است که سیادت از طرف مادری گیرند و بحث با برین دارند، اگر پدر شیخ است یا مغل و مادر شخص سیدۃ باشد سید است، شیخ نیست به خلاف اہل ایران که آنجا چنین کس را که از بطن سیدۃ متولد است شریف می نامند از ہمین جہت اکثر تورانیان در توران و آصف جاہیان و امیر الدین خان در ہند ملقب به میر اندبا آنکه نسب شان منتہی به شیخ شہاب الدین سہروردیؒ است و شیخ شہاب الدینؒ از نسل محمد بن ابو بکرؓ بوده۔ بلکه برین ہم موقوف نیست که مادر شخص سیدۃ باشد چرا اما در مادر و مادر پدر بنا شد، مانع کیست دعوی سیادت باید کرد۔

ملک توران میں یہ دستور ہے کہ سیادت ماں کی جانب سے لی جاتی ہے۔ وہاں کے لوگ اس کے متعلق بحثیں کرتے ہیں مثلاً اگر کسی شخص کا باپ شیخ یا مغل ہو مگر ماں سیدانی ہو تو وہ شخص شیخ نہیں ہوگا بلکہ سید ہوگا برخلاف اس کے اہل ایران ایسے شخص کو جو کسی سیدانی کے بطن سے پیدا ہو شریف کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے توران کے اکثر باشندے اور ہندوستان کے آصف جاہی اور امیر الدین خان میر کے لقب سے ملقب ہیں حالانکہ ان کا نسب شیخ شہاب الدین سہروردیؒ پر منتہی ہوتا ہے اور شیخ شہاب الدین سہروردیؒ محمد بن ابو بکرؓ کی نسل سے تھے۔ جب یہ بات ہو تو اسی پر کیا موقوف ہے کہ ماں سیدانی ہو بلکہ کسی کی نانی یا دادی بھی سیدانی ہو تو اسے سیادت کا دعویٰ کرنا چاہیے۔ اس طرح سید بننے میں آخر مانع کیا بات ہے۔

ہندوستان کے بعض مقامات پر بھی اس مہمل دستور کی تقلید کی گئی اور شاید اب تک کی جاتی ہے کہ کسی شیخ یا مغل نے کسی سیدانی سے نکاح کر لیا، اور اس کے بطن سے جو اولاد ہوئی سید کہلانے لگی، گویا آباؤ اجداد شیخ یا مغل تھے ان کی اولاد نے نسب مادری کی بنا پر نسب میں ترقی حاصل کی اور شیخ یا مغل سے سید ہو گئے۔ یہ نتیجہ ہے اسی مادری نسب کے اہمیت دینے کا۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ جب نسب کا انحصار ماں پر رکھا جاتا ہے تو سادات کے وہ سیکڑوں خاندان جن کا مادری نسب غیر کفو کی عورتوں حتیٰ کہ کنیزوں سے چلتا ہے وہ کیوں سید کے سید بنے ہوئے ہیں، یہاں کیوں نسب مادری ترک کیا گیا۔ کسی ایک اصول کی پابندی ہونی چاہیے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ اصول ہی لغو اور مہمل ہے، نسب کی نسبت ماں سے نہیں باپ سے ہے اور یہی اصول مسلمۂ اقوام عالم ہے۔

لیکن اس سے زیادہ لغو اور مہمل دستور یہ ہے کہ بعض لوگ سیادت کا انحصار سلسلۂ نسب پر نہیں بلکہ مذہب پر کرتے ہیں، ان لوگوں کے نزدیک شیعیت اور سیادت مترادف المعنی ہے۔ مثلاً بعض شیعہ حضرات لفظ سید کا اطلاق بنی ہاشم و بنو عبدالمطلب میں سے صرف بنی فاطمہ کے لیے مخصوص کرتے ہیں لیکن غیر بنی فاطمہ خواہ بنو ہاشم ہوں یا غیر بنو ہاشم، جب شیعی مذہب اختیار کر لیتے ہیں تو محض شیعیت کی بدولت سیادت کا دروازہ ان کے لیے کھل جاتا ہے اور وہ میر صاحب یا سید صاحب سے مخاطب ہونے لگتے ہیں لیکن ان ہی کے ہم جدی، جو شیعیت قبول نہیں کرتے، شیخ صاحب کہلاتے ہیں۔ اس کی ایک مضحکہ انگیز مثال صاحب تاریخ واسطیہ کی تحریر صفحہ نمبر ۳۰۷ پر ہے۔ بنو عقیلؓ فاطمی نہیں اور اس لیے امروہہ کے اکثر شیعہ حضرات کے نزدیک جو بنی عبدالمطلب میں سے غیر بنی فاطمہ کو مستحق سیادت نہیں سمجھتے، سید نہیں ہیں لیکن امروہہ کے عقیلی چونکہ اب مذہباً شیعہ ہیں اس لیے صاحب واسطیہ کے نزدیک سید ہیں، سادات امروہہ کی برادری میں

[1] [عمادالسعادت صفحہ ۹]

شامل ہیں، ان سے ان کے رشتے ناتے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ صاحب تاریخ واسطیہ نے ان کو سیادت کا سرٹیفکٹ عطا کیا ہے، ان کا نسب نامہ سیادت، گو وہ غلط ہی سہی، موئلف واسطیہ نے جو بقول خود "قدوۃ ارباب محترم صاحب قلم آل رسول عترۃ الزہرا البتول عالی نسب والا حسب السید رحیم بخش صاحب امروہوی" تھے اپنی کتاب میں درج فرما دیا ہے لہٰذا یہ سندی سید ہیں۔ صاحب تاریخ واسطیہ اگر بقید حیات ہوتے تو خاکسار موئلف اُن کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتا کہ جناب کے نزدیک عقیلی اگر نسباً سید کہلانے کے مستحق ہیں تو پھر جعفری کیوں نہیں، تو پھر علوی کیوں نہیں، تو پھر عباسی کیوں نہیں؟ نسباً تو یہ سب ایک ہیں، پھر ان میں یہ تفریق کیوں؟ غالباً وہ یہی جواب دیتے کہ صاحب ہمارے نزدیک ہر شیعہ خواہ وہ شیخ ہو، مراثی ہو، نائی ہو غرض کوئی ہو سید اور ہر سنی خواہ وہ ہاشمی و مطلبی کیوں نہ ہو شیخ ہے۔ چنانچہ اس کی تائید میں امروہہ ہی میں متعدد مثالیں مل سکتی ہیں۔

حضرات حسنین علیہم اسلام کو جو شرف اور بزرگی جناب سیدۃ النساء فاطمہ زہرا بنت رسول اکرم ﷺ کے بطن سے متولد ہونے میں حاصل تھی وہ صرف ان ہی حضرات تک محدود تھی، اپنے ذاتی فضائل کے اعتبار سے بھی یہ دونوں بزرگ ہستیاں مسلمانوں کے نزدیک محبوب ہستیاں تھیں، وہ بیشک سید السادات تھے، لیکن نسب کے معاملہ میں نسبت مادری کو ان کی اولاد اجداد میں بھی اہمیت دی جائے تو پھر سوچئے کیا نتیجہ برآمد ہوگا؟

امروہہ کے ہاشمی خاندان:

امروہہ میں حضرت علیؑ کی نسل سے زیادہ تر حسنی و حسینی سادات ہیں، بعض لوگ اپنے کو آپ کے نامور فرزند امام محمد ابن حنفیہ کی اولاد سے بھی بتاتے ہیں جو اہل ہند کی اصطلاح میں "علوی" مشہور ہیں۔

۱۔ حسنی:

ان میں بڑا خاندان اولاد سید سراج الدین قادری کا ہے جن کا سلسلہ نسب حضرت محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ تک پہنچتا ہے۔ ان کی زیادہ تر سکونت محلہ چلّہ میں ہے، کچھ لوگ محلہ شاہ علی سرائے میں بھی ساکن ہیں۔

دوسرا خاندان حضرت شاہ شکر اللہ عارف باللہ قادری دستار سیاہ (کالی پگڑی) کا ہے حضرت شاہ صاحب کا سلسلہ نسب شاہ ابو تراب شیرازی قدس سرہ سے متصل ہوتا ہے۔ اس خاندان میں اب صرف چند اشخاص باقی ہیں۔

۲۔ حسینی:

ان میں سب سے قدیم، تعداد میں سب سے زیادہ اور معزز و باوقار خاندان اولاد سید العارفین سید حسن الملقب بہ سید شرف الدین شاہ ولایت کا ہے، حضرت ممدوح کا سلسلہ نسب حضرت امام علی نقیؑ سے متصل ہوتا ہے۔ ان سادات نقوی کی سکونت شہر کے اکثر محلوں میں ہے۔ آپ کے فرزند اکبر قاضی سید امیر علی کی نسل سے اکثر لوگ محلہ لکڑہ، حقانی میں اور کچھ گھر محلہ قاضی زادہ، محلہ صدو اور محلہ بچھدرہ میں ملقب بہ متولی ہیں۔ ان کے علاوہ موضع اغوانپور، شہر بریلی و دہلی وغیرہ میں ساکن ہیں۔

آپ کے فرزند اصغر سید عبدالعزیز کی اولاد سے امروہہ میں اکثر لوگ محلہ دربار کلاں، سہتی، گذری، شفاعت پوتہ، مجاپوتہ،

ارزانی پوتہ ۱ (محلہ بگلہ) چھپوڑہ، کٹرہ غلام علی، راجہ سرائے میں ساکن ہیں اور کچھ گھر محلہ سرائے کہنہ، حقانی وگھیر کرم علی خان میں ہیں اور کچھ لوگ امروہہ سے باہر مثلاً سنبھل فیروز پور وکنور پور ضلع فتح پور ہسوہ میں سکونت رکھتے ہیں۔

دوسرا خاندان حسینی سادات کا قاضی زادگان کا ہے۔ تاریخ واسطیہ کی اشاعت سے پیشتر تک اس خاندان کے حضرات، اپنے کو حضرت شاہ ولایت کے بھائی کی اولاد بتاتے رہے۔

تا اینندم سن رسیده حضرات قاضی زاده نیز می گویند که ما از اولاد برادر صاحب ولایت بودند ۲

اس وقت تک حضرات قاضی زادگان کے بڑے بوڑھے بھی کہتے رہے ہیں کہ ہم حضرت شاہ ولایت کے بھائی کی اولاد ہیں۔

امروہہ کے تاریخی حالات میں سب سے قدیم کتاب مولوی محب علی خان عباسی کی تالیف "آئینہ عباسی" ہے جو اب سے تقریباً ۵۲ برس پہلے شائع ہوئی تھی، اس میں مختلف خاندانوں کے نسب کے متعلق وہی روایت درج کی گئی ہیں جو زمانہ حال کے جدت پسند طبائع کے اختراعات سے بہت پیشتر سے خود ان خاندانوں اور سکنائے شہر میں سلف سے مشہور چلی آتی تھیں۔ قاضی زادہ صاحبان کے نسب کے متعلق صاحب آئینہ عباسی لکھتے ہیں۔ ۳

"ایک گروہ ملقب بہ قاضی زادہ، ان کے بزرگ پہلے سیّد صاحب (یعنی حضرت شاہ ولایت) یا ہمرادان کے یہاں آئے ہیں اور سیّد صاحب سے عقیدت حاصل کی بڑے شریف اور معزز ہیں۔ الخ۔"

لیکن تاریخ واسطیہ کے مؤلف نے، جو خاندان قاضی زادگان میں سے تھے، اپنے خاندان کا سلسلہ نسب حضرت شاہ ولایت کے فرزند اکبر قاضی سیّد امیر علی سے جا ملایا ہے جو از روئے تحقیق ہرگز صحیح نہیں ان کی سکونت زیادہ تر محلہ کوچہ قاضی، محلہ بھوکہ، چھوٹے دادا، مجاپوتہ وبچد رہ وصدو میں ہے ایک گھر کندر کی ضلع مراد آباد میں ساکن ہے (تفصیلی بحث کے لئے ملاحظہ ہو حصہ دوم وسوم)

تیسرا خاندان ملقب بہ نوگیں حضرت شاہ نصیرالدین چشتی قدس سرہ کی نسل سے ہے، جن کا سلسلہ نسب سیّد عمر اشرف بن امام زین العابدینؑ تک منتہی ہوتا ہے، امروہہ میں ان کی تعداد بہت مختصر ہے اور زیادہ تر محلہ نوگیں میں ساکن ہیں۔ شاہ صاحب کے عم محترم سیّد عزیز الدین کی نسل سے ایک بڑا خاندان موضع نوگانوہ میں ساکن ہے، ان ہی میں سیّد عبدالرؤف بن ڈاکٹر سیّد خادم علی بھی ہیں جو محلہ لوہت خانہ میں سکونت رکھتے ہیں۔

حضرات نخشبی ۴ کا خاندان بھی امروہہ میں قدیم اور معزز خاندان ہے، تاریخ اصغری نیز نخبۃ التواریخ میں جو اسی خاندان

---

۱ اس شاخ کا سلسلہ نسب مندرجہ تاریخ واسطیہ صحیح نہیں، تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو حصہ سوم۔ ۲ بیاض قلمی مولانا سید اعجاز حسن مرحوم۔ ۳ آئینہ عباسی مؤلفہ مولوی محب علی خاں عباسی

۴ نخشبی سے مراد ہے "نخشب کا رہنے والا"، ساتویں صدی ہجری کا مشہور شاعر شیخ ضیاء الدین نخشبی جس نے بدایوں میں اقامت اختیار کی تھی اپنے اصلی وطن کا ذکر کرتا ہے اور کہتا ہے ہر شہر سے دہر جائے متاع تحقیق خیزد ضیا ز نخشب و شکر زمصر وسعدی ز شیراز۔ نخشب کو عرب کے جغرافیہ نویس نسف بھی لکھتے ہیں۔ یہ مقام سندھ کے علاقہ میں بخارا و سمرقند کے مابین واقع ہے۔ موجودہ زمانہ میں اس مقام پر شہر "قرشی" بسا ہوا ہے۔ نخشب وہی مقام ہے جہاں دوسری صدی ہجری کا مشہور مدعی نبوت، مقنع پیدا ہوا۔ اس شخص کا اصلی نام عطا تھا، وہ کوتاہ قد و کریہ المنظر تھا۔ ابتداً ابو مسلم خراسانی، خاندان عباسیہ کے مشہور نقیب کے ساتھیوں میں سے تھا بعد میں، وہ مقنع کا پیغمبر بن گیا، اس کے متعلق مشہور ہے کہ ایک مصنوعی چاند "ماہ نخشب" ہر شب کو چاہ نخشب سے نکالتا تھا۔ اسی وجہ سے اہل فارس اس کو "سازندہ ماہ" کہتے تھے۔ اس کے ماننے والوں کی بڑی کثیر تعداد ہوگئی تھی جو "مقنعی" کہلاتے تھے۔ یہ لوگ چودہ سال تک خلیفہ عباسی کی فوج کے مقابل آتے رہے بالآخر میر المومنین مہدی باللہ عباسی نے دو ہزار سواروں کی جمعیت بھیج کر اس مدعی نبوت اور اس کے ساتھیوں کا قلع قمع کرا دیا۔ امروہہ کے خاندان نخشبی کے مورث بھی اسی مقام نخشب سے اپنے کو منسوب کرتے تھے اسلئے نخشبی کہلائے اور ان کی اقامت گاہ محلہ نخشبیاں سے موسوم ہوئی۔

کے ایک ذی استعداد عالم مولانا آل حسن نخشبی کی تالیف ہے، اس خاندان کا سلسلہ نسب حضرت خواجہ مودود چشتیؒ سے متصل کیا گیا ہے اور بعض کتب سیرۃ المشائخ میں حضرت خواجہ ممدوح کو امام علی نقیؑ کی نسل سے بتایا گیا ہے، تقریباً ڈھائی تین سو برس پیشتر اس خاندان کے بزرگ اپنے ناموں کے ساتھ سید یا مودودی کا لفظ نہیں لکھتے تھے نیز قدیم کاغذات میں اس خاندان کے بعض اشخاص اپنے ناموں کے ساتھ ''شیخ'' کا لفظ بھی لکھتے رہے ہیں غالباً اسی وجہ سے مؤلف تاریخ واسطیہ نے اس خاندان کا شمول سادات امروہہ میں نہیں کیا۔ (تفصیلی بحث کے لئے ملاحظہ ہو حصہ سوئم) اس خاندان میں بھی اب صرف چند گھر امروہہ میں ہیں۔ کچھ محلہ نخشبی میں باقی ایک دو محلے بچدرہ و بیگم سرائے میں ہیں۔

ان قدیم خاندانوں کے علاوہ یہاں حسینی سادات کے چند اور خاندان ہیں جن کے مورث عہد مغلیہ میں وقتاً فوقتاً بیرونجات سے امروہہ میں آکر متوطن ہوئے۔ ان میں بڑا اور معزز خاندان، خاندان دانشمندان ہے۔ اس خاندان کے جدّ القبیلہ مولانا سید اشرف دانشمند[1] عہد جہانگیری میں امروہہ آئے، سلسلۂ نسب سید موسیٰ مبرقع بن امام محمد تقی الجوادؑ تک پہنچتا ہے۔ سید موصوف کی اولاد ''رضوی'' کہلاتی ہے۔ اس خاندان کی زیادہ تر سکونت محلہ دانشمندان میں ہے۔

اسی طرح خاندان سادات بارہہ ملقب بہ جزدویہ، جو حضرت زید بن امام زین العابدینؑ کی اولاد میں ہیں، ابتداءً ان کی سکونت اس مقام پر تھی جو ان کے نام سے جزدویہ[2] مشہور ہوا۔ ان کی ایک شاخ کی سکونت عرصۂ دراز سے محلہ بچھرئیہ میں رہی، ان ہی میں نخشبی والے بھی ہیں۔ جن میں سے ایک خاندان اب محلہ نوگزین میں ساکن ہے۔ ان کے مورث مقام جزدوہ سے آئے اس لیے جزدویہ مشہور ہوئے۔[3] ان کے علاوہ خاندان سادات کاظمی ساکن محلہ کنکوئی اولادِ سید محمد اشرف ہے جن کا سلسلۂ نسب امام موسیٰ کاظمؑ سے متصل ہوتا ہے۔ نیز خاندان ہمدانی ساکن محلہ دانشمندان جو اپنے کو اولادِ سید علی ہمدانی بتاتے ہیں، نیز خاندان سادات سامانہ ساکن محلہ صابون گران کوئی والے سید تکلی والے سید وغیرہ وہ خاندان ہیں جن کا شمول علیٰ وجہ الشہرۃ امروہہ کے سادات فاطمی میں ہوتا رہا ہے، ان کے علاوہ بعض اور خاندان مثلاً دکھنی سید جن میں سید محمد الطاف وغیرہ ہیں نیز دلی والے سید[4] ساکنان محلہ دربارکلاں، نیز خاندان حفاظ ساکنان محلہ مولانا بھی اپنے کو فاطمی سید بیان کرتے ہیں لیکن ان کا شمار مندرجہ بالا گروہ سادات میں نہیں ہوتا۔

اوّل الذکر خاندانوں کی باہم قرابتیں اور رشتہ داریاں ہیں اور عرف عام میں ان کے مجموعہ پر ''سادات'' کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ خاندان نخشبی کا شمار البتہ تقریباً دو ڈھائی سو برس سے اسی گروہ سادات میں ہونے لگا ہے، اس سے پیشتر ان کا قبیلہ ایک جداگانہ قبیلہ تھا جو ''قبیلہ نخشبیاں'' سے معروف و مشہور تھا اور ان کی قرابتیں بھی دوسرے قریشی شرفا میں ہوتی تھیں۔

مندرجہ بالا خاندانوں کے علاوہ یہاں چند خاندان ایسے بھی ہیں جو باوجودیکہ مختلف زمانوں اور وقتوں سے اپنے کو سادات فاطمی کہتے ہیں لیکن عرصۂ دراز سے باستثناء چند نہایت قدیم قرابتوں کے جو ان موخر الذکر خاندانوں میں سے بعض کی مقدم الذکر فاطمی سادات سے ہوئیں اور جن کا علم بھی اب کسی کو نہیں لیکن جن کے ثبوت میں بعض قدیم دستاویزات خاکسار مؤلف کے پاس موجود ہیں، ان کے تمامتر تعلقات رشتہ داری و برادری یہاں کے ہاشمی غیر فاطمی اور قریشی خاندانوں سے ہوتے رہے اور اب تک ہوتے ہیں اور ان کا شمار

---

[1] ابتدائے عہد مغلیہ میں نیز اس سے پیشتر سے ان علماء و فضلاء کو جنہیں کوئی تبحر علمی حاصل ہو ''دانشمند'' سے ملقب کرتے تھے۔ ایسے ہی زمانہ حال کے ایم اے کی ڈگری کے مساوی سمجھئے۔ مولانا ئے موصوف کی اولاد اسی لقب کی بنا پر خاندان دانشمندان سے مشہور ہوئی اور ان کا محلہ بھی اسی سے موسوم ہوا۔

[2] یہ مقام سادات بارہہ کی بستیوں کا ہے [3] اس خاندان کے علاوہ سادات بارہہ میں سے چند اور اشخاص بعض محلوں میں ساکن ہیں تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو حصہ سوم۔

[4] محلہ شاہی چبوترہ میں کچھ اور لوگ بھی اپنے کو دلی والے سید کہتے ہیں، مشہور ہے کہ ان کے بزرگ خاندان کمبوہان کے ساتھ دلی سے امروہہ آئے تھے۔

امروہہ کے "طبقۂ شرفاء" میں کیا جاتا ہے۔ اس بنا پر اور بعض دوسری وجوہ سے جن کی تفصیل دوسرے موقعہ پر کی گئی ہے، ان خاندانوں کی سیادت و فاطمیت میں عام طور سے تردد اور مقدم الذکر فاطمی خاندانوں کی طرف سے اظہار انکار بھی کیا جاتا ہے۔ یہ تردد اور انکار کہاں تک صحیح اور تاریخی واقعات و حالات پر مبنی ہے۔ اس کے متعلق حصہ سویم ملاحظہ ہو۔

موخر الذکر خاندانوں میں سب سے بڑا خاندان حضرت پیر زادگان اول وقدوۃ العارفین حضرت شاہ ابن بدر چشتی قدس سرہ العزیز کا ہے۔ یہ حضرات اپنے کو فاطمی النسب کرمانی الاصل سید کہتے ہیں اور اپنا سلسلہ نسب حضرت امام علی الرضاؑ تک پہنچاتے ہیں۔

حضرت شاہ ابن اور آپ کی اکابر اولاد کے جو تذکرے، اور حالات مختلف کتب تاریخ اور مشائخ کے تذکروں میں ملتے ہیں ان میں ان حضرات کے ناموں کے ساتھ عموماً لفظ شیخ پایا جاتا ہے حتی کہ ابتداءً یہ تمام حضرات بھی تقریباً دو صدی تک اپنے ناموں کے ساتھ بالعموم لفظ شیخ کا اور بعد میں لفظ پیر کا بذات خود استعمال کرتے رہے۔ بعض فرامین منصب میں قوم "شیخ زادہ چشتی" بھی تحریر ہے لیکن بر خلاف اس کے ملا عبدالقادر بدایونی صاحب منتخب التواریخ نے حضرت شاہ ابن کے تذکرے میں "سید مشار الیہ" تحریر کیا ہے اور اس کتاب کے ایک قلمی نسخہ میں سید ابن بھی تحریر ہے نیز ایک قدیم پروانہ کی نقل میں اس خاندان کے ایک بزرگ کے نام کے ساتھ لفظ سید کا بھی اطلاق کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی امر واقعہ ہے کہ سلسلۂ طریقت و مشیخت چند صدیوں تک اس خاندان میں متوارث رہا اس بنا پر ناموں کے ساتھ محض لفظ شیخ کا استعمال اگر اس کے خلاف دوسرے شواہد موجود ہوں، منافی و قادح سیادت و فاطمیت نہیں ہو سکتا۔ بہر حال خاکسار مؤلف نے حصہ سویم میں اس کے متعلق تفصیلی بحث کی ہے کہ اس خاندان کا دعویٰ سیادت و فاطمیت کہاں تک صحیح اور تاریخی شواہد اور واقعات پر مبنی ہے۔ اور یہ خاندان نسباً کس شاخ سے تعلق رکھتا ہے۔

دوسرا قدیم خاندان حضرات دستار کلاں (بڑ پگہ) ساکنان محلہ مولانا و چاہ ملا امان کا ہے۔ یہ اپنا سلسلۂ نسب حضرت سید جلال اعظم گل سرخ بخاری تک پہنچاتے ہیں۔ ان کا دعویٰ سیادت بھی تقریباً نصف صدی یعنی نخبۃ التواریخ کی تصنیف و اشاعت کے زمانہ سے ہے۔ اس گروہ میں حقیقتاً دو جدا گانہ خاندان شامل ہیں جو نسباً مختلف ہیں یعنی ایک خاندان اولاد شیخ داؤد (بڑ پگہ) ان میں مولانا حکیم محمد حسن مرحوم کا خاندان ہے اور دوسرا ملا امان اللہ کی اولاد کا جس میں منشی ابراہیم علی مرحوم کا خاندان ہے۔ تفصیلی بحث کے لئے ملاحظہ ہو حصہ سویم۔

علوی

سابق میں یہاں سادات علوی اولاد حضرات امام محمد حنفیہ بن حضرت علی ابن ابیطالب میں حضرت شاہ عبدالمجید علوی کا ایک خاندان تھا لیکن اس خاندان کا کوئی فرد اب عرصہ دراز سے امروہہ میں موجود نہیں۔ حضرت شاہ بہاء الدینؒ کے خاندان والے البتہ اپنے کو علوی کہتے ہیں۔ صاحب آئینۂ عباسی لکھتے ہیں۔ [1]

> "ایک گروہ ملقب بہ "سنگڑہ علوی حنفی" کہتے ہیں۔ ان میں شاہ جی بہاوالدینؒ، خلیفہ صاحب علیؒ، خلیفہ روشن علیؒ وغیرہ ہیں۔"

صاحب نخبۃ التواریخ نے اور مولوی شاہ ضیاء الدینؒ ابن حضرت شاہ بہاء الدینؒ نے اس خاندان کو بھی حضرت شاہ عبدالمجید علویؒ کے

---

[1] آئینۂ عباسی

خاندان کی دوسری شاخ ظاہر کیا ہے لیکن دیرینہ کاغذات سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ علاوہ ازیں مولوی شاہ ضیاء الدین نے اپنی تالیف ''مرآۃ الانساب'' میں جو بڑے اہتمام کے ساتھ ۱۹۱۷ء میں شائع ہوئی تھی یوں تو دنیا بھر کے نسب ناموں کی تحقیق کی ہے لیکن خود اپنے خاندان کا جو نسب نامہ درج کیا ہے اس میں نہایت شدید غلطیاں کی ہیں مثلاً اپنا سلسلۂ نسب انہوں نے حضرت امام محمد حنیفہ کے صاحبزادہ امام ابو ہاشم عبداللہ سے متصل کیا ہے حالانکہ تمام قدیم کتب انساب میں ابو ہاشم کو غیر معقب بتایا گیا ہے، معروف ابن قتیبہ جیسی مستند اور قدیم ترین کتاب میں ان کے متعلق لکھا ہے کہ **لا عقب لهٗ** [1] یعنی ان کے کوئی عقب نہیں تھا، پھر اس سے زیادہ شدید غلطی یہ کی ہے کہ حضرت سالار مسعود غازیؒ کو ابو ہاشم عبداللہ کی اولاد میں ظاہر کر کے ان سے اپنے خاندان کا نسب جا ملایا ہے حالانکہ حضرت سالار مسعود غازیؒ کی شخصیت کوئی غیر معروف شخصیت نہیں۔ ہندوستان کے عوام بھی اس سے واقف ہیں کہ نو عمری میں انہوں نے شہادت پائی، اس وقت تک انہوں نے نکاح بھی نہیں کیا تھا، بعض مقامات پر تو وہ ''بالے میاں'' کے نام سے موسوم ہیں۔ مشہور ہے کہ حضرت غازیؒ کی شادی ہونے والی تھی کہ انہوں نے شہادت پائی اس لیے شادی کی یادگار کے طور پر بعض مقامات پر یہ رسم بھی ادا کی جاتی ہے۔ مجھے شاہ ضیاء الدین صاحب کی علویت سے انکار نہیں لیکن جو نسب نامہ انہوں نے اپنی کتاب میں درج کیا ہے وہ ہرگز صحیح نہیں۔

یہ خاندان، جیسا کہ صاحب آئینہ عباسی نے لکھا ہے، عرف عام میں ''سنگڑے'' مشہور ہے۔ صاحب تاریخ اصغری سنگڑے کی وجہ تسمیہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ۔ [2]

> ''مورث اعلیٰ ان کے شاہ خُداوند غازی مقام سنگڑ علاقہ پنجاب سے آکر یہاں سکونت پذیر ہوئے لہذا سنگڑے کہلائے۔''

لیکن یہ وجہ تسمیہ بھی کچھ قرین قیاس نہیں معلوم ہوتی۔ پنجاب میں کوئی مقام اس نام کا خاکسار مؤلف کو تحقیق نہیں ہوا۔ البتہ سنگرہ [3] ہندو راجپوتوں کی ایک شاخ کا نام ضرور ہے۔ ممکن ہے کہ کسی علوی بزرگ نے، جیسا کہ ایک روایت بھی مشہور ہے، سنگرہ قوم کے کسی بزرگ کو دین اسلام میں داخل کیا ہو اور بطور ولادہ ''سنگرہ علوی حنفی'' مشہور ہو گئے ہوں واللہ علم۔۔۔۔

جعفری:

حضرت جعفر طیار ابن ابی طالب کی اولاد میں یہاں کئی خاندان ہیں۔ پہلا اور مشہور و معروف خاندان حضرت شاہ محمدی فیاض قدس سرہ کا خاندان ہے۔ حضرت ممدوح کے صلب سے تو کوئی فرد امروہہ میں باقی نہیں البتہ ان کے برادرزادہ اور مرید و خلیفہ حضرت شاہ عضد الدینؒ کی نسل سے خاندان میاں موجؒ [4] ہے۔ ان میں یہاں اب صرف محبی شاہ علاء الدین جعفری کی ایک ذات ہے، خدا سلامت رکھے۔

---

[1] معارف ابن قتیبہ۔ [2] [تاریخ اصغری صفحہ ۱۸۲۔] [3] سنگرہ۔ یہ راجپوتوں کی مشہور قوم ہے اور قدیم زمانہ میں عرصہ دراز تک ان کا رواج رہا ہے۔ یہ لوگ اپنا مورث اعلیٰ سنگھی یا سرسنگی رشی کو بتاتے ہیں جس کی شادی قنوج کے راجہ کی بیٹی سے ہوئی تھی جس سے پدم رشی پیدا ہوا اس کا بیٹا پورب دیو تھا جس نے دکھن میں ایک زبردست سلطنت قائم کی تھی بیان کیا جاتا ہے کہ ۲۰ پشتوں تک سنگروں کی سلطنت دکھن میں رہی اس کے بعد یہ لوگ مقام وصار میں آئے یہاں بھی عرصہ دراز تک رہے۔ ان کے ایک مورث سنگرہ کی شادی قنوج کے راٹھور راجہ جے چند کی بیٹی راجکماری دیوکلات سے ہوئی۔ اسے جے چند کو سلطان شہاب الدین غوری نے ۱۱۹۳ء میں شکست دی۔ اس قوم کے لوگ صلاع اٹاوہ وغیرہ میں زیادہ تر پائے جاتے ہیں۔ ان میں کچھ لوگ مسلمان بھی ہو گئے۔ (میموائرس سر ہنری ییٹ) [4] صاحب تحفہ تواریخ نے محلہ قاضی زادگان میں اور دو سید مظہر علی و تیار علی و جناب علی کو شاہ موج کا ہم جدی لکھا ہے خاکسار مؤلف کو اس کی پوری تحقیق نہ ہو سکی دیرینہ کاغذات سے سوائے شاہ موج کے ایک شاخ کے اور کسی شاخ کا پتہ نہیں چلتا۔ ان حضرات میں مشی آل علی عرف پیرا کا خاندان سا کن محلہ زادگان کا ہے۔

دوسرا خاندان مولوی محمد حسین جعفری ساکن محلہ چاہ شور کا ہے، ان کی اولاد میں مولوی سید علی زینبی وغیرہ ہیں۔

تیسرا خاندان چودہری صاحبان ساکنان محلہ چاہ شور کا ہے، جو آخر عہد اکبری میں قصبہ سکیٹ سے آکر امروہہ میں آباد ہوئے اس لیے سکیٹی مشہور ہیں۔ اگر چہ اس خاندان کا کوئی قدیم شجرۂ نسب باوجود جستجو کے خاکسار مولف کو حاصل نہیں ہوا تاہم یہ اپنے کو جعفری کہتے ہیں صاحب تاریخ اصغری کہتے ہیں کہ:۔ ۱

"کچھ اشخاص جعفری بھی اسی محلہ (یعنی محلہ نخشی) کے ایک حصے میں سکونت پذیر ہیں جن کے مورث مقام سکیٹ سے آکر یہاں سکونت پذیر ہوئے لہذا ان کو شکیٹی کہتے ہیں۔ یہ لوگ خاندان شاہ موج کے ہم جدی ہیں۔ محمد اکبر اور جان محمد اور عبدالحی بن مبارک اور مبارک ولد عبدالقادر اس گروہ میں نامور شخص اور معزز عہدہ دار شاہی گذرے ہیں الخ۔"

صاحب نخبۃ التواریخ اس خاندان کا تفصیلی ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ۔ ۲

"سیادت جعفری زینبی این جماعت بدرجۂ شہرت معتبرہ است واز قدیم بزرگان ایشان معزز و ممتاز بودہ اند ۱"	اس گروہ کی سیادت جعفری زینبی شہرت معتبرہ کے درجہ پر ہے اور ان کے بزرگ قدیم سے معزز اور ممتاز رہی ہیں۔

ان میں منشی سبط علی آنریری مجسٹریٹ، چودہری غلام صادق، چودہری سعید حسن اور منشی انوار الحق وغیرہ کا خاندان ہے۔

عقیلی

ابتداءً ان کی سکونت محلہ مولانا میں تھی، سابق میں اس خاندان میں نامور طبیب ہوتے رہے، نبو شاہ جن کا مزار درگاہ شاہ اغرالدین میں ہے اسی خاندان سے تھے۔ کچھ عرصہ سے ان کے بزرگ محلہ شفاعت پوتہ میں ساکن ہو گئے اب صرف چند افراد اس خاندان میں ہیں۔ اس خاندان کی سیادت عقیلی علی وجہ الشہرت مسلّم ہے لیکن صاحب واسطیہ نے جو شجرۂ نسب صفحہ ۳۰۸ پر درج کیا ہے اس میں اس خاندان کا سلسلۂ نسب حضرت عقیل کے مشہور صاحبزادے حضرت مسلم سے ملایا ہے جو صحیح نہیں۔ حضرت مسلم غیر معقب ہیں۔ حضرت عقیل کا عقب صرف ان کے ایک صاحبزادے محمد سے باقی رہا (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو حصہ سوم) مشہور ہے کہ ابتداً امروہہ میں اس خاندان کے مورث آگرہ سے آئے جہاں ان کی سکونت محلہ نائی کی منڈی میں تھی۔

عباسی:

امروہہ میں صرف دو بھائیوں کی اولاد سے عباسیوں کے تقریباً پچاس گھر ہیں جو زیادہ تر محلہ مولانا سرائے کہنہ اور محلہ چہ میں ہیں۔ اس خاندان کے تاریخی حالات تاریخ اصغری وغیرہ میں تفصیل مذکور ہیں، بجائے اس کے کہ اپنے خاندان کے حالات میں خود اپنے

---

۱ [تاریخ اصغری صفحہ ۱۱۸۔] ۲ [نخبۃ التواریخ صفحہ ۶۷] ۳ [مراد آباد ڈسٹرکٹ گزیٹیر مطبوعہ ۱۹۱۱ء صفحہ ۱۰۹۔]

قلم سے لکھوں یہ زیادہ مناسب سمجھتا ہوں کہ کسی غیر شخص نے جو لکھا ہے اسے نقل کر دوں مسٹر ایچ۔ آر۔ نیول، آئی۔ سی۔ ایس مؤلف مراد آباد ڈسٹرکٹ گزیٹر، امروہہ کے خاندان عباسیہ کے متعلق لکھتے ہیں:- ۱

"۱۲۶۰ء (مطابق ۶۵۹ھ) میں (امیر المومنین) معتصم باللہ آخری خلیفہ عباسی جب مغلوں کے ہاتھ سے شہید ہو گئے تو اس خاندان کے صرف چند افراد باقی بچے، ان میں سے ایک فرد محمد احمد نامی بھاگ کر مصر گئے وہاں پہنچ کر انہوں نے پھر خلافت و سلطنت قائم کی۔ دوسرے شخص محمد یوسف براہ سمندر ملک سندھ میں آئے، یہاں (سلطان) غیاث الدین بلبن نے (امیر المومنین) ہارون الرشید اعظم کے پوتے کی حیثیت سے ان کا بہت کچھ اعزاز و اکرام کیا۔ ان کے فرزند ملک تاج الدین عباسی نے سلطان جلال الدین فیروز خلجی کے عہد حکومت میں بڑا مرتبہ حاصل کیا۔ ان کے بیٹے ملک معین الدین ہوئے جن کے فرزند مخدوم زادہ شرف الدین عباسی کو سلطان محمد بن تغلق نے عمدۃ الملک اور مخدوم زادہ ۲ کے خطابات سے سرفراز کیا۔ ان کے بیٹے شمس الدین ہوئے جو سلطان فیروز شاہ کے ارا کین میں سے تھے لیکن ۱۳۹۸ء میں تیمور کے حملہ کی وجہ سے جب دہلی کے بہت سے اعلیٰ خاندان وہاں سے منتشر ہو گئے تو یہ بھی مع اپنے صاحبزادوں کے امروہہ آئے اور یہاں سکونت اختیار کی۔ ان کے اخلاف میں متعدد اشخاص نامور اور مشہور علما و فضلا میں سے ہوئے مثلاً مولانا رکن الدین بہ زمانہ ہمایوں .... الخ"

مؤلف ڈسٹرکٹ گزیٹر نے اس بیان میں غلطی کی ہے کہ مخدوم زادہ شمس الدین عباسی بذات خود امروہہ میں سکونت پذیر ہوئے ۳۔ فتنہ تیمور کے بعد وہ مع دیگر عزا کے پنجاب چلے گئے جہاں اس خاندان کی ایک شاخ جو کہیاں ضلع گجرات میں اب تک آباد ہے۔

کچھ عرصہ پنجاب میں رہنے کے بعد ان کے فرزند مولانا رکن الدین عباسی مع اپنے خاندان کے امروہہ آئے۔ ان ہی کی نسل سے دو خاندان یہاں آباد ہیں۔ اس خاندان کے علاوہ محلہ مولانا کے کچھ اور لوگ بھی اپنے کو عباسی کہتے ہیں لیکن خاکسار مؤلف کو باوجود تجسس و تلاش ان کے قدیم کاغذات، جن سے ان کی نسبی حالات پر روشنی پڑتی، بہم نہیں پہنچے۔ صاحب آئینہ عباسی لکھتے ہیں۔ ۴

"ایک گروہ ملقب بہ چڑیا ۵ عباسی کہتے ہیں، عظمت علی وغیرہ ان میں ہیں قرابت سب سے ہے اور سب صاحب شریف ہیں۔"

---

۱ [مراد آباد ڈسٹرکٹ گزیٹر مطبوعہ ۱۹۱۱ء صفحہ ۱۰۹۔] ۲ [اس زمانہ میں ہر عباسی مخدوم زادہ کے لقب سے ملقب کرتے تھے۔ صاحب تاریخ فرشتہ لکھتا ہے "دراں عصر ہر کہ از خاندان خلفائے عباسی بود بہ مخدوم زادہ ملقب می گشت۔" صفحہ ۱۳۵] ۳ مخدوم زادہ شمس الدین عباسی کے پوتے کا نام بھی شمس الدین تھا اور عرف مولانا بابن وہ امروہہ میں سکونت پذیر تھے۔ غالباً صاحب ڈسٹرکٹ گزیٹر کو اسی مماثلت اسمی کی وجہ سے دھوکہ ہوا۔ ۴ [آئینہ عباسی صفحہ ۲۵] ۵ بعض حضرات لفظ چڑیا کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ ان کے مورث چڑیا کوٹ (ضلع اعظم گڑھ) سے جہاں عباسیوں کا ایک مشہور خاندان آباد ہے، امروہہ آئے اس لیے چڑیا کوٹی عباسی ہوئے کثرت استعمال سے چڑیا کوٹی کا صرف چڑیا باقی رہ گیا۔ واللہ اعلم۔ لیکن چڑیا کوٹ کے قدیم عباسیہ کے شجرہ میں اس شاخ کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

شیوخ قریشی

امروہہ کے قریشیوں میں صحیح النسب صدیقیوں اور فاروقیوں کے چند خاندان ہیں۔ بعض لوگ اپنے کو عثمانی بھی کہتے ہیں۔
عرب میں خاندان قریش کو جو مرتبہ اور فضیلت حاصل رہی ہے اس کا اجمالی تذکرہ کسی دوسری جگہ کیا گیا ہے، حضور سرور کائنات کا ارشاد ہے کہ۔

فضل الله قريشا سبع خصائل بانى منهم وان نبوة فيهم وان الحجابة فيهم والسقاية فيهم و نصرهم الله على النسل و عبد والله عشر سنين لا يعبده غير هم وا نزل فيهم سورة من القران بعد بذ كر فيها احداً عنير هم لا يلاف قريش۔

یعنی قریش کو تمام اقوام پر جو فضیلت حاصل ہوئی اس کی سات وجوہات ہیں۔ میں ان میں سے ہوں، نبوت ان میں ہے، بیت اللہ کی دربانی (تولیت) ان میں ہے، حجاج کی سقایہ ان میں ہے اصحاب فیل (حبشی) (جابر اور قوی قوم) پر خداوند عالم نے ان کی مدد کی، انہوں نے دس سال کامل خدا کی عبادت کی حالانکہ اور لوگ شرک میں مبتلا تھے، خدا نے ان کے متعلق ایک کامل سورت اُتاری جس میں سوائے ان کے اور کسی کا ذکر نہیں وہ سورۃ **"لایلف قریش"** ہے۔

صدیقی:

ان میں زیادہ قدیم خاندان ساکنان محلہ قریشی کا ہے، ان کے مورث قاضی نظام الدین صدیقی قبل تشریف آوری حضرت شاہ ولایتؒ امروہہ، کے عہدۂ قضا پر مامور تھے۔ قاضی نظام الدین سے چند خاندان متفرق ہوئے۔ ایک خاندان نگینہ میں ہے، دوسرا خاندان اودھ میں۔ سر مہاراجہ صاحب محمود آباد و تعلقداران بیتوہ موٗ کا خاندان اسی نسل سے ہے۔ تیسرا خاندان پنجاب میں ساکن ہے۔ چوتھا خاندان امروہہ میں ہے۔

صدیقیوں کا دوسرا قدیم خاندان شیخ معین الدین ناگوریؒ کا ہے جو بارہ پوتیوں کے نام سے موسوم ہے۔ اس میں اب صرف معدودے چند لوگ ہیں۔

ان قدیم خاندانوں کے علاوہ صدیقیوں کا ایک خاندان مناف پوتوں کا ہے، ان میں حاجی خورشید علی ساکن محلہ سرائے کہنہ کا خاندان ہے۔

دوسرا خاندان اولاد شیخ برہان الدین شہید ساکنان محلہ صدو کا ہے جو "مرزا" کے لقب سے مشہور ہیں۔ ان میں مرزا رفعت اللہ وغیرہ ہیں۔

تیسرا خاندان اولاد شیخ عبدالحکیم بن شیخ سعد اللہ کا ہے جو عرف عام میں "داڑھی رنگے" شیخوں کے لقب سے مشہور ہیں۔ ان میں شیخ رضا علی بن شیخ مشرف علی و شیخ نضل حق بن شیخ فیروز علی ابنائے شیخ فضل علی بن شیخ قطب الدین بن شیخ عطاء اللہ بن شیخ نور محمد بن شیخ بدر بن شیخ محمد شفیع بن شیخ عبدالحکیم بن شیخ سعد اللہ مذکور، ساکنان محلہ گھیر مناف، شیخ ایزد بخش بن شیخ حیدر بخش ساکنان محلہ شیخ چابن، منشی

قدرت اللہ ولد شیخ کفایت اللہ ساکنان محلہ پیرزادگان شیخ امجد شاہ ولد شیخ نادعلی وغیرہ ساکنان محلہ بزازرزاق وغیرہ کے خاندان ہیں۔
اس خاندان کے نسب وغیرہ کا تفصیلی ذکر صاحب "نخبۃ التواریخ" نے صفحہ ۹۱ پر کیا ہے۔ صاحب "آئینہ عباسی" لکھتے ہیں کہ:

"کچھ شیوخ محلہ ملا نہ میں ملقب بہ ڈبکوری شیخ صدیقی ہیں، رستم علی وغیرہ اور بعض ملقب بہ' داڑھی رنگے' یہ بھی صدیقی کہتے ہیں، خلیفہ محمد بخش وغیرہ (یعنی خاندان شیخ ایزد بخش وغیرہ ساکنان محلہ شیخ چاہن) ان میں ہیں اور محلہ گھیر مناف میں شیخ فیروز علی وغیرہ (یعنی مورث خاندان شیخ فضل حق و شیخ رضا علی ساکنان گھیر مناف) داڑھی رنگے ہیں"

اس خاندان کے بعض حضرات نے زمانہ حال میں شیخ عبدالحکیم بن شیخ سعداللہ اصلی مورث کے بجائے محض مماثلت اسمی کی بناپر سید عبدالحکیم نبیرۂ حضرت شاہ ولایت کو، جن کے کوئی اولاد نہ تھی، اپنا مورث قرار دینے کی کوشش شروع کی ہے۔ حالانکہ اس خاندان کے مورث حقیقتاً شیخ عبدالحکیم بن شیخ سعداللہ بالکل جدا شخص ہیں، جو ۱۰۳۳ھ میں کہیں باہر سے آکر امروہہ میں متوطن ہوئے اور اسی زمانہ میں اپنی سکونت کے لیے محلہ مولانا میں ایک مکان خریدا، ان کے ایک دختر مسماۃ سلیمہ خاتون اور سات فرزند ہوئے۔ شیخ فیض محمد، شیخ برہان، شیخ محمد، شیخ محمد عارف، شیخ عبدالرحمن، شیخ محمد یوسف اور شیخ محمد شفیع۔ ان ہی بھائیوں کی نسل سے حضرات شیوخ الملقب بہ "داڑھی رنگے" کا خاندان ہے یعنی شیخ محمد شفیع کی نسل سے خاندان شیخ فضل حق و شیخ رضا علی ساکنان محلہ گھیر مناف، شیخ محمد یوسف کی نسل سے خاندان خلیفہ خدا بخش وغیرہ ساکنان محلہ شیخ چاہن، جن میں اب شیخ ایزد بخش بن شیخ حیدر بخش وغیرہ ہیں۔ اور دوسرے بھائیوں کی اولاد سے دوسرے اشخاص ساکنان محلہ بازار رزاق وکنکوئی وغیرہ۔ اس خاندان میں بھی ادعائے سیادت صرف بعض اشخاص یعنی منشی قدرت اللہ ساکن محلہ پیرزادگان ومنشی شہید علی وغیرہ ساکنان محلہ گھیر مناف کی جانب سے عجیب طریقہ پر شروع ہوا ہے، اس خاندان کے دوسرے لوگ شیخ ایزد بخش وغیرہ ساکنان محلہ شیخ چاہن، ان کے اس ادعاء سے متفق نہیں۔ سیادت کے ادعاء میں مختلف اوقات میں دو شجرے مرتب ہوکر شائع ہو چکے ہیں۔ پہلے شجرہ میں تو اس شاخ کے نام بھی شامل کیے گئے تھے جو محلہ شیخ چاہن میں ساکن ہے لیکن جب یہ لوگ کسی طرح بھی اس امر میں ان کے ہم آہنگ نہ ہوئے اور مدعیان سیادت کا مضحکہ اڑانے لگے تو جو شجرہ حال میں شائع ہوا ہے اس میں سے مخالفین ادعائے سیادت کے نام خارج کردیئے گئے اور یہ شجرہ صرف ان ہی اشخاص کے ناموں تک محدود کرلیا گیا جو اپنے ناموں کے ساتھ "سید نقوی" لکھنے کے زیادہ آرزومند ہیں۔

خاکسار مؤلف کے پاس اس خاندان کے جو دیرینہ مستند کاغذات ہیں ان سے اس دعوے کی قطعی طور پر تکذیب ہوتی ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو حصہ سوم۔

ان خاندانوں کے علاوہ خاندان منشی عبدالرب شکیب ولد منشی شبیر علی ساکن محلہ شیش محل وشیخ محمد صادق ساکن محلہ چاہ ملا امان جو ڈبکوری مشہور ہیں، نیز خاندان مولوی برہان الدین وشیخ بدرالدین ساکنان محلہ چاہ شور، نیز خاندان شیخ عبدالرحمن وشیخ عبدالکریم ابنائے شیخ احمد علی بن شیخ مہر علی بن شیخ مبارک علی صدیقی ساکنان محلہ کنکوئی، نیز خاندان حکیم حکمت اللہ خان محلہ چلہ وخاندان حکیم کرامت

علی (محلہ بنو آل) نسباً صدیقی مشہور ہیں۔ ان کے علاوہ خاندان شیوخ (المشہور بہ صدہ والے) اور شہر کے بعض اور خاندان بھی اپنے کو صدیقی کہتے ہیں۔ واللہ اعلم بحقیقت حال۔ خاندان شیخ فضل حق عطار (چاہ ملا امان) بھی صدیقی مشہور ہے۔

فاروقی:

ان میں سب سے قدیم، معزز اور صحیح النسب خاندان اولاد حضرت بابا فرید الدین گنج شکر قدس سرہٗ ساکن محلہ شیخ زادگان (جھنڈا شہید) کا ہے۔ ان میں سے بعض لوگ محلہ مولانا میں ساکن ہیں اور ایک گھر محلہ چلہ میں بھی ہے۔ ان میں مولوی فرید احمد منشی محمد حسنین وغیرہ ساکنان محلہ جھنڈا شہید و بابو شوکت حسین وغیرہ ساکنان محلہ مولانا کا خاندان ہے۔

ان کے علاوہ ایک خاندان ملقب بہ ''وکیلان'' ہے، یہ لوگ بھی اپنے کو فاروقی کہتے ہیں۔

عثمانی:

محلہ قاضی زادگان میں خلیفہ مہدی علی کا خاندان اور کچھ لوگ محلہ کنکوئی و کوٹ دکائی گھڑی میں نیز صوفی عبدالرزاق ساکن محلہ مسجد رہ اپنے کو عثمانی کہتے ہیں۔

شیوخ انصاری

امروہہ میں صحیح النسب انصاریوں کا ایک خاندان اولاد مولوی مظہر علی و حافظ نذر اللہ ساکنان محلہ مولانا کا ہے۔ ان میں شیخ عبداللہ انصاری بھی تھے جنہوں نے مذہب شیعہ اختیار کر لیا تھا، شیش محل ان ہی کی یادگار ہے۔ یہ لوگ نسباً انصار کے قبیلۂ بنی تمیم سے ہیں۔ ان کے علاوہ خاندان حکیم انعام اللہ ساکن محلہ قریشی و شیخ فدا علی و شیخ سلطان احمد وغیرہ ساکنان محلہ تر پولیہ بھی اپنے کو انصاری کہتے ہیں۔

عجمی النسل:

ان میں مغل، پٹھان اور قزلباشوں کے خاندان ہیں۔

مغل:

خاندان مرزا مقصود علی و مرزا ضیاء الدین ساکنان محلہ چاہ غوری اور محلہ دربار کلاں و محلہ توپخانہ میں چند لوگ مغل مشہور ہیں۔

پٹھان:

امروہہ میں ایسے بہت سے خاندان ہیں جو اپنے ناموں کے ساتھ ''خان'' کا لفظ استعمال کرتے ہیں، لیکن نسباً نہ وہ افغان ہیں اور نہ مغل۔ ان میں سے بعض سادات اور خاندان کمبوہ و کلال کے اشخاص ہیں جن کے بزرگوں کو عہد شاہی میں ''خان'' کا خطاب ملا تھا۔ ان کی اولاد اب تک اس خاندانی خصوصیت کے اظہار کی غرض سے ''خان'' کا لفظ اپنے ناموں کے ساتھ استعمال کرتی ہے۔ ان کے علاوہ

بعض وہ خاندان جو ہندوؤں کی شریف قوام یعنی راجپوت، تگے اور گوجروں سے کسی زمانہ میں مسلمان ہوئے وہ بالعموم "خان" کا لفظ اپنے ناموں کے ساتھ استعمال کرتے ہیں۔ اصلی پٹھانوں وافغانوں کے یہاں معدودے چند خاندان ہیں مثلاً خاندان ابوخاں ساکن محلہ چاہ ملا امان وبعض خاندان ساکنان محلہ نیازیان وکنکوئی وغیرہ۔

یوں تو امروہہ کے تمام عربی وعجمی النسل مسلمانوں یعنی سادات وشیوخ میں، جن کے بزرگوں کو ہندوستان یا امروہہ آئے پانچ پانچ چھ چھ صدیاں ہوگئیں، ذہنی واخلاقی تنزل کی وہ نوبت پہنچی ہے، سیرتیں ایسی بدل گئی ہیں اور صورتیں ایسی تبدیل ہوگئیں کہ

گر سلف دیکھیں ہمارے زندہ ہوکر اب ہمیں ۔۔۔ آئے نسبت اور قرابت سے ہماری ان کو عار

اسی سے جسمانی انحطاط کا بھی قیاس ہوسکتا ہے اسلاف کے وہ "بر ودوش" اب کہاں۔

وہ بر ودوش اور وہ سینے پہلوانی کیا ہوئے ۔۔۔ وہ قدبالا وچہرے ارغوانی کیا ہوئے

لیکن افغانوں اور پٹھانوں کے اکثر خاندانوں کو ہندوستان آئے اتنی زیادہ مدت نہیں ہوئی کہ ان کی قومیت کا اظہار ان کی جسمانی حالت اور چہروں سے نہ ہوسکے۔ امروہہ میں معدودے چند خاندان ایسے نکلیں گے جن کے بیشتر افراد میں پٹھانوں کی شباہت آتی ہو حالانکہ شاہجہاں پور، رامپور بلکہ اسی ضلع کے مقام حسن پور وغیرہ میں جو پٹھان خاندان آباد ہیں، باوجود موجودہ دور تنزل وانحطاط کے شجرہائے نسب کے اوراق سے کہیں زیادہ ان کے چہرے اور ان کی جسمانی ساخت ان کی افغانیت کا بیّن ثبوت ہیں۔

قزلباش:

امروہہ میں قزلباشوں کا صرف ایک ہی خاندان ہے جو تقریباً چالیس سال سے یہاں متوطن ہے یعنی خاندان آغا نوازش علی خان وآغا صادق حسین خان وغیرہ۔ یہ حضرات حسینی نسباً سید ہیں۔ قزلباش نسباً ترک ہیں، امیر تیمور صاحب قران نے فتح روم کے وقت ترکوں کے بعض قبائل کو، جو قوم اُسارا کے نام سے موسوم تھے گرفتار کیا تھا، جنہیں وہ اپنے ساتھ ایران لایا۔ حضرت شیخ صفی الدین اسحٰق اردبیلی قدس سرہ کے نبیرہ خواجہ علی کی سفارش پر یہ لوگ آزاد ہوکر ایران ہی میں متوطن ہوگئے اور خاندان شیخ قدس سرہٗ کے ساتھ جو نسباً سید تھے، اس قوم کو نہایت درجہ عقیدت وارادت تھی، بالآخر اسی قبیلہ کی امداد سے شیخ قدس سرہ کے اخلاف میں سلطان اسمٰعیل صفوی نے ایران کی سلطنت حاصل کی اور ترکوں کے ان قبائل کو قزلباش کا خطاب دیا

> "ازیشاں قبائل اتراک چہدہ کلاہ سرخ بہ آنہا عطا کردیمہ راملقّب بہ قزلباش ساخت ۔ قزلباش درترکی (سرخ) بمعنی سرآمدہ۔ اصل قزلباش ہم ترکی است۔ واز ہمیں سبب است کہ ترکاں درتوران گویند کہ قزلباش ہم بچہ ماست۔"[1]

ابتداً یہ لوگ سنی المذہب تھے۔ جب سلطان اسمٰعیل صفوی نے مذہب اثناعشریہ اختیار کیا اور ایران میں اس کو رائج کیا تو یہ لوگ بھی شیعہ ہوگئے۔

---

[1] غیاث اللغات۔

اوّل سلاطینِ صفویہ او (اعنی سلطان اسمٰعیل) بودہ است و مذہب اثنا عشری
در ایران ازوقت اوجا بجارواج ورونق پذیر است۔ [1]

ہندی الاصل:

ان میں دوگروہ ہیں ایک شرفاء کا اور دوسرا پیشہ وروں کا۔ شرفاء میں شیوخ کمبوہ وکلال کے علاوہ امروہہ کے وہ بہت سے خاندان ہیں جو مختلف زمانوں سے اپنے کو صدیقی اور پٹھان کہنے لگے ہیں۔

شرفائے کمبوہ:

ان حضرات میں چند مشہور و معروف اور ذی عزت وذی وجاہت خاندان شامل ہیں۔ یعنی خاندان حکیم امجد علی خان، اور حکیم راحت علی خان ساکنان محلہ صدو، خاندان نواب وقار الملک مرحوم، مولوی تسلیم احمد، حکیم فیاض رسول، مولوی صبغتہ اللہ وغیرہ ساکنان محلہ شاہی چبوترہ کا۔ ان ہی سے منشی سبط علی وغیرہ محلہ چاہ شور میں ساکن ہیں۔ مولوی احسان الحسن خویش نواب وقار الملک اپنے کو حضرت شیخ غوث محمد گوالیاری کی نسل سے بتاتے ہیں جو نسباً فاطمی سید تھے۔ واللہ اعلم۔

شرفائے کلال:

ان میں بھی چند گروہ ہیں۔ ایک خاندان درویش علی خان منصبدار پنج ہزاری عہد فرخ سیری کا جس میں شیخ صدیق علی خاں و مولوی احمد حسین خان وغیرہ ہیں، دوسرا شیخ محمد ہادی وغیرہ کا، تیسرا شیخ کریم بخش وغیرہ کا۔ ان میں گلویہ والوں کا جو خاندان مشہور ہے وہ اپنے کو شیخ صدیقی کہتے ہیں۔ ان میں منشی عبدالقیوم عطار اور منشی محمد اختر وغیرہ ہیں۔

خاکسار مؤلف نے سادات وشرفائے امروہہ کے خاندانوں اور ان کے ارباب کمال کے حالات حصہ دوئم میں تفصیل کے ساتھ لکھے ہیں اور مختلف خاندانوں کے انساب پر حصہ سوم میں بحث کی ہے۔ ذیل میں امروہہ کی پیشہ ور اقوام کے مختصر حالات درج کئے جاتے ہیں اور بعض اقوام کے نسب پر تاریخی پہلو سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

مسلمان پیشہ وراقوام

مسلم پیشہ ور اقوام کے نسبی حالات لکھتے وقت اس مسئلہ کی محض تاریخی حیثیت خاکسار مؤلف کے پیش نظر ہے اس سے کسی اسلامی برادری کی تنقیص وتحقیر یا کسی طبقہ کا تعزز وتفاخر ہرگز مقصود نہیں، اسلامی نقطۂ خیال سے بموجب ارشاد باری تعالیٰ انما المومنون اخوۃ (یعنی سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں) تمام مسلمان خواہ نسلاً عربی ہوں یا عجمی چینی ہوں یا بربری، ہندی ہوں یا سندھی ایک ہی رابطۂ اتحاد واخوۃ میں مربوط ہیں، مدار فضیلت بموجب نص قرآن **إن اکرمکم عند اللہ اتقکم** (ترجمہ تم میں زیادہ معزز خدا کے

---

[1] [عمدۃ السعادت صفحہ ۱۸]

نزدیک وہ ہی ہے جو زیادہ متقی و پرہیزگار ہے)علم وتقویٰ اور حسن اخلاق پر ہے نہ کہ عربیت وعجمیت، قرشیت وہاشمیت پر، اس لیے ہندی نژاد جولاہہ یا قسائی اگر زیور علم وفضل، صلاح وتقویٰ سے آراستہ ہو تو اسے ایک ہاشمی الاصل، عریق النسب سیدزادہ پر جو ان اوصاف سے متصف نہ ہو، قطع نظر امتیاز نسبی، بہ اعتبار حکم مذہبی درجۂ امتیاز و مرتبہ فضیلت حاصل ہے، لہٰذا اس تاریخی بحث کو شرافت ورذالت کا معیار نہ سمجھا جائے۔ اسلامی مساوات کا عطر اقبال نے ان اشعار میں کھینچ کر رکھ دیا ہے۔

تو اے کودک منش خود را ادب کن — مسلماں زادۂ ترک نسب کن
برنگ احمر و خون ورگ و پوست — اگر ناز د عرب ترک عرب کن

پیشہ ور اقوام کا نسبی تعلق:

ہندوستان میں آرین قوم کے فاتحانہ داخلہ کے بعد ہندوستان کے باشندے منوجی مہاراج کی تقسیم کے مطابق چار طبقوں میں منقسم ہو گئے، جو گروہ علم وفضل اور مذہبیات کا حامل بنا وہ سب سے افضل قرار پایا اور برہمن کا لقب ملا۔ دوسرا جو تلوار کا دھنی اور تاج وتخت کا مالک ہوا زراعت وفلاحت کو جس نے اپنا پیشہ بنایا وہ شتری یا چھتری کہلایا، تیسرا جس نے تجارت، اقتصادیات اور داد وستد کا پیشہ اختیار کیا وہ ویش کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ تینوں گروہ اپنے آپ کو آرین کہتے ہیں۔ چوتھا گروہ، اور نہایت کثیر گروہ، جو ہندوستان کا حقیقی اور اصلی باشندہ تھا، ان میں سے وہ لوگ جو آرین فاتحین کے اقدام سے پہلے اپنے ملک کے مالک تھے، تاب مقاومت نہ لا سکے، کچھ تو حملہ آوروں کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو دیکھ کر وسط ہند، راجپوتانہ وغیرہ کے پہاڑی علاقوں میں روپوش ہو گئے۔ جہاں آج تک اس نسل کے لوگ اپنی اسی غیر متمدن حالت میں پائے جاتے ہیں۔ ان کا بڑا حصہ آج بھیل وگونڈ کے نام سے مشہور ہے لیکن ان کی کثیر تعداد فاتح قوم کی مطیع ومنقاد ہو کر خدمت گزار بن گئی۔ انہیں شودر کا لقب ملا۔ یہ بدقسمت طبقہ آج تک ہندوستانی قومیت کے لحاظ سے پست ترین خیال کیا جاتا ہے، اور آج ''پست اقوام (Depressed Classes)'' اور ''اچھوت ذات'' (Untouchables) کے ناموں سے موسوم ہے۔ مسلم پیشہ ور اقوام کے کثیر حصہ کا حقیقی اور نسبی تعلق بھی اسی ہندی قوم سے ہے اور ان کا وجود بھی زیادہ تر ملک کے ان ہی حصوں میں پایا جاتا ہے جہاں مسلمانوں کے سیاسی اور حاکمانہ اقتدار کے ساتھ ساتھ ان کا قومی ومعاشرتی اثر بھی غالب رہا جہاں بیرون ہند سے آئے ہوئے مسلمان شرفاء کے خاندان زیادہ آباد ہوئے، ان کی نسلیں پھیلیں اور جہاں اسلامی مبلغین نے اسلامی مساوات کا جانفزا مژدہ ان اقوام کو سنایا جو ''اونچ ذات'' کے ہندوؤں کی چیرہ دستی کا شکار ہو رہی تھیں اور تبدیلی مذہب جن کی دنیاوی نجات کا موجب تھا۔ لیکن جس حصہ پر مسلمانوں کا صرف سیاسی اقتدار رہا اور جہاں تبلیغ اسلام کا کام وسیع پیمانہ پر شروع نہیں ہوا وہاں اب تک پیشہ ور اقوام کا غالب حصہ بدستور ہندو چلا جاتا ہے۔

ہندوستان کے جن حصوں میں مختلف پیشہ ور فرقوں سے جو لوگ اسلامی حکومت کے اثر ونفوذ، اسلامی تعلیمات، اسلامی مبلغین کی کوششوں، مسلمانوں کے معاشرتی اقتدار، کاروباری تعلق اور خدمت گزاری کے اثرات سے حلقہ بگوش اسلام ہوئے وہ ''پیشہ ور مسلم اقوام'' کہلائے۔ ان میں ہر گروہ کی بہ لحاظ ان کے قدیمی پیشہ کے ایک جداگانہ اسلامی برادری بن گئی، جن میں سے اکثر کے وہ ہی پہلے

ہندی نام بدستور باقی رہے، جیسے نائی، لوہار، بڑھئی یا کہائی، جھمیرہ، پنجرہ، بھانڈ، بھاٹ، ڈوم وغیرہ اور بعض پیشوں کے عربی و فارسی نام پڑ گئے جیسے، قصاب (عربی) مطرب یعنی گویا (عربی) سقہ (عربی) میراثی (عربی کا بگڑا ہوا) خیاط (فارسی) جولاہہ (فارسی)۔

امروہہ کی مسلم پیشہ ور اقوام:

مسلم پیشہ ور اقوام کا وجود صرف ان ہی قصبات، دیہات اور شہروں میں پایا جاتا ہے جہاں اسلامی آبادی زیادہ ہے یا جن مقامات کا ماحول اسلامی اثرات سے زیادہ متاثر ہوا، چنانچہ لکھنؤ آگرہ شاہ جہاں پور وغیرہ میں مسلمان دھوبی اور بھنگی بھی پائے جاتے ہیں۔ غرض کہ دیگر اسلامی قصبات کی طرح امروہہ میں بھی مسلمان پیشہ ور اقوام کی کثیر تعداد آباد ہے، جو حکومت برطانیہ سے پہلے براہ راست یہاں کے سادات و شرفا کی رعایا سمجھی جاتی تھی۔ ان میں زیادہ تعداد نور بافوں یعنی جولاہوں کی، اس کے بعد قصابوں یعنی قسائیوں کی، پھر ڈھے، بڑھئی، لوہار، راج، جھمیرے، تیلی، منہار، سقوں وغیرہ کی ہے۔ جوں جوں شہر میں سادات و شرفا کی آبادی بڑھتی گئی شہر کے مختلف اقطاع میں انہوں نے اپنے سکونتی مکانات، بازار، سرائیں وغیرہ بنائیں اور ہر خاندان نے اپنے گردو پیش کی اراضیات میں اہل حرفہ کے خام مکانات بنائے اور بطور اہل حرفہ و خدمت گزار ان لوگوں کو آباد کیا۔ چنانچہ آج بھی جس طرح شرفاء و سادات کے مختلف خاندان مختلف محلوں میں آباد ہیں ان لوگوں کی آبادی بھی ان کے ساتھ ساتھ پھیلی ہوئی ہے۔

امروہہ کی مسلم پیشہ ور اقوام میں مختلف انساب کے لوگ شامل ہیں، زیادہ حصہ ان قوموں سے متعلق ہے جنہیں ہندوؤں نے شودر کہہ کر پکارا، بعض غیر ہندی ہیں مثلاً دلال۔ اور درزی وغیرہ۔

اسلامی برادری کی حیثیت سے مسلم پیشہ ور اقوام جسد اسلامی میں بمنزلہ ریڑھ کی ہڈی کے ہیں۔ ان کی ترقی مسلمانان امروہہ کی ترقی اور ان کا تنزل مسلمانوں کا قومی تنزل ہے۔ نہایت افسوس ہے کہ بعض اشخاص جو ان میں بااثر ہیں بجائے اس کے کہ ان اقوام کی ذہنی و تعلیمی، اقتصادی و معاشرتی پستی کے دور کرنے کی کوئی نتیجہ خیز تدبیر کریں شرافت و رذالت کے لایعنی سوالات پیدا کرنے اور مسلمانوں کے اعلیٰ طبقات کے خلاف منافرت کے جذبات مشتعل کر کے ذاتی وجاہت حاصل کرنے کی دھن میں مصروف ہیں۔ کاش ان لوگوں کے زہریلے اثر سے محفوظ رہ کر اصلاح قوم کی کوئی نتیجہ خیز تدبیر اختیار کی جائے۔

ذیل میں حروف تہجی کے اعتبار سے مختلف پیشہ وروں کی برادریوں کے مختصر حالات درج کئے جاتے ہیں۔

باورچی:

عرصۂ دراز سے امروہہ میں باورچیوں کا ایک خاندان آباد ہے جو نسلاً بعد نسلٍ باورچی کا پیشہ کرتے تھے یہ لوگ اپنے کو مغل کہتے ہیں، اب اور کام کرنے لگے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ان کے مورث مرزا قاسم بعہد محمد شاہ پادشاہ، دہلی سے امروہہ آگئے تھے[1] ان کی سکونت محلہ بجاپوتہ میں ہے۔

بڑھئی و لوہار:

ان کی زیادہ آبادی محلہ مولانہ، حقانی، بساون گنج، بیگم سرائے کلاں، اور بنواٹ میں ہے۔ یہاں کے بڑھئی اور لوہار نہایت دستکار

---

[1] تاریخ اصغری

اور صناع ہیں۔ بچّے کا پلنگ ان کی خاص صنعت ہے۔ رتھ اور بہلی نہایت عمدہ بناتے ہیں۔ ہر قسم کا عمدہ رتی کام بے نظیر کرتے ہیں۔ مستری حفیظ اللہ ساکن محلہ مواذنا مشہور استاد تھا۔ اس کے لڑکے بھی اچھے کاریگر ہیں اور باہر کارخانوں میں ملازم ہیں۔ لاہور، اجمیر، دہلی اور لکھنؤ وغیرہ میں یہیں کے لوہار اور بڑھئی کام کرتے ہیں۔ عہد اسلامی میں یہاں کے لوہار اسلحہ وغیرہ بھی اچھے بناتے تھے۔

بھاٹ:

ان کی تعداد اب بہت مختصر ہے، زیادہ تر محلہ گھیر کنبہ اور مراد آبادی دروازہ میں رہتے ہیں۔ یہ لوگ اصلاً ہندو بھاٹوں کی نسل سے ہیں جن کی بڑی تعداد اس نواح میں وار انگر میں آباد ہے۔ سر ہنری ایلیٹ لکھتے ہیں

"بہت سے بھاٹوں نے مذہب اسلام اختیار کر لیا۔ بعض کے متعلق کہا جاتا ہے کہ "(سلطان) شہاب الدین غوری کے زمانہ میں مسلمان ہوئے اور اس وقت سے ان کا قومی لقب 'رائے' پڑ گیا۔" لے

امروہہ کے بھاٹ بھی اسی "رائے" کے لقب سے اپنے کو ملقب کرتے ہیں۔ ہندوؤں کے عہد میں چھتریوں میں سورج بنسی اور چندر بنسی خاندانوں کے نسب نامے محفوظ رکھنا اور تقریبات میں ان کے بزرگوں کے کارناموں کو فی البدیہہ اشعار میں موزوں کر کے سنانا ان کا پیشہ تھا مسلمان بھاٹوں کا بھی یہی پیشہ ہے۔ ابتداءً مسلمان امراء و رؤساء کے نقیب تھے اور مدحیہ کبت پڑھتے تھے۔ اب نہ رؤساء رہے اور نہ ریاست اس لئے یہ بیچارے بھی مفلوک الحال ہیں مگر ابھی تک قدیم پیشہ کو نہیں چھوڑا۔ بعض ان میں سے مہذب، شستہ زبان اور علم مجلسی سے واقف ہیں۔

بھانڈ و نقال.

ان کی تعداد بھی امروہہ میں اب مختصر سی ہے نسباً ان کا تعلق بھی ہندوستان کے اصلی باشندوں یعنی شودر اقوام سے ہے۔ زیادہ تر محلہ احمد نگر میں رہتے ہیں اور قدیم سے اپنے پیشہ میں نامی اور مشہور ہیں۔ کچھ عرصہ پیشتر تک یہ لوگ دور دور بلائے جاتے اور صد ہا روپیہ اور دوشالے انعام پاتے تھے۔ ان میں ہمت بھانڈ نے بڑا نام پیدا کیا تھا۔ اس کا بیٹا سیف اللہ بھی مشہور نقال تھا۔

بُزقصاب:

ان کی زیادہ تر آبادی محلہ بیگم سرائے خورد میں ہے، یہ لوگ محض اپنا پیشہ کرتے ہیں۔ ان کی تعداد بھی کم ہے۔

چھیپر و یا چھیپی:

ان کی زیادہ آبادی محلہ بٹوال، بازار بٹوال اور محلہ نیاریہ میں ہے۔ یہ لوگ عموماً کپڑا چھاپتے ہیں، یہاں جاجم وغیرہ اچھی چھپتی اور باہر دساور میں جاتی ہے۔ ان ہی میں بعض لوگ دوسری تجارتیں بھی کرتے ہیں۔ ملا چھیپی کی پسر ہٹہ کی دوکان بڑی اور قدیم دوکان ہے۔ کچھ لوگ پہاڑی مقامات پر ڈبل روٹی اور مٹھائی وغیرہ بنانے کا بھی کام کرتے ہیں۔ ان میں بعض لوگ اپنے کو "مغل" بھی کہتے ہیں۔

لے [میموائرس سر ہنری ایلیٹ صفحہ ۱ حصہ اول]

حجام یا نائی:

ان میں دو گروہ ہیں۔ ایک گروہ محلہ قریشی، کائی گیری، چوک، کٹرہ بختاور سنگھ میں رہتا ہے۔ یہ لوگ ''خالصہ والے'' مشہور ہیں۔ دوسرا بڑا گروہ زیادہ تر محلہ چاہ غوری، بنگلہ، چاہ ملا امان اور بتوال میں آباد ہے۔ امروہہ کے حجام اپنے پیشہ میں نہایت ہوشیار ہیں، اکثر لوگ دہلی اور بمبئی وغیرہ مقامات پر اپنا کام کرتے اور خوب کماتے ہیں۔ چاہ ملا امان کے حجاموں میں عبداللہ حجام پرانی وضع کا سلیقہ مند اور خدمتی شخص ہے۔ اس کا لڑکا حمید اللہ بمبئی میں کام کرتا ہے اور اپنے کام میں ہوشیار ہے۔ ان ہی میں رفیع اللہ خاندانی اور مشہور جراح ہیں ان کا بھائی رفعت اللہ، نزنس پاس صوبہ متوسط کے اسکول میں ٹیچر ہے اس کا چھوٹا بھائی وصی اللہ بھی انگریزی تعلیم یافتہ ہے۔ نجف علی جراح اور عبدالحق جراح اپنے کام میں مہارت رکھتے ہیں۔ بنگلوں میں غلام قادر وغیرہ اور حاجی کریم بخش کے لڑکے مختلف تجارتیں کرتے ہیں۔

حلوائی:

ان کی زیادہ آبادی محلہ شاہی چبوترہ، نوبتخانہ اور محلہ تختی میں ہے۔ زیادہ تر اپنا پیشہ کرتے ہیں۔ شاہی چبوترہ کے حلوائیوں میں قدیم سے کھنڈ سار کا کاروبار ہوتا ہے، پہلے اس کام میں بعض لوگوں نے اچھی کامیابی حاصل کی تھی، اس سے جائیداد زمینداری بھی پیدا کی تھی اب کچھ عرصہ سے یہ کام بہت کم ہوگیا ہے۔

ٹھرے:

ان کی مختصر تعداد صرف محلہ کنکوئی پر آباد ہے، ان کی برادری کے لوگ کچھ سہنسپور، حسن پور اور سرسہ خمارو وغیرہ میں رہتے ہیں، بعض لوگ ان کو ''خماروں'' کے فرقہ میں شمار کرتے ہیں۔ زیادہ تر کاشتکار پیشہ ہیں، چٹائی وغیرہ بھی بنتے ہیں۔

درزی:

ان کی زیادہ آبادی محلہ چاہ غوری، بازار رزاق، کٹکوئی اور محلہ حکم سرائے، کالا کنواں نیا ریہ میں ہے۔ نسبتاً مختلف نسلوں کے ہیں، بعض اپنے کو مرزا کہتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے پیشہ میں ہوشیار اور بہت اچھے کاریگر ہیں، ہر قسم کا کپڑا اچھا سیتے ہیں، زیادہ تر لاہور، شملہ، دہلی، لکھنؤ، نینی تال وغیرہ مقامات پر بڑی بڑی کمپنیوں میں ملازم ہیں۔ ان میں سے بعض کی اپنی ذاتی دوکانیں بھی ہیں، بازار رزاق میں کفایت بیگ وغیرہ ہوشیار کاریگر ہیں۔ ان میں بعض لوگ رینکن کمپنی میں ملازم ہیں۔ عبدالغفور ٹیلر ماسٹر بھی اچھا کاریگر اور کٹر (Cutter) ہے، کشمیری دروازہ دہلی میں اچھے پیمانے پر اس کی دکانیں ہیں کالے کنوئیں پر حبیب اللہ خیاط اور اس کے لڑکے اچھے کاریگر ہیں۔ حاجی عبداللطیف ان میں نمودار ہیں۔

دلاّل:

یہ لوگ زیادہ تر محلہ مولانا کے اس حصہ میں ساکن ہیں جو محلہ سٹی سے متصل ہے۔ نسباً غیر ہندی یا عجمی ہیں اپنے کو مرزا کہتے ہیں۔ کاغذات دیرینہ میں ان کو ''ترکمان'' بھی لکھا ہے۔ سابق میں کپڑے کا کاروبار ان سے متعلق تھا اور ہر قسم کے کپڑے کی ''دلالی'' ان کا پیشہ تھا، اسی لیے یہ لوگ 'دلاّل' مشہور ہوگئے۔ جس مقام پر ان کی اب بھی سکونت ہے قدیم زمانہ میں اس سے متصل سوت اور پارچہ فروشی کا ''ہاٹ'' یعنی بازار لگتا تھا اس لیے یہ ''سوت ہٹی'' کہلاتا تھا جو بہ مرور ایام مخفف ہو کر ''سٹی'' مشہور ہوگیا۔

اسلامی سلطنت نے پارچہ فروشی کے متعلق ان کو بعض خاص حقوق دے رکھے تھے۔ ہر قسم کے ٹیکس اور محصول سے مستثنیٰ تھے جس کی تصدیق عہد شاہجہانی کے حسب ذیل پروانہ سے ہوتی ہے

متصدیان مہمات و معاملات حال و استقبال پرگنہ امروہہ سرکار سنبھل مضاف صوبہ دارالخلافہ شاہجہان آباد اعلام آنکہ چون حسین و حسن و ابراہیم ترکمان سکنہ پرگنہ مسطور بہ حضور درگاہ ۔ آمدہ استغاثہ شدند کہ ازقدیم الایام واز آباء و اجداد درامروہہ کسب دلالی پارچہ کورہ[1] ۰۰ ابریشمی قیام می نمایندودایم حکام سابق ازکل تکالیف معاف ومسلم داشتہ اند ہرگونہ بدستور قدیم از جمیع ابواب معاف داشتہ بہ وجوہ من الوجوہ مزاحمت بہ ایشان نرسانند کہ درکار کسب پیشۂ خود بفراغ خاطر قیام داشتہ باشنددریں باب تاکید بلیغ شنا سند ۔ تحریر فی التاریخ ۱۷/ماہ الٰہی ۱۰۴۱ھ۔

بعض لوگ اب بھی پارچہ فروشی کا کاروبار کرتے ہیں۔ مانچسٹر (Manchester) کی تجارت نے جب ہندوستان کی پارچہ بافی کی صنعت کو تباہ کردیا تو دلالوں کے پیشہ پر بھی خاص اثر پڑا۔ افلاس اور فقدان تعلیم نے اس شریف قوم کو بھی ادنیٰ قسم کے پیشے اختیار کرنے پر مجبور کردیا۔ کچھ لوگ انڈے مرغی بیچتے ہیں، کچھ خانگی ملازمت کرتے ہیں۔

راج یا معمار:

یہ لوگ زیادہ تر بیگم سرائے کلاں، کٹرہ غلام علی، چوک، بزار رزاق، راجوں کے کوئیں نیز محلہ مجاپوتہ و متصل قسائی خانہ آباد ہیں۔ یہاں کے راج اپنے فن میں نہایت ہوشیار اور چابک دست ہیں، ان کی بنائی ہوئی عمدہ عمدہ عمارتیں شہر میں موجود ہیں۔ خلیفہ روشن اور مستری حیات بخش دو مشہور معمار گذرے ہیں۔ مسجد جامع امروہہ (محلہ مولانا) کی اگلی گہہ اور عالی شان دروازہ مستری حیات بخش کی کاریگری کا نمونہ ہیں۔ ان کی اولاد میں مستری محمد اعظم بھی ہوشیار معمار گذرا ہے۔ کٹرہ غلام علی میں حاجی برکت اللہ مشہور معمار اور مستری ہے۔ یہ لوگ بکثرت بڑے بڑے شہروں میں کام کے لیے جاتے ہیں۔ خاندانی معماروں کے علاوہ اب کچھ دوسرے پیشہ کے لوگ خاص کر بعض جولاہے بھی معماری کا کام کرنے لگے ہیں۔

سقّے:

ان کی آبادی محلہ چاہ ملا امان، کالی پگڑی، متصل محلہ بگلہ، بارہ پوتیاں، حقانی، نیز زین وغیرہ میں ہے۔ یہ لوگ صرف اپنا پیشہ کرتے، بر بر کے بان بٹتے ہیں۔ پرانے زمانہ میں جب شعر شاعری کا چرچا امروہہ میں زیادہ تھا سوسائٹی کا اثر دیکھئے کالی پگڑی کے سقوں میں ایک سقہ جو محض جاہل اور ناخواندہ تھا لیکن طبیعت موزوں پائی تھی شعر موزوں کر لیتا تھا۔ وہ شاعری نہ سہی تک بندی سہی مگر دیکھئے صنعت ایہام کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔

کہتیاں کستی ہیں اور دور چلے جاتے ہیں　　　　اپنے بلوں کے لیے بال بنالاتے ہیں

---

[1] بوجہ کہنگی چند الفاظ پڑھے نہیں گئے۔

قصاب یا قسائی:

ان کے متعدد گروہ مختلف محلوں میں آباد ہیں، بڑی تعداد محلہ بگلہ وشفاعت پوتہ کے اس حصہ میں آباد ہے "جو قسائی خانہ" [1] کے نام سے موسوم ہے ان میں دو بھائی سلیم اللہ اور رحمت اللہ اپنی برادری میں ممتاز ہیں، ان کے پاس کچھ زمینداری بھی اپنی خرید کردہ ہے، مسکین، متواضع اور شریف طبیعت ہیں۔ بھٹہ وغیرہ کی تجارت کرتے ہیں۔ قسائیوں کی بقیہ آبادی سرائے مچھرٹہ، راجو سرائے، بازار جٹ، محلہ نوگزہ، سرائے تخشیوں، لکڑہ، سرائے کہنہ اور محلہ دانشمندان میں ہے۔ چند گھر محلہ بچدرہ میں بھی ہیں۔ ان میں منشی ظفر احمد، مرد معقول، حاجی حرمین اپنی برادری میں ممتاز ہیں آبائی کاروبار کے بجائے اینٹوں کی تجارت کرتے ہیں، ان کا اپنا بھٹہ بھی ہے۔ ان کا لڑکا منشی منظور احمد انگریزی تعلیم یافتہ، ٹھیکیداری کرتا ہے۔ لیکن سوائے دو چار اشخاص کے ان میں تعلیم کا رواج نہیں۔ منشی ظفر احمد کی کوششوں سے اب ایک انجمن اور خورد سال بچوں کی تعلیم کے لیے مکتب بھی قائم ہوا ہے۔ خدا کرے اسی کی بدولت اس قوم میں تعلیم کی روشنی پھیلے اور اپنی پست حالت سے نکل کر مسلمان سوسائٹی کا اچھا عنصر بنیں۔

امروہہ کے قسائیوں کا بیشتر حصہ گوشت کی، کچھ لوگ مویشی کی، بعض کھال اور ہڈی کی تجارت کرتے ہیں۔ کچھ عرصہ پیشتر تک جو لوگ گوشت فروشی نہیں کرتے تھے ان کا زیادہ حصہ سادات وشرفا کے یہاں خانگی ملازمت کرتا تھا اور اب تک کرتا ہے، اسی بناء پر عوام میں ان کے دو گروہ مشہور ہیں (۱) کٹھو۔ یعنی گوشت فروشی کرنے والے ان کو "اوجھی" بھی کہتے ہیں اور (۲) چکریہ یعنی مواضعات میں پھیری سے گوشت فروخت کرنے والے بیرونجات سے مویشی لانے اور خانگی ملازمت کرنے والے۔ بعض لوگ ان میں مزدور پیشہ بھی ہیں۔ باغات وغیرہ کے پشتے چڑھانے خندق کھودنے میں خاص مہارت ہے۔ ان کی عورتیں قدیم سے سادات وشرفا میں عموماً ماما گری کرتی اور سادات میں خصوصاً دودھ پلاتی رہی دایہ گری ان کا مخصوص پیشہ ہے تقریبات کے موقع پر سادات وشرفا میں اور خدمتیوں کی طرح دایہ کا حق بھی نکلتا ہے۔ پردہ کا رواج شل اور پیشہ وروں کے اس قوم میں کچھ عرصہ پیشتر تک مطلق نہ تھا۔ اب "اصلاح قوم" کی تحریک سے شروع ہوتا جاتا ہے۔ اور بعض معیوب رسموں کی اصلاح کا خیال بھی پیدا ہوا ہے۔ خدا کرے یہ خیال عمل کی صورت اختیار کرے۔

مجاور:

یہ لوگ زیادہ تر محلہ نوگزہ میں ساکن ہیں، مجاوری ان کا آبائی پیشہ ہے ان میں کئی خاندان ہیں، زیادہ تر درگاہ حضرت شاہ ولایتؒ کی مجاوری کرتے ہیں، بعض لوگ درگاہ حضرت شاہ گھاسیؒ اور دوسری درگاہوں کے مجاور بھی ہیں۔ ان میں چند اشخاص حضرت شاہ ولایتؒ کے خادم شیخ نظامؒ کی اولاد میں ہیں، کچھ لوگ قاضی الہدیہؒ کے غلام شیخ کندنؒ کی نسل سے ہیں اور بعض دیگر اشخاص کی۔ حضرت شاہ ولایتؒ کی درگاہ کی خدمت اور جاروب کشی قدیم سے آپ کے خادم شیخ نظامؒ کی اولاد کا حق ہے جیسا کہ حسب ذیل تحریر سے ثابت ہے

" ما یان کہ جمیع سادات امروہہ از فرزندان قدوۃ العارفین وسیلۃ السالکین
حضرت سید شرف الدین شاہ ولایت قدس اللہ روحہ ایم.
چوں شیخ جیونؒ وشیخ داؤد وغیرہ خدمت روزہ حضرت ظاہر نمود کہ محمد
شریف بخدمت خدامت اظہار می نماید کہ از اولاد کندن غلام قاضی الہدیہ ایم از
انجاکہ خدمت جاروب کشی و خدامت درگاہ از قدیم ورثہ شیخ نظامؒ خادم از

---

[1] قسائی کو عرف میں نے لکھا صحیح نہیں یہ لفظ قسی سے مشتق ہے جسکے معنی بے دردی کے ہیں۔ (ملاحظہ ہو صفحہ نمبر ۱۵۸)

حضور آنحضرت مقرّر است وتیز برمایاں ہمیں معلوم است که جمع خدما از فرزندان شیخ نظامؔ مذکور اند چنانچه شیخ جیونؔ وغیره بروزنه شیخ نظامؔ بدستور قابض ومتصرف اند لهذا نوشته می ویبم کے که اولاد کندنؔ که غلام قاضیؔ الهدیه باشد اور ابخدمت جاروب کشی درگاه چه علاقه وجه رسد که در مقدمه خادمان درگاه دخل نماید ـ تحریرفی التاریخ بازدہم شهر شعبانؔ المعظم ۲۴ جلوس والا مطابق ۱۱۵۱ھ۔

حضرت شاہ ولایتؒ کے چار خلفائے باکمال تھے۔ ایک آپ کے پوتے سید محمد ابدال دودھ دھاری، دوسرے قاضی عبداطیف، تیسرے شیخ معین الدین ناگوری اور چوتھے شیخ نظام الدین عباسی۔ اوّل الذکر تین خلفاء امروہہ میں رہے اور ان تیں حضرات کی قبور بھی یہیں ہیں۔ ان میں سید محمد ابدال دودھ دھاری اور شیخ معین الدین کے مزارات کا دوسرے موقع پر تذکرہ ہو چکا ہے۔ قاضی عبدالطیف کا مزار محلہ نوگزہ میں چنگی کی چوکی کے سامنے سڑک سے جانب جنوب متصل پشتہ باغچہ شکستہ حالت میں ایک چبوترہ پر واقع ہے۔ چوتھے خلیفہ شیخ نظام الدین عباسیؒ بعد اکتساب کمالات اپنے وطن ملتان کو تشریف لے گئے جہاں سلسلہ بیعت بھی جاری کیا۔ آپ کے برادرزادہ مولانا فضل اللہ بن ضیاء الدین عباسی بھی صاحب کمال ہوئے۔ صاحب مقاصد العارفین لکھتے ہیں

چهارم خلیفه شیخ نظام الدین بود ـ نسب و حضرت عباس رضی الله عنه می پیوندد واوبجانب ملتان سکونت اختیار کرده گویند که آنجا سلسله جاری نوده ......

چوتھے خلیفہ شیخ نظام الدین تھے جن کا نسب حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے متصل ہوتا ہے انہوں نے ملتان کی طرف سکونت اختیار کی تھی بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے سلسلہ بیعت بھی جاری کیا تھا۔

مولانا آل حسن بخشی مؤلف منتخب التواریخ نے عدم مبالاۃ کی بنا پر حضرت شاہ ولایتؒ کے خادم شیخ نظام اور آپ کے خلیفہ شیخ نظام الدین عباسیؒ دو جداگانہ ہستیوں کو ایک سمجھ کر خادمان درگاہ شاہ ولایتؒ اولاد شیخ نظام خادم کو آپ کے مرید وخلیفۂ باکمال شیخ نظام الدین عباسی کی نسل میں لکھ مارا جس کی بنا پر مجاوروں میں سے بھی بعض اشخاص اپنے کو ان کی اولاد میں سمجھنے لگے۔ مولوی صاحب ممدوح اگر ذرا عقل وسمجھ سے کام لیتے اور یہ سوچتے کہ جو شخص اتنے دور دراز فاصلہ پر چلا جائے جیسے امروہہ سے شہر ملتان ہے وہاں جا کر سکونت بھی اختیار کرلے اور پھر سلسلۂ بیعت بھی جاری کرے تو اس کی اولاد مجاوری کا پیشہ کرنے کے لیے امروہہ کیوں آجاتی۔ اور پھر وہ شخص جو ان اوصاف کا ہو جیسا کہ خود مولوی صاحب ممدوح نے تحریر فرمایا ہے کہ

ولے از اجلّه خلفائے حضرت مخدومؔ سیّد شرف الدین صاحب ولایت بود وکمالات باہره وتصرّفات ظاہره داشت ـ

وہ حضرت مخدوم سید شرف الدین صاحب ولایت کے اجلّہ خلفاء میں سے تھے۔ کمالات باہرہ وتصرفات ظاہرہ رکھتے تھے۔

ایسے کامل شخص کی اولاد اپنے آبائی سجادۂ پدری پر متمکن ہوتی یا درگاہ شاہ ولایتؒ کی نذر و نیاز کے چند پیسے اور ریوڑیوں کے چند

دانے لینے کے لئے امروہہ آجاتی اور بالخصوص اس نسب کے لوگ جن پر زکوٰۃ وصدقہ لینا بھی مذہباً حرام کیا گیا ہے اور جن کی اس زمانہ یعنی عہد تغلقیہ میں ہندوستان کے بادشاہ جو قدر و منزلت کرتے تھے ان کے تفصیلی تذکرے تمام کتب تاریخ میں مندرج ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مماثلت اسمی کی بنا پر صاحب نخبہ نے دھوکہ کھایا اور ''در بجانب ملتان سکونت اختیار کردہ'' کو نظر انداز کر کے شیخ نظام الدین خادم کو آپ کے خلیفہ باکمال شیخ نظام الدین عباسی'' سمجھ لیا۔ نخبہ کی اشاعت کے بعد سے شیخ نظام خادم کی اولاد میں بھی یہ خیال پیدا ہوا حالانکہ شیخ نظام خادم حضرت شاہ ولایت اور آپ کے خلیفہ شیخ نظام الدین عباسی بالکل جدا شخص ہیں۔ شیخ نظام خادم کی قبر دروازۂ درگاہ کے متصل ہے۔ پیر جی عبدالرشید۔ ساکن محلہ نوگزہ اپنے کو شیخ نظام خادم کی اولاد بتاتے ہیں۔

مردھے:

مردھہ حقیقتاً میردہ کا بگڑا ہوا ہے۔ [1] میردہ اس سائیس کو کہتے تھے جو دس سائسوں کا افسر ہوتا تھا۔ امروہہ میں مردھوں کی آبادی زیادہ تر محلہ کٹکوئی میں ہے۔ یہ لوگ زیادہ تر خانگی ملازمت کرتے ہیں اور کچھ کاشتکاری بھی کرتے ہیں۔

میراثی: [2]

لوگ زیادہ تر محلہ چاہ غوری و متصل قسائی خانہ اور محلہ خالصہ (کٹرہ بختاور سنگھ) میں رہتے ہیں۔ ان کا نسبی تعلق قدیم ہندو بھاٹوں سے ہے۔ ہندو بھاٹوں کے متعلق روایت ہے کہ برہمن مرد اور شودر عورت کی نسل سے ہیں۔ ان کے تین اقسام ہیں (۱) برھم بھاٹ (۲) جاگا بھاٹ اور (۳) چارن۔ اول الذکر کا پیشہ مدحیہ قصائد پڑھنا، ثانی الذکر کا ہندوؤں کی مختلف ذاتوں کے نسب نامے محفوظ رکھنا اور ثالث الذکر کا راجپوتوں کا نقیب ہونا۔ [3] ان میں جو لوگ مسلمان ہوئے وہ بجائے ہندوؤں کے مسلمان شرفا کی نسابی کا پیشہ کرنے لگے یہ خدمت چونکہ بطور میراث ان کو ملتی رہی اور تقریبات میں حقوق بھی مقرر ہوئے نیز سادات و شرفا کی وراثت کے حالات محفوظ رکھتے تھے اس لیے میراثی کہلائے۔

میراثی کا عربی لفظ موروثی کے معنی میں ڈوم، کنجر، گویوں (مطرب) اور طوائفوں کے سازندوں کے لیے مخصوص ہو گیا۔ [4]

ان لوگوں میں حسین بخش میراثی اور اس کے دونوں بھائی غلام حسین اور غلام حسن فن موسیقی میں مشہور تھے خادم حسین ولد غلام حسین اپنے پیشہ میں بڑا ماہر اور باکمال تھا۔ ابتداً مہاراجہ بڑودہ کے یہاں ملازم رہا پھر ریاست حیدرآباد دکن میں عرصہ تک ملازمت کی۔ سید جواد حسین شمیم نے حسب ذیل چوبولے میں اسی مشہور گویے کی نسبت اشارہ کیا ہے

آج وہ ہی تاریخ ہے دن سے ہو سامان ،، آئیں زہرہ [5] مشتری ، ننھی منی جان
آجائے خادم میراثی نقال [6] چواچندن آئیں ،، سارنگی طبلے طنبورے ، مردنگ وہ بین ملا لائیں
ہاں ٹھپہ ترانا ٹھمری دھپرت ہولی اور سہرے گائیں ،، نقارچی نوبت کھڑکائیں شہنائی پھوکیں شہنائیں

---

[1] ...یں کبری [2] میراثی، دراصل ایک لفظ ''میرث'' عربی ہے۔ ہندیاں بطور خود لفظ ہندی ساختہ (فرہنگ آصفیہ) [3] ہیموائرس ہرجری بیت
[4] ڈسٹرکٹ گزیٹر بجنور مطبوعہ ۱۸۹۳ء صفحہ ۸۵۔ [5] طوائفوں کے نام ہیں جو گرتے دل، ننھی میر قدوی جو امروہہ میں شادیوں کی ایک تقریب پر گانے آئی تھیں
[6] کاشی پور کے مشہور نقال

میراثیوں کے پیشہ کی رونق بھی امروہہ والوں کی ریاست کے ٹھاٹھ تک تھی۔ اب نہ وہ سر ہے اور نہ ریاست اس لیے یہ لوگ بھی مفلوک الحال ہو گئے۔ غلام حسن کا ایک بیٹا غلام سرور حیدر آباد میں اور دوسرا بیٹا غلام سادات عرف بڈا میراثی پرانے وقت کا خدمتی ہے۔

موچی:

مسلمان موچیوں کی تعداد امروہہ میں بہت مختصر ہے چند گھر محلہ چنگی و نیاریان وغیرہ میں ہیں۔ یہ لوگ زیادہ تر ہندوستانی جوتے وغیرہ بناتے ہیں۔ انگریزی جوتوں کے بنانے کا کام اب بعض سیدوں نے بھی کرنا شروع کر دیا ہے۔ اور مختصر پیمانہ پر شو فیکٹریاں قائم کی ہیں۔ بعض کاریگران میں ہوشیار ہیں اور اچھا کام کرتے ہیں۔ بیکاری سے بہر حال کوئی شغل بہتر ہے۔

شو میکری[1] شروع جو کی اک عزیز نے	جو سلسلہ ملاتے تھے بہرام گور سے
پوچھا کہ بھائی تم تو تھے تلوار کے دھنی	مورث تمہارے آئے تھے غزنین و غور سے
کہنے لگے اس میں بھی ہے اک بات نوک کی	روٹی ہم اب کماتے ہیں جوتی کے زور سے

نداف یعنی دُھنے:

ان کی آبادی محلہ بنواں اور محلہ قریشی میں زیادہ ہے، کچھ لوگ دوسرے محلوں میں بھی آباد ہیں، بعض اپنا پیشہ کرتے ہیں اور کچھ دوسری تجارتیں بھی کرنے لگے ہیں۔ جولاہے اور دھنے حقیقت میں ایک ہی قوم کے دو مختلف الحرفہ فرقے ہیں، دھنوں کی ہندو قوم کو وسط ہند میں ''پینجارہ'' کہتے ہیں اہل فارس نے اس پیشہ کے لوگوں کو نداف کہہ کر پکارا۔

نورباف یعنی جولاہے:

زیادہ تر محلہ قل، بساون گنج، قلعہ، کٹی وحقانی و بچدرہ میں آباد ہیں۔ کچھ گھر ان کے محلہ پنبازی، قریشی اور چوک میں بھی ہیں۔
ایسٹ انڈیا کمپنی کے تجارتی اثرات سے پہلے تک پارچہ بافی ان کا عام پیشہ تھا، یوروپین مصنوعات نے جہاں ہندوستان کی دیگر مصنوعات کو برباد کر دیا پارچہ بافی، جو ہندوستان کی قدیم ترین صنعت تھی، تقریباً ختم ہو گئی اس پیشہ کے لوگ بھی حصول معاش کے لئے اپنے پیشہ کے سوائے اور اور کام کرنے پر مجبور ہوئے۔ کچھ لوگ البتہ گزی گاڑھا وغیرہ بھی بنتے رہے لیکن زیادہ تر مزدوری پیشہ ہو گئے، ان کے اکثر مرد اور عورتیں سادات و شرفا میں خانگی خدمت پر مامور رہے اور کچھ اب بھی ہیں لیکن اب چند سال سے جب سے مہاتما گاندھی کی تحریک سودیشی کپڑے کے رواج کے متعلق شروع ہوئی ان کی بڑی تعداد پھر اپنے موروثی پیشہ کی جانب متوجہ ہوئی۔ یہاں زیادہ تر موٹا کپڑا، سوسی اور گاڑھا بنا جاتا ہے۔ بعض لوگ پلنگ کی چادریں، دوتہیاں اور چوتہیاں بھی بنتے ہیں۔ کچھ لوگ باہر مقامات پر ٹھیکہ داری دوکانداری اور دوسرے کاروبار بھی کرتے ہیں۔ مولا بخش ساکن محلہ قل کا ٹھیکہ داری کا کام دہلی میں جاری ہے۔
یہ قوم محنتی اور جفاکش قوم ہے، مذہبی جوش بھی ان کے اندر موجود ہے، افسوس ان کی پست حالت سے نکالنے کی کوئی نتیجہ خیز کوشش نہیں ہوتی۔ ان میں بعض حافظ قرآن اور پابند مذہب ہیں، تعلیم کا رواج خال خال ہے، چند لوگ البتہ نوشت وخواند سے واقف ہیں،

---

[1] یعنی جوتے بنانا۔

بساون گنج میں منشی عبدالصمد اور منشی عبدالسمیع تاجر کتب علمی ذوق رکھتے ہیں۔

ان میں بعض اشخاص جو عرب نژادگی کے خبط میں مبتلا ہیں ''جولاہہ'' کے لفظ کو بربنائے عدم واقفیت و بے علمی ہندی لفظ سمجھ کر اس کے استعمال کو پسند نہیں کرتے۔ اس کے بجائے ''نوربافِ'' ''سفید باف'' ''مومن'' وغیرہ الفاظ استعمال کرنا زیادہ پسند کرتے ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ ''جولاہ'' یا ''جولاہہ'' ہندی لفظ نہیں بلکہ فارسی ہے اور یہ معنی ''بافندہ پارچہ'' یعنی کپڑا بننے والا مستعمل ہے جو، یہ کا لفظ مسلمانوں کے ساتھ عجم سے ہندوستان آیا۔ اس پیشہ کے جو لوگ مسلمان ہوئے وہ ''جولاہہ'' کہلانے لگے اور جو بدستور ہندو رہے وہ اپنے قدیم نام ''کوری'' ''تانتی'' وغیرہ سے موسوم رہے۔

نساجی:

یعنی جامہ بانی ایک اعلیٰ قسم کی دستکاری ہے۔ ایران وغیرہ کے مسلمانوں کے بعض نامور اشخاص اس پیشہ سے منسوب ہیں۔ ملک فارس کا مشہور شاعر خاقانی جو عمر خیام جیسے مشہور فلسفی شاعر اور حکیم کا بھتیجا تھا، اپنے خاندانی پیشہ کا اسی لفظ ''جولاہہ'' کے ذریعہ کس فخر سے ذکر کرتا ہے۔ [1]

جولاہہ نژادم از سوئے جد	در صنعت من کمال ابجد
شاگرد ازل بہ کلبۂ من	ماشورہ کن است ریسماں تن

مندرجہ بالا اقوام کے علاوہ مسلمان تیلی، رنگریز، کمہار، کنجڑے، منہیار بھی شہر کے مختلف مقامات پر آباد ہیں اور زیادہ تر اپنا موروثی پیشہ کرتے ہیں۔ اہل حرفہ کے علاوہ امروہہ میں پیشہ ور گداگروں کے بھی دو گروہ ہیں ان کی اخلاقی حالت اور ذہنیت اس درجہ پست ہے کہ باوجود صحیح الاعضاء، ہٹے کٹے جوان و تنومند ہونے کے ان کے بہت سے افراد گداگری کرتے نہیں شرماتے۔

ہندی مسلمان اور عرب نژادگی

اسلامی تعلیمات نے نسب کے فخر اور غرور کو جس طرح مٹایا تھا اس کی نظیر کسی دوسرے مذہب میں ملنا دشوار ہے۔ زمانہ جاہلیت میں یہی نسبی تعلّیاں اور فخاریاں عرب کے ہر قبیلہ کا شعار ہو گئی تھیں جس میں آج امروہہ کیا ہندوستان کے مسلمان مبتلا نظر آتے ہیں لیکن آفتاب اسلام نے طلوع ہوتے ہی ایسے تمام ظلمات کے پردوں کو جن سے ایک قوم کو دوسری قوم پر محض بربنائے اوصاف عالی نسبی ترجیح بلا مرجح حاصل ہوا کرتی تھی، چاک کر دیا اور قوم مسلم کا یہ شعار قرار دیا کہ

احسابکم اخلاقکم وانسابکم اعمالکم	تمہارے حسب تمہارے اخلاق ہیں اور تمہارے نسب تمہارے اعمال

ہندوستان کے مسلمانوں کو آج اسلامی تعلیمات سے جس قدر بُعد ہو گیا ہے اور ہوتا جاتا ہے اس کا ایک تاریک پہلو بھی نسب کا فخر و غرور اور نسل کا امتیاز و افتراق بھی ہے۔ ہندوؤں کی سوسائٹی کے اثرات سے ہندوستان کے مسلمانوں میں بھی چار ذاتیں شیخ، سید،

[1] مثنوی تحفۃ العارفین مصنفہ خاقانی۔ اس کا باپ علی بن عثمان نجاری کا پیشہ کرتا تھا اور ماں عیسائی تھی جامہ باف یعنی جولاہا تھا۔

مغل، پٹھان بن گئی ہیں اور اب یہ مرض ایسا متعدی ہو گیا ہے کہ ہندوستان کے جس مسلمان کو دیکھو عرب و عجم سے سلسلۂ نسب ملانے کی دھن میں مصروف نظر آتا ہے اس سلسلہ میں ہندی مسلم کے نسبی معاملات کو تاریخ کی روشنی میں دیکھنا شاید نا مناسب نہ ہوگا۔

ہندی مُسلم

تاریخ سے ثابت ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کا جزو اعظم ان اقوام پر مشتمل ہے جن کے بزرگ پہلے ہندو تھے، مختلف وقتوں اور زمانوں میں مسلمان ہوئے۔ مسٹر (بعد میں سر) ٹی ڈبلیو آرنلڈ، سابق پروفیسر علی گڑھ کالج، اپنی معرکتہ الآرا تصنیف ''پریچنگ آف اسلام'' میں لکھتے ہیں..........

''ہندوستان کے مسلمانوں کو دو طرح پر تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ایک قسم کے مسلمان تو وہ ہیں جو غیر ملکوں ہی سے مسلمان آئے اور اس ملک میں آباد ہوئے۔ دوسری قسم کے مسلمان وہ ہیں جو ہندوستان کے قدیم مذہبوں میں سے کسی مذہب کو پہلے مانتے تھے لیکن مختلف وقتوں اور زمانوں میں تعلیم و تلقین کے ذریعے سے ان کو مسلمان کر لیا گیا

ہندوستان کے مسلمانوں میں نصف سے زیادہ ایسے لوگ ہیں جو اپنے نام کے ساتھ شیخ، بیگ یا خان کا لفظ بلکہ بعض صورتوں میں سید کا لقب اختیار کرتے ہیں لیکن ان لوگوں کا زیادہ حصہ وہ ہے جنھوں نے بذات خود مذہب اسلام قبول کیا یا جو ہندوستان کے نومسلموں کی نسل سے ہیں اور انھوں نے بعد میں ان عالی منزلت اشخاص کا قومی لقب اختیار کر لیا جن کے ہاتھ پر انھوں نے یا ان کے بزرگوں نے دین اسلام قبول کیا تھا۔'' [1]

ہندوستان کے نومسلموں میں، جنہیں اب ''نومسلم'' کہنا صحیح نہیں کیونکہ صدیوں سے یہ لوگ نسلاً بعد نسلٍ مسلمان چلے آتے ہیں ہر قوم و نسل کے لوگ شامل ہیں۔ ہندوؤں کے علی طبقہ اور ''اونچ ذات'' قوموں میں سے برہمن، راجپوت، جاٹ، گجے، بڑگوجر وغیرہ لیکن ہندوستان کے نومسلموں کا زیادہ حصہ ان اقوام پر مشتمل ہے جن کو ''اونچ ذات'' کے ہندوؤں کی چیرہ دستی اور اپنی پست حالت کے احساس نے ایک ایسے مذہب یعنی اسلام قبول کرنے پر آمادہ کیا جس کے حلقہ میں شامل ہوتے ہی انہیں تمدنی و معاشرتی حقوق مساویانہ طور پر حاصل ہو گئے یعنی ہندوستان کے قدیم اور اصلی باشندے جنہیں آرین قوم کے غرور نے انہیں ''شودر'' کا لقب دیا تھا۔ آرنلڈ صاحب دوسرے موقع پر لکھتے ہیں

''جنوبی ہند میں بعض ''نیچ قوم'' کے آدمیوں کے لیے ضروری ہے کہ برہمن سے چوہتر (۷۴) قدم کے فاصلہ پر رہیں، اس سے زیادہ قریب آنے کی جرأت نہ

---

[1] پریچنگ آف اسلام صفحہ ۲۸۰۔

کریں اور جب راستہ چلتے ہوں تو پکارتے چلیں تا کہ " اونچ ذات " والے ان کے پاس نہ آویں۔ اس قسم کی اور نظیریں کثرت سے بیان ہوسکتی ہیں۔ پس کیا تعجب ہے کہ اں ادنی قوموں کے مسلمان ہونے سے مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا ہو

داعیان اسلام جب بنگال پہنچے تو نیچ ذات کے ہندو اور وہاں کے اصلی باشندے جو ہندؤں کے مذہب سے قریب قریب خارج سمجھے جاتے تھے اور اپنے آرین سرداروں کے ہاتھوں سے طرح طرح کی ذلتیں اور اذیتیں اٹھاتے تھے، مسلمانوں کی طرف ہاتھ پھیلا کر بڑھے۔ " ان لوگوں کو نزدیک، جن میں مفلس ماہی گیر، شکاری، بحری قزاق، اور ادنی قوم کے کاشتکار شامل تھے، مذہب اسلام ایک رحمت اور اوتار تھا جو ان کے لیے آکاش سے اترا تھا اور اس کے پھیلانے والے وہ باخدا اشخاص تھے جو توحید کا پیغام اور سب انسانوں کے برابر اور مساوی ہونے کا مژدہ ایک ایسی مخلوق کے پاس لانے تھے جس کو سب ذلیل وخوار سمجھتے تھے۔"[1]

صوبجات ممالک متحدہ کے چماروں اور کوریوں کے مسلمان ہونے کی داستان گزیٹر صوبہ اودھ میں جس طرح بیان کی گئی ہے اس کا اقتباس آرنلڈ صاحب نے اپنی کتاب میں درج کیا ہے، وہ فرماتے ہیں۔

" ملک اودھ کے بعض زرعی اضلاع میں نیچی ذات کے ہندؤں کا مسلمان ہونا عجیب طرح سے پیش آیا ہے جس جس طرح کی پابندیوں سے یہ چمار اور کوری، جو ہندؤں میں سب سے زیادہ ذلیل سمجھے جاتے ہیں مسلمان ہو کر آزاد ہو سکتے ہیں اور جس قسم کی سہولتیں اسلام قبول کرنے سے انہیں حاصل ہوتی ہیں وہ ذیل کی عبارت سے ظاہر ہے جس میں ان کی قومی حالت ہندو ہونے کی حیثیت سے بیان کی گئی ہے۔

کوری اور چمار یعنی جولاہے اور موچی مصیبت اور ذلت کے نیچے سے نیچے طبقہ پر پڑے ہیں، ان میں سے اکثر جو شمالی اضلاع میں رہتے ہیں ان کی زندگی بالکل غلامی میں بسر ہوتی ہے فاقہ زدہ، بدن زار، رنگتیں سیاہ، صورتیں بدہئیت، چہروں پر بے وقوفی کے آثار، غلیظ اور ناپاک ایسے کہ دیکھنے سے نفرت ہو، غرض یہ سب باتیں ان کے پھوٹے کرم اور کھوٹی تقدیر کا

---

[1] پریچنگ آف اسلام صفحہ ۲۲۹۔

ثبوت ہیں جس نے ان کو ذلت اور خواری کے اس درجہ پر پہنچا دیا ہے جس میں انسان ہو کر وہ جانوروں سے بدتر شمار ہونے لگے　　تبدیلیٔ مذہب ان لوگوں کی نجات کا موجب ہوتا ہے۔"[1]

صوبۂ بنگال میں مسلمان جولاہوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ان کے حلقہ بگوش اسلام ہونے کا واقعہ بھی یہی ہے۔صاحب "پریچنگ آف اسلام" لکھتے ہیں کہ......

اونچی ذات کے ہندو نیچی ذات کے ہندؤں کو نہایت ذلیل وخوار سمجھتے ہیں اور جب کسی نیچی ذات کے ہندو کو اپنی ترقی کا خواہاں پاتے ہیں تو اس کو طرح طرح سے نقصان پہنچاتے ہیں جب ان باتوں کا ایسے مذہب سے مقابلہ کیا جاتا ہے جس میں کوئی شخص ذات باہر نہیں ہوسکتا اور ہر شخص کو ترقی کرنے کے لیے آزادی ملتی ہے تو اسلام کے فوائد حقیقی دل پر روشن ہوجاتے ہیں۔بنگال کے جولاہے، جو سوتی کپڑا بننے کا پیشہ کرتے ہیں، ان کو ہندو بہت ذلیل جانتے ہیں اس لیے یہ جولاہے اس ذلت کی حالت سے چھٹکارا پانے کی خاطر بڑی تعداد میں دین اسلام قبول کر لیتے ہیں۔"[2]

مسلمان ہونے کے بعد ان لوگوں کو ترقی کرنے کے مواقع حاصل ہوئے چنانچہ آج بنگال کے مسلمان جولاہوں میں بہت سے اشخاص زیور علم سے آراستہ نظر آتے ہیں، اکثر خوشحال ہیں، اسلام قبول کرنے کے بعد یہ "مومن" یعنی مسلم کہلائے جو ان کا قومی لقب پڑ گیا۔اپنی برادری کی اصلاح کا جذبہ بھی پیدا ہوا ہے، انجمنیں بھی قائم ہیں۔"المومن" نام سے ایک اخبار بھی نکالتے ہیں۔ان کے بعض افراد بھی عرب نژادگی کے خبط میں مبتلا ہیں۔

عرب نژادگی کا ادّعا:

مسلمان پیشہ ور اقوام میں سے بعض گروہوں مثلاً پنجاب کے میراثیوں قصائیوں اور نوربافوں (جولاہوں) کے کچھ افراد اپنے کو کچھ عرصہ سے قریشی اور انصاری بیان کرنے لگے ہیں۔یہ ادعا ان کا تاریخی شواہد کے سراسر خلاف ہے۔
مسٹر جان بیوس Mr John Beawes ایم۔آر۔اے۔ایس نے ایک موقع پر صحیح لکھا ہے کہ[3]

"صوبجات ممالک مغربی وشمالی کے تمام حصص میں وہ باشندے جو ابتداءً ہندو تھے اور اب مسلمان ہیں ان کی بڑی تعداد شیخ، سید اور پٹھان کے قومی لقب اختیار کرنے میں بہت بیباک ہیں۔بہت سے اپنے کو لفظ "خان" سے منسوب کرتے ہیں، اور بعض تو سید تک لکھنے لگے ہیں بالخصوص اس

---

[1] پریچنگ آف اسلام صفحہ ۱۳۹۔ [2] پریچنگ آف اسلام صفحہ ۲۲۷ [3] میمورنڈم آف ریسز سرجنرل ایلیٹ۔

حالت میں کہ ان کو دولت و تمول کے اعتبار سے سوسائٹی میں درجۂ امتیاز حاصل ہوگیا ہو۔ صوبۂ پنجاب میں، جہاں تبلیغ مذہب اسلام کا سلسلہ بہت وسیع پیمانہ پر جاری رہا، ایک شعر ضرب المثل کے طور سے مشہور ہے جو غالباً کسی نو مسلم کی زبان سے بیان کیا جاتا ہے

اوّلاً نداف بودم بعدۂ گشتیم شیخ　　　　غلّہ چوں ارزاں شودامسال سیّد می شوم

جس کا مطلب یہ ہے کہ میں ذات کا دھنا تھا پھر شیخ بن گیا اور اب اگر علہ سستا ہو گیا اور فارغ البالی نصیب ہوئی تو سیّد بن جاؤں گا۔

اس سلسلہ میں مسٹر موصوف نے ایک دلچسپ واقعہ بھی لکھا ہے فرماتے ہیں کہ

"مجھے خوب یاد ہے کہ ۱۸۶۰ء میں ضلع گجرات پنجاب میں ایک مضحکہ انگیز واقعہ یہ پیش آیا تھا کہ عدالت دیوانی کا ایک مسلمان سرشتہ دار ہمیشہ سرکاری کاغذات میں اپنے نام کے ساتھ "سیّد ہاشمی قریشی" لکھا کرتا تھا لیکن بعد میں تحقیق کرنے سے پتہ چلا کہ اس کا باپ جوادنی حیثیت کا شخص تھا، ذات کا لوہار ہے بیٹے نے کچھ تعلیم پاکر سرشتہ داری کا عہدہ حاصل کر لیا تو وہ لوہار سے سیّد بن گیا۔

اکثر طبائع انسانی میں تشخص وجاہ طلبی کا مادہ ہوتا ہے، مسٹر جان بیوس Mr. Jhon Beawes نے جو شعر بطور ضرب المثل نقل کیا ہے وہ شاعرانہ تخیل ہی نہیں بلکہ امر واقعہ ہے جس کی تصدیق اسلامی بستیوں کے مقامی حالت سے ہو سکتی ہے، ہندی مشہور مثل ہے "مایہ کے تین نام۔ پرسا، پرسوا اور پرس رام، یعنی جب کچھ پاس نہ تھا "پرسا" کہلاتے تھے، جب ذرا حالت سنبھلی "پرسو" بن گئے اور جب سوسائٹی میں کوئی حیثیت حاصل کر لی تو "لالہ پرس رام" کہلانے لگے بعینہ یہی حال مسلمانوں کی سوسائٹی کا سمجھئے مثلاً جب ادنی حالت میں تھے "نظرا" تھے جب کچھ حالت سنبھلی "ناظر" کہلانے لگے اور جب ذرا فارغ البالی نصیب ہوئی تو "شیخ ناظر علی" بن گئے۔ یہاں تک تو خیر غنیمت تھا، دنیاوی ترقی کے یہی تین مراتب ہیں۔ ہر انسان کو ترقی کرنے کا قدرتی حق حاصل ہے اور اسلامی مساوات نے "صدر و پائیں" کا کوئی امتیاز ہی باقی نہیں رکھا لیکن یہ کیا لغویت ہے کہ لوگ دنیاوی ترقی کے ساتھ ساتھ اپنا نسب بھی تبدیل کر دیتے ہیں۔ پھر اس پر اصرار ہوتا ہے، مضحکہ انگیز اور لغو توجیہات پیش کی جاتی ہیں۔

ہندوستان کی مسلم پیشہ ور اقوام کے دعوی عرب نژادگی کو تسلیم کر لیا جائے تو ہندوستان میں فرد واحد بھی ایسا باقی نہ رہے گا جس کے آباؤ اجداد ہندو مذہب کے دائرہ سے نکل کر حلقہ بگوش اسلام ہوئے تھے۔ صرف ایک صوبۂ پنجاب میں ۱۹۲۱ء کی مردم شماری کی رو سے

میراثیوں، قصائیوں اور بعض اور ہندی الاصل مسلمانوں کی تعداد جو آج قریشیت کے مدعی بنے ہیں، حسب ذیل ہے۔

۱۔ میراثی	۲,۳۷,۰۲۱
۲۔ قصاب	۱,۲۲,۲۳۲
۳۔ آرائیں	۱۰,۹۰,۷۰۹
۴۔ کہوکہر	۲۹,۰۱۶
میزان کل	۱۹,۵۹,۰۰۸

ان کے مقابلہ میں پنجاب کے صحیح النسب قریشیوں کی تعداد صرف ۹۷,۲۲۵ ہے۔ یہ تو صرف ایک صوبہ کی مردم شماری کے اعداد ہیں۔ ان میں بھی نور بافوں وغیرہ کی تعداد شامل نہیں ہے۔ پس اگر اسی طرح ہندوستان بھر کے اعداد لیے جائیں تو یہاں کے سات کروڑ مسلمانوں میں ایک فرد بھی ہندی الاصل باقی نہیں رہتا' حالانکہ ۷ کروڑ ہندی مسلمانوں میں بہ مشکل ایک کروڑ وہ مسلمان ہونگے جن کے آباؤاجداد بیرون ہند سے آئے اور ان کو بھی ہندوستان میں رہتے رہتے اتنی پشتیں ہوگئیں کہ آج انہیں غیر ہندی کہنا ہرگز صحیح نہیں۔

ذیل میں بعض اقوام کے نسبی ادعا پر تاریخی نقطہ نظر سے روشنی ڈالی جاتی ہے۔

میراثی:

یہ عربی کے لفظ "میراث" سے مشتق ہے، جس کے معنی موروثی کے ہیں اس سے اُردو لفظ بنا لیا گیا۔

"میراثی" دراصل ایں لفظ "میراث" عربی است۔ ہندیاں بطور خود لفظ ہندی ساختہ۔ [1]

مرد کو میراثی اور عورت کو میراثن کہتے ہیں۔ فرینس جانسن اپنی مشہور و مبسوط ڈکشنری (عربی و فارسی) میں لکھتے ہیں۔

میراثی Hereditary, inherited A singer (of a caste which follow that profession from generation to generation) [2]

میراثی یہ معنی موروثی یا وراثت ایک ڈوم یا ہڑی۔ یعنی اس فرقہ کا شخص جو اپنا یہ پیشہ (گانے بجانے کا) نسلاً بعد نسل کرتے چلے آئے ہیں۔

اس کی تائید ایک قدیم سند سے بھی ہوتی ہے جو سادات و شرفاء امروہہ کے مختلف خاندانوں کے بزرگوں نے ۱۱۶۰ھ میں بیٹھے میراثی کے ورثاء کو عطا کی تھی۔ جس میں اس امر کی تصدیق کی گئی ہے کہ قدیم الایام سے یہی اشخاص ہماری برادری کے موروثی میراثی ہیں اور دوسرا میراثی ہماری برادری کی "میراث" کا مدعی ہے اس کا دعویٰ غلط ہے۔ تاریخی دلچسپی کے لحاظ سے اس سند کی نقل ذیل میں درج کی جاتی ہے

"باعث تحریر ایں سطور درمیان آنکہ مایاں جملہ قبیلہ داران فرزندان سیّد

---

[1] فرہنگ مستشفی

[2] Dictionary Persian, Arabic, and English by Francis Johnson 1852

جمنن وفرزندان زبدة المحققين حضرت گنج شکر وفرزندان ونیر بائے ۰۰ ۱؎

وفرزندان بندگی حضرت شاہ ابن و فرزندان مولانا تے لعل و مولانا ئے شمس

الدینؒ وفرزندان چودہری ترکمان وفرزندا ن سالار ایوبؒ وفرزندان ملک بھورن

ملک ۰۰ سکنہ قصبہ امروہہ تابع سرکار سنبھل مضاف صوبہ دارالخلافہ

شاہجہاں آباد ایم درینولا مسماۃ اسین وجان محمد سکھا ودیگر واشان میٹھے

میراثی بہ اقرار وبہ مواہیر واسناد سلفائے وبزرگان باجمیع قبیلہ داران مرقومہ

۰ ۱۱۱۱ھ یک ہزار ویک صدویا زدہ ہجری بدین مضمون حاضر آوردنہ کہ وجہ

میراث خانہائے ماجمیع قبیلہ داران بمسمی میٹھے پسر کلاں مسماۃ بندی از قدیم

مقرّر است ومیراثیاں مذکورہ رادر میراث جملہ قبیلہ داران مرقومتہ الصدردخل

نیست ونہ شدہ لہٰذا اسناد سطورہ راصحیح و مسلم واشتیم ووجہ میراث

خانہائے خودراہر طبق اسناد بزرگان بفرزندان میٹھے میراثی مقرر داشتیم

وفرزندان ۰ میراثی رامد اخلت نشو وزیرا کہ محقق میراث درفرزندان میٹھے

میراثی است ۰ کہ تحریر پیوست ۔ تحریر فی التاریخ ۰ ۱۱۱۶ھ"

پنجاب میں ایک خاص ایکٹ "قانون انتقال اراضی" کے نام سے رائج ہے جس کی رو سے وہاں کی خاص اقوام کو زرعی اراضی کی خرید وفروخت کا حق حاصل ہے، ان اقوام میں صحیح النسب قریشی بھی داخل ہیں۔ میراثی، قسائی یا اسی طرح کی اور اقوام کو یہ حق حاصل نہیں۔ اس بنا پر اب اس چودھویں صدی میں میراثیوں میں بھی قریشی بننے کا شوق پیدا ہوا، عرصہ تک اخبارات ورسالوں میں بحث جاری رہی۔ روزنامہ زمیندار نے ۱۱ رمئی ۲۸ء کی اشاعت میں اس بحث پر ایک مضمون کے دوران میں لکھا تھا کہ

"جب حکومت نے قریشیوں کو اقوام زراعت پیشہ میں شامل کیا۔ تمام اقوام جو غیر زراعت پیشہ ہونے کے باعث اراضی زرعی نہیں خرید سکتی تھیں، قریشی بن گئیں۔

اس کے بعد صوبجات متحدہ کے قصابوں کو قریشی بننے کا شوق چرّایا (میراثیوں کو بھی) خیال ہوا کہ جب دھنے، جولاہے، قصاب، حجام سب قریشی بن رہے ہیں تو ہم کیوں میراثی رہیں، انہوں نے اعلان کر دیا کہ میراثی بھی شجر قرشیت کی ایک شاخ ہیں ...."

پنجاب کے میراثیوں نے اپنے قومی لقب کے متعلق یہ عجب مضحکہ انگیز توجیہہ پیش کی تھی کہ شاہان اسلام کے عہد میں تقسیم میراث کا منصب ہمارے بزرگوں سے متعلق تھا اس لیے ہم میراثی کہلاتے ہیں فریق مخالف نے اس کا ترکی بہ ترکی جواب دیا کہ تمہارے بزرگوں

۱؎ بوجہ کہنگی بعض مقامات سے کاغذ شکستہ ہو گیا تھا اس لیے صاف پڑھنے میں نہیں آیا۔ یہ مقامات نقل میں سادہ چھوڑ دیے گئے۔

کے غیر مشروع اعمال دیکھ کر کسی مسلمان بادشاہ نے انہیں ''میر عاصی'' کا خطاب دیا تھا۔ کثرت استعمال سے ''مراسی'' ہو گیا۔ لیکن یہ توجیہہ اور اس کا جواب دونوں حقیقت سے دور ہیں۔ میراثی کی وجہ تسمیہ وہ ہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔ میراثیوں کا نسبی تعلق حقیقتاً ہندو بھاٹوں سے ہے، اور یہی ان کا عملاً اب تک موروثی پیشہ ہے۔ اخبار مذکور نے بحوالہ بالا مضمون میں بالکل صحیح لکھا ہے کہ

''ہمارے سامنے میراثیوں کا کوئی نسب نامہ نہیں جس کے مطالعہ سے ہم کسی نتیجہ پر پہنچ سکیں، لیکن اس قوم کے افراد کی قومی سیرت پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا جہان کا کوئی عیب نہیں جو ان میں نہ پایا جاتا ہو، چاپلوسی ان کی گھٹی میں پڑی ہے، جھوٹی تعریف ان کا شیوہ، تملق و خوشامد ان کا پیشہ، مسخرگی ان کا شعار، امرا کی محفلیں یہ گرماتے ہیں، غربا میں یہ اچھلتے، کودتے، ناچتے اور گاتے ہیں، شاہدان بازاری کی قلیتبانی یہ کرتے ہیں، اور اس سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ غیرت و حمیت جو قبیلۂ قریش کا خاص جوہر ہے، اس میں انہیں کہاں تک حصہ ملا ہے۔

تان سینؔ کا نام اچھالنے والے، بیجو باورےؔ کی روح پُر فتوح کو ثواب پہنچانے والے، موسیقی کے علم بردار، میدان بے نوازی کے شہسوار، نہانو بتا بتا کر تہر کنے والے، پٹّہ، ٹھمری، دھر پت چھوڑ کر قرشیت کا نیا راگ الاپنے لگے، سارنگی کے گز سے تاریخ کے میدان کو ناپنے لگے، عقائد کا یہ عالم ہے کہ ہر قبر ان کا خدا، ہر پیر ان کا دستگیر اور اس پر قرشیت کا دعوی۔

ع مدار روزگار سفلہ پرور را تماشا کن''

قصّاب یا قسائی:

قصاب عربی زبان کا لفظ ہے جو گوشت فروش کے معنی میں اسی طرح مستعمل ہے جس طرح بعض اور پیشوں کے عربی و فارسی کے مختلف الفاظ مثلاً نجار، خیاط معمار، مذاف، مطرب، سقہ وغیرہ مستعمل ہیں۔

قصاب کا مادہ ''قصبؔ'' ہے جس کے معنی عربی زبان میں کاٹنے اور بالخصوص بکری کے پارچے کرنے کے ہیں۔ گوشت فروش چونکہ گوشت کے ٹکڑے ٹکڑے پارچے کرتا ہے اس لیے ''قصاب'' یعنی کاٹنے والا کہلایا۔ قصاب کا لفظ عربی زبان میں دوسرے معنی میں بھی آتا ہے مثلاً پھونک مارنے یا بین بجانے کے معنی میں۔ اس کی جمع ''قصابہ'' ہے۔ عربی میں اونٹ کے گوشت فروش کو ''جزار'' کہتے ہیں اور اردو زبان میں قصاب کو قسائی بحرف 'س' ۔

بعض کا خیال ہے کہ قسائی کا اردو لفظ عربی کے لفظ ''قص'' سے بگڑ کر قسائی ہوا، صاحب فرہنگ آصفیہ لکھتے ہیں کہ

''قسائی کا لفظ عربی کے لفظ قص بمعنی مارڈالنے سے بگڑ کر قسائی ہوا۔''[1]

---

[1] فرہنگ آصفیہ مطبوعہ

لیکن قول مرجح یہ ہے کہ قسائی لفظ "قسی" یا قساوت سے مشتق ہے، اس کو حرف ص سے لکھنا صحیح نہیں، صاحب فرہنگ ششتشی کہتا ہے کہ ...

انچہ درعوام "قصائی بحرف ص شہرت دارد محض غلط است۔ ۱	عوام میں لفظ "قصائی" جو حرف ص سے مشہور ہے محض غلط ہے۔

قسائی چونکہ "قسی" یا قساوت سے مشتق ہے اس لیے بے رحمی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

حضرت شوق فرماتے ہیں.....

جو بچے تجھ سے تو خدائی ہے ‏ ‏ ‏ ‏ آدمی کا بھی تو قسائی ہے

قصاب کا پیشہ بھی چونکہ ایک طرح سے بے رحمی کا پیشہ ہے اس لیے مجازاً قصاب کو اُردو زبان میں قسائی کہنے لگے، اُردو لٹریچر کی متعدد کہاوتوں اور اشعار سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے مثلاً "قصائی کے کھونٹے بندھنا" یا "قسائی کے حوالے ہونا" جیسے "بھینس بھینسوں میں یا قسائی کے حوالے"۔ حضرت سودا کا مشہور شعر ہے۔

جس دن سے اس قسائی کو کھونٹے بندھا ہے وہ ‏ ‏ ‏ ‏ گزرے ہے اس نمط اسے ہر لیل و ہر نہار

آئین اکبری کی عبارت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ قصابوں کو ان کے پیشہ کی بنا پر قساوت دلی سے منسوب کیا گیا۔ علامہ ابو الفضل عہدہ کوتوال ۲ کے فرائض کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں

قصاب وصیاد ودغال وکناس را از مردم جدا ہنگاہ دہد۔ ومردم را از آمیزۂ ایں سنگ دلاں سیہ دروں برکنارہ دارد۔ ۳	قصابوں، چڑی ماروں، مردہ شوں اور بھنگیوں کی سکونت کا مقام شہری آبادی سے جدا رکھے اور دوسرے باشندوں کو ان بے رحموں اور سیہ دلوں کے ملنے جلنے سے باز رکھے۔

سلطنت اسلامی کے زمانہ میں قسائیوں کی سکونت امروہہ میں بھی زیادہ تر کنارۂ آبادی تھی۔ اب کچھ عرصہ سے اس قوم کے بعض ناواقف موقع شناس اور جاہ طلب اشخاص کہنے لگے ہیں کہ قسائی بھی حضرت رسول کریم ﷺ کے جد اعلیٰ جناب قصیّ بن کلاب کی نسل سے ہیں اس لیے "قصائی" کہلائے۔ مگر یہ بات تو وہی ہوئی کہ کسی جاہل پٹھان سے کسی نے کہا کہ خان صاحب! تمہاری قوم یوں تو بڑی بہادر قوم ہے مگر تم میں کوئی نبی آج تک نہیں ہوا، خان صاحب یہ سن کر برافروختہ ہوگئے کہنے لگے کہ واہ، پٹھانوں میں نبی کیوں نہ ہوتے، کیا عیسیٰ روہیلہ تیرا دادا تھا؟ معاذ اللہ! جس طرح اس نادان پٹھان نے حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا کے خطاب روح اللہ کی مٹی روہیلہ کے لفظ سے پلید کی تھی اسی طرح آج جہالت کی بدولت جناب قصیّ کے خطاب کی مٹی لفظ قسائی سے پلید کی جارہی ہے۔ کجا قصیّ اور کجا قسائی؟ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہ

---

۱ فرہنگ ششتشی ۲ عہد مغلیہ میں اندرون شہر کے حاکم کو "کوتوال" اور بیرون شہر کے حاکم کو "فوجدار" کہتے تھے جو آجکل کے سٹی مجسٹریٹ اور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے مساوی سمجھئے۔

۳ [آئین اکبری جلد اول مطبوعہ نول کشور پریس ۱۸۹۳ء صفحہ ۱۹۸]

اگر بات کہئے تو ایسی تو کہئے   کہ دائرہ ہو امکان عقلی کے اندر
نہ ایسی جسے سنکے گر جائے چھت بھی   نکل جائے کتنوں کا دب کر کچومر

جناب قصیٰ کے نامور اجداد:

باشندگان ملک عرب حضرت نوحؑ کے فرزند سامؑ کی نسل سے ہیں، اسی نسبت سے ان کو سامی النسل (Semetic Race) کہتے ہیں۔ بلحاظ قبائل ان کی دو بڑی شاخیں ہیں یعنی۔

بنو قحطان:

یہ ابتداءً بلاد یمن میں رہتے تھے، یمن میں جب مشہور سیلاب آیا، جس کو "سیل عرم" کہتے ہیں تو یہ لوگ یمن سے نکل کر مدینہ میں آ کر آباد ہوئے۔ ان میں اوس و خزرج دو بھائی تھے، تمام انصار ان ہی دو کی اولاد سے ہیں۔

بنو عدنان:

یہ بنو اسمٰعیل۔ ان کی سکونت ارض مقدسہ حجاز و نجد اور ان کے قرب و جوار میں تھی۔ ان کا انتساب حضرت اسمٰعیل بن حضرت ابراہیم علیہم السلام سے ہے۔ اس قبیلہ میں عدنان (یا ادنان) اپنے زمانہ کے مشہور شخص تھے ان کے نام سے یہ قبیلہ موسوم ہوا۔ جناب قصیٰ کے اجداد اسی قبیلہ سے تھے، ان کا سلسلۂ نسب اس طریق پر ہے۔ قصیٰ بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر الملقب بہ قریش بن مالک بن نضر بن خزیمہ بن مدرکہ بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔

یہ دونوں قبیلے قحطانیہ اور اسماعیلیہ اس قدیم زمانہ میں متمدن قبیلے تھے جب دنیا میں تمدن و تہذیب کی کرنوں کی پو پھوٹ رہی تھی بالخصوص اسماعیلیہ جس میں یکے بعد دیگرے نبی اور پیغمبر ہوتے رہے۔ عدنان سے نویں پشت میں فہر ہوئے جو قریش کے لقب سے ملقب ہوئے۔ [1] عربی میں قریش ایک مچھلی کا نام ہے جو تمام مچھلیوں کو نگل جاتی ہے۔ چونکہ فہر بن مالک اپنے زمانہ کے بہت بڑے سردار تھے جن کے سامنے اور سرداروں کی کوئی حقیقت نہ تھی اس لیے آپ کو اس مچھلی سے تشبیہ دی گئی اور یہ قریش مشہور ہوئے انہی کی اولاد قریش کہلاتی ہے حافظ عراقی سیرت منظوم میں لکھتے ہیں۔

اما قریش فالا صح فھر   جما عھا والا کثرون النضر

ظہور اسلام سے صدہا برس پہلے سے قریش کا شغل تجارت تھا لیکن وہ ہندوستان کے قسائیوں کی گوشت فروشی (قصابی) کی تجارت نہ تھی۔ قریش کے تجارتی قافلے دور دراز ممالک کو جاتے، یہ ان کے مالک ہوتے، صدہا غلام نوکر چاکر ساتھ ہوتے۔ ایک موسم میں یمن کی طرف کوچ ہوتا اور دوسرے موسم میں بصرے کی جانب۔

اگرچہ اس زمانہ میں تجارت کی راہیں خطرناک تھیں مگر قریش کے لیے کوئی خطرہ نہ تھا کیونکہ ہر شخص ان کی تعظیم و تکریم کرتا تھا۔ [2]

---

۱ بعض محققین کے نزدیک فہر کے دادا نضر سب سے پہلے قریش کے لقب سے ملقب ہوئے۔ ۲ تاریخ تمدن اسلام جرجی زیدان۔

یہ تجارت بھی معمولی پیمانہ پر نہ تھی۔ قریش کا ایک ایک فرد ہزاروں درہم دوسروں کو قرض دے دیتا تھا۔ ابن الندیم نے لکھا ہے کہ میں نے امیر المومنین، مامون الرشید عباسیؒ کے کتب خانہ میں ایک دستاویز دیکھی تھی جو خلیفہ کے جد اعلیٰ جناب عبدالمطلب بن ہاشم کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھی۔ اس کے الفاظ یہ تھے۔

حق عبدالمطلب بن هاشم من اهل مكة على افلان ابن فلان الحميرى من اهل ورل صفاعليه الف درهم فصة كيلاً بالحديدة و منثى دعاه بها اجابه شهد الله والمكان

یہ عبدالمطلب بن ہاشم (جو مکہ کا باشندہ ہے) کا قرضہ فلاں شخص پر ہے جو صنعا کا رہنے والا ہے۔ یہ چاندی کے ہزار درہم ہیں، جب طلب کیا جائے گا تو وہ ادا کریگا۔ خدا اور دو فرشتے گواہ ہیں۔

ظہور اسلام کے وقت قریش میں سخت سے سخت کافر بھی تھے، اور وہ بھی تھے جنہوں نے اسلام و پیغمبر اسلام علیہ التحیہ والصلوات کی دشمنی وایذارسانی میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا اور وہ بھی یہی تھے جنہوں نے اسلام کی اشاعت اور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ہر قسم کی قربانیاں اور جاں فروشیاں کیں لیکن کفار قریش اور قریشی مسلموں کے نسبی اور قومی عظمت کا اندازہ حضور سرور کائنات کے اس ارشاد سے ہوسکتا ہے۔

عن ابى هريره قال النبى ﷺ الناس يتبع لقريش فى هذا الشان مسلمهم تبع لمسلمهم كافرهم تبع لكافرهم

یعنی ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ (دین و پیشوائی) میں سب لوگ قریش کے تابع ہیں، اس طرح پر کہ (دوسرے قبیلوں کے جو) مسلمان ہیں وہ ان (قریشی) مسلمانوں کے اور (جو اور قبیلوں کے) کافر ہیں وہ (قریشی) کافروں کے تابع ہیں۔

غرض کہ جناب قصی بن کلاب کا نسبی تعلق ایسے باعظمت قبیلہ سے تھا۔

جناب قصیؒ اور ان کی اولاد امجاد:

جناب قصیؒ کا نام نامی زید تھا، ان کا لقب قصی اس وجہ سے پڑ گیا تھا کہ بچپن میں وہ اپنی والدہ کے ساتھ اپنے وطن آبائی سے بہت دور جا رہے تھے۔ عربی زبان میں قصی اپنے اعزا سے دور دراز مقام پر جا رہنے کو کہتے ہیں، قصیٰ کے معنی عربی میں بعید اور فاصلہ کے ہیں۔ قصیا عربی میں بہت دور کے معنی میں آتا ہے اس کا مذکر اقصیٰ ہے جیسے مغرب اقصیٰ وغیرہ۔

وكان زهرة بن كلاب كبير افتركته حنه قوم وحملت زيداً معها لانه كان فطيماً فسم قصياً لانه اقصىٰ عن داره [1]

قصی کے بڑے بھائی زہرہ بن کلاب کو تو ان کی قوم میں چھوڑ گئے اور زید یعنی قصی کو اپنے ساتھ لے گئے کیونکہ وہ کمسن تھے اور ان کا نام قصی اس لیے پڑ گیا کہ وہ اپنے وطن سے زیادہ فاصلہ پر چلے گئے تھے۔

---

[1] عمدۃ الطالب مطبوعہ ۱۔

جناب زید الملقب بہ قصیؓ اپنے زمانہ کے مشہور سردار قریش ہوئے انہوں نے اپنی ذاتی کوششوں سے تمام قبائل قریش کو باہم متحد کیا اور اس وجہ سے ان کا ایک اور لقب مجمع یعنی جمع کرنے والا پڑ گیا تھا، بعض اسی وجہ سے ان کو لقب قریش سے بھی ملقب کرتے ہیں۔ شاعر کہتا ہے

ابو کم قصیؓ کان یدعیٰ مجمعاً	**به جمع اللّٰہ القبائل من فہر**
تمہارے جد قصی ہیں ان کو مجمع بھی کہا جاتا ہے	کیونکہ ان کے ذریعہ اللہ نے اولاد فہر (قریش) کو متحد کر دیا تھا

ایک عیسائی مصنف جناب قصیؓ کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتا ہے

"قریش کے سردار قصیؓ ابن کلابؓ بن مرہؓ نے جو علاوہ اپنی ذاتی شرافت کے بہت بڑے حکیم، عاقل و دانشمند اور ذی وجاہت تھے، متولی کعبہ کی بیٹی سے نکاح کر لیا جس سے غرض یہ مدنظر تھی کہ کعبہ کی سدانت (تولیت) بھی پھر سے قریش کے قبضہ میں آجائے چونکہ خانہ کعبہ کے متولی کے لیے یہ بات بھی ضروری تھی کہ وہ مکہ کا بہت بڑا سردار ہو اس لیے قصیؓ نے تمام قریش کو جمع کر کے اپنی سرداری پیش کی، لوگوں نے ان کو بہ خوشی اپنا سردار اور آقا تسلیم کر لیا۔ قصیؓ نے مکہ کے چار حصے کئے مکانات بنائے۔ اس وقت سے مکہ بڑی رونق سے آباد ہوا۔"[1]

علامہ شبلی نعمانی سیرۃ النبیؐ میں فرماتے ہیں۔

"نضرؓ کے بعد فہرؓ اور فہرؓ کے بعد قصیؓ نے نہایت عزت و اقتدار حاصل کیا قصیؓ نے ایک دارالمشورۃ قائم کیا جس کا نام دار الندوہ رکھا قریش جب کوئی جلسہ یا جنگ کی تیاری کرتے تو اسی عمارت میں کرتے، قافلے باہر جاتے تو یہیں سے تیار ہو کر جاتے نکاح اور دیگر تقریبات کے مراسم یہیں ادا ہوتے۔
قصیؓ نے بڑے بڑے نمایاں کام کیے جو ایک مدت تک یادگار رہے، مثلاً سقایہ اور رفادۃ حدام حرم کا سب سے بڑا منصب تھا، انہی نے قائم کیا، تمام قریش کو جمع کر کے تقریر کی کہ سیکڑوں ہزاروں کوس سے لوگ حرم کی زیارت کو آتے ہیں، ان کی میزبانی قریش کا فرض ہے، چنانچہ قریش نے ایک سالانہ رقم مقرر کی جس سے منیٰ اور مکہ معظمہ میں حجاج کو کھانا تقسیم کیا جاتا تھا، اس کے ساتھ چرمی حوض بنوائے جن میں ایام حج میں پانی بھر دیا جاتا

---

[1] تاریخ تمدن اسلام جرجی زیدان۔

تھا کہ حجاج کے کام آئے۔ مشعر حرام بھی انہی کی ایجاد ہے، جس پر ایام حج میں چراغ جلاتے تھے، چنانچہ عقد الفرید میں تصریح کی ہے۔ قصیٰ نے اس قدر شہرت اور اعتبار حاصل کیا کہ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ قریش کا لقب اوّل انہی کو ملا...............[1]

جناب قصیٰ کی اولاد کے کارنامے:

اس مشہور سردار قریش یعنی جناب زید الملقب بہ قصیٰ کے چار اور بروایت دیگر چھ فرزند ہوئے، یعنی عبد مناف، عبد العزیٰ عبد الدار اور عبد قصیٰ۔ یہ چاروں امیرزادے اپنے زمانہ کے نامور زعمائے قریش سے ہوئے۔ ان میں ایک کی نسل منقطع ہے یعنی آخر الذکر کے دو بیٹے منبہ اور وہب ہوئے لیکن ان سے نسل نہیں چلی۔ بقیہ تین بھائیوں سے وہ تین جلیل القدر خاندان متفرق ہوئے جنہوں نے اپنے علم وفضل، اپنی سیادت وقیادت، اپنی جہانبانی وجہانگیری اور اپنے زوال اور تابناک کارناموں سے تاریخ عالم میں ممتاز جگہ حاصل کی یعنی عبد مناف سے خاندان بنی ہاشم بنی امیہ عبد العزیٰ سے خاندان اسد وزبیر، عبد الدار سے خاندان ابوسعد بن ابوطلحہ، ان تمام خاندانوں کے ایک ایک فرد کا نام، اس کے حالات، اس کے کارنامے اور اس کے مشاغل دنیا کو معلوم ہیں، کیا ان ہی مشہور ومعروف، کیا ان ہی باعظمت وجبروت، کیا ان ہی جامع فضائل ومکارم، کیا ان ہی معدن تہذیب وتمدن خاندانوں سے ہندوستان کے وہ قسائی اپنا نسبی تعلق پیدا کرنے کے آج مدعی بنے ہیں جن کی تمدنی پستی، جن کی قومی سیرت، جن کی ادنیٰ حالت کا تھوڑا بہت اندازہ علامہ ابوالفضل کے اس فقرہ سے ہوسکتا ہے۔ جو کسی دوسری جگہ نقل ہے، جن کو ان کے پیشہ اور پست حالت کی بناپر اسلامی سلطنت میں بحکم شاہی دوسری پست اقوام کی طرح باشندگان شہر سے دور رکھا جاتا تھا اور مسلمانوں کے کسی شریف طبقہ میں شمار نہ ہوتا تھا۔ کجا سرداران قریش کے وہ نامور خاندان جن کے ایک ایک فرد نے ربع مسکوں میں عظیم الشان سلطنتیں قائم کیں کجا ہندوستان کے وہ جدید مدعیان قرشیت جن کے سیکڑوں خاندان، اسی خاندان قریش کے ان چند افراد کی اولاد کے جو ہندوستان کے اور مقامات کی طرح امروہہ میں بھی آکر سکونت پذیر ہوئے زیردست اور رعایا کی طور سے نسلاً بعد نسلٍ ادنیٰ حالت میں زندگی بسر کرتے رہے!

یہ سچ ہے کہ ہر کمالے راز والے، خاندان قریش کا وہ دبدبہ اور جہانگیری اب باقی نہیں لیکن ان کی گذشتہ عظمت کی یادگاریں آج بھی دنیا میں باقی ہیں اور رہتی دنیا تک باقی رہیں گی۔

جہاں کو ہے یاد ان کی رفتار اب تک — کہ نقش قدیم ہیں نمودار اب تک

ہیں سیلون[2] میں ان کے آثار اب تک — انہیں رو رہا ہے ملیبار[3] اب تک

ہمالہ کو ہیں واقعات ان کے ازبر

نشان ان کے باقی ہیں جبرالٹر[4] پر

---

[1] [سیرۃ النبی جلد اوّل صفحہ ۱۱۸۔] [2] سیلون یعنی لنکا ہندوستان سے متصل جنوب میں مشہور جزیرہ۔ [3] ملیبار ہندوستان کے جنوب میں بحر ہند کے مغربی ساحل پر واقع ہے۔
[4] جبرالٹر کو جبل طارق اور جبل الفتح کہتے تھے۔ اس سے بگڑ کر جبرالٹر ہوا مشہور فاتح طارق، مدلس کی مہم میں اوّل اسی پہاڑ پر پہنچا تھا۔

نہیں اس طبق پر کوئی بزِ اعظم — نہوں جس میں ان کی عمارات محکم
عرب ، ہند ، مصر ، اندلس ، شام دیلم — بناؤں سے ہے ان کی معمور عالم
سرِ کوہ آدم[1] سے تا کوہ بیضا[2]
جہاں جاؤ گے کھوج پاؤ گے ان کا

وہ سنگیں محل اور وہ ان کی صفائی — جمی جن کے کھنڈروں پہ ہے آج کائی
وہ مرقد کہ گنبد تھے جن کے طلائی — وہ معبد جہاں جلوہ گر تھی خدائی
زمانہ نے گو ان کی برکت اٹھالی
نہیں کوئی ویرانہ پر اُن سے خالی

کوئی قرطبہ کے کھنڈر جا کے دیکھے — مساجد کے محراب و درجا کے دیکھے
حجازی امیروں کے گھر جا کے دیکھے — وہ اجزا ہوا کرّ و فرجا کے دیکھے
جلال ان کا کھنڈروں میں ہے یوں چمکتا
کہ ہو خاک میں جیسے کندن دمکتا

ہوا اُندلس ان سے گلزار یکسر — جہاں ان کے آثار باقی ہیں اکثر
جو چاہے کوئی دیکھ لے آج جا کر — یہ ہے[3] بیت حمرا کی گویا زبان پر
کہ تھے آل عدناں سے میرے بانی
عرب کی ہوں میں اس زمیں پر نشانی

خاک امروہہ پر بھی اسی آل عدنان کے، اسی خاندان قریش کے ان ہی ہاشمیوں فاطمیوں کے، جو سید القریش ہیں، بعض افراد آئے، یہیں ڈیرے جمائے، یہیں متوطن ہوئے، اپنی موروثی علم و فضل، اپنے خاندانی روایات، اپنے روحانی فیض سے ایک عالم کو مستفیض کیا، شجاعت ہاشمی و جلادت حیدری کے جوہر دکھائے، ان کے لازوال کارناموں سے تاریخ کے صفحات پُر ہیں، وہ قرطبہ و بغداد کے محلات نہ سہی، وہ امروہہ کے ایوانات و مکانات ہی سہی، وہ میراں سید عبدالماجد کے معمرہ قلعہ اور دیوان سید محمود کی عمارتوں کے آثار وہ سید اسد اللہ خان سید علی اعظم خان گھڑیال والے اور دوسرے امرا کے ایوانوں کے شکستہ محراب و در، وہ سید ابدال محمد، میر کلّو، شیخ محمد عارف، سید عبدالحق وغیرہ کی معمرہ مسجدوں کے گنبد و مینار، وہ امروہہ کے سادات و شرفاء کے صدہا دیوان خانوں، محل سراؤں، درگاہوں، خانقاہوں کے شکستہ کنگرے، غرض کہ اس چھوٹے سے شہر کی عمارتوں کی ایک ایک اینٹ آج اس سفلہ پرور زمانے میں بھی خاندان قریش کے ان چند افراد کی نسلوں کے کارناموں ان کی گذشتہ عظمت ان کے اجڑے ہوئے کرّ و فر کی داستانیں زبان حال سے سنا رہی ہے جو کبھی امروہہ آ کر آباد ہوئے تھے۔

کیا امروہہ کے جدید مدعیان قریشیت کی ''قریشیت'' کا کوئی ثبوت، زیادہ قدیم نہ سہی، اب سے نصف صدی، چہارم صدی پہلے ہی

---

[1] سیلون میں جو سلسلہ پہاڑوں کا ہے ان میں سب سے اونچی چوٹی کوہ آدم یا کوہ آدم ہے۔ [2] اندلس میں ایک پہاڑ کی چوٹی جو ہمیشہ برف سے سفید رہتی ہے عرب اس کو کوہ بیضا کہتے تھے اسکا قدیم نام سیرا ہے۔ [3] حمرا شہر گرینڈا (غرناطہ) میں ایک عمارت کا نام ہے۔

کا کوئی ادنیٰ ثبوت، اینٹ اور چونے کی شکل میں، اس سرزمین امروہہ پر ہی بتایا جا سکتا ہے؟ تنقیحاتہ سمجھا جائے محض اظہار واقعہ کے لحاظ سے عرض کرتا ہوں ان بیچاروں کے پاس تو انگل بھر زمین بھی اپنی ملکیت کی کبھی نہ تھی وہ ان ہی صحیح النسب قریشیوں کے رعایا کے طور سے، خام وخس پوش مکانوں میں رہتے آئے ہیں، جن سے آج نسبی تعلق ظاہر کرنے کی ناکام کوشش کی جا رہی ہے!

امروہہ کے قسائیوں، سفید بافوں (جولاہوں) اور بعض دیگر پیشہ ور اقوام کے بعض افراد نے اگرچہ انقلاب سلطنت کے بعد اراضیات خرید کر مکانات مسکونہ بنا لئے ہیں لیکن ان کا کثیر حصہ اب تک سادات وشرفا کی مملوکہ سرایوں اور اراضیات میں بطور رعایا و کرایہ دار بس کن ہے، بعض لوگ حکومت کے مروجہ قانون میعاد کی بدولت، مالکانہ قابض ہو گئے ہیں۔ اس سلسلہ میں ۱۱۷۰ھ کی ایک دستاویز کی نقل ذیل میں درج کرنا تاریخی دلچسپی سے خالی ہوگا جس میں قصابوں، سفید بافوں (جولاہوں) دھوبیوں وجھمیرہ و مالی وگلفروش وغیرہ کی سکونت کی سرایوں کا تذکرہ ہے۔

شجاعت علی حسینی ۱۱۳۰	سید منیر علی حسینی ۱۱۵۷	سید ظفر علی حسینی ۱۱۶۸	عنایت علی حیدری ۱۱۶۸	غلام قطب الدین حسینی ۱۱۶۴

اقرار معتبر شرعی کرد مخبر باسم ونسب خود مسمّی سیّد شجاعت علی بن سیّد بزبر علی بن سیّد غضنفر علی سکنہ قصبہ امروہہ تابع سرکار سنبھل فی حال بصحت اقرار ہ برین وجہ کہ انچہ حصہ شرعیہ منجملہ قطعہ کاشت موسوم جھیورہ وسرائے سکونت قصابان ...... کہ درگنج بازار جدید متعلقہ سیّد محمد اسد اللہ داخل شدہ وزمین خانہ ودوکان نان پزخانہ ہائے سفید بافان وگاذران و جھیرہ ومالی گلفروش ودرحویلی سکونت صالح محمد خان وحویلی سکونت مراد بخش کہ درباورچی خانہ وغیرہ تعلقہ سیّد محمد اسد اللہ مذکور داخل است ودرد بو انخانہ انچہ حصۂ شرعیہ حصہ محمد اسد اللہ مذکور مقرر است ازانجملہ یک صددرعہ مکثر عوض زمین باصدر گرفتہ از سیّد محمد اسد اللہ بن مصطفیٰ علی بن سیّد بزبر علی معاوضہ نمودیم وانچہ حصہ من مقر درزمین بامذکورات صدر بود در قبض سیّد محمد اسد اللہ گذاشتیم وزمین منجملہ دیوانخانہ عوض آں در تصرف خود آوردیم تقابض البدلین بین المتعاقدین حاصل گشت بنا برآں این چند کلمہ بطریق عوض معاوضہ نوشتہ دادہ شد کہ ثانی الحال عند الحاجت حجت گردد۔ کان ذلک تحریر فی التاریخ یا زدہم شہر جمادی الثانی ۳ مطابق ۱۱۷۰ھ ہجری یک ہزار یک صد ہفتاد ہجری۔

کیا کوئی صحیح النسب قریشی دوسرے قریشی کا، کوئی صحیح النسب ہاشمی دوسرے ہاشمی کا پروردہ ہو سکتا تھا؟ زیردست ہو سکتا تھا؟ رعیت ہو سکتا تھا؟ کیا اسلامی سلطنت میں کسی صحیح النسب عربی قبیلہ کے افراد کی ایسی پست حالت ممکن تھی جو جدید مدعیان قریشیت کی ہمیشہ سے رہی ہے؟ آج کے دور تنزل وانحطاط میں، آج کے "روزگار سفلہ پرور" میں جو چاہے کوئی بن جائے، آج کوئی ذات کا بھنگی، ذات کا چمار

پیشہ واسطباغ لیکر، انگریزی پڑھ کے حکومت کی کرسی پر جا بیٹھے تو کیا اس سے اس کا نسب بھی بدل جائے گا؟ آج کوئی قسائی کسی قریشی کی جائیداد، کسی سید کا دیوانخانہ خرید لے تو کیا اب وہ قرشیت وہاشمیہ کا مدعی بھی بن جائے گا ؟

ایک لچر اور پوچ دلیل :

قسائیوں کے عربی النسل ہونے کی ایک لچر اور پوچ دلیل یہ بھی پیش کی جاتی ہے کہ ان کی زبان پر عربی زبان کے بعض الفاظ ان کے پیشہ کی مصطلحات کے طور سے اب تک جاری ہیں۔ یہ ایک سخت مغالطہ ہے جس کی حقیقت اس سلسلہ میں ظاہر کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔

سب سے پہلے ذیل میں وہ چند اعداد، یا بہ عبارت صحیح، ان کی مسخ شدہ صورت اور ان کے مقابلہ میں صحیح عربی الفاظ لکھتا ہوں جو کم از کم امروہہ کے قسائیوں میں مستعمل ہیں۔

نمبر	قسائیوں کی خاص بولی	صحیح عربی لفظ	اردو لفظ
۱	خستا	واحد	ایک
۲	جوڑ خستا	اثنان	دو
۳	رحلا	ثلثه	تین
۴	ربتا	اربع	چار
۵	خمس	خمسه	پانچ
۶	خمس	سته	چھ
۷	سبا	سبع	سات
۸	ثمنی	ثمانیه	آٹھ
۹	أتاتر	تسع	نو
۱۰	آسر	عشره	دس
۱۱	خمس میں	خمس وعشرون	پچیس
۱۲	جوڑ پڑیکا	اثنان وثلاثون	بتیس
۱۳	خمس اکلا ڈیکا	خمس وثلاثون	پینتیس
۱۴	باج	اربعون	چالیس
۱۵	آدھی ان	خمسون	پچاس
۱۶	لان	مائته	سو
۱۷	کمڑے	خمسون ومائة	ڈیڑھ سو
۱۸	جوڑے	مأتين	دو سو

---------- گوشت کے پارچوں کا نام ----------			
۱۹	موڑ سنگ		پٹھہ
۲۰	مقدم	مقدم	ران کا اگلا حصہ
۲۱	بیٹھک	وَرْك	ران کا اوپر کا حصہ
۲۲	کھوج	فخذ	ران
۲۳	پھرک	وَرْك	ران کا نیچے کا حصہ
۲۴	نکھا	عنق	گردن
۲۵	پنجے	ضلع	پسلیاں
۲۶	اسپلت	مَیسره	بایاں حصہ
۲۷	پنس	خنجره	نرخرہ
۲۸	مانجی	قلب	دل
---------- مختلف الفاظ ----------			
۲۹	کاندو	هندی	ہندو
۳۰	جھنشی	جاموس	بھنس
۳۱	ہکھر	بقر	گائے
۳۲	دھوریا	ثور	بیل
۳۳	پھبیری	عجبل	بچھیا
۳۴	پھبیرا	عجبل	بچھڑا
۳۵	ڈینکی	عجبل	کٹڑیا
۳۶	ڈینکا	عجبل	کٹڑا
۳۷	ہرکتی	فیل یا فوس	گھوڑی
۳۸	جیدل	سید نا ومولانا	سید مولوی
۳۹	پھیترا	الناس	عوام
۴۰	لیڑا	قماش (اقمشه)	کپڑا
۴۱	گل کرنا	تکلم	بات کرنا

ان الفاظ میں صرف آٹھ نو الفاظ ایسے ہیں جن کو عربی کے بعض الفاظ سے کچھ مشابہت حاصل ہے باقی ان کی اپنی خاص زبان کے الفاظ ہیں۔ ان عربی نما الفاظ کے مسخ شدہ صورت ہی اس کا صاف اظہار کر رہی ہے کہ یہ الفاظ استعمال کرنے والوں کی خود اپنی مادری زبان کے الفاظ ہرگز نہیں بلکہ یہ اس غیر قوم کی زبان کے چند الفاظ ہیں جن سے استعمال کرنے والوں کے آباء واجداد کا کاروباری تعلق عرصہ دراز تک رہا، اسی عربی بولنے والی قوم نے ان کو مسلمان کیا، قصابی یا تو ان کا پہلے سے پیشہ تھا یا اسلام لانے کے بعد مقرر ہوا، غرض کہ جو صورت

بھی ہو، گائے کے گوشت کی فروخت کے سلسلہ میں سوائے اسی عربی بولنے والی قوم کے اور کسی دوسری قوم سے چونکہ ان کا کاروباری تعلق مطلق نہ تھا اور نہ ہو سکتا تھا گنتی کے چند لفظ، گوشت کے پارچوں کے چند نام، جو بول چال میں اس حکمراں عربی قوم کے افراد ادائے مطلب کے لیے ان قصابوں سے بولتے وہ انہوں نے بعینہ اس طرح اخذ کر کے اپنی پیشہ کی مخصوص مصطلحات بنائے جس طرح آج ایک بوچڑ ہندوستان کے ان مقامات پر، جہاں انگریزوں یا یوروشین حضرات کی آبادی زیادہ ہوتی ہے، چند انگریزی الفاظ مسخ شدہ صورت میں استعمال کر لیتا ہے۔ ان بوچڑوں کی زبان پر یہ چند انگریزی الفاظ کچھ اس طرح چڑھ جاتے ہیں کہ انگریزوں کے علاوہ ہندوستانیوں سے بھی کاروباری گفتگو میں اکثر یہی الفاظ استعمال کرنے لگتے ہیں مجھے اس کا ذاتی تجربہ ہوا اس زمانہ میں کہ قسائیوں کی ادعائے قرشیت کا اظہار شروع ہوا تھا میں ڈیرہ دون میں ایک عزیز کے بنگلہ پر، جو انگریزی طرز معاشرت رکھتے ہیں، مقیم تھا، ایک دن ان عزیز کے خانساماں نے کسی بوچڑ (قسائی) کو جس کے خراب گوشت دینے کی شکایت تھی اپنے آقا کے سامنے پیش کیا۔ باوجود یہ کہ وہ بوچڑ کسی انگریز سے نہیں بلکہ ہندوستانیوں سے گفتگو کر رہا تھا تاہم وہ اپنی ٹوکری میں سے گوشت کے پارچے نکالتا اور دکھا دکھا کر کہتا جاتا تھا کہ صاحب! دیکھئے یہ پھریس ماتن (Fresh mutton) ہے۔ یہ سلیس (Slice) کیسا عمدہ ہے، یہ لگ (Leg) کیسا نیس (Nice) ہے۔ میں اس کی زبان سے اس قسم کے چند مسخ شدہ انگریزی الفاظ سنکر سوچنے لگا کہ اگر ہندوستان میں انگریزوں کی سلطنت، ان کی آبادی چند صدیوں تک اور باقی رہی، اور اس بوچڑ کی نسل میں چند افراد نے عیسوی مذہب قبول کر کے یا انگریزی طرز معاشرت اختیار کر کے یہ دعویٰ پیش کر دیا کہ ہمارے پیشہ کا لقب انگریزی کا لفظ بوچڑ (Butcher) ہے اور ہماری زبان میں بھی چند انگریزی لفظ شامل ہیں لہٰذا ہم اینگلو سیکسن (Anglo-saxon) قوم سے نسبی تعلق رکھتے ہیں یا فرڈینینڈ دی گریٹ (Ferdinand the Great) کی اولاد میں ہیں، انگریزی فوج کے ساتھ ہندوستان آئے اور گوشت فروشی کی وجہ سے ہمارا لقب Butcher پڑ گیا تو غور طلب سوال یہ ہے کہ اس بوچڑ کی اولاد کے دعوے فرنگیت اور آج کے قسائی صاحبان کے دعوے قرشیت میں کیا فرق ہوگا! ہندوستان کے بعض ان مقامات پر خواہ Hill stations (پہاڑی مقامات) ہوں یا میدانی علاقہ کے بعض شہر، جن میں اینگلو انڈین و یوروشین حضرات کی زیادہ آبادی ہے، کیا کبھی آپ نے کسی ہندوستانی تاجر دوکاندار کو کسی انگریز سے کاروباری گفتگو کرتے نہیں سنا، جو مثلاً کہتا ہے "صاحب! اس کا پریس (Price) پچ نف روپی چھور آنہ، بس صاحب ایک بات خواہی ٹیک یعنی You may purchase کے بجائے خواہی نوٹیک یعنی You may not purchase تو کیا ان مسخ شدہ اور غلط الفاظ کا زبان پر چڑھ جانا اور عادتاً کاروباری گفتگو میں ان کا ادا ہونا اس امر کی کوئی دلیل ہو سکتی ہے کہ ان الفاظ کے بولنے والے اینگلو سیکسن قوم سے نسبی تعلق رکھتے ہیں؟ یہ اگر صحیح نہیں تو پھر قسائیوں کی زبان پر جو چند مسخ شدہ اور غلط الفاظ بطور مصطلحات پیشہ رائج ہیں وہ ان کی عربیت یا قرشیت کی کیونکر دلیل ہو سکتے ہیں۔

مختلف زبانیں بولنے والی قوموں کے اختلاط اور میل جول سے غیر زبان کے جو الفاظ مروج ہوتے ہیں ان کی مثالیں ہندوستان کی زبانوں میں بکثرت مل سکتی ہیں۔ عہد مغلیہ اور اس سے قبل کے ہندو شاعروں کے دوہروں کو دیکھئے برج بھاشا میں کہے گئے مگر جا بجا فارسی اور عربی الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ کبیر شاعر، بنارس کے رہنے والے محض ان پڑھ، گرو رامانند کے چیلے اور کبیر پنتھیوں کی مت کے بانی ہیں، فرماتے ہیں۔

دین گنوایو دنی سے دُنی نہ آیو ہاتھ   پیر کہاڑی ماریو گا پھل (غافل) اپنے ہاتھ

کبیر سر پر سرائے ہے کیوں سوئے سکھ چین   کوچ نگارا (نقارہ) سانس کا باجت ہے دین رین

اسی طرح گرونانک صاحب کے کلام میں عربی وفارسی کے الفاظ بکثرت ہیں، مثلاً

سانس ماس سب جیو تمہارا　　　تو ہے کھرا پیارا
نانک شاعرایو کہت ہے　　　سچے پروردگارا

بابا تلسی داس برہمن ذات، ضلع باندہ کے رہنے والے سنسکرت داں رامائن کا ترجمہ برج بھاشا میں کرتے ہیں، مگر فارسی الفاظ بلا تکلف استعمال میں لاتے ہیں۔

گھر بسوان بچن ہٹ بولے　　　کتنی بھنگ کلہ بھی کھولے
رام انیک گریب (غریب) نواجے (نوازے)　　　لوک بید بربر ور اجے
مایا کو مایا ملے کر کر لمبے ہاتھ　　　تلسی داس گریب (غریب) کی کوئی نہ پوچھے بات

ایسی مثالیں بکثرت بیان کی جاسکتی ہیں، انگریزی زبان کے الفاظ جس طرح آج اُردو میں مستعمل ہیں اس سے تو ہر شخص واقف ہے لیکن آج سے دوڈھائی سو برس پہلے جب شمالی ہند میں شاید کوئی فردواحد بھی انگریزی زبان سے آشنا نہ تھا چند انگریزوں کے میل جول سے صدہا الفاظ انگریزی وپرتگالی کے بول چال میں استعمال ہونے لگے تھے حتی کہ اس زمانہ کے شاعر اپنے کلام کو ان سے زینت دیتے تھے، ذرا سید انشاء کے مشہور قصیدہ تہنیت جشن کو پڑھئے قریب قریب ہر شعر میں کوئی نہ کوئی لفظ انگریزی یا پرتگالی کا ملے گا۔ یہاں چند شعر نقل کرتا ہوں۔

کوئی شبنم سے چھڑک بالوں پہ اپنے پوڈر　　　کرسی ناز پہ جلوہ کی دکھاوے گا پھبن
نسترن بھی نئی صورت کا دکھاوے گا رنگ　　　کوچ پر ناز کی جب پاؤں رکھے گا بن ٹھن
اپنے گیلاس شگوفے بھی کریں گے حاضر　　　آکے جب غنچۂ گل کھولیں گے بوتل کو دہن
چنے بل بل کے بجاویں گے فرنگی طنبور　　　لالہ لاوے گا سلامی کو بنا کر پلٹن
کھینچ کر تار رگ ابر بہاری سے کئی　　　خود نسیم سحر آوے گی بجاتی ارگن
اردلی کے جو گراں ڈیل ہیں ہونگے سب جمع　　　آن کر اپنا بگل پھونکے گا جب شکھدرسن

گھوڑے کی تعریف میں کہتے ہیں ۔

ہے اس آفت کا سبک سیر کہ راکب اس کا　　　حاضری کھائے جو کلکتہ تو لنڈن میں ٹفن

تو کیا جس طرح ہندوؤں کی زبان پر مسلمانوں کے میل جول سے عربی وفارسی کے الفاظ اور انگریزوں کے اختلاط سے ہندوستانی شاعروں کے کلام میں انگریزی الفاظ مستعمل ہونے لگے تھے ہندوستان کی پیشہ ور قوم کا عربی بولنے والی قوم کی بول چال سے چند الفاظ اخذ کر کے استعمال کر لینا اور وہ بھی صرف ان ہی پیشہ وروں کا استعمال کرنا۔ جن کا کاروبار محض عربی بولنے والی قوم کے ساتھ عرصۂ دراز

تک رہا کسی دوسری قوم کے ساتھ نہیں رہا اور وہ چند الفاظ بھی جو صرف کاروباری گفتگو کے الفاظ ہوں کیا اس امر کی کوئی دلیل ہو سکتے ہیں کہ یہ غلط اور مسخ شدہ الفاظ ان کی اپنی مادری زبان کے الفاظ ہیں۔ بڑ قصابوں کی زبان پر تو ان میں کا ایک لفظ بھی نہیں اور اس لیے نہیں کہ وہ ان کے پیشہ کا تعلق صرف مسلمانوں ہی تک محدود نہ تھا جن کی زبان ابتداء عربی یا عربی آمیز فارسی تھی، بلکہ بکرے کے گوشت کی فروخت کے سلسلہ میں ہندوستان کی دیگر گوشت خور قوموں سے بھی برابر کا تعلق رہا۔

عربی فارسی کے بہت سے الفاظ مسخ شدہ صورت میں عرصۂ دراز سے ہندوستانی زبان بولنے والی تمام قوموں کی زبان پر رائج ہیں تو کیا وہ ان کے عربی النسل ہونے کی دلیل میں پیش کیے جا سکتے ہیں ایسے چند الفاظ کا یہاں لکھنا غالباً بے محل نہ ہوگا!

افراتفری (فرط تفرید) پچاوہ (پڑاوہ) تارتلا (تارطلا) ہمام دستہ (ہاون دست) کھگل (کاہ گل)، کھیسا (کیسہ) توبہ تسنوہا (توبۂ نصوح) تانے تشنے (طعن تشنیع) ٹاٹ بانی (تاربانی) جھاڑو (جاروب) بیچ منڈل (بدیع منزل) وغیرہ۔

ہندوستان میں صحیح النسب عربی خاندان مختلف اقطاع ملک میں مختلف زمانوں سے آباد ہیں، ایسے بھی ہیں جن کو ہندوستان آئے صدیاں گذر گئیں اور ایسے بھی جن کو کچھ زیادہ زمانہ نہیں گذرا کیا ان میں سے کسی کی زبان پر اس قسم کے مسخ شدہ اور غلط الفاظ باقی ہیں؟ آخر ان کی زبان پر کیوں باقی نہیں اور قسائیوں کی زبان پر اب تک کیوں باقی ہیں؟ سوچنے کی بات ہے، صحیح النسب عربی خاندانوں کی زبان پر اس لیے باقی نہیں کہ وہ ان کی مادری زبان تھی، ہندوستان میں ان کی جو نسلیں پیدا ہوئیں، جس مقام پر پلیں بڑھیں وہاں کی مروجہ زبانوں نے ان کی مادری زبان کی جگہ لے لی۔ قسائیوں کی مادری زبان چونکہ عربی نہیں تھی بلکہ صرف یہ چند الفاظ انہوں نے اولاً عربی زبان بولنے والوں کی بول چال سے اپنے اس کاروبار اور اپنے اس پیشہ کے متعلق حاصل کیے تھے جس کا تعلق ابتداءً صرف ان ہی عربوں سے تھا کسی اور قوم سے نہ تھا اس لیے وہ ہی چند الفاظ، جو محض کاروباری گفتگو کے الفاظ ہیں، ان کی دو چار نسلوں کے بعد ان کے پیشہ کی مخصوص مصطلحات بن گئے، ان کا دھلا عربی زبان کا ثلثہ نہیں تھا بلکہ ان کے پیشہ کا دھلا تھا وہ دھلا آج تک چلا جاتا ہے، ان کا خمس عربی کا خمسہ نہ تھا بلکہ ان کے پیشہ کا خمس تھا چنانچہ وہ آج تک اپنی اسی ہیئت کذائی کے ساتھ باقی ہے اور اعلیٰ ہذا القیاس۔

یہ تو مسخ شدہ عربی الفاظ کا حال ہے لیکن یہ ختا اور جورختا کس زبان کے لفظ ہیں جو واحد اور اشتان کے معنی میں مستعمل ہیں۔ آپ اگر ختا اور جورختا کو ذرا بلند آواز سے کہیے تو ایک ہی آواز میں ان کی عربیت کا بھانڈا پھوٹ جائے گا۔ ہاں ذرا چلا کر کہیے تو جورختا! اس سے عربیت ٹپکتی ہے یا سندھیت و بلوچیت!

ان الفاظ کے علاوہ اگر ان فقروں اور ان الفاظ کو بھی پیش نظر رکھا جائے جو یہ لوگ اپنی خاص بولی میں استعمال کرتے ہیں تو یہ امر درجہ یقین کو پہنچ جاتا ہے کہ ان کا نسبی تعلق ہرگز ہرگز کسی عربی قبیلہ سے نہیں ہے بلکہ سندھ و بلوچستان کی کسی ادنیٰ قوم سے ہے۔ مثلاً کہتے ہیں.....

کا نڈو کے سے لپڑا کبد لاداں	یعنی ہندو کے سے کپڑا خرید لائیں۔
بھمرا نکال لیا ہے	: غیر دیکھ رہا ہے۔
لیتین جھک رہی ہے	: عورتیں بیٹھی ہیں
یہ لیتین بڑی سپلاتی ہیں آؤ تھنگ جاؤ	یہ عورتیں بڑی خوبصورت ہیں آؤ بیٹھ جاؤ۔

بکر کو تھنگا دو اور لاپ لو . یعنی گائے کو ڈھا دو اور کاٹ لو۔

اسی طرح اور بہت سے فقرے ہیں جن میں لفظ "ہیں" یا "ہے" کے سوائے مسخ شدہ سندھی اور بلوچی الفاظ شامل ہیں۔

خصائص قومی:

نوع انسانی کی مختلف شاخوں کے نسبی معاملات کا ثبوت اور اس کا صحیح اندازہ علم الانساب کی کتابوں، کرسی ناموں کے اوراق اور شجر ہائے نسب کے بوسیدہ چیتھڑوں سے کہیں زیادہ ان اقوام کی عادات و خصائل شکل و شمائل اور خصوصیات قومی سے ہو سکتا ہے۔ اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو ہندوستان کے ان جدید مدعیان قرشیت کا کوئی دُور کا واسطہ و تعلق بھی قوم عربی سے نہیں پایا جاتا۔

اہل عرب کی صفائی ذہن اور فطری سرعت فہم دنیا میں مسلّم ہے برخلاف اس کے ہندوستان کے ان مدعیان عرب نژادگی کی کند ذہنی مشہور ہے۔ زباں دانی اور فصاحت و بلاغت عرب کے ایک ایک فرد کا مخصوص جوہر تھا۔ خلق اعرابی و عدنانی فصاحت دنیا میں مشہور ہے۔ اپنے علاوہ تمام دنیا کو انہوں نے عجم (یعنی ژولیدہ بیان) کا خطاب دے رکھا تھا۔ عرب سے باہر جہاں گئے اور جس ملک میں جا کر ڈیرے جمائے یہ فطری جوہر بھی اپنے ساتھ لیتے گئے۔ بازار عکاظ کا سماں ہر جگہ جار چاپایا، فارسی ہو یا اُردو، سندھی ہو یا پنجابی، ہر زبان میں فصاحت کے دریا بہادیئے۔ ان زبانوں کے چوٹی کے شعرا کی فہرست اٹھا کر دیکھو اس میں کوئی میر تقی میر ہاتھی ہوگا، کوئی شیخ غلام ہمدانی مصحفی قریشی۔ کیا جدید مدعیان قرشیت کسی قسائی شاعر کا نام پیش کر سکتے ہیں؟

اقوام عالم میں صرف اہل عرب ہی اپنی اس خصوصیت میں ممتاز و منفرد رہے ہیں کہ ان کے جاہل سے جاہل افراد بھی اپنے انساب محفوظ رکھتے تھے۔ انسان تو انسان وہ اپنے جانوروں یعنی گھوڑوں، اونٹوں حتیٰ کہ کھجوروں کی نسلیں تک جانتے اور ازبر رکھتے تھے۔

> "عرب کو ایک خصوصیت خاص حاصل تھی۔ عرب میں بعض خاص خاص باتیں ایسی پائی جاتی تھیں جن کو تاریخی سلسلہ سے تعلق تھا اور جو اور قوموں میں معدوم تھیں۔ مثلاً انساب کا چرچا جس کی یہ کیفیت تھی کہ بچہ بچہ اپنے آبا نو اجداد کے نام اور ان کے رشتے ناتے دس دس بارہ بارہ پشتوں تک محفوظ رکھتا تھا، یہاں تک کہ انسانوں سے گذر کر گھوڑوں اور اونٹوں تک کے نسب نامے محفوظ رکھے جاتے تھے۔ [1]

اہل عرب اور قریش عرب سے نکل کر جہاں بھی گئے اور جس ملک میں بھی جا کر بسے یہ قومی خصوصیت اپنے ساتھ لیتے گئے، آج ہندوستان کے اندر خاندان قریش کی جو صحیح النسب نسلیں آباد ہیں ان میں انساب کے محفوظ رکھنے کا اہتمام سلف سے برابر چلا آتا ہے۔ کیا یہ جدید مدعیان قرشیت زیادہ نہیں دس بارہ پشت تک، جناب قصیٰ تک نہیں تو اپنے کسی ہندی بزرگ ہی تک اپنا سلسلۂ نسب مسلسل دنیا کے سامنے پیش کر سکتے ہیں؟

---

[1] [الفاروق صفحہ ۳ مطبوعہ]

میں اقوام کے محاسن ورذائل پر گفتگو کرنا پسند نہیں کرتا، آج کے حالات سے بحث نہیں، دو تین صدیوں پہلے ہی کا زمانہ چشم تصور میں لاؤ اور دیکھو ہندوستان کے مسلمانوں کے کس طبقہ میں تمہیں زہد وتقویٰ، عصمت وعفاف، احسان وکرم، حلم وعفو، عزم وثبات، ایثار ولطف غیرت واستغناء کے نمونے ملتے ہیں۔ کیا ہندوستان کے ان جدید مدعیان قرشیت کے افراد کے اقوال وافعال، وضع وقطع، شکل وشباہت، رفتار وگفتار، مذاق طبیعت انداز گفتگو، طرز زندگی، طریق معاشرت میں کوئی خفیف سے خفیف اور ادنی سے ادنی شائبہ بھی قریش تو قریش مسلمانانِ ہند کے کسی شریف النسب طبقہ سے پایا جاتا ہے۔ اگر پایا جاتا ہے تو اس کا کوئی ثبوت اور اگر نہیں پایا جاتا تو پھر یہ دعویٰ قرشیت کیسا؟

ہندی پیشہ وروں کی قومی خصوصیات:

ہندوستان کے پیشہ ور اقوام میں، خواہ ہندو ہوں یا مسلمان، چند خصوصیات ایسی پائی جاتی ہیں جو ہندوستان کے علاوہ کسی دوسرے ملک وقوم کے پیشہ وروں اور بالخصوص عرب وغیرہ میں ہرگز نہیں پائی جاتیں۔ سب سے پہلی خصوصیت کسی پیشہ کا ایک ہی قوم ونسل میں متوارث ہو جانا اور نسلاً بعد نسل اس نسل کے افراد کا اپنے آبائی پیشہ کا اختیار کرنا۔ یہ خصوصیت اب تک صرف ہندوستان ہی کو حاصل رہی ہے کہ یہاں ذاتیں اور برادریاں بربنائے پیشہ کے قائم ہوئیں، اور باپ کے بعد بیٹا اسی پیشہ کو کرتا رہا۔ سلطنت برطانیہ کے زمانے سے البتہ ایسا ہوا ہے کہ بعض پیشہ وروں نے اور پیشے بھی اختیار کرنے شروع کر دیئے ہیں لیکن ان کی مثالیں خال خال ہیں ورنہ اب بھی بالعموم یہی حالت ہے کہ جو جولاہے کی نسل سے ہے تو جولاہہ کا پیشہ کرے گا، قسائی کی اولاد سے ہے تو بالعموم قسائی کا کام۔ ہندوستان کے علاوہ اور ممالک بالخصوص عرب میں یہ کیفیت کبھی نہیں رہی۔ اس لیے ہندوستان کے قسائیوں وغیرہ کے بعض افراد جو کچھ عرصہ سے عرب نژادگی کے مدعی بنے ہیں اپنی اس قومی خصوصیت کو، جو انہیں اپنے ہندو ہم جدیوں کے ساتھ مشترکہ حاصل ہے، کس طرح مٹا سکتے ہیں؟

دوسری خصوصیت اور سب سے بڑی خصوصیت ان ہندو اور مسلمان پیشہ ور اقوام میں پنچایت کا دستور ہے۔ ہندوستان میں جتنے عربی وعجمی النسل خاندان آباد ہوئے کسی ایک میں بھی کبھی پنچایت کا رواج نہیں رہا۔ خود "پنچایت" کا لفظ اس کی اصل، اس کی غرض وغایت، اس کی ہیئت ترکیبی، یہ سب اس کے ہندی ہونے کا بین ثبوت ہیں۔ پنچایت کا دستور ہندوستان میں قدیم ترین زمانہ سے ہے اور ہندو دیہاتیوں کا بالخصوص ہندو پیشہ ور تمام اقوام میں پایا جاتا ہے۔ पंच में परमेशवर "پنچ میں پرماتما" مشہور ہندی مثل ہے۔ پنچایت حقیقتاً برادری اور فرقہ وارانہ تنظیم کے لیے بہت مفید ہے، اس کو اگر دانشمندانہ اصول پر چلایا جائے تو باہمی نزاعات کا تصفیہ بخوش اسلوبی ممکن ہے۔ "پنچایت" کے علاوہ ہر پیشہ ور برادری میں چودھری یا چودھریوں کا مقرر رہنا، برادری کے فیصلہ سے برادری کے کسی مجرم کا کھان پان اور حقہ پانی بند ہونا یہ سب دستور اور رواج ہندی الاصل ہونے کے کافی ثبوت ہیں۔ چودھری کا لفظ بھی ہندی لفظ ہے اصل میں چتر دھر تھا، بگڑ کر چودھری ہو گیا۔ یہ دستور صرف اُن ہی اقوام میں ہیں جو نسباً ہندی ہیں اور یہ وہ قدیم انسٹی ٹیوشن اور دستور ہیں جو اسلام لانے کے بعد تقریبات کے صدہا ہندوانہ مراسم کے ساتھ ان اقوام میں باقی رہے۔

قسائیوں کا نسب:

مندرجہ بالا بیانات سے جب یہ اچھی طرح واضح ہو گیا کہ امروہہ وغیرہ کے قصاب نسباً نہ قریشی ہیں اور نہ عربی النسل تو اب یہ سوال

حل طلب باقی رہ جاتا ہے کہ آخر وہ کس قوم ونسل سے ہیں یا ہو سکتے ہیں۔ اس مسئلہ پر غور کرتے وقت بعض سطحی معلومات کے لوگ یہ کہہ اٹھتے ہیں کہ قصابوں کا پیشہ چونکہ گائے وغیرہ کی گوشت فروشی کا پیشہ ہے اس لئے یہ کسی ہندو قوم سے تو ہو نہیں سکتے، لامحالہ ہندوستان کے باہر سے آئے ہونگے۔ لیکن ان لوگوں کا یہ خیال محض بربنائے عدم واقفیت و لاعلمی کے ہے۔ ہندوؤں کی تہذیب وتمدن کا گہرا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت آشکارا ہوتی ہے کہ ہندوستان میں ''جیو ہتیا'' کا مسئلہ ہمیشہ سے نہ تھا، ہندو تہذیب وتمدن نے بھی زمانہ کی تبدیلی کے ساتھ مختلف پلٹے کھائے ہیں، ایسا بھی زمانہ رہا ہے جب گائے بھینس، گھوڑے، مینڈھوں کی قربانی کرنے کا دستور عام تھا، حیوانی غذا کو بافراط استعمال کیا جاتا تھا، ہندوستان کے مختلف حصوں میں ہندوؤں کی گوشت خور قومیں آباد تھیں۔ چنانچہ سندھ وغیرہ سرحدی مقامات کے ہندوؤں اور شمالی ہند کے ہندوؤں کے تمدن میں آج بھی بین فرق نظر آتا ہے۔ مسٹر آر۔سی۔دت اپنی بے نظیر تصنیف (سویلیزیشن آف اینشینٹ انڈیا) The Civilization of Ancient Indain by R.C.Dutt (قدیم ہندوستان کی تہذیب) میں لکھتے ہیں۔

> ''یہ امر بہ آسانی متصور ہوسکتا ہے کہ پنجاب کے قدیم ہندو حیوانی غذا بھی بہ افراط کام میں لاتے تھے۔ ہم اکثر اشارات گائے، بھینسوں اور بیلوں کی قربانی کرنے اور گوشت پکانے کی بابت بھی پاتے ہیں۔
>
> دسویں منڈل کے منتر ۸۹ کی رچا ۱۴ میں اس مسلخ کا ذکر ہے جہاں گائیں ذبح کی جاتی تھیں اور نیز اسی منڈل کے منتر ۹۱ کی رچا ۱۴ میں ایک اشارہ گھوڑے بیل اور مینڈھوں کی قربانی کا بھی دیکھا جاتا ہے ......
>
> آخری زمانوں میں گھوڑے کا بلداں اسو میدھ کے وقت بڑی دھوم دھام کے ساتھ جبکہ کوئی طاقتور راجہ بعد اس کے کہ وہ اپنے ہمسایہ راجائوں کو مغلوب کر کے ایسا خطاب اختیار کرے جو یورپ میں شاہی خطاب کے ہم پلّہ سمجھا جاتا ہے کمتر موقعوں پر ہوا کرتا تھا

رگ وید کے پہلے منڈل کی ۱۶۲ منتر کی ایک رچا کا ترجمہ یہ ہے۔

> ''۱۳۔ وہ کفچہ جو اُبلتی ہوئی ہانڈی میں ڈالا جاتا ہے، وہ ظرف جس میں یخنی رکھی جاتی ہے، وہ سرپوش جو اس کو گرم رکھتے ہیں، وہ بید جس کے ذریعہ سے گھوڑے کے جسم پر اوّل خط کھینچا جاتا ہے اور وہ چُھری جس سے بدن کے ٹکڑے ٹکڑے کیے جاتے ہیں یہ تمام آلات گھوڑے کے گوشت پکانے میں مدد دیتے ہیں۔
>
> ۱۸۔ چُھری دیوتاؤں کے ایک دوست کے مانند گھوڑے کے چونتیس پسلیوں کے جُدا جُدا کرنے کو داخل ہوتی ہے۔ ....''[1]

---

[1] The Civilization of Ancient Indain by R.C Dutt

اس اقتباس سے ظاہر ہے کہ گائے، بھینس، بیل، گھوڑے، مینڈھے وغیرہ کے ذبح کرنے، گوشت کاٹنے وغیرہ کا کام اس زمانہ میں ہندوؤں کے کسی فرقہ کو کرنا ہوتا ہوگا، برہمنوں کے اقتدار سے حیوانی غذا کے استعمال کا رواج بعض حصص میں معدوم اور بعض میں کم ہوگیا تھا، تاہم ہندوؤں کی یہ گوشت فروش قوم نیست ونابود نہیں ہوئی تھی ۹۲ھ میں جب محمد بن قاسم ثقفی نے ملک سندھ فتح کیا، وہ اور ان کے ہمراہی ثقفی اور انصاری قبائل کے افراد عربی زبان بولنے والے تھے اس زمانہ میں ہزاروں ہندوؤں نے اپنا قدیم مذہب چھوڑ کر اسلام قبول کیا۔ اس قدیم گوشت فروش قوم کے افراد نے یقیناً قبول اسلام میں دوسروں کے مقابلہ میں سبقت کی ہوگی، اور جس پیشہ کو ان کے آباؤ اجداد کرتے تھے اور برہمنوں مذہبی اقتدار کی وجہ سے تقریباً معدوم یا کم ہوگیا تھا انہوں نے پھر اختیار کرلیا ہوگا۔ علاوہ ازیں سندھ اور اس کے قرب وجوار میں بہت سی ایسی قومیں آباد تھیں جو اپنے تمدن ومعاشرت میں پست درجہ رکھتی تھیں، اور آج بھی جن لوگوں کو سندھ کے بعض مقامات پر بالخصوص کراچی جانے کا اتفاق ہوا ہو وہ بہ آسانی سمجھ سکتے ہیں کہ بلوچیوں کی پست اقوام کج ومکران کے ادنیٰ طبقہ کے لوگ، مسلمانوں کی ابتدائی یورش کے زمانہ میں حلقہ بگوش اسلام ہوکر اسی قسم کی خدمات پر مامور ہوئے جو رفتہ رفتہ ان کے مخصوص پیشے ہو گئے۔ کھتا اور جورکھتا کے ساتھ ساتھ کچھ مسخ شدہ عربی الفاظ بھی ان کی زبان میں شامل ہوگئے۔

امروہہ وغیرہ کے قصابوں کی قومی سیرت ان کی اخلاقی پستی اور ان کے عادات وخصائل کا بغور مطالعہ کرنے والا اس کو بآسانی قبول کرلے گا بلوچیوں کی بعض ان پست اقوام کی عادات وخصائل بلکہ شکل وشمائل میں انہیں کہاں تک اور کس حد مماثلت ومشابہت حاصل ہے جو آج بھی کراچی وغیرہ میں بالعموم محنت مزدوری کا پیشہ کرتے ہیں اگرچہ اس دور تنزل وانحطاط میں مسلمانوں کے اونچے سے اونچے طبقہ کے افراد کی اخلاقی حالت کا معیار وہ نہیں ہے جو ایک مسلم کا ہونا چاہئے یا ان کے اسلاف کرام کا رہا ہے، تاہم ہمارے قسائی بھائیوں کے کردار وگفتار، قول وفعل کا فرق اور غلط بیانی ضرب المثل ہوگئی ہے۔ لغت ومحاورے کی کتابوں میں متعدد کہاوتیں اس بیان کی تائید میں ملتی ہیں۔ یوں تو قسائی بھائیوں میں بھی نیک کردار اور راست گفتار افراد موجود ہیں لیکن اردو زبان میں جو امثال مشہور ہیں وہ عمومیت کے لحاظ سے ہیں، بلوچیوں کی ان پست اقوام کے عادات کے متعلق بھی بعینہ یہی شکایت ہے، ان کی شکل وشمائل اور اخلاقی حالت بھی بہت کچھ قسائیوں کی قوم سے ملتی جلتی ہے۔ کھتا اور جورکھتا وغیرہ الفاظ بھی اسی بلوچیت کا پتہ دیتے ہیں۔ اس لیے جو لوگ ان کو نسباً سندھیوں وبلوچیوں کی پست قوم سمجھتے ہیں وہ شاید سب سے زیادہ صحیح نتیجہ پر پہنچے ہیں۔ زمانہ حال کے مشہور مورخ پروفیسر ای۔ جے۔ رپسن نے اپنی مبسوط[1] تاریخ میں ثابت کیا ہے کہ ہندوستان کے قدیم باشندوں (یعنی Dravidians) کا جنہیں شودر کہا جاتا ہے، ایک قدیم فرقہ اب تک بلوچستان کے پہاڑی علاقہ میں موجود ہے۔ یہ لوگ ابتداءً ان ہی اطراف سے ہندوستان آئے تھے۔

نداف ونور باف یعنی دھنے اور جولاہے:

جیسا کہ کسی دوسری جگہ ذکر ہوچکا ہے دھنے اور جولاہے حقیقتاً ایک ہی قوم کے دو مختلف الحرفہ فرقے ہیں۔ شمالی ہندوستان میں اسلامی سلطنت قائم ہونے کے ابتدائی زمانہ میں نیز اس کے بعد بھی ان دونوں قوموں کے ہزاروں خاندان ''اونچ'' ذات کے ہندوؤں کے ذلت آمیز وناقابل برداشت برتاؤ سے نجات حاصل کرنے کے لیے بعض دوسری شودر اقوام کی طرح حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ اسلام لانے کے بعد بدستور اپنا آبائی پیشہ کرتے رہے۔ ہندو کوریوں سے امتیاز کی خاطر فارسی زبان نے انہیں جولاہہ کا لقب دیا بعض مقامات پر

[1] The Cambridge History of India Vol . I page 42 & 43

اپنے ہندو ہم قوم اور ہم پیشوں کے مقابلہ میں یہ مومن کہلائے۔ رفتہ رفتہ ان کے لیے مومن، نور باف وسفید باف اور دھنوں کے یے نداف وغیرہ الفاظ استعمال ہونے لگے۔

فارسی زبان میں کپڑا بننے والے کو جولاہ یا جولاہہ کہتے ہیں۔ خاقانی کہتا ہے۔ ع

''جولاہہ نژادیم از سوئے جد''۔ صاحب فرہنگ ششتری لکھتا ہے

جولاہہ وجولاہ ہر دو صحیح باشد بمعنی بافندۂ پارچہ کسانیکہ جُلائی وجُلاہی خوانند غلطی کنند۔ ۱	جولاہہ وجولاہ دونوں صحیح ہیں جو کپڑا بننے والے کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں جو لوگ جُلائی جُلاہی پڑھتے ہیں غلطی کرتے ہیں۔

بعض فارسی نویس صنعت پارچہ بافی کو ''حرفت جولاہی ۲'' لکھتے ہیں لیکن اُردو میں مرد کو جولاہہ اور عورت کو جولاہی یا جولائی کہتے ہیں مثلاً ابائی امروہوی فرماتے ہیں۔

وہ خیالات کے حامی نہ مسلمان نہ گبر وہ وہ الفاظ کہ کہتی نہ جولاہی نہ دُتی

مسٹر جان بوس لکھتے ہیں

''جولاہہ۔ یہ لوگ بالعموم غریب اور بے حیثیت ہوتے ہیں۔ بعض اصلاع میں اسی پیشہ کے ہندو بھی جولاہے کہلاتے ہیں لیکن جولاہہ کا لقب زیادہ تر مسلمان پیشہ وروں کے لیے مخصوص ہے اور ہندوں کو تانتی یا ٹھٹیا وغیرہ کہتے ہیں۔ ۳

مسٹر موصوف ضلع بجنور کے جولاہوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

''جولاہوں کی تعداد اس ضلع میں ساٹھ ہزار تین سو پینتیس ہے۔ ان میں ہندوں کی تعداد بہت کم ہے جو مسلمان جولاہوں سے امتیاز کی خاطر بھنیار (یا بھنیا) کہلاتے ہیں۔ ۴

پارچہ بافی کی صنعت ہندوستان کی قدیم ترین صنعت تھی، لاکھوں افراد اس صنعت کو نسلاً بعد نسلٍ کرتے تھے، اسلامی سلطنت کے ابتدائی دور میں مختلف مقامات پر پارچہ بافی کے کارخانے قائم تھے، سلطان علاء الدین خلجی نے کپڑے کی ارزانی کے متعلق خاص قواعد مقرر کیے، جداگانہ محکمہ قائم کیا، اس کے افسر و دلال متعین کیے، ڈھاکہ کی ململ تو تمام دنیا میں مشہور تھی بنارس، دہلی، ملتان، ناگور، کوئلہ، دیوگیر وغیرہ مقامات پر پارچہ بافی کے بڑے بڑے کارخانے موجود تھے جن میں ہزاروں ہندو اور مسلمان کاریگر، کوری اور جولاہے، کام کرتے تھے۔ عہد اکبری میں صرف ایک لاہور میں شال بافی کے ایک ہزار سے زیادہ کارخانے تھے۔ اسی سے پارچہ بافی کے کارخانوں کا

---

۱ فرہنگ ششتری ۲ [تحفۃ الاکرام صفحہ ۱۳۳] ۳ و ۴ میموائرس ہسٹری ایلیٹ

قیاس ہوسکتا ہے۔ اس زمانہ میں مینچسٹر Manchester برمنگھم Birmingham، اور لائنس Lyons وغیرہ کی پارچہ بافی کے کارخانوں اور احمد آباد وغیرہ کی کلاتھ ملس (Cloth Mills) کا وجود کیا کسی کو خیال بھی نہ ہوسکتا تھا، اور نہ انسان کا ہاتھ بٹانے کے لیے بھاپ اور بجلی کی طاقت سے کام لینے کا وہم وگمان۔ اس لیے ہندوستان کے بادشاہوں، شہزادوں، بیگمات، وزراء امراء، روساء وعمال سلطنت کے علاوہ کروڑوں باشندگان ملک کی ضروریات کے لیے ہزاروں کارخانے اور لاکھوں کاریگر، کوری اور جولاہے کا کام کرتے تھے۔ انہی لاکھوں کاریگروں کی نسل سے وہ تمام جولاہے اور کوری ہیں جو آج بھی مختلف حصص ملک میں یورپین مصنوعات کی گرم بازاری کے باوجود کچھ نہ کچھ اپنا قدیم اور آبائی پیشہ کرتے ہیں۔ بعض لوگوں نے کچھ عرصہ سے البتہ دوسرے پیشے بھی شروع کر دیے ہیں۔ عہد اسلامی میں جب پارچہ بافی کی صنعت اور پارچہ فروشی کی تجارت خوب رونق پر تھی، ملکی مصنوعات کے قدردان موجود تھے۔ دو ایک مسلمان جولاہوں نے دولت وتمول کے اعتبار سے خوب ترقی حاصل کی تھی۔ دولت کے ساتھ ان میں علم بھی آیا اور ان میں سے چند افراد کو شاہی تقرُّب بھی حاصل ہوگیا۔ لیکن اس زمانہ میں عمال سلطنت کے تقرر میں ذاتی فضائل وکمالات کے ساتھ ساتھ عالی نسبی کو بھی خاص اہمیت دی جاتی تھی۔ مسلمان جولاہوں کا نسبی تعلق چونکہ اس ہندی قوم سے تھا جسے ہندو "اونچ" ذات والوں نے "شودر" کا لقب دے رکھا تھا اس لیے عہد التمش میں ایک مسلمان جولاہے کو جس نے اپنی ذاتی لیاقت وقابلیت سے وزارت کے درجہ تک ترقی حاصل کی تھی، محض اس لیے عہدے سے علیحدہ ہونا پڑا کہ وہ نسباً جولاہہ تھا۔ مشہور مورخ ضیاء الدین برنی نے اس واقعہ کو تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔ واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ سلطان شمس الدین التمش کا ایک وزیر نظام الملک نام تھا۔ اس نے ایک شخص جمال الدین مرزوق کی، جو دار الضرب کا کوئی عہدہ دار تھا، صوبہ قنوج کے حاکم مقرر کیے جانے کی سفارش کی تھی۔ جمال الدین مرزوق کم اصل تھا اس لیے بادشاہ کے ایک دوسرے وزیر عزیز بہروز نے فوراً یہ شعر موزوں کر کے پڑھا۔

بدست دوں مدہ خامہ کہ گردوں را اجل افتد　　　سیہ سنگے کہ در کعبہ است سازو سنگ استنجی

اس شعر کو پڑھ کر جمال الدین مذکور کی جانب اشارہ کیا۔ بادشاہ نے اس وقت حکم دیا کہ جمال الدین مرزوق کے نسب کی تفتیش کی جائے۔ چنانچہ بعد تحقیقات ثابت ہوا کہ وہ حقیقتاً کم اصل تھا لیکن نظام الملک اس پر بھی سفارش کرتا رہا کہ "جہاں پناہ! یہ شخص بہت لایق وکارداں ہے۔
خط نہایت پاکیزہ ہے، تحریر میں خاص لیاقت ہے۔" بادشاہ کو اس کے اصرار پر غصہ آیا اور حکم دیا کہ۔

" تفحّصِ اصلِ وزیرمی باید کرد که اگر درودگِ کم اصلی نباشد ہر گز کم اصلاں را دفتر نہ دہد ... چوں در اصل وزیر تفحّص شافی کردند وحالات نمود ند ہنائے جدِ نظام الملک جولاہہ یا فتند واز فرمودن اشغال بہ کم اصلاں وناکس بچگاں آنچناں مَلِکے فضیحت شد و بہ جُلا ہگی منسوب گشت [1]

وزیر (نظام الملک) کے نسب کی چھان بین کی جائے کیونکہ اس میں اگر کھوٹ نہ ہوتی تو وہ ہرگز کم اصلوں کو عہدہ نہ دیتا جب وزیر کے نسب کی اچھی طرح چھان بین کی گئی تو معلوم ہوا کہ نظام الملک کا دادا جولاہہ تھا، کم اصلوں اور رذیلوں کو عہدہ دینے کی وجہ سے ایسے ذی وجاہت (ملک) کو بھی بدنامی اٹھانی پڑی اور جولاہگی سے اسے منسوب ہونا پڑا۔

---

[1] [تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۳۹۔]

سلطان محمد تغلق کے متعلق مورخین نے عجیب و غریب واقعات بیان کیے۔ منجملہ ان کے صاحب تاریخ فیروز شاہی نے لکھا ہے کہ اس بادشاہ نے بعض رذیلوں کو منہ چڑھایا تھا اور ان کو بڑے بڑے عہدے دیئے تھے چنانچہ ان کے نام بھی درج کیے ہیں اور لکھا ہے کہ

بجنا مطرب بچه بداصل راچناں سرکشید که درجه اواز درجات بسیاراں ازملوک به گذشت · عزیز خمار وبرادراو فیروز حجام و منگا طباخ مسعود خمار ولد باباغبان چندیں جوا سپرستره رابزرگ گردانید .... و بابو نایک بچه جولاہه راقرب ازوانی داشت۔ [1]

بجنا میراثی بچہ بداصل کو اتنا بڑھایا کہ اس کا رتبہ بہت سے ملوک (امراء) سے بڑھ گیا عزیز خمار اور اس کے بھائی فیروز حجام و منگا باورچی و مسعود خمار ولد با باغبان اور دوسرے رذیلوں کو عزت دی اور بابو نایک بچہ جولاہے کو اپنا مقرب بنایا۔

غرض یہ کہ عہد اسلامی میں جولاہوں کی قوم کو ہندوستان کی پست اقوام میں شامل کیا جاتا تھا اور امر واقعہ بھی یہی تھا کہ ان کا نسبی تعلق شودر اقوام سے ہے لیکن اب چند سال سے اس قوم کے بعض نادان اپنے کو قبیلہ انصار سے منسوب کرنے لگے ہیں۔ برادری کی انجمنوں اور پنچایتوں کے نام بھی ''جمعیۃ الانصار'' رکھے گئے ہیں اور بعض لوگوں نے اپنے نام کے ساتھ ''انصاری'' بھی لکھنا شروع کیا ہے۔ واقفان حال سے تو یہ بات پوشیدہ نہیں کہ ہندوستان کے بعض جولاہوں کا دعویٰ ''انصاریت'' کس درجہ لغو و مہمل بلکہ مضحکہ انگیز ہے کہا عربی قبیلۂ انصار اور کہا ہندی نژاد جولاہے لیکن تاریخی بحث کے سلسلہ میں قبیلۂ انصار کا مختصر ذکر کردینا شاید بے محل نہ ہوگا۔

جیسا کہ کسی دوسری جگہ بیان ہو چکا ہے، اہل عرب دو بڑی شاخوں میں منقسم ہیں، ایک قحطانی اور دوسرے عدنانی یا اسماعیلی۔ انصار قبیلۂ قحطان [2] سے ہیں۔ یہ اصل میں یمن کے رہنے والے تھے، وہاں جب مشہور سیلاب آیا جس کو **سیل عرم کہتے ہیں تو یہ لوگ** یمن سے نکل کر **مدینہ** میں آباد ہو گئے۔ یہ دو بھائی تھے **اوس وخزرج** تمام انصار ان ہی دو بھائیوں کی اولاد سے ہیں۔ ان سے مختلف قبیلے متفرق ہوئے مثلاً بنو نجار، بنو تمیم وغیرہ۔ بنو ہاشم سے اور انصار سے برابر رشتہ ہوتے تھے۔ بنو نجار جناب عبدالمطلب کے ماموں کا خاندان تھا اور حضرت عباسؓ بھی انصار کے بھانجے تھے۔ وفد یمن نے جو قحطانی تھے، جب آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ کیا آپ اور ہم، ہم خاندان نہیں ہیں آپ نے فرمایا

''ہم نضر بن کنانہ (اسماعیلیؑ) کے خاندان سے ہیں، نہ اپنی ماں پر تہمت رکھ سکتے ہیں اور نہ اپنے باپ سے انکار کر سکتے ہیں۔'' [3]

عرب کوئی زرعی ملک نہیں ہے۔ طائف وغیرہ میں کچھ غلہ اور ترکاریوں کی کاشت البتہ ہوتی تھی، تمام قبائل عرب کا پیشہ ہمیشہ سے تجارت تھا، جنگلی درختوں کے میوے، مویشیوں کے بال، اور چمڑے وغیرہ یہ لوگ مصر و شام و یمن لے جاتے اور وہاں سے ان کے بدلے تمام ضروری چیزیں کھانے پینے کی لاتے تھے۔ عرب میں جب روئی کی پیداوار ہی نہ تھی، سوت و کپاس میسر نہ آتی تھی تو پھر دھنے

---

[1] [تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۵۰۵] [2] بعض محقق انصار کو بھی اسماعیلی سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بنو قحطان سے چونکہ ان کی قربت زیادہ رہی اسلئے اس ہی قبیلے سے منسوب ہو گئے۔ واللہ اعلم

[3] [زادالمعاد جلد (۱) صفحہ ۲۳]

جولاہے کا پیشہ کیسا۔ ابن قتیبہ نے اپنی کتاب میں ''صناعات الاشراف '' کا ایک باب قائم کیا ہے۔ اس کے تحت میں بعض اشخاص کے تجارتی مشاغل کا بھی ذکر کیا ہے، اس میں کسی نساج (جولاہے) کا ذکر نہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ و حضرت عثمان ؓ و حضرت طلحہ ؓ و حضرت عبدالرحمن بن عوف البتہ کپڑے کی تجارت کرتے تھے لیکن یہ کپڑا عرب میں نہیں بُنا جاتا تھا بلکہ ممالک غیر سے آتا تھا، مدینہ میں کسی جولاہے کی کارگاہ (کرگاہ) نہیں تھی اور بفرض محال اگر کسی انصاری نے بھی کپڑا بُننے کا کوئی کام کبھی کیا بھی ہو تو ان کی اولاد نے نہیں کیا۔ جب اہل عرب فاتح کی حیثیت سے عرب سے باہر نکلے تو ڈھاٹا اور ہتھ یا چرخہ وکوچ لیکر کوئی نہیں نکلا، تلوار اور نشان فتح (جھنڈا) لیکر نکلے۔ ان کے اخلاف کے ہاتھ میں بھی تلوار رہی یا قلم، سوت، ائیرن یا نلی بھی نہیں رہی۔ ۹۳ھ میں **محمد بن قاسم ثقفی** کی معیت میں بعض قبائل انصار کے افراد بھی سندھ آئے اور خلفاء بنی اُمیہ و بنی عباس کے زمانہ میں کئی صدیوں تک یہی لوگ سندھ کے گورنر رہے۔ ان میں بنی تمیم اور اولاد جریمہ انصاری اور دوسرے قبائل کے اشخاص سلاطین غزنین و غور کے زمانہ میں عہدۂ قضاء و خطابت پر معمور ہوئے۔ شاہجہاں کے مشہور وزیر علامی سعد اللہ خان بنی تمیم ؎ سے تھے، ان میں کسی نے کپڑا بُننے کا پیشہ اختیار نہیں کیا۔ صاحب تحفۃ الکرام نے ان قبائل کا مفصل تذکرہ کیا ہے۔ اس کے بعد جو اہل عرب خواہ وہ انصاری تھے یا قریشی، ہندوستان آئے شاہان ہند نے ان کی قدر و منزلت کی، سلطنت کے معزز عہدوں پر معمور کیا، املاک مدد معاش و جاگیریں عطا کیں۔ ان میں سے کسی نے نہ کبھی کپڑا بُننے کا پیشہ اختیار کیا اور نہ مدد معاش کے لیے ان کو ایسے پیشے اختیار کرنے کی ضرورت ہوئی جن کو اس زمانہ کی سوسائٹی کے اعتبار سے شرفا میں معیوب سمجھا جاتا تھا جس کا تھوڑا بہت اندازہ مندرجہ بالا اقتباسات سے ہوسکتا ہے۔

ہندوستان میں مسلمان جولاہوں کی تعداد اتنی کثیر ہے کہ عرب میں قبائل انصار کی مجموعی تعداد بھی کبھی اتنی نہیں ہوئی ہوگی۔ صرف ایک روہیل کھنڈ میں تقریباً دولاکھ جولاہے آباد ہیں جن میں صرف ضلع مرادآباد میں تقریباً ساٹھ ہزار ہیں۔ اسی پر تمام ہندوستان کا قیاس ہو سکتا ہے۔ عرب سے قبائل انصار کا ایک ایک فرد بھی اگر ہجرت کر کے ہندوستان آجاتا تب بھی ان کی تعداد اتنی نہیں ہوسکتی۔ ہندوستان کے مسلمان جولاہوں کی جسمانی ساخت، ان کی ذہنی اور اخلاقی، تمدن و معاشرتی پستی، ان کے عادات و خصائل ان کی شکل و شمائل، ان کے رسوم و رواجات، ان کے خصائص قومی، باوجود اسلامی تمدن و معاشرت کے اثرات کے، اب تک بہت کچھ ان کے ہندو ہم قوموں سے ملتے جلتے ہیں۔ ہندوؤں کی مختلف قوموں بالخصوص پست اقوام میں سے جو خاندان اور گروہ مسلمانوں کے ابتدائی دور حکومت میں حلقہ بگوش اسلام ہوئے ان کی سوشیل، معاشرتی اور ذہنی حالت میں اسلام لانے کے بعد کوئی اہم اور بڑی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی، توہمات اور ضعیف الاعتقادی کی حالت بالعموم باقی رہی۔ ہندو سادھوؤں، جوگیوں اور پروہتوں کے بجائے یہ لوگ مسلمان اولیاء اللہ، پیروں اور مُلاؤں کے معتقد ہوگئے۔ ہر پیران کا دستگیر اور ہر قبر و مزار ان کا حاجت روا بن گیا۔ ان ہی نومسلموں کی بدولت ہندوؤں کے تیوہاروں اور میلوں کا رنگ عُرسوں، نیزے کے میلوں اور اسلامی تیوہاروں میں بھی جھلکنے لگا۔ امروہہ کے تیلی، قسائی وغیرہ حضرت شاہ ولایت ؒ کے اور جولاہوں کا ایک طبقہ حضرت شاہ ابن ؒ کا معتقد چلا آتا ہے، یہ لوگ آج بھی ان کا عُرس دھوم دھام سے کرتے ہیں۔ حضرت شاہ ولایت ؒ اور ان کے خاندان سے امروہہ کے قسائیوں کی عقیدت اور محبت کی تو یہ وجہ بھی ہے کہ شاہ صاحب ممدوح کی اولاد و سادات امروہہ کے یہاں بالخصوص صد ہا برس سے اس قوم کے مرد ملازمت اور ان کی عورتیں دایہ گری اور خانگی خدمت کرتی تھیں۔ اب سے پچیس تیس برس پہلے

؎ نواب عاشق حسین خاں رئیس سنبھل، جو نواب امین الدولہ امین الدین خاں بہادر مصنف ارشیشواری عہد جد دار شاہ کے خاندان سے ہیں نسباً انصاری ہیں اس خاندان کا سلسلہ نسب تمیم انصاری سے متصل ہوتا ہے۔ امروہہ کے صحیح النسب انصاری یعنی خاندان مولوی مظہر علی ساکنان محلہ مورتی چشمہ محل بھی انکی ہمجدی ہیں۔

سادات کے اکثر بچے قصائیوں کا دودھ پیتے اور ان کی گودوں میں پرورش پاتے تھے۔ انقلاب حکومت اور جائدادوں کی تباہی سے وہ تمام طریقے رفتہ رفتہ متروک ہو گئے تاہم اس قوم کو اب تک اس خاندان سے عقیدت چلی آتی ہے۔ آقاؤں نے جب امروہہ میں تعزیہ داری شروع کی تو متوسلین اور رعایا نے بھی تقلید کی، قصائی بھی تعزیہ اور دیو وغیرہ نکالتے تھے اور آج بھی حجاموں، بھنڈیلوں کے تعزیے نکلتے ہیں، سقّوں کے علم بھی محرم کی ایک تاریخ میں نکلتے ہیں، غرض یہ کہ وہ تمام تقریبات جن میں میلوں کی شان پیدا ہو جاتی ہے اور عرسوں وغیرہ کی رونق زیادہ تر ان ہی عوام الناس سے ہے جو ہندوؤں کی مختلف اقوام سے مسلمان ہوئے۔ سامی النسل قبائل، خواہ عرب ہوں یا انصار، مشرق میں ہوں یا مغرب میں، عقیدۂ توحید میں بہت غلو رکھتے ہیں۔ ان کے ایمان اور اسلام پر باوجود امتداد زمانہ آج تک شرک کا پرتو نہیں پڑا۔ اہل عرب کے جو خاندان ہندوستان کے مختلف مقامات کی طرح امروہہ میں بھی آباد ہیں باوجود بے علمی اور ہندی نژادوں کے میل جول کے اثرات اور ضعیف الاعتقادی کے ان میں پیر پرستی و قبر پرستی کے مقابلہ میں بالعموم توحید پرستی کا رنگ غالب ہے۔ علاوہ ازیں جولاہوں میں پنچایت کا دستور، چودھریوں کا تقرر شادی بیاہ کی بعض خاص خاص ہندوانی رسمیں، عورتوں کی بیچ وشرا اور اسی قبیل کی صد ہا رسوم ان کی ہندی قومیت کا بیّن اور واضح ثبوت ہیں۔ ان کو انصار تو انصار کسی عربی یا غیر ہندی شریف قوم سے کوئی دور کا واسطہ تعلق بھی نہیں ہو سکتا اور اگر نسبی تعلق کا معیار مدعیان انصاریت کے نزدیک یہ ہے کہ کسی قوم و ملک کے کسی فرد نے کپڑا بُنے یا روئی دُھنے کا کام کیا تو ہندوستان کے جولاہے اور دُھنے ہم پیشہ ہونے کی بنا پر اس سے اپنا سلسلۂ نسب جا ملائیں تو قبیلۂ انصار یا شیخ حسین بن منصور حلاج کی پھر کیا تخصیص ہے دنیا میں اور بہت سی قومیں ہیں جن کے افراد پارچہ بافی کا کام کرتے ہیں۔ انصار نہ پارچہ بافی کا کام کرتے تھے اور نہ حسین بن منصور حلاج دُھنے کا پیشہ۔ انگلستان، جرمنی و جاپان میں پارچہ بافی کی صنعت آج کل اوج کمال پر پہنچی ہوئی ہے اس اصول کے مطابق ان اقوام کو انہیں اپنا مجدی یا کم از کم بنی اعمام تسلیم کرنے میں کون امر مانع ہو سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانان ہند کے ہر طبقہ میں کچھ عرصہ سے یہ عام وبا پھیلی ہے کہ جسے دیکھو عرب و عجم سے سلسلۂ نسب ملانے کی فکر میں ہے، کیا ہندی الاصل ہونا کوئی ذلت کی بات ہے؟ مسلمانوں کے اعتقاد میں تو بنی آدم سب برابر ہیں۔ علم تقوے اور عمل صالح حقیقت میں معیار شرف و فضیلت ہیں۔ **وَ جَعَلْنَاکُمْ شُعُوْباً وَّقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰہِ اَتْقٰکُمْ** نص صریح ہے۔ حضور سرور کائنات نے فتح مکہ کے وقت ارشاد فرمایا تھا کہ:

اَلنَّاسُ مِنْ آدَمَ وَّ آدَمَ مِنْ تُرَاب — تمام انسان حضرت آدم کی نسل ہیں اور آدم مٹی سے بنے ہیں۔

عزت و ذلت، شرافت و رذالت کا انحصار انسان کے اپنے ذاتی حالات پر ہے۔ کاش یہ لوگ اپنے پس ماندہ بھائیوں کی حالت بہتر کرنے کی تدبیر کریں اور ''انصاریت'' اور ''حلاجیت'' کی لغویاتوں کو خیرباد کہیں۔

آفاقی لوگ:

سادات و شرفاء اور اہل حرفہ کی مختلف اقوام کے علاوہ بعض گھر امروہہ میں ایسے بھی پائے جاتے ہیں جن کا تعلق حقیقتاً طبقۂ شرفاء سے نہیں ہے اور نہ ان کا کوئی صحیح نسب ہے بلکہ یہ لوگ ان اشخاص کی نسل ہیں جو یہاں کے سادات و شرفاء کے مختلف خاندانوں کے پروردہ

تھے، اور جن کو عرف عام میں غلام و باندی کہا جاتا تھا اگرچہ ان کی حیثیت ان شرعی غلام و کنیزوں کی سی نہ تھی جو عموماً جہاد میں فریق محارب سے گرفتار ہوئے اور فدیہ نہ ادا کرنے کی صورت میں غلام و کنیز بنائے جاتے تھے اور جن پر "ملک یمین" کا شرعاً اطلاق ہوتا ہے اور ان کے لیے اسلام میں خاص احکام ہیں، بلکہ یہ لوگ ادنیٰ طبقہ کے نومسلم لاوارث لڑکے اور لڑکیاں یا اسی طرح کی پست اقوام کے مفلوک الحال یا تباہ شدہ لوگوں کی اولاد تھی جن کو سادات و شرفاء مسلمان کر لیا کرتے تھے اور از راہ ترحم و دستگیری ان کی پرورش کرتے اور ان سے اپنی خانگی خدمات لیا کرتے تھے اور انہیں باندی یا غلام یا خانہ زاد کہا جاتا تھا۔ اس زمانہ میں اکثر معزز گھرانوں میں اس قسم کے پروردہ لڑکے اور لڑکیاں ہوتی تھیں جن کا جوان ہونے پر باہم شادی بیاہ کر دیا جاتا تھا۔ یہ طبقہ انہیں کی اولاد ہے۔ ان میں سے بعض کی سوشل حالت رفتہ رفتہ اچھی ہو گئیں اور چند کی قرابتیں بھی مفلوک الحال شرفاء کے یہاں ہو گئیں جس کی بنا پر یہ لوگ بھی اپنا شمار طبقہ شرفاء میں کرنے لگے، ان میں سے بعض اپنے آپ کو اسی خاندان سے ظاہر کرنے لگے ہیں جس میں ان کے مورث نے مذکورہ بالا حیثیت سے پرورش پائی تھی۔ باوجود یہ کہ اہل شہر ان کے حالات سے واقف ہیں لیکن اب ان میں سے بعض عربی النسل قریشی ہاشمی انصاری وغیرہ ہونے کے بھی مدعی ہیں اور اپنے آپ کو شیخ پٹھان حتیٰ کہ سید بھی کہنے لگے ہیں۔ ان میں سے کچھ لوگ محلہ مراد آبادی دروازہ، کنکوئی، ترپولیہ، بازار رزاق، نوگزہ، مولانہ، چاہ شور، بنواں وغیرہ میں آباد ہیں۔

مجہول النسب:

حضرت عشق کی ناوک افگنی یعنی مال و دولت اور عیش پرستی کی مدہوشی کہ بعض لوگ ہر زمانہ میں سوسائٹی کے قواعد کی خلاف ورزی کر کے ایسے بچوں کو وجود میں لانے کے موجب ہوتے رہے ہیں جن کا پدری نسب دنیا کو معلوم نہ ہوا۔ زنان بازاری کے علاوہ بعض نیچے طبقہ کی عورتوں حتیٰ کہ بھنگنوں سے بھی اولاد ہوئی اکثر تو ان طبقات ہی میں شامل رہے اور بعض کی جداگانہ ہستی قائم ہوئی۔ مسٹر جان بیوس[1] نے سچ کہا ہے کہ مرد و عورت کے فطری جذبات اور تعشق کی قوت سوسائٹی کے مقررہ ضوابط سے بالاتر ہے۔ ایسے تعلقات کے نتیجہ میں جو ہستیاں عالم وجود میں آئیں ان کی نسل کے چند افراد بھی امروہہ میں موجود ہیں جن سے اہل شہر واقف ہیں۔

امروہہ کے شیعہ و سُنّی

مسٹر ایچ، آر، نیول، آئی سی ایس، مؤلف مراد آباد ڈسٹرکٹ گزیٹر امروہہ کے تاریخی حالات کے سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں

"امروہہ کے شیعہ و سُنّی فرقوں کی باہمی مخاصمت و عناد (حکومت کے لیے) ہمیشہ موجب تشویش رہتی ہے کہا جاتا ہے کہ تمام سادات ابتداءً شیعہ تھے۔ ان میں سے جزو غالب تو اپنے مذہبی عقائد مخفی رکھتا رہا لیکن باقی

[1] میموریز سر ہنری ایلیٹ

> حصہ سُنّی ہو گیا۔ (شہنشاہ) اکبرؔ کے عہد سے (نوابان) اودھ کے تسلّط و حکومت کے ابتدائی زمانہ تک امروہہ کے تمام سیّد موخر الذکر مذہب (یعنی اہل سنّت و جماعت) کے پابند تھے۔ نوابان اودھ چونکہ بذاتِ خود عالی شیعہ تھے اس لیے (ان کے عہد حکومت میں) امروہہ کے بہت سے سیّدوں نے اپنا قدیم مذہب پھر اختیار کر لیا اور اس طرح تبدیلی مذہب کرنے سے انہیں بہت سے دنیاوی فوائد بھی، صحرانی وسکدانی جاند ادو املاک کے حصول کی صورت میں حاصل ہو گئے۔"[۱]

مسلمانانِ امروہہ کی بدقسمتی سے مسٹر نیول کا یہ قول مبالغہ آمیز نہیں کہ امروہہ کے شیعہ وسُنیوں میں مذہبی مخالفت بلکہ منافرت کے جذبات موجود ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ بغض وعناد کی موجودہ حالت گذشتہ "ساٹھ ستر برس کی پیداوار ہے، اس سے پیشتر یہ حالت نہ تھی۔ خاکسار مؤلف کو اس موقع پر یہ ناگوار اور بے نتیجہ بحث چھیڑنا ہرگز مقصود نہیں کہ شیعہ وسُنّی صاحبان کے باہمی اختلاف مذہبی کی اصلیت کیا ہے۔ یہ اختلاف کب شروع ہوا کیوں شروع ہوا، سقیفہ بنی ساعدہ کے واقعات اور خلافت وامامت کے جھگڑوں کی حقیقت ونوعیت کیا ہے جنگِ جمل وجنگِ صفین کے معرکے کیوں اور کس بنا پر ہوئے، کون موردِ الزام ہے اور کون نہیں، ان مباحث سے جن حضرات کو دلچسپی ہے اور جو انہیں مدار دین سمجھتے ہیں ان کی چھان بین انہیں ہی مبارک رہے مجھے ان سے مطلق سروکار نہیں۔

تو چہ دانی سرِ حق اے جاہلی	تو گرفتارِ ابو بکرؓ وعلیؓ
گر علیؓ بود وا گر صدیقؓ بود	جان ہر یک درپئے تحقیق بود

ان تمام مباحث سے قطعاً آزاد اور بے تعلق ہو کر مجھے یہاں اس سوال کی تاریخی حیثیت واضح کر دینا مطلوب ہے کہ مسلمانان امروہہ میں تفریق مذہب کب سے اور کیوں کر شروع ہوئی اور بس۔

مندرجہ بالا اقتباس میں مسٹر نیول نے جس کسی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ امروہہ کے شیعہ سادات کے واجب الاحترام مورث واجداد بھی اپنے موجودہ اخلاف کی طرح مذہباً وعقیدتاً شیعہ تھے وہ تاریخی واقعات وحالات اور شواہد وقرائن کے سراسر خلاف ہے۔ امروہہ کے سادات میں جن کا غالب حصہ اب شیعی مذہب ہے، قدیم ترین خاندان حضرت شاہ ولایتؒ قاضی زادگان اور شاہ نصیر الدین چشتیؒ کے خاندان ہیں۔ ان کے علاوہ حضرات نخشبی کا خاندان بھی جن میں نسلاً بعد نسلٍ امروہہ کے مفتی ہوتے رہے، امروہہ میں ایک قدیم خاندان ہے۔ سادات کے دوسرے خاندان جن کے اکثر وبیشتر افراد شیعی مذہب ہیں، زیادہ قدیم نہیں مثلاً خاندان دانشمندان، جزودیہ وغیرہم۔ سادات فاطمی کے بعض اور خاندان جو یہاں ساکن ہیں مثلاً سادات کاظمی (محلہ کٹکوئی) سادات حسنی (محلہ چلہ) وغیرہ وہ ابا عن جد اسنّی حنفی ہیں۔

سادات امروہہ کے تقریباً تمام خاندانوں کے مورث یا مشائخ واولیائے کبار میں سے تھے یا علماء وفضلاء تھے یا قاضی ومفتی۔ ان بزرگوں میں سے کوئی فرد واحد بھی نہ کبھی عقیدتاً شیعہ تھا اور نہ ان میں سے کسی بزرگ کے شیعی مذہب ہونے کا امکان ہو سکتا تھا۔ مسلمانوں

۱؎ [مراد آباد ڈسٹرکٹ گزیٹر مطبوعہ ۱۹۱۱ء صفحہ ۱۸۳]

میں مشائخ اور اولیاء کی تعداد لاکھوں سے زیادہ شمار ہو سکتی ہے لیکن سلف سے آج تک ان میں سے کسی ایک فرد کا نام بھی ایسا نہیں بتایا جا سکتا جو مذہباً و عقیدتاً شیعہ ہو۔ مشائخ کا مسلک ہی شیعہ مذہب کے بنیادی اصولوں کے سرتاسر منافی ہے۔ رہا یہ خیال کہ یہ سب حضرات تقیہ کیے ہوئے تھے اور کسی خوف ضرر یا جلب منفعت کی وجہ سے جیسا کہ امروہہ کے ایک شیعہ عالم نے دوران گفتگو میں خاکسار مؤلف سے فرمایا تھا، اپنے عقائد مذہبی کو مخفی رکھتے تھے، محض بے اصل اور بے بنیاد ہے۔ عقل سلیم اسے ہرگز باور نہیں کر سکتی کہ حضرت شاہ ولایت قدس سرہ جیسے ولی اللہ جو خلق خدا کے ارشاد و ہدایت کے منصب جلیل پر فائز ہوں اور جن کے مرید ہونے کی (بقول ان ہی حضرات کے) بادشاہ وقت تک آرزو کرے وہ کسی خوف ضرر یا طمع نفسانی سے اپنے اصلی عقائد کو پوشیدہ رکھتے اور خلق اللہ کو بجائے صحیح اور اصلی مسلک کی جانب رہنمائی کرنے کے نعوذ باللہ دھوکے میں ڈالتے یا غلط ہدایت کرتے۔ ایسا خیال کرنا ہی ان خدا رسیدہ اور نیک بندوں کی جن کا ظاہر و باطن یقیناً ہر حالت میں یکساں تھا اور جو سوائے خدائے واحد کے اور کسی قوت و طاقت سے ڈرنے والے نہ تھے سخت ترین توہین کرنا ہے۔

علاوہ ازیں تاریخ سے ثابت ہے کہ حضرت شاہ ولایت قدس سرہٗ کے زمانہ حیات میں نیز اس سے کچھ قبل اور کچھ عرصہ مابعد سوائے اہل سنت و جماعت کے کسی اور عقیدے کے مسلمان کا ہندوستان میں وجود ہی نہ تھا۔ اس وقت مسلمانِ ہند کا سواد اعظم حنفی تھا، کچھ شافعی، مالکی و حنبلی بھی تھے لیکن شیعہ، معتزلی اور خارجی یہاں مطلق نہ تھے۔ اس کا ثبوت ایک ایسی مقتدر اور باخبر ہستی کا بیان ہے جو اس زمانہ کے مشاہیر اکابر میں سے تھے۔ حضرت امیر خسرو علیہ الرحمۃ نے اپنی مشہور مثنوی عشقیہ میں سلطان علاء الدین خلجی کے عہد حکومت (۶۹۵-۷۱۵) کے حالات کا تذکرہ کرتے ہوئے صاف اور صریح الفاظ میں اس کا اظہار کیا ہے کہ اس عہد میں یعنی ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری کے مابین، ہندوستان کے طول و عرض میں نہ کوئی یہودی موجود تھا اور نہ عیسائی وغیرہ۔ ہندو اور مسلمان صرف دو مذاہب کے پیرو یہاں تھے۔ ہندو مسلمانوں کے مطیع و منقاد تھے اور مسلمان من حیث الجماعت ایک ہی مشرب اور ایک ہی مسلک کے پابند و متبع تھے اور وہ مشرب و مسلک اہل سنت و جماعت کا مشرب و مسلک تھا۔ حضرت امیر خسرو فرماتے ہیں۔ [1]

خوشا ہندوستان و رونق دیں — شریعت را کمال عز و تمکیں
ز علم باعمل دہلی بخارا — ز شاہان گشتہ اسلام آشکارا
ہمہ ہند و چو فرماں را مطیع است — ز آب تیغ خویش را شفیع است
ز غزنیں تا لب دریا دریں باب — ہمہ اسلام بینی بر یکے آب
نہ ذاں زہ دیدہ زاذقان گیرہ گیر — ہمہ بر کیش احمد راست چوں تیر
نہ ترسائے کہ از ناترس گاری — ہمہ بر بندہ داغ کردگاری
نہ از جنس جہوداں جنگ و جدیت — کہ از قرآں کند دعویٰ بہ توریت
نہ مغ کز طاعت آتش شود شاد — وز و با صد زباں آتش بہ فریاد
مسلمانان نعمانی روش خاص — ز دل بر چار آئیں را با اخلاص
نہ کیں با شافعی نے مہر با زید — جماعت را و سنت را بجاں صید
نہ ذہلی اعتزالی کز نحس شوم — ز دیدار خدا گردند محروم
نہ رفضی تا رسد زاں مذہب بد — جفائے بر وفاداران احمد
نہ آں سگ خارجی کز کینہ سازی — کند با شیر حق روباہ بازی
زہے خاک مسلماں خیز و دیں جوئے — کہ ماہی تیز ستی خیزد از جوئے

---

[1] مثنوی عشقیہ حضرت امیر خسروؒ

حضرت شاہ ولایتؒ کی ولادت اسی عہد علائی سے چند سال قبل ہوئی۔ عنفوان شباب اور زمانہ تحصیل کمالات خاص اسی عہد میں گزرا، خانوادۂ مشائخ سہروردیہ میں آپ نے اسی زمانہ میں بیعت کی اور عہد علائی سے چند سال بعد بعہد سلطان غیاث الدین فیروز تغلق آپ مع اپنے خلفائے باکمال اور اعزا امروہہ تشریف لائے۔ آپ کے ولد اکبر قاضی سید امیر علی عہدۂ قضا پر مامور ہوئے عہدۂ قضا کے لیے عالم فاضل ہونا لازمی شرط تھی اس لیے قاضی سید امیر علی یقیناً اپنے زمانہ کے ممتاز عالم ہوں گے۔ بادشاہ وقت سنی حنفی تھا، سلطنت سنیوں کی تھی، فقہ حنفی کا رواج تھا، تمام مسائل شرعیہ اسی کے مطابق طے ہوتے تھے، کوئی شیعہ اس عہدہ پر ہرگز مقرر نہیں ہو سکتا تھا، مشہور مورخ ضیاء الدین برنی لکھتا ہے کہ اس زمانہ میں مخالفان مذہب اہل وسنت وجماعت میں سے کسی شخص کا تقرر قاضی ومفتی کے عہدوں پر نہیں ہو سکتا تھا اور اس کے متعلق صاف اور صریح احکام موجود تھے۔ ۱؎ اور ایک فاضل ہم عصر کا بیان آپ پہلے پڑھ چکے کہ اس زمانہ میں کسی شیعہ کا ہندوستان میں وجود ہی نہ تھا پس نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ قاضی سید امیر علی جد سادات محلہ لکڑہ، حقانی وبچدرہ وغیرہ سنی المذہب تھے۔ ان کے فرزند سید اشرف جہانگیر چشتی جو شرف الدین کے نام سے بھی مشہور تھے، مشائخ کبار میں ہوئے۔ چند پشتوں کے بعد قاضی سید امیر علی کی نسل میں سید عمر زندہ پیر، عمدۃ الواصلین سید عبدالحلیم چشتی، سید الہ یار نقش بندی ان کے فرزند سید غلام محمد نقش بندی، قدس اللہ اسرارہم مشائخ واولیاء ہیں اور سید اشرف بن سعید خان، سید میر علی، سید قطب الدین وغیرہ سنیوں کے نامور عالم اور مفتی ہوئے۔ ان کے اخلاف میں متعدد نام خلفائے ثلثہؓ کے ناموں پر ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، فاروقؓ وصدیقؓ اور حضرت پیر دستگیر شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ کے نام پر غلام محی الدین معتقد محی الدین، عطا محی الدین، عنایت محی الدین اور عنایت غوث وغیرہ رکھے جاتے تھے جس کے ثبوت میں دیرینہ اور قدیم دستاویزات خاکسار مؤلف کے پاس موجود ہیں اور ایسے بعض نام مطبوعہ شجروں میں بھی درج ہیں۔

سید محمد شاکر وسید ابدال محمد مورث موجودہ سادات محلہ لکڑہ بھی صوفی منش، عابد وزاہد سنی مذہب تھے اور ان کا تمام خاندان سنی المذہب خاندان تھا۔ ان دونوں بھائیوں نے ۱۱۵۰ھ میں درگاہ حضرت شاہ عبدالمجید علویؒ کے لیے کچھ جائیداد موضع پاڑی پرگنہ رجب پور کی وقف کی تھی جس کی اصل دستاویزات خاکسار مؤلف کے پاس موجود ہیں، ان کے حقیقی چچا سید سلطان بن سید عبدالرحیم بن سید سعید خان بھی درویش تھے اور بقول صاحب تاریخ اصغری ''سید سلطان فقر کی طرف مائل اور تاحیات عبادت الٰہی میں مصروف رہے۔'' کچھ اشخاص اس نسل میں اب بھی سنی المذہب ہیں اور ایک صاحب یعنی سید نثار حسین شاہ چشتی صابری جو سادات محلہ لکڑہ کے مجذوبی ہیں، مشائخ میں سے ہیں پیری مریدی کرتے ہیں، بیرونجات میں ان کے بہت سے مرید ومعتقد ہیں۔ ان کی اولاد بھی سب سنی المذہب ہے۔

قاضی سید امیر علی کی نسل سے متعدد اشخاص مختلف اوقات میں امروہہ سے باہر جا کر مختلف مقامات میں سکونت پذیر ہوئے۔ یہ سب حضرات سنی المذہب تھے اور ان کی اولاد بھی آج تک سنی ہے۔ موضع اغوان پور میں جو خاندان سید عمر زندہ پیر کے اخلاف کا آباد ہے، اس میں البتہ بعض اشخاص بعد میں شیعہ ہو گئے اور باقی سنی ہیں۔ سید عاشق حسین انجینئر کا خاندان، جن کے لائق فرزند سید ظفر حسن بی اے ایل ایل بی (علیگ) مراد آباد میں وکالت کرتے ہیں سنی حنفی ہے۔ نیز مولانا سید فرزند علی دہلوی مدنی مؤلف کتاب ''الریاض المندیہ فی تراجم مشائخ نقش بندیہ'' جن کے جد بزرگوار مولوی سید منور علی تقریباً ڈیڑھ دو صدی پہلے امروہہ سے دہلی گئے تھے سنی المذہب عالم اور صوفی منش بزرگ تھے۔ حضرت مولانا قاری شاہ سلیمان (پھلواری) اور مولانا محمد ریاض حسن خان رئیس رسول پور ضلع مظفر پور (صوبہ بہار) ان کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں۔ ان کا خاندان دہلی میں اب تک آبائی مذہب پر قائم ہے۔ اسی طرح سید علی اکبر نبیرۂ

۱؎ تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۳۳ مطبوعہ

دیوان سید مجھو (مورث سادات لکڑہ) کی اولاد سے جو خاندان بریلی میں متوطن ہے وہ اباً عن جدٍ سُنّی المذہب ہے۔ ان میں سید محمد عبدالرشید صاحب ابن مولانا الحاج حافظ سید محمد عبدالوحید بن مولانا مولوی سید محمود علی مغفور کا خاندان ذی علم اور سُنّی مذہب ہے۔

حضرت شاہ ولایت قدس سرہٗ کے فرزند اصغر سید عبدالعزیز کے اخلاف میں جو بزرگ امروہہ سے باہر گئے وہ بھی سب سُنّی المذہب تھے۔ سید کرآل محمد نقش بندی مؤلف سرار یہ کے جداعلیٰ سید چاند بن سید معروف بن سید مجدالدین بن سید عبدالعزیز مذکور صوفی منش بزرگ تھے، اوّلاً امروہہ کے قریب موضع بھوج پور میں جا رہے تھے وہاں سے شیخ عمر شہ سنبھلی کی تحریک پر سنبھل میں متوطن ہوئے۔ اس خاندان میں نسلاً بعد نسلٍ مشائخ ہوتے رہے۔

اب غور طلب سوال یہ ہے کہ آیا یہ تمام حضرات تقیہ میں تھے؟ کیا یہ سب مشائخ کرام جو اپنے زمانہ حیات میں ہزارہا مسلمانوں کے مقتدا و پیشوا کیا یہ علمائے عظام جو حنفی مسلک کے مقلد و پابند، کیا یہ سب قضاۃ و مفتیان کرام جو حکام شرع و اصحاب افتا تھے مدۃ العمر اپنے معتقدات مذہبی کو چھپاتے، اور مخفی رکھتے اور مخلوق خدا اور سلطنت اسلامی کو دھوکہ دیتے رہے؟ سوچنے کی بات ہے۔

سلطان فیروز شاہ تغلق کے عہد حکومت (۷۵۲۔۷۹۰ھ) میں چند شیعہ مبلغ البتہ ہندوستان آئے تھے جنہوں نے شیعی عقائد کے تبلیغ اس ملک میں شروع کی تھی لیکن سلطان موصوف نے چونکہ وہ بذات خود راسخ العقیدہ سُنّی اور مشائخ کا معتقد تھا، اس کا سختی سے تدارک کیا۔ اس بادشاہ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ حضرت شاہ ولایتؒ سے خاص عقیدت رکھتا تھا اور اسی بنا پر اپنی بیٹی بھی شاہ صاحب کے فرزند اصغر سید عبدالعزیز کے عقد میں دیدی تھی اگرچہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت شاہ ولایتؒ اس بادشاہ کے عہد سلطنت سے قبل واصل بہ حق ہو چکے تھے اور شادی کی روایت بھی جیسا کہ دوسری جگہ تفصیلی بحث کی گئی ہے صحیح نہیں تاہم اس روایت کو گر باور کر لیا جائے اور یہ مان لیا جائے کہ حضرت شاہ ولایتؒ اس کے زمانہ سلطنت میں موجود تھے تو جو سلوک اور برتاؤ اس متعصب سُنّی بادشاہ نے شیعہ مبلغین کے ساتھ کیا اور اس کی جو کیفیت اس نے خود اپنے قلم سے اپنے خود نوشت حالات میں لکھی ہے وہ اسی کے الفاظ میں سنئے

"فرقہ شیعہ نے جنہیں روافض بھی کہتے ہیں، میری سلطنت میں اپنے عقائد پھیلانے کی کوشش کی رسائل اور کتابیں لکھیں اور شیعی معتقدات کی تعلیم و اشاعت بھی شروع کی حتیٰ کہ حضرات خلفائے راشدینؓ کی ہتک حرمتہ اور سب صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا اقدام کیا میں نے ان سب کو گرفتار کرالیا اور ان کے جرائم و قصوروں پر انہیں سخت ترین سزائیں دیں۔ ان میں سے جو غالی شیعہ تھے انہیں قتل کرایا اور بقیہ کو تعذیر و تہذیب اور جزر و تشہیر کی۔ ان کی کتابیں اور تحریریں جلادی گئیں اور اس طرح خدا تعالیٰ کے فضل و احسان سے اس فرقہ کے اثرات بد سے ملک کو قطعاً پاک و صاف کیا۔"[1]

مندرجہ بالا اقتباس کے بعد شاید یہ عرض کرنے کی ضرورت نہیں کہ اگر حضرت شاہ ولایتؒ قدس سرہٗ اس بادشاہ کے عہد حکومت

---

[1] فتوحات فیروز شاہی تلخی وایلیٹ حصہ سوم صفحہ ۳۷۸

میں موجود ہوتے اور آپ یا آپ کے اعزا مذہباً و عقیدتاً شیعہ ہوتے تو یہ متعصب سُنّی حکمراں آپ سے عقیدت رکھنے کی بجائے آپ کے ساتھ بھی وہ ہی برتاؤ کرتا جس کا تذکرہ اس نے خود اپنے قلم سے سطور بالا میں کیا ہے۔

مسئلہ تقیہ میں جہاں تک خوف ضرر کا تعلق ہے عہد مغلیہ سے پیشتر اس کا امکان بتایا جاسکتا ہے لیکن شاہان مغلیہ کے زمانہ میں تو اس کا احتمال بھی نہیں ہوسکتا۔ تاریخ میں ہم دیکھتے ہیں کہ اس عہد میں غالی سے غالی شیعہ ایران سے آتا اور حسب لیاقت و قابلیت منصب اور عہدہ پاتا۔ شاہی بیگمات تک شیعہ مذہب رکھتی تھیں۔ وزراء و امراء اور خاص مقربین شاہی کے زمرہ میں شیعہ موجود تھے۔ پھر کیا وجہ تھی کہ اس عہد میں مولانا سید محمد میر عدلؔ ان کے نامور اخلاف یا ان کے دوسرے اعزا نے شیعت کا اظہار و اعلان نہیں کیا؟ اس زمانہ میں تو اس کے اظہار و اعلان میں کوئی امر مانع نہیں ہوسکتا تھا۔ مولانا سید محمد میر عدلؔ راسخ العقیدہ سُنّی اور عالم متبحر میاں حاتم سنبھلی قدس سرہٗ کے شاگرد رشید اور مرید با اخلاص تھے۔ عرصۂ دراز تک وطن مالوف میں ان کا افادہ درس جاری رہا۔ ملا عبدالقادر بدایونی جیسے متعصب سُنّی نے امروہہ آکر ان سے اخذ علوم کیا تھا۔ جب دربار اکبری میں پہنچے تو ان کے تبحر علمی، ان کی نیکی اور بزرگی کی وجہ سے بادشاہ بھی ان کا پاس و ادب کرتا تھا۔ اپنے معتقدات کے اتنے سخت تھے کہ کوئی مولوی خلاف سنت بات کہتا تو مزاج برہم ہوجاتا، حاجی ابراہیم سرہندی کی تو اسی بنا پر سر دربار فضیحت کی تھی۔ حضرت غوث صمدانی محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی سے خاص عقیدت تھی، حضرت پیر دستگیرؒ کے خاندان کے ایک بزرگ سید سراج الدین قادری اس زمانہ میں اکبرآباد (آگرہ) میں مقیم تھے۔ اس خاندان سے اسی عقیدتمندانہ تعلق کی بنا پر انہیں امروہہ میں متوطن ہونے کی تحریک کی اور اپنی پوتی کو ان کے عقد میں دیا۔

مولانا سید محمد میر عدلؔ کے فرزند سید شاہ ابوالحسن باوجود امارت کے درویش تھے، وہ اور ان کے سب بھائی خانوادہ حضرت الہ بخش گنج بخش گڈھ مکتیسری کے مرید اور عقیدتمند تھے میاں پیر بخشؒ جن کا مزار مراد آبادی دروازہ کے متصل ہے، اسی خاندان سادات دربار کلاں کے عقیدتمندانہ اصرار پر امروہہ میں آکر مقیم ہوئے تھے۔ میاں صاحب کی ذات سے بزرگان سادات دربار کلاں کی عقیدت و ارادت کا یہ حال تھا کہ کوئی دنیاوی کام بغیر ان سے دریافت کیے نہ کرتے حتیٰ کہ گھروں میں کھانا کھانا بھی اس وقت شروع ہوتا جب یہ سن لیتے کہ میاں صاحب نے کھانا تناول فرمانا شروع کردیا ہے۔

بزرگان سادات امروہہ اولاد حضرت شاہ ولایتؒ کو حضرت شاہ ابن بدر چشتیؒ اور آپ کے فرزند با کمال حضرت شاہ صدر الدین قدس اللہ اسرارہم سے بھی عقیدت تھی۔ اس سلسلہ میں سید ابراہیم بن سید ابوالفضل بن مولانا سید محمد میر عدلؔ کی دلچسپ تحریر، جو انہوں نے کہیں باہر سے اپنے معتمد خاص کمال خاںؔ کے نام بھیجی تھی اور حسن اتفاق سے حضرت شاہ صاحب کے خاندان کے ایک سن رسیدہ بزرگ پیر نوروز علی ابن پیر احمد علی کے کاغذات میں دستیاب ہوئی، ذیل میں درج کرتا ہوں۔ حضرت شاہ صدر الدین کا قیام اکثر امروہہ سے باہر رہتا تھا سید ابراہیم کو آپ سے عقیدت و ارادت تھی۔ ایک مرتبہ جب آپ وطن تشریف لانے لگے سید ابراہیم موصوف نے اپنے معتمد خاص کمال خاںؔ کو تحریر فرمایا کہ .....

اللہ اکبر

سید ابراہیم

"معتمد خاص کمال خاںؔ را اعلام آنکہ چوں شخیت پناہ تقویٰ دثار میاں شیخ صدر الدین جیو بہ امروہہ تشریف آورندی خواہند کہ چند روز آنجا بگذارند، شمارا می باید کہ بہ ہمہ ابواب درخدمت ایشاں خودرا معاف

نداریدودرہر ہفتہ برخورداری محمد عاقل رامعہ برادران درملازمت ایشان می
برده باشید که ازدولت ملازمت ایشان بکمال بهتری و دولت دارین رسند ۔ دیگر
یک صدوپنج بیگه زمین به تفصیل ضمن برائے فقراء ملازم ایشان ازجاگیر پرگنه
نرولی دربرده که خوش نما یند پیموده وچک بسته بد ہند که متصروف گشته دریا
وحق باشند ۔ دریں باب اہمال و معطل جائز ندارند ۔ تحریر فی التاریخ ۵ رمضان
۱۰۲۳ھ (اصل تحریر صفحہ ۲۳۳ پر ملاحظہ فرمائیں)

سیّد ابراہیمؒ کی اولاد کا بیشتر حصہ اب تین تین چار چار پشت سے شیعی مذہب ہے لیکن اس تحریر کے مطالعہ سے ہر انصاف پسند کو غور کرنا چاہئے کہ کیا یہی وہ بزرگ ہستیاں ہیں جن کے متعلق مسٹر نیول کے مندرجہ بالا اقتباس میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ بھی مثل اپنے موجودہ اخلاف کے مذہباً وعقیدتاً شیعہ تھے ۔ کیا کسی شیعہ کو بزرگان طریقت ومشائخ کے ساتھ جو اس کے اصول مذہب کے کلیتاً خلاف ہو، ایسی غیر معمولی عقیدت و نیاز مندی ہوسکتی ہے جس کا اظہار مندرجہ بالا تحریر میں کیا گیا ہے؟ طرفہ یہ ہے کہ سیّد ابراہیمؒ اپنی اولاد کے لیے بھی تاکید کرتے ہیں کہ وہ ان بزرگ کی خدمت وصحبت سے بہرہ اندوز سعادت ہوں اور ''دولت دارین'' حاصل کریں۔

حضرت شاہ ولایتؒ کے خاندان کے علاوہ دوسرا قدیم خاندان سادات فتحی قاضی زادگان کا ہے ۔ سلطان فیروز شاہ تغلق کے اواخر عہد سے اس خاندان میں نسلاً بعد نسل امروہہ کے قاضی ہوتے رہے[1] جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا ہے اس عہدہ پر کسی شیعہ کا تقرر نہیں ہوسکتا تھا ۔ یہ سب حضرات جو عہدۂ قضا پر مامور ہوئے، سنّی المذہب، حنفی مسلک کے مقلد اور پیرو تھے اور بحیثیت قاضی نہ صرف حاکم شریعت تھے بلکہ مسلمانان شہر کے پیش امام بھی تھے جمعہ و جماعات وعیدین کی امامت کرنا ان کے فرائض منصبی میں داخل تھا ۔ ان کے اسناد تقرر میں جمعہ و جماعت کی اقامت کے الفاظ خاص طور سے مندرج ہوتے تھے ۔

" درفصل قضایا وخصومات واجرائے حدود تعزیرات واقامت جمعه وجماعات و
ترغیب مردم به طاعات و انکاح من لاولی له، و قسمت ترکات و حفظ اموال غیب
و ایتام و تعین اقضیاه و نصب قوام ...... الخ ۔[2]

ظاہر ہے کہ ان فرائض کی بجا آوری کے لیے نہ سنّی حکومت کسی شیعہ کا تقرر کرسکتی تھی اور نہ شہر کے عام مسلمان، جو سب کے سب سنّی حنفی مذہب تھے، اس تقرر کو قبول کرسکتے تھے اور نہ کسی شیعہ امام کے پیچھے جمعہ و جماعت وعیدین کی نماز پڑھ سکتے تھے ۔ علاوہ ازیں سلطنت اودھ کے تسلط سے پہلے شیعہ حضرات میں جمعہ و جماعات کی نماز پڑھنے کا دستور بھی کہیں نہ تھا ۔ شیعان ہند میں جمعہ و جماعات کی نماز پڑھنے کا رواج سب سے پہلے نواب آصف الدولہ کے زمانہ سے یعنی ۱۱۸۹ھ کے بعد سے شروع ہوا ۔ اس کے بانی نواب موصوف کے نائب حسن رضا خان تھے ۔ ایک شیعہ مورخ سیّد غلام علی خان صاحب عماد السعادت لکھتے ہیں ۔

---

[1] ملاحظہ ہو فہرست قضاۃ امروہہ [2] اسناد تقرر قضاۃ

عکس تحریر سیّد ابراہیم بن سیّد ابوالفضل بن سیّد محمد میر عدل

الله اکبر

معتمد خاص کمالی‌کان ساعد اعلام آنکه چون شیخ بابا سوی قندهار
میان شیخ صدرالدین حسب امر ورود به تشریف آورده‌اند و میخواهند
که چند روز آنجا بگذرانند شما را لازم است که بجمیع الوجوه در خدمت ایشان
خود در اتحاف لوازم بپردازند در هفته برخوردار محمد عاقل راادرا
در ملازمت ایشان می‌بوده باشند که از دولت ملازمت ایشان
بکمال بهره دولت دارین برسد دیگر تعلیقه پنج بیگه زمین سفیدک
ضمن برای فقرا ملازم ایشان از جاگیر ... نزدیک در ده
که خوش ... جلب بسته ... مستغرق ... تشتر ... نامه
حق باشند در ... احکام ... جایز ندارند ...

غرض کہ حسن رضا خان سوائے شیروشکار اور جناب عالی (یعنی نواب آصف الدولہ بہادر) کی ہمرکابی اور نماز روزے کے کسی بات سے تعلق نہ رکھتے تھے۔ لکھنؤ کے شیعوں میں نماز جمعہ و جماعت کے شروع ہونے کے وہ ہی بانی مبانی تھے اور ہندوستان کے کسی یک شہر میں بھی نماز جمعہ و جماعت مذہب امامیہ میں رائج نہ تھی بلکہ کسی کو اس کا وہم و گمان بھی نہ تھا ایران اور عرب کے شیعوں میں جماعت سے نماز ہوتی ہے۔

"القصہ حسن رضا خان بہادر سوائے سیروشکار در" رکاب جناب عالی وصوم وصلوات باہیچ چیز سروکار" "نداشت وبانی جمعہ وجماعات در اثنا عشریان در لکھنؤ" "او بودہ است و در ہیچ شہرے از شہر ہائے" "ہندوستان نماز جمعہ و جماعت درمذہب" "امامیہ رائج نہ بود بلکہ کسے راگمان ایں ہم نبود" "کہ در ایران وبلاد عرب نماز جماعت در" "اثنا عشریان گذاردہ می شود۔" ۱

انقلاب سلطنت کے بعد بھی جب قاضی کا کام صرف نکاح پڑھانا رہ گیا تھا مسلمانان شہر اسی خاندان کے قاضی سے نکاح پڑھواتے اور عیدین کی نماز ان کے پیچھے پڑھتے رہے۔ قاضی ایزدبخش کے زمانہ تک، جو خود عالم نہیں تھے اور اس وجہ سے امامت نہیں کر سکتے تھے، بمعمول قدیم کے مطابق نماز پڑھانے کی اجازت ان سے حاصل کی جاتی تھی اور عیدین کا خلعت بھی ان کو ملتا تھا لیکن آخر میں جب اس خاندان میں بھی شیعی عقائد کا رواج ہونے لگا سُنّیوں نے نائب قاضی کو جو سُنّی مذہب تھے، اپنا قاضی بنایا اور سُنّی عالم کو جمعہ و عیدین کی امامت کے لیے مقرر کیا۔

حضرات قاضی زادگان کی ایک شاخ میں جو "سادات بھوکہ" کے لقب سے مشہور ہے مشیخت کا سلسلہ ابًا عن جدٍ کئی پشتوں تک جاری رہا۔ اس شاخ کے جد القبیلہ سید محمد فاضل کی اولاد میں شاہ جعفر علی شاہ صابر علی، شاہ قمر علی و شاہ مہر علی وغیرہ یہ سب بزرگ مشائخ میں سے تھے۔ اس خاندان کے دیرینہ کاغذات سے بخوبی ثابت ہے کہ ترک و توکل ان حضرات کا شیوہ تھا اور سلطنت اسلامی ان کے اخراجات کی کفیل تھی۔ اکثر حضرات کو مدد معاش میں روزینہ ملتا تھا۔ شاہ صابر علی جواہر باسمی تھے، سلسلہ نقش بندی میں عارف باللہ شاہ رحمت اللہ کے مرید و مجاز و خلیفہ تھے۔ سید قمر وغیرہ نام اس شاخ میں بھی عام طور سے رکھے جاتے تھے۔ اس خاندان کی دوسری شاخ یعنی خاندان سید نجف علی (پھوپیہ والے) ابًا عن جدٍ سُنّی المذہب تھا۔ بعض اشخاص نے زمانہ حال میں شیعی مذہب قبول کیا ہے سید سبط حسن سُنّی المذہب کے صاحبزادوں میں ایک بھائی سید سبط رسول شیعہ ہوگئے۔ ان کے دوسرے بھائی سید سبط پیمبر وغیرہ اپنے قدیم اور آبائی مذہب پر قائم ہیں۔ شیعہ خاندانوں سے رشتہ و قرابت کی بنا پر جس طرح سادات امروہہ کے دوسرے سُنّی خاندانوں کے افراد رفتہ رفتہ شیعہ ہوتے رہے ہیں اس خاندان کے بعض نوجوان بھی چند سال سے شیعہ ہوگئے ہیں ورنہ کچھ عرصہ پیشتر اس خاندان میں فرد واحد بھی شیعہ نہیں تھا۔

تیسرا قدیم خاندان حضرت شاہ نصیر الدین چشتی قدس سرہٗ کا ہے۔ شاہ صاحب کے جد اعلیٰ مولانا بدر الدین اسحاق الدہلوی حضرت بابا فرید الدین فاروقی گنج شکر قدس سرہٗ کے مرید و داماد تھے۔ ان کے دو فرزند صاحب کمال ہوئے خواجہ محمد امام اور خواجہ موسیٰ یہ دونوں بھائی حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء دہلوی کے تربیت یافتہ اور مرید تھے۔ خواجہ محمد امام حضرت سلطان المشائخ کے جانشین ہوئے اور ان کے فرزند خواجہ فخر الدین امروہہ آئے۔ ۲ ان ہی خواجہ فخر الدین کے پوتے حضرت شاہ نصیر الدین چشتی تھے جو اپنے

۱۔ [illegible] السعادات مطبوعہ نولکشور پریس صفحہ ۱۳۷ ۲۔ خواجہ امام کے چار فرزند ہوئے خواجہ فخر الدین، خواجہ جلال الدین، خواجہ داؤد اور خواجہ مسعود۔ ان [illegible] الذکر [illegible] امروہہ ہو گا وہ میں سے۔ خواجہ داؤد کی نسل سے خواجہ حسن نظامی دہلوی کا خاندان ہے جو باوجود سُنّی ہے اس خاندان میں اس وقت پچاس مرد و عورت اور بچے ہیں شاہ نصیر الدین [illegible] آپ کے خلاف کے ناموں کے ساتھ بجائے شیعہ اس زمانہ میں لفظ شیخ لکھا جاتا تھا۔

زمانہ میں خانوادۂ مشائخ چشتیہ کے مشائخ کبار میں سے ہوئے۔ آپ کی نسل میں درویشی اور سجادہ ارشاد و بیعت کا سلسلہ کئی پشتوں تک جاری رہا۔ آپ کے فرزند شیخ محمد یوسف [1] اور ان کے فرزند شیخ فتح اللہ قدس اللہ اسرارہم سجادہ پدری پر متمکن رہے۔ شاہ صاحب کے بنی اعمام کی اولاد میں، جو نوگانوہ میں ساکن ہے، مشائخ ہوتے رہے۔ یہ خاندان بھی ابًا عن جدٍ سُنّی المذہب تھا۔ شاہ غلام نبی ساکن (نوگانوہ) پچھلے زمانہ کے مشائخ میں سے تھے۔ حضرت شاہ حبیب اللہ برادر حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے مرید و مجاز تھے۔

حضرت شاہ نصیر الدّین چشتیؒ کے اخلاف میں سید عبدالرسول عرف میراں خان، جو موجودہ سادات نوگیاں کے مورث ہیں، مذہبا سُنّی حنفی مشائخ کے عقیدتمند تھے۔ ان کے زمانہ میں شاہ صاحب کا عرس بڑے اہتمام سے ہوتا تھا، خانقاہ بھی آباد تھی۔ حضرت بابا صاحب اور حضرت پیر دستگیر محی الدّین شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی کھچڑی اور نیاز و فاتحہ دلانے کا دستور میراں خان کے بہت بعد تک بلکہ کچھ عرصہ پیشتر تک اس خاندان میں قائم رہا۔ حضرت پیر دستگیرؒ اور دوسرے اکابر مشائخ سے عقیدت کی بنا پر اس خاندان میں بچوں کے نام عطا محی الدّین، غلام محی الدّین، عنایت محی الدّین، غلام قطب الدّین، غلام نصیر الدّین وغیرہ عام طور سے رکھے جاتے تھے۔

اسی طرح قبیلہ نخشیاں میں بھی نسلاً بعد نسلٍ سُنّی المذہب علماء و فضلاء اور مفتی ہوتے رہے جو امام ابو حنیفہؒ کے مسلک اور فقہ حنفی کے مطابق فتویٰ دیتے تھے۔ مفتی ہونا اور اہل تسنن باشندگان امروہہ کا مسائل شرعیہ کے متعلق ان سے فتوے حاصل کرنا ہی اس امر کی بیّن دلیل ہے کہ یہ خاندان سُنّی المذہب خاندان تھا۔ علاوہ علماء کے اس خاندان کی بعض شاخوں میں مشیخت کا سلسلہ بھی عرصہ دراز تک جاری رہا۔ مولانا آل حسن نخشی نے اپنے پردادا کے مذہب امامیہ اختیار کرنے کے سلسلہ میں خاندان نخشیاں کی مذہبی حالت کا اظہار اپنی تالیف تحفۃ التواریخ میں بالفاظ ذیل کیا ہے

سید علی احمد درابتدا مذہب قدیم اہل سُنّت و الجماعت واشت چوں او و دیگر سادات جاگیر داران امروہہ رائے استخلاص محال جاگیر ضبط کردۂ نواب آصف الدولہ کہ درآنوقت متصرف این ممالک بود اتفاق بہ لکھنؤ افتاد و چند گاہ انجا اقامت اختیار کردند وصحبت ہائے شیعان آنجا کہ معاون کار آنان بودند برداشتند فحوائے الصُّحبت مُوثّرۃ مذہب تشیع اختیار کردند پیش ازدریں سلسلہ کسے متہم بہ شیعت نشدہ۔ [2]

سید علی احمد اپنے قدیم مذہب اہل سُنّت والجماعت پر قائم تھے چونکہ وہ اور دوسرے سادات جاگیرداران امروہہ کو بغرض بحالی محال جاگیر جو نواب آصف الدولہ حاکم وقت نے ضبط کر لیے تھے لکھنؤ جانے کا اور کچھ عرصہ وہاں قیام کرنے کا اتفاق ہوا۔ مثل مشہور ہے تخم تاثیر صحبت اثر لکھنؤ کے شیعوں کی صحبت سے جو اس کام میں ان کے معاون تھے مذہب تشیع اختیار کر لیا ورنہ ان سے پہلے اس خاندان (یعنی نخشیوں) میں کوئی شخص شیعہ نہ تھا۔

مولانا آل حسن کے دادا مولانا امام الدّینؒ نے جو اپنے زمانہ کے مشہور عالم اور صوفی تھے، مذہب قدیم اہل سُنّت و جماعت اختیار کیا اور ان کے خاندان کے دوسرے اشخاص بھی جو خوش استعداد عالم تھے مثلاً مولانا آل حسن کے چچا مولوی کریم بخش جو مولانا تراب علی لکھنوی اور شاہ عبدالغنی دہلوی کے شاگرد اور مولانا عبدالحیٔ کے مرید و مجاز تھے نیز ان کے فرزند مولوی ابن حسن وغیرہ یہ سب سُنّی المذہب تھے۔

سادات فاطمی کے جو خاندان امروہہ میں زیادہ قدیم نہیں ان میں حضرات دانشمنداں کا خاندان علماء و فضلا کا مقتدر خاندان رہا

---

[1] جواہر فریدی [2] [تحفۃ التواریخ صفحہ ۳۱]

ہے۔ اس خاندان کے غالباً تمام افراد اب شیعی مذہب ہیں لیکن ان کے جد القبیلہ مولانا سید اشرف دانشمند سنی حنفی، عالم متبحر اور فقیہہ فاضل تھے۔ سنبھل کے خاندان مشائخ میں ان کی شادی ہوئی، اس زوجہ سے حضرت سید محمود رضوی قدس سرہٗ، متولد ہوئے جو اپنے زمانہ کے صاحب کمال بزرگ ولی کامل اور تاج العارفین شیخ تاج الدین سنبھلی کے مرید و داماد تھے۔ ان کے دونوں فرزند سید عصمت اللہ عرف شاہ بھونڈا اور سید حاجی محمد قدس اللہ اسرار ہم سلسلۂ چشتیہ کے مشائخ تھے۔ سید عصمت اللہ کے فرزند سید رحمت اللہ بھی صوفی منش بزرگ تھے۔ ان کے کئی فرزند عالم فاضل اور صاحب منصب و جاگیر ہوئے۔ قاضی سید محمد فیض جلوس جہاندار شاہ مطابق ۱۱۲۴ھ پرگنہ مراد آباد کے عہدۂ محتسب پر اور سنہ ۲ جلوس فرخ سیری (مطابق ۱۱۲۶ھ) میں صوبہ قنوج کے قاضی مقرر ہوئے۔ قاضی اور محتسب کے عہدہ پر کسی شیعہ کا ہرگز تقرر نہیں ہو سکتا تھا۔ محتسب کا عہدہ ہی اولاً شہنشاہ عالمگیر انار اللہ برہانہ جیسے ذی علم اور راسخ العقیدہ سنی بادشاہ نے قائم کیا تھا غرض کہ ابتداءً یہ خاندان مشائخ و علماء و قضاۃ بھی نسلاً بعد نسلٍ سنی المذہب تھا۔

خاندان سادات جز و دیہ جو نسباً زیدی ہیں بارہویں صدی ہجری کے آخری سنین تک سنی المذہب خاندان تھا۔ اس خاندان کے جد القبیلہ[1] سید خوند سعید اور ان کے فرزند سید اشرف عالم فاضل صوفی منش تھے۔ اس خاندان میں بھی غلام محی الدین، پیر بخش اور سید عمر وغیرہ نام رکھے جاتے تھے۔

اسی طرح خاندان سادات دستار سیاہ (کالی پگڑی) جو نسباً حسنی سید ہیں ہمیشہ سے سنی المذہب خاندان تھا۔ اس خاندان کے جد القبیلہ حضرت شیخ فتح اللہ شیرازی قدس سرہٗ جو صاحب کمال بزرگ تھے ایران سے ہندوستان آئے۔ ان کی اولاد میں شیخ نصر اللہ اور ان کے فرزند عارف باللہ شاہ شکر اللہ قادری صاحب ارشاد و ہدایت ہوئے۔ سجادگی کا سلسلہ کئی پشت تک ان کی نسل میں متوارث رہا، خانقاہ بھی بارہویں صدی ہجری تک آباد تھی۔ ان میں مولوی سید حسن علی کا خاندان ہے جو خود بھی سنی تھے ان کے پوتے سید حامد علی و احمد علی وغیرہ اپنے آبائی مذہب پر قائم ہیں۔ منشی اظہر علی وغیرہ جو نسباً اس خاندان سے نہیں ہیں غالباً کسی رشتہ کے تعلق کی بنا پر اپنے کو اس خاندان میں ظاہر کرتے ہیں البتہ شیعی مذہب ہیں۔

تقریباً یہی حال سادات فاطمی کے چند اور خاندانوں کا بھی ہے[2]۔ ان خاندانوں کے مورثوں کا زمانہ شاہان مغلیہ کا زمانہ ہے جبکہ ہندوستان میں ہزاروں شیعہ موجود تھے۔ جن میں امراء بھی تھے اور بڑے بڑے عمال حکومت بھی، امروہہ کے ان خاندانوں کے مورثوں کو اپنے عقائد مذہبی کے اخفاء کے لیے کوئی وجہ بھی موجود نہ تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب بزرگان دین، علماء اور فضلاء مذہباً و عقیدتاً سنی حنفی تھے۔ ان کے لیے نہ خوف ضرر تھا اور نہ طمع زر۔

تفریق مذہب کی ابتداء:

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ مسٹر نیول نے جن لوگوں کا یہ مقولہ ڈسٹرکٹ گزیٹر کے مندرجہ بالا اقتباس میں درج کیا ہے کہ ابتداءً امروہہ کے تمام سید شیعی مذہب تھے ہر انصاف پسند تسلیم کریگا کہ مندرجہ بالا وجوہ سے یہ خیال ہرگز صحیح نہیں بلکہ برخلاف اس کے واقعہ یہ ہے کہ

---

[1] تاریخ واسطیہ کے مطبوعہ شجرہ میں ان کا نام "خوان سعید" درج ہے جو صحیح نہیں۔ ہر یہ کاغذات میں جو خاکسار مؤلف کے پاس موجود ہیں "خوند سعید" تحریر ہے۔ "خوند" فارسی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی بزرگ کے ہیں یہ لفظ اصلاً "آخوند" کا مخفف ہے۔ "خوند سعید" اپنے زمانہ کے عالم تھے درس دیتے تھے اسلئے "خوند" کا لفظ بمعنی استاد ان کے نام کا جزو ہو گیا۔

[2] امروہہ میں سادات فاطمی کے باقی خاندان مثلاً سادات کاظمی ساکنان محلہ کٹکوئی و سادات حسینی ساکنان محلہ چلہ و شاہ علی سرائے اہل سنت حنفی ہیں۔ شاہ علی سرائے والوں میں سے مولوی محمد احسن نے مرزا غلام احمد قادیانی کے مسلک کو اختیار کر لیا تھا۔ ان خاندانوں میں نیز اسی طرح یہاں کے دوسرے عالی سیدوں میں کسی نے مذہب امامیہ اختیار نہیں کیا۔

ابتداءً امروہہ کے تمام سادات کا مذہب اہل سنت والجماعت تھا اور یہی ان کا قدیم اور آبائی مذہب تھا اور ایک حصہ کا اب تک ہے ہذا اب یہ سوال حسب باقی رہ جاتا ہے کہ پھر یہ تفریق مذہب کب سے اور کیونکر شروع ہوئی۔

اس کا جواب مسٹر نیول کے مندرجہ بالا اقتباس ہی کی آخری سطور میں ملتا ہے یعنی امروہہ کے مسلمانوں میں مذہبی تفریق نوابان اودھ کے زمانہ سے جو بذات خود غالی شیعہ تھے، شروع ہوئی۔ یہ ایک تاریخی واقعہ ہے کہ اودھ اور روہیلکھنڈ میں نواب آصف الدولہ نے شیعہ مذہب کی تبلیغ کی مولانا حکیم سیّد عبدالحئی مرحوم ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ، جو ضلع رائے بریلی کے قدیم اور مشہور خاندان سادات کے نامور رکن، عالم، ادیب وطبیب حاذق ہونے کے علاوہ، فاضل مورخ بھی تھے، لکھتے ہیں

> "نواب آصف الدولہ [1] کے زمانہ کا یہ کارنامہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ لہوولعب میں مشغول ہونے کے ساتھ مذہب تشیع کی اشاعت میں انہوں نے دل سے کوشش کی۔ ان کے نائب حسن رضا خان بھی مذہبی آدمی تھے، وہ بھی اسی کوشش میں لگے رہتے تھے۔ ان کی کوششوں سے ہزاروں خاندان سُنّی سے شیعہ ہو گئے اور ان کو جاگیریں ملیں اور جو اپنی ضد پر قائم رہے ان کی جاگیریں جو شاہان مغلیہ کے وقت سے چلی آتی تھیں، ضبط کی گئیں۔ [2]

نوابان اودھ میں سب سے پہلے نواب وزیر، نواب برہان الملک شیعہ تھے۔ انہوں نے اور ان کے بعد ان کے جانشینوں نے اپنے زیر حکومت تمام صوبوں کے علاوہ کی جو اس زمانہ میں سب کے سب سُنّی المذہب تھے، جاگیریں اور املاک مدد معاش ضبط کر لی تھیں۔ اس کے متعلق ایک زبردست شہادت ایک ہمعصر یعنی مشہور مورخ علامہ میر غلام علی آزاد بلگرامی [3] کا بیان ہے۔ علمائے بلگرام کے تذکرے میں جو اس زمانہ میں سب کے سب بلا استثناء سُنّی المذہب [4] تھے اور جن کی املاک وسیور غالات ضبط کر لی گئی تھیں علامہ ممدوح فرماتے ہیں

---

[1] نواب آصف الدولہ یحییٰ علی خان ہزبر جنگ بہادر نواب شجاع الدولہ کے اکلوتے فرزند تھے۔ بہو بیگم جنکا اصلی نام امۃ الزہرا بیگم تھا انکی والدہ تھیں۔ یہ موتمن الدولہ نواب محمد اسحٰق شوشتری کی بیٹی تھیں محمد شاہ بادشاہ نے انکو بیٹی بنایا تھا اور شجاع الدولہ کے ساتھ شادی کی تھی۔ جہیز میں لاکھوں کا مال ومتاع ملا تھا بہت فیاض اور سیر چشم تھیں۔ پونے دو کروڑ روپیہ کے قریب انہوں نے ایک وثیقہ بیسٹ انڈیا کمپنی کی تحویل میں دیدیا تھا جس سے آج تک ان کے اعزہ اور متوسلین کی اولاد کی پرورش ہوتی ہے۔ آصف الدولہ ۱۱۸۸ھ میں مسند وزارت یعنی حکومت صوبہ اودھ کی مسند پر بیٹھے۔ ماں کی فیاضی طبعی کا حصہ انکو بھی ملا تھا۔ لکھنؤ کے دوکاندار آج تک ان کا نام لیکر دوکان کھولتے ہیں اور یہ فقرہ لکھنؤ میں بطور ضرب المثل بولا جاتا ہے۔ "جس کو نہ دے مولیٰ اسے دے آصف الدولہ۔" لکھنؤ کا مشہور امام باڑہ، رومی دروازہ، باولی، مسجد، بھول بھلیاں جیسی شاندار اور مشہور عمارتیں انکی یادگار ہیں فیض آباد کی بجائے لکھنؤ کو دارالسلطنت بنایا تھا۔ ۱۲۱۱ھ میں استسقا کی بیماری میں انتقال ہوا۔

[2] گل رعنا صفحہ ۵۳۔ [3] علامہ میر غلام علی آزاد بن سید نوح بلگرامی یکشنبہ ۲۵ صفر ۱۱۱۶ھ کو بلگرام میں پیدا ہوئے۔ بارہویں صدی ہجری کے فاضل ادیب اور مورخ تھے۔ ۱۲۰۰ھ میں بمقام روضہ نواح اورنگ آباد دکن چوراسی سال کی عمر میں وفات پائی۔ سرو آزاد، ید بیضا، خزانۂ عامرہ، روضۃ الاولیاء، سبحۃ المرجان، ماثر الکرام انکی شہرۂ آفاق تصانیف ہیں۔ صمصام الدولہ شاہنواز خان کی بے نظیر تالیف ماثر الامراء کی تکمیل وتہذیب انہی کے قلم کا کرشمہ ہے۔

[4] مولوی عبدالحق صاحب، ماثر الکرام کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ "ایک بات تاریخی حیثیت سے اس تذکرہ میں خاص طور پر قابل لحاظ ہے وہ یہ کہ ان علماء وفضلائے بلگرام میں سے جنکا ذکر ہے ایک بھی اہل تشیع میں سے نہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مذہب شیعہ نے وہاں بعد کے زمانہ میں رواج پایا۔" بزرگان سادات بلگرامی جو سادات زیدی ہیں علامہ میر عبدالجلیل جامع علوم اور عہد عالمگیری کے مشہور اور متبحر علماء میں سے تھے اس زمانہ کا ذوق علمی دیکھئے۔ صوبہ بھکر وسیوستان کی بخشی گری وسوانح نگاری ووقائع نویسی کی اہم خدمات پر مامور ہیں۔ تحریر فرماتے ہیں کہ "آج کل صحیح بخاری کی کتابت اور مقابلہ کا علمی شغل ہے حکم شاہی پہنچا ہے کہ عہدہ کا چارج دوسرے کو دیدو تعمیل حکم کرتے ہیں۔ اس زمانہ میں کتابیں کمیاب تھیں صحیح بخاری کی کتابت کا کام بدستور جاری ہے اور محض اسی لیے بھکر کے قریب چھ ماہ تک ایک موضع لوشہرہ میں خیمہ ڈالے مقیم رہتے ہیں اور جب یہ کام ختم کر لیتے ہیں تو دہلی کی جانب کوچ ہوتا ہے اس شغف علمی کی کوئی مثال آج کی یونیورسٹی کے تعلیم یافتہ طبقہ میں پیش کی جا سکتی ہے؟

تاحدود ۱۱۳۰ھ ہنگامہ علم و علماء دریں گل زمین (اعنی قصبۂ بلگرام) گرمی داشت تا آنکہ برہان الملک سعادت خان[1] نیشاپوری درآغا جلوس محمد شاہ حاکم صوبۂ اودھ شدو اکثر بلاد عمدہ، صوبہ الہ آباد ونیز دارالسرور جون پور و بنارس وغازی پور وکنٹرہ و مانک پور و کوڑہ جہان آباد و غیرہ باضمیمہ حکومت گردید و وظائف و سیور غالات خانو ادہائے قدیم و جدید یک قلم ضبط شدہ کار شرفاو نجباء بہ پریشانی کشید .و اضطرار مردم آنجا از کسب علم باز داشتہ .... و رواج تدریس و تحصیل بآں درجہ نماند ومدارسے کہ از عہد قدیم معدن علم و فضل بود یک قلم خراب افتاد و انجمن ہائے ارباب کمال بیشتر برہم خورد . إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ و بعد ارتحال برہان الملک نوبت حکومت بہ خواہر زادۂ او ابو المنصور خان صفدر جنگ رسید و وظائف و اقطاعات بدستور زیر ضبط ماند ودر اواخر عہد محمد شاہ ۱۱۵۹ھ صوبہ داری الہ آباد نیز صفدر جنگ مقرر شدو تتمہ وظائف آں صوبہ کہ تاحال ازآفت ضبط محفوظ ماندہ بود بضبط درآمدو درعہد ندار جہاںشاہ صفدر جنگ بہ پایہ وزارت اعلیٰ صعود نمودو نائب صوبہ کار برارباب وظائف تنگ تر گرفت و تاحین تحریر کتاب ایں دیار پامال حوادث روزگار است .[2]

۱۱۳۰ھ تک اس سرزمین (یعنی قصبہ بلگرام) میں علم و عمل کا خوب چرچا تھا حتیٰ کہ محمد شاہ بادشاہ کے شروع زمانہ سلطنت میں برہان الملک سعادت خان نیشاپوری۔ صوبۂ اودھ کے حاکم مقرر ہوئے اور اکثر عمدہ صوبے یعنی الہ آباد، جون پور، بنارس، غازی پور، کنٹرہ، مانک پور، کوڑہ جہاں آباد وغیرہ بھی ان کے تحت حکومت میں دیدئے گئے اس وقت سے (شرفاو سادات) کے قدیم و جدید خاندانوں کے وظیفے اور املاک مدد معاش یک قلم ضبط کر لی گئیں شریف و نجیب پریشان روزگار ہو گئے اور حصول معاش کی پریشانی نے وہاں کے آدمیوں کو حصول علم سے باز رکھا۔ اور تعلیم و تعلم کی وہ حالت باقی نہ رہی جو مدرسے زمانہ قدیم سے علم و فضل کے معدن و مرکز تھے۔ سب پر تباہی آگئی۔ اہل کمال کی انجمنیں منتشر ہو گئیں۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ برہان الملک کی وفات کے بعد ان کے بھانجے ابوالمنصور خان صفدر جنگ مسند حکومت پر بیٹھے۔ وظیفے اور املاک بدستور ضبط رہے۔ محمد شاہ بادشاہ کے آخر عہد یعنی ۱۱۵۹ھ میں الہ آباد کی صوبہ داری بھی صفدر جنگ کو دی گئی اس صوبہ کے وظیفے (املاک مدد معاش) جو اس وقت تک ضبط ہونے کی بلا سے محفوظ تھے ضبط کی گئی۔ جہاندار شاہ بادشاہ کے عہد میں، صفدر جنگ وزارت اعلیٰ کے منصب پر فائز ہوئے اور نائب صوبہ بنے ارباب وظائف پر اور بھی زیادہ تباہی آئی اور اس کتاب کی تحریر کے وقت تک یہ شہر حوادث زمانہ سے پامال ہے۔

۱۱۸۸ھ میں روہیلکھنڈ بھی نوابان اودھ کے قبضہ میں آگیا۔ یہ زمانہ نواب شجاع الدولہ کا تھا جو اپنے پدر بزرگوار صفدر جنگ کے بعد مسند حکومت پر بیٹھے۔ دس ماہ کے بعد شجاع الدولہ کا بھی انتقال ہو گیا تو ان کے اکلوتے بیٹے نواب آصف الدولہ ۲۵/ ذیقعدہ ۱۱۸۸ھ کو مسند نشین ہوئے۔ انہوں نے علی الاعلان مذہب تشیع کی اشاعت میں کوشش کی، ان ہی کے وقت سے امروہہ میں بھی اس مذہب نے رواج پایا۔ مولوی عبدالحق بی اے (علیگ) پرنسپل اورنگ آباد کالج و سکریٹری انجمن ترقی اُردو مآثر الکرام کے مقدمہ میں لکھتے ہیں

"یہ امر واقعی ہے کہ اودھ کی سلطنت نے خاص کر آس پاس کے اضلاع و قصبات پر اور بعض اوقات دور دراز کے مقامات پر بھی مذہبی لحاظ سے خاص اثر ڈالا ہے۔ چنانچہ جونپور و دیگر مصافات لکھنؤ وغیرہ کے حالات پر نظر

---

[1] نواب برہان الملک کا اصلی نام میر محمد امین اور برہان الملک سعادت خان بہادر خطاب تھا۔ سلسلہ نسب بروایت صاحب عماد السعادت سید زید بن امام موسیٰ کاظم تک منتہی ہوتا ہے۔
[2] [مآثر الکرام صفحہ ۲۲۲۔]

> ڈالنے سے یہ امر پایہ تیقن کو پہنچ جاتا ہے ۔ حب مذہب کی پشتی پر حکومت ہوتی ہے تو حالات اندیشہ ناک ہوجاتی ہے، میرا اس سے ہر گز یہ مطلب نہیں کہ سلطنت اودھ نے مذہب کے معاملہ میں کبھی جبروتعدی سے کام لیا بلکہ بات یہ ہے کہ جاہ طلبی اکثر لوگوں کی نیت کو، جو اعتقاد کے کچے ہوتے ہیں، ڈانواں ڈول کر دیتی ہے ۔ ایسا ہی ہر جگہ ہوا ہے ۔ "[1]

مولوی عبدالحق صاحب فرماتے ہیں کہ سلطنت اودھ نے مذہب کے معاملہ میں کبھی جبر و تعدی سے کام نہیں لیا ۔ مجھے اپنے محترم دوست کی اس رائے سے اختلاف ہے، جبر و تعدی کی بھی مختلف صورتیں ہوتی ہیں، کسی شخص کی جائداد و جاگیر بلا کسی جرم و قصور کے اگر ضبط کر لی جائے اور واگذاشت کے لیے تبدیلی مذہب کا لالچ دیا جائے تو کیا اسے جبر و تعدی نہ کہا جائے گا ۔
صوبہ اودھ میں تبلیغ شیعت کے متعلق مولانا حکیم سید عبدالحی مرحوم مندرجہ بالا اقتباس میں فرماتے ہیں کہ نواب آصف الدولہ کے زمانہ میں ۔

> **ہزاروں خاندان سنی سے شیعہ ہوگئے اور ان کو جاگیریں ملیں اور جو اپنی ضد پر قائم رہے ان کی جاگیریں جو شاہان مغلیہ کے وقت سے چلی آتی تھیں ضبط کی گئیں ۔**

اس قول کی تائید میں متعدد مثالیں ملتی ہیں ۔ نواب مدار الدولہ کے والد خواجہ موسیٰ خان جو خاندان مشائخ نقش بندی سے تھے سنی المذہب تھے ۔ ان کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ نواب برہان الملک کی صحبت میں جو پہلے نواب وزیر تھے، مذہب شیعہ اختیار کیا تھا لیکن تقیہ میں تھے ان کے فرزند نواب مدار الدولہ نے شیعت کا اعلان کیا ساٹھ ہزار روپے سالانہ کی جاگیر انعام میں ملی ۔ ایک شیعہ مورخ لکھتے ہیں

" خواجہ موسیٰ خان از جہت تولد ورتوران و صحبت بزرگان خودسنی بود وبہندوستان چوں صحبت نواب برہان الملک دریافت بمذہب اثنا عشری میل نمود لیکن بکمال اخفا و مدار الدولہ ہرگز اخفائے مذہب کہ در اثنا عشریاں تقیہ ہمتیست بخاطر نہ داردبہ اعلان تمام تعزیہ داری می کردحالا درلکھنؤ جاگیر شصت ہزار روپئے ازسرکار دولتمدار برائے اومقرراست " [2]	خواجہ موسیٰ خان بوجہ ملک توران میں پیدا ہونے اور اپنے بزرگوں کی صحبت کی وجہ سے سنی تھے جب نواب برہان الملک کی صحبت میں رہے تو مذہب امامیہ کی جانب مائل ہوئے لیکن نہایت خفیہ طریقے پر اور مدار الدولہ (جوان کے فرزند تھے) اپنے مذہب کا اخفا جس کو امامیہ مذہب میں تقیہ کہتے ہیں ہرگز نہ کرتے تھے بلکہ علی الاعلان تعزیہ داری کرتے تھے اور اب لکھنؤ میں انکو ساٹھ ہزار روپے کی جاگیر سرکار سے ملی ہوئی ہے ۔

برخلاف اس کے جن امرا کی جاگیریں شاہان مغلیہ کی عطا کردہ تھیں اور وہ مذہب کے معاملے میں اپنی ضد پر قائم رہے، ضبط کی گئیں ۔ امروہہ میں بعض مثالیں اس کی تائید میں ملتی ہیں ۔ سادات امروہہ اولاد حضرت شاہ ولایت میں سید علی اعظم خان (گھڑیال والے) کا خاندان ابا عن جد سنی حنفی ہے ۔ شہنشاہ اکبر کے زمانہ سے اس خاندان میں نامور منصب دار اور امرا ہوتے رہے ۔ شاہان مغلیہ

---

[1] [مقدمہ تذکرۃ الکرام مولفہ محمود احمد عباسی مطبوعہ ... صفحہ ۱۴] [2] عمدۃ السعادات

نواب صاحب والا جاه نعمان سلمه

بعد مشتاقی ملاقات محبت آیات که ...

... الله مشهود خاطر خلت ... بوده که سالات

رفقات ... محور اعظم ... بجانب ... ... رفیع

مواصلت والتفات ... حواله ...

رفیع ... الملک ... ارسال ... ...

بعمود ... که عاشد چنانچه ... ...

ومهمات ... ...

و ... واسطه ... در ... رفقات ... ...

... ... و نواب صاحب ...

... ...

... ...

... ... اول

... ... مروانه

ومهمات ... ...

رفقات ... ...

انجات ... ...

... ...

عالیجاه ... ...

... ...

اور سلطنت اسلامی کی شاندار خدمات کے صلہ میں بڑی بڑی جاگیریں ملیں۔ جب روہیلکھنڈ کا علاقہ نوابان اودھ کے زیر حکومت آیا تو نواب شجاع الدولہ کے زمانہ میں اور جاگیرداروں کی طرح انہیں بھی پروانۂ واگذاشت ملا لیکن جب نواب آصف الدولہ بہادر مسند حکومت پر بیٹھے تو سید علی اعظم خان سے بھی، جو اس زمانہ میں امروہہ کے بڑے جاگیردار تھے، مذہب شیعہ اختیار کرنے کی تحریک ہوئی اور درصورت انکار ضبطی جاگیر کی دھمکی دی گئی لیکن سید موصوف نے اس نازک وقت میں بھی دنیاوی مال و دولت پر اپنے عقائد مذہبی کو ترجیح دی۔ اس طرز عمل کی پاداش میں شیعہ حکومت نے ان کی جاگیر کے مواضعات مجھولہ وغیرہ عطیہ شاہان مغلیہ ضبط کر لیے۔ کسی معمولی شخص کا معاملہ ہوتا تو اس زمانہ میں شخصی حکومت کے استبداد کے خلاف چارۂ کار ہی کیا تھا مگر سید علی اعظم خان خود بھی منصب دار تھے، شاہ دہلی کے وزرا سے ان کے خاندانی تعلقات تھے۔ وہاں سے نواب آصف الدولہ کے نائب حسن رضا خان پر، جو ان کارروائیوں کے بانی مبانی تھے، زور ڈالا گیا تب جا کے یہ جاگیر واگذاشت ہوئی اس سلسلہ میں شاہ دہلی کے وزیر کی ایک سفارشی تحریر جو نواب آصف الدولہ کے ایک مقرب خاص کے نام ہے تاریخی دلچسپی کے لحاظ سے شائع کرنا بے محل نہ ہوگا۔ یہ اصلی تحریر خاکسار مؤلف کے پاس موجود ہے، کاغذ افشاں ہے جس پر طلائی کام ہے، اس کا عکس بھی شائع کیا جاتا ہے۔

نواب صاحب برادر بہتر از جان سلامت

بعد اشتیاق ملاقات محبت آیات که حدی و نهایتی ندارد مشهور خاطر خلت مآثر میدارد که سیادت درفعت نشان محمد اعظم[1] از قدیم با ینجانب واسطه مرافقت و موافقت دارندواجب الرعایت خود اند نظر براین معنی رسوخ ارادت ایشان رابجناب نواب غفران مآب گذارش نموده دلنشین گردانید چنانچه پروانه واگذاشت دیهات جاگیر مجهوله وغیره عمله پرگنه امروہه رابواسطه ملاقه زمینداری رفعت نشان مرقوم مرحمت فرمودند ازانجا که پرگنهٔ مذکور درقلم و نواب صاحب قدردان نواب آصف الدوله بهادر است پرداخت رفیقان اینجانب که درحقیقت از متوسلان نواب صاحب موصوف اندنبا بران مستلزم محبت و یکدلیهاآن است که احوال ایشان بخوبی ذہن نشین گردانیده پروانه واگذار دیهات مرقوم را حاصل کرده دهند که کامیابی رفعت نشان مسطور فی الحقیقت خوشنودی اینجانب تواند شدومدام ترسیل مکاتیب مسرّت اسالیب مسروروخور سند دارند۔ زیاده چه تحریردرآید۔ " (اصل تحریر صفحہ ۲۳۱ پر ملاحظہ فرمائیں)

مولوی محبت علی خان عباسی، جنہوں نے امروہہ میں مذہب شیعہ کی اشاعت کا ابتدائی دور بچشم خود دیکھا تھا اپنی تالیف آئینۂ عباسی میں لکھتے ہیں۔

" اس شہر (یعنی امروہہ) میں بعد سالار غازی کہ آٹھ سو برس ہونے ہونگے

---

[1] ان کا اصلی نام "سید محمد اعظم" تھا اور "علی اعظم خان" خطاب ملاحظہ ہو حصہ دوم۔ سید علی اعظم خان حضرت شاہ عبدالباری قدس سرہ سے بیعت ارادت رکھتے تھے ان کے نامور فرزندوں میں سید نبیاد علی خان صوفی اور راسخ العقیدہ سنی تھے انہوں نے یہ دیکھ کر کہ سادات کی برادری میں شیعہ و سنیوں کی باہم مناکحت و رشتہ داری کے تعلقات و اثرات سے شیعی عقائد کا رواج ہونے لگا ہے، اپنے خاندان میں اس کی روک تھام کی حتی کہ جو جائداد انہوں نے وقف کی تھی اسکے متعلقین کیلئے سنی المذہب ہونے کی قید لگائی۔

اہل اسلام سادات وشرفا بودوباش رکھتے ہیں ، سب کا ایک مذہب حق اہل سُنّت والجماعت تھا جیسا کہ آثار واطوار وتصانیف واخبار سے بخوبی ثابت ہے ۔ اب عرصۂ ۷۵ برس سے بوجہ آنے عملداری نواب وزیر (اودھ) کہ وہ ہی اس مذہب کا موجد ہندوستان میں ہے بمصداق الناس علی دین ملوکھم بعض بعض نے بہ طمع نفسانی [1] اپنے بزرگوں کا مذہب چھوڑ کر تشیع اختیار کیا ۔اب ہمارے سامنے اس مذہب کی ترقی ہوئی۔ " [2]

اس خیال کی تائید کہ مذہب شیعہ نے امروہہ کے سادات قاضی میں ابتدا نوابان اودھ کی کوششوں اور شیعہ حکومت کے اثرات کی بدولت رواج پایا اور شیعہ حکومت کی حمایت سے اس کو قوت حاصل ہوئی ایک استفتاء مرقومہ ۱۲۰۸ھ سے بھی ہوتی ہے ۔ جب عزاداری بقول مولوی سید اعجاز حسن مرحوم اسی عہد آصفی میں اوّل اوّل امروہہ میں شروع ہوئی تو اس وقت شیعہ حکومت اس فرقہ کی پشتی پر موجود تھی غالباً اسی وجہ سے بعض حضرات نے جنہوں نے نیا نیا مذہب شیعہ اختیار کیا تھا ، ایک ایرانی شیعہ کی تحریک پر مجلس عزا میں جنہیں اس زمانہ کی اصطلاح میں "عرس شہدائے کربلا" کہتے تھے سب صحابہ کرام کا ارتکاب کیا ۔ اس وقت حسب ذیل استفتا ارباب شریعت کی خدمت میں پیش ہوا جس سے صاف طور سے مترشح ہے کہ عزاداری کا موجودہ طریقہ امروہہ میں اس سے پیشتر نہیں تھا بلکہ اسی زمانہ سے شروع ہوا ہے۔

" ... درصورتیکہ مثلاً گروہے از بدعقیدگانِ زمانہ ارادۂ ہتک حرمۃ جماعتے ازاہل اسلام کہ حسن عقیدہ با صحابہ نبی آخر الزّمان داشتند مجلسے بطریق عرس شہدکر بلا رضوان اللّٰہ تعالیٰ عنہم آراستہ ساختہ جماعتے حسن عقیدہ را ازروئے فریب وعذر برائے ایذاوہتک حرمتہ دراں مجلس طلب ساختند و چونکہ جماعتے از حسن عقیدگان در مجلس آں بدعقیدگاں درآمد سخنان اہانت وتحقیر وسب درحق صحابۂ کبار آغاز نمودند پس آں جماعتے حسن عقیدہ از خوف ولاۃ الملک صبروشکیبائی ورزیدہ ازاں مجلس خود ہارابہ بزار جدوکدبیروں آوردندپس آبادریں صورت آں گروہ بد عقیدگاں کہ منشاء غدروفریب گردیدہ متعرّض ہتک حرمت حسن عقیدگاں گشتہ و مرتکب طعن وتحقیر وسب صحابۂ کرام گرویدہ اندازروئے شریعت وازروئے قوانین عقلیہ مستحق تعزیر شدید دسیاست قبیحہ اندیانہ ۔ بینوا تو جروا ۔ "

استفتا کے نقل کرنے سے چونکہ مقصد یہ نہیں کہ مذہبی بحث چھیڑی جائے بلکہ صرف ایک تاریخی سوال کا حل مطلوب ہے اس لیے مفتیوں کے جواب کو حذف کر دینا ہی مناسب سمجھتا ہوں ۔ معلوم نہیں اس وقت کی شیعہ حکومت نے ان شکایتوں کا جن کی بنا پر یہ استفتا پیش کیا

---

[1] بزرگان سادات امروہہ کے مذہب شیعہ اختیار کرنے پر "طمع نفسانی" کا عام اطلاق کرنا کسار مؤلف کے نزدیک صحیح نہیں ۔ سادات حسینی بلکہ اکثر نقوی، قدیم نسلی تعصبات کی بنا پر تفضیلی رہے ہیں ۔ تفضیل وتشیع میں مشکل سے فاصل نہیں پس کیا تعجب کہ ان حضرات میں بیسے شامل ہوں جو عہد آصفی کی صحبت سے شیعہ ہو گئے ہوں ۔ طمع نفسانی کا حکم عام لگانا ہی برانصاف نہیں ہو سکتا۔
[2] [آئینہ عباسی صفحہ ۳۶، ۳۷]

گیا تھا کیا تدارک کیا لیکن یہ تاریخی واقعہ ہے کہ یہ صورت حال زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہی۔ ۱۲۱۲ھ میں نواب آصف الدولہ کا انتقال ہو گیا اور اس سے چار برس بعد یعنی ۲۸ جمادی الآخر ۱۲۱۶ھ مطابق ۱۰ نومبر ۱۸۰۱ء سے روہیلکھنڈ ایسٹ انڈیا کمپنی کے تحت حکومت آ گیا، البتہ اس سلسلہ میں یہ روایت مشہور چلی آتی ہے کہ شیعہ وسُنّی کے مذہبی ہنگامہ آرائیوں میں امروہہ سے باہر کے کسی شیعہ کو جسے ایران کا باشندہ اور امروہہ میں تبرّا و سبِّ صحابۂ کرام کے اس طریقہ کا جو اس زمانہ کے بعد سے امروہہ میں رائج ہوا بانی بتایا جاتا ہے کسی سُنّی نے اس فتوے سے متاثر ہو کر قتل کر دیا، یہ بھی کہا جاتا کہ اُس مقام پر جہاں اب امام باڑہ محلّہ قاضی زادگان کے دروازہ کی دوڑ ہے مقتول کو دفن کیا گیا۔ واللہ اعلم

مندرجہ بالا واقعات سے بخوبی ثابت ہے کہ مسلمانان امروہہ میں تفریق مذہب کی مدت دو سو سال سے زائد نہیں۔ اس سے پیشتر تمام مسلمانوں کا خواہ وہ نسباً شیخ ہوں یا سیّد، مغل ہوں یا پٹھان سب کا ایک ہی مذہب اور ایک ہی مسلک تھا۔ نوابان اودھ کے زمانہ سے شیعہ وسُنّی کی تفریق شروع ہوئی، پھر مقلد و غیر مقلد کے خرخشے رہے اور اب بدعتی و وہابی کے جھگڑے زور پر ہیں، الغرض۔

نہ سُنّی میں اور جعفری میں ہو الفت   نہ نعمانی و شافعی میں ہو ملت
وہابی سے صوفی کی کم جو نہ نفرت   مقلّد کرے نا مقلّد پہ لعنت
رہے اہل قبلہ میں جنگ ایسی باہم
کہ دین خدا پر ہنسے سارا عالم

اس ملک میں اب نہ سُنّی حکومت باقی ہے اور نہ شیعہ سلطنت، زمانہ کی رفتار نہ شیعہ پھیر سکتا ہے اور نہ سُنّی، حوادث روزگار کی چکی نے دونوں کو پیس ڈالا مگر افسوس کہ فریقین کے تنگ خیال افراد ادنیٰ سے ادنیٰ اختلاف پر دست و گریباں ہونے کو اب بھی آمادہ رہتے ہیں، آگ بجھ گئی ہو لیکن خاکستر کے ڈھیر میں تعصبات لایعنی کی جو چنگاریاں دبی پڑی ہیں وہ کبھی کبھی بھڑک اٹھتی ہیں۔ عقائد و خیالات کا اختلاف کہاں نہیں لیکن امروہہ کے شیعہ اور سُنّیوں کا باوا آدم ہی نرالا ہے، آپس کی تفریق سے نہ ان کا کوئی اجتماعی کام سرسبز و کامیاب ہوتا ہے اور نہ یہ اعتبار کثرت آبادی شہری معاملات میں ان کی آواز کو کوئی قوت حاصل ہے اس وجہ سے عام اسلامی مقاصد پامال ہو رہے ہیں۔

اگر بھولتے ہم نہ قول پیمبر   کہ ہیں سب مسلمان باہم برادر
برادر ہے جب تک برادر کا یاور   معین اس کا خود ہے خداوند داور
تو آتی نہ بیڑے پہ اپنے تباہی
فقیری میں بھی کرتے ہم بادشاہی

عام قومی اور اسلامی مفاد کے کاموں میں بھی یہاں شیعہ وسُنّی کی تفریق موجود ہے۔ انتہا یہ ہے کہ دنیاوی تعلیم کی درسگاہ، یعنی انگریزی اسکول میں بھی شیعت وسُنّیت کو اڑنگے لگائے جاتے ہیں۔ امروہہ میں شیعہ وسُنّی کیمپ جداگانہ قائم ہیں۔ شیعہ سوسائٹی علیحدہ ہے اور سُنّی سوسائٹی علاحدہ عام طور سے امروہہ کا شیعہ شیعہ سوسائٹی میں گھومتا ہے اور سُنّی سُنّی سوسائٹی میں اور اب تو نوبت یہ پہنچ گئی ہے کہ اگر کوئی سُنّی شیعوں کے مجمع میں چلا جائے یا شیعہ سُنّیوں میں آ جائے تو اجنبی معلوم ہوتا ہے۔ تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ سب ایک رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ لیکن یہ حالات جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا ہے، ساٹھ ستر برس پہلے نہ تھی۔ اس وقت عام قومی مقاصد میں شیعہ وسُنّی،

سادات وشرفا سب متحد ہو کر کام کرتے تھے۔ ذیل میں ۱۲۴۳ھ کی ایک تحریر نقل کرتا ہوں جو نکاح کی ایک غیر شرعی رسم کے موقوف کرنے کے متعلق ہے۔ اس پر امروہہ کے سادات وشرفا شیعہ وسُنیوں کے تقریباً چار سو اشخاص کے دستخط ثبت ہیں۔ شیعہ وسُنّی علماء کے دستخط ساتھ ساتھ ہیں جہاں مولانا سیّد محمد عبادت شیعی مذہب کے دستخط ثبت ہیں وہاں اس زمانہ کے سُنّی علماء مولانا امام الدین مخشی مولوی سیّد رمضان علی اور مولانا کفایت اللہ، ملا پہلوان کے دستخط بھی موجود ہیں، اس کے علاوہ ہر خاندان کے صدہا دستخط ہیں اس سے اس زمانہ کے اتحاد و یک دلی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مـا یا نکه جمله سادات وشرفاء سکنه قصبه امروہه ایم ازانجاکه دراقوام سادات وشـرفـا اکثر معمول و مرسوم است که عقد نکاح بازنان بسته بلا خلوت آنهارادر خـانهٔ پدر آنها میگذرا نند ورخصست و خلوت راشادی نام نهاده برآینده ملتوی می دار نـه چـنـانـچـه حسـب اتفاق بعضی الزنا کحین زنان مذکوره بقضاء الهی فوت شده اولیاء منکو حات رابطور ایامی یعنی زنان بے شوہر ترك زینت وغیره بلا تعمیل نـکـاح ثانی نزدخود نگاہداشت می نمایند وہر آئینه ایں معنی صریح خلاف احکام آیات الٰہی وبـالـعـکس افعال واقوال رسالت پنا ہی و مباعسه طریقه اہل اسلام اسـت لہٰـذا مـاجمله سادات وشرفاء خداورسول اوتعالیٰ شانه رابایکدگردرمیان نموده اقرار صحیح وعهد وضیح می نمایند که اگر احیاناً کدام جا اختیار ماجمله مـردمـان مـرقـوم الا سـمـاء قـرطـاس ہذا واقعه مذکوره بوقوع رسد بعد عدۃ نکاح بـمـجـوز نـان حسـب نـصـوص قـطعیه ومسائل شرعیه دربرادری خودکرده دہند تعذّروتلبّث وحـرف و حـکـایـت نـوعـے ونـہـجـے بمیان نیار ندو ہر کـه موافق ایں امـرمـعـہـوده بـعـمـل نیاردومخالف بارگاه خدائے عظیم وحضرت رسول کریم وخارج از طـریـقـه اسلام و بیرون ازبرادری تـمـام است بنا برآں ایں چند کلمه بطـریـق اقرار نامه نو شته داده شدکه ثانی الحال سند گردو۔ وعند الحاجت بکار آید وَکانَ ذَلك تَحریُر فی التّاریخ بأ زدهم شهر رَبیعُ الثانی ۱۲۴۳ھ۔"

اس زمانہ کے شیعہ وسُنّی بزرگ سنجیدہ اور باوقار تھے آج کل کے سے چھچھورے نہ تھے کہ ذرا ذرا سی بات پر شیعیت وسُنیت کے سوال اٹھاتے۔ نواب ثابت جنگ علی قلی خان عباسی المتخلص بہ والہ عقیدتاً اثنا عشری نسباً عباسی اور شاہ ایران کے وزیر اعتماد الدولہ فتح علی خان عباسی کے بھتیجے تھے، محمد شاہی دور میں ہندوستان آئے۔ اس زمانہ میں دہلی کے شیعہ وسُنیوں کے لایعنی تعصبات دیکھ کر یہ ایران کا شیعہ بھی جل اٹھا اور ایک رُباعی شیعہ وسُنّی جہلا کے حسب حال کہی جو شاید امروہہ کے ان متعصبین کے حسب حال ہوگی جو فریق مخالف کے سبّ و شتم اور ایذا دہی کو اپنی نجات کا باعث سمجھتے ہیں۔

دیدم رنـزاع سُنّـی وشیعـه تعـب	کـا موختـه اندکیش جهل ارأم و اب
ہر جاکه خریست کنیتش شیعه بود	بر جا که سگیست شنُبش ہست لقب

امروہہ کی معافیات

مسٹر نیول، آئی سی ایس مؤلف مراد آباد ڈسٹرکٹ گزیٹر لکھتے ہیں۔

"عطیات معافی کے تاریخی حالات تاریکی میں مستور ہیں۔ شہنشاہ اکبرؔ کے زمانہ سے بہت پیشتر سے سادات امروہہؔ کو تمام ہندوستانؔ میں بہت کچھ شہرت حاصل تھی اور نسباً یہ لوگ ضلع مظفر نگرؔ کے سادات بارہہؔ سے بھی افضل سمجھے جاتے تھے۔ یہ لوگ اپنا سلسلۂ نسب (حضرت شاہ) شرف الدینؔ واسطی سے متّصل کرتے ہیں نیز یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کے فرزند (سیّد) عبدالعزیزؔ کی شادی ۷۱۱ھ-۱۳۱۱ء [1] میں فیروزؔ شاہ (خلجی) کی دختر سے ہوئی تھی مگر یہ ممکن الوقوع معلوم نہیں ہوتا ہے کیونکہ (سلطان) جلالؔ الدین فیروز (خلجی) ۶۹۵ھ-۱۲۹۵ء میں قتل ہو گیا تھا اور اس وقت وہ ایک مُسن شخص تھا۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ جس بادشاہ نے ان سادات پر اپنی عنایات مبذول کیں وہ فیروزؔ شاہ تغلق [2] تھا۔

اسی سلسلہ میں صاحب تاریخ اصغریؔ، جو سیّد عبدالعزیزؔ بن حضرت شاہ ولایتؔ کی نسل سے ہیں، لکھتے ہیں

صدہا برس سے اس شہر کے باشندوں کی اوقات گذاری کا مدار اراضی معافی کی پیداوار پر ہے۔ ابتداء میں فیروزؔ شاہ خلجی نے اپنے داماد سیّد عبدالعزیزؔ ولد سیّد شرفؔ الدین شاہ ولایتؒ کی اولاد کے مصارف کو بہت گاؤں سلطنت سے جُدا کر دئے تھے۔ سلاطین مابعد نے بھی ان کو بدستور برقرار رکھا اور خاندان تیموریہ نے مزید برآں جملہ سادات وشرفا کو دیہات معافی عطاء کیے۔" [3]

مندرجہ بالا اقتباسات میں عطیات معافی کی ابتداء سلطان جلالؔ الدین فیروزؔ خلجی کے عہد سے بیان کی گئی ہے اور ان عطیات میں جزوِ غالب "ان بہت (سے) گاؤں" کا بتایا گیا ہے جو بقول صاحب تاریخ اصغریؔ فیروز شاہ خلجی نے "اپنے داماد سیّد عبدالعزیز ولد سیّد شرفؔ الدین شاہ ولایتؒ کی اولاد کے مصارف کو سلطنت سے جدا کر دئے تھے۔" اس لیے معافیات امروہہ کے تاریخی حالات کے سلسلہ میں ضروری ہے کہ اس روایت پر دراتے نظر ڈالی جائے جو سلطان جلالؔ الدین فیروزؔ خلجی یا سلطان فیروز شاہ تغلقؔ یا کسی اور بادشاہ کی بیٹی سے سیّد عبدالعزیز کی شادی ہونے کے متعلق بیان کی جاتی ہے۔

---

[1] ۷۱۱ھ-۱۳۱۱ء میں سلطان علاءالدین خلجی سریر آرائے سلطنت تھا۔ اس سے ۱۶ سال پیشتر سلطان جلال الدین فیروز خلجی بعمر ۸۰ سال فوت ہو چکا تھا۔

[2] مراد آباد ڈسٹرکٹ گزیٹر صفحہ ۸۵۔ [3] تاریخ اصغری صفحہ ۱۱۳

شادی کی روایت:

صاحب تاریخ واسطیہ [۱] نے یہ روایت بحوالہ سید سراج الدین [۲] احمد مندرجہ ذیل الفاظ میں درج کی ہے۔

" دہم از ثقات شنیدہ کہ چوں سلطان فیروز شاہ خبر یافت کہ سید عبدالعزیز پسر خورد حضرت شاہ ولایتؒ درِدہلی بجہت طالب علمی تشریف آورد دند خلعت نمودہ وآگاہ کردہ دختر خود بحبالۂ نکاح ایشاں درآوردہ چوں ایں خبردرِخدمت حضرت شاہ ولایتؒ رسید از انجاکہ گوشۂ عزلت وقناعت وترک دنیا طریق ایشاں بود برنان مبارک فرمودند کہ آں گردن شکستہ رافقر ماخوش نیا مدہ میر سیّد عبدالعزیز روزے برعراقی سوار شدہ می رفتند ناگاہ ازاسپ افتادند ، گردن ایشاں بشکست و جاں بحق تسلیم کردند ۔ بادشاہ از شنید ن ایں خبر متألم شد ہر سید زن سیّد حاملہ است گفت چوں فرزند تولدُ شود درخدمت شاہ ولایتؒ برود قدم بوسی حاصل نماید ، چوں فرزند تولدُ شد قدم بوس کنانید ند ، حضرت برسر کودک دستِ مبارک نہادہ گفتند کہ ازاولاد توریاست ایں دیار تا بہ قیامت خواہد ماند ، چوں حضرت میرؒ علی بزرگ پسرکلاں حضرت شاہ ولایتؒ ہمیشہ درِخدمت قیام داشتند عنایت دربارۂ برادر زادہ دیدند سکوت نمودند حکم شد کہ ولایتؒ و دولت نعمت (؟) دراولاد شاں تا بہ قیامت خواہد ماند بموجب فرمودۂ آنحضرت ہر دوحکم جاریست ۔" [۳]

ثقہ اشخاص سے سنا گیا ہے کہ فیروز شاہ بادشاہ کو جب یہ خبر پہنچی کہ حضرت شاہ ولایتؒ کے چھوٹے فرزند سیّد عبدالعزیز طالبعلمی کی غرض سے دہلی میں تشریف لائے ہیں ان کو خلعت پہنا کر اور انہیں اس کی اطلاع کر کے ان کے ساتھ اپنی بیٹی کی شادی کر دی۔ یہ خبر جب حضرت شاہ ولایتؒ کو پہنچی تو چونکہ گوشہ نشینی وقناعت وترک دنیا اپنا شیوہ کر لیا تھا آپ نے اس پر اپنی زبان مبارک سے فرمایا کہ اس گردن شکستہ کو ہمارا فقر پسند نہ آیا۔ سیّد عبدالعزیز ایک دن (دہلی میں) گھوڑے پر سوار چلے جاتے تھے کہ یکایک گھوڑے سے گر پڑے، گردن ٹوٹ گئی اور جاں بحق ہو گئے۔ بادشاہ کو اس خبر کے سننے سے صدمہ ہوا پوچھنے پر معلوم ہوا کہ ان کی زوجہ حاملہ ہے بادشاہ نے کہا کہ جب فرزند تولدُ ہو جائے تو شاہ ولایتؒ کی خدمت میں جائے اور قدم بوس ہو۔ جب بیٹا پیدا ہو گیا تو قدم بوس کرایا گیا۔ آپ نے بچے کے سر پر دست مبارک رکھ کر فرمایا کہ تیری اولاد میں اس شہر کی ریاست قیامت تک باقی رہے گی۔ چونکہ حضرت میرؒ علی بزرگ (؟) حضرت شاہ ولایتؒ کے بڑے بیٹے ہر وقت خدمت میں حاضر رہتے تھے انہوں نے جب بھتیجے کے حال پر عنایت زیادہ دیکھی تو خاموشی اختیار کی حکم ہوا کہ ولایتؒ اور دولت روحانی (؟) ان کی اولاد میں قیامت تک باقی رہے گی حضرت کے ارشاد کے بموجب دونوں حکم جاری ہیں۔

روایت کی حیثیت:

یہ روایت ہر خاص وعام کی زبان پر ہے لیکن کب سے مشہور ہے، راوی کون لوگ ہیں، سلسلہ روایت کہاں ختم ہوتا ہے اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو کسی قدیم تحریر یا کسی ثقہ وصحیح الروایۃ شخص کے بیان سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ زیادہ سے زیادہ یہ روایت ڈیڑھ دو سو برس سے خاندان کی بعض شاخوں میں مشہور چلی آتی ہے۔

حضرت شاہ ولایتؒ کے خاندانی حالات کے متعلق قدیم ترین بیان صاحب ثمرات القدس کا ہے جو آخر عہد اکبری کی تالیف ہے،

---

۱ [تاریخ واسطیہ صفحہ ۹۸۔] ۲ یعنی سید سراج الدین احمد بن سید نجیب الدین جو ۱۲۳۲ھ تک زندہ تھے۔ ۳ تاریخ واسطیہ

یعنی حضرت شاہ ولایتؒ کے زمانہ سے تقریباً تین سو برس بعد کی، لیکن صاحب ثمرات القدس نے بھی اپنی تالیف میں اس روایت کا مطلق کوئی تذکرہ نہیں کیا۔ ثمرات القدس کے علاوہ دوسری قدیم تالیف، جس میں اس خاندان کا تفصیلی تذکرہ ہے سید کمال محمد کی تالیف اسراریہ ہے" جو ۱۰۶۸ھ کی تالیف ہے۔ صاحب اسراریہ کے بیان کو خاندانی حالات کے سلسلہ میں خاص اہمیت یہ حاصل ہے کہ وہ نسباً ان ہی سید عبدالعزیز کی نسل سے ہیں جن کی شادی بادشاہ کی بیٹی سے ہونا بیان کی جاتی ہے لیکن سید کمال محمد نے بھی اپنی کتاب میں اس روایت کا اشارتاً و کنایتاً بھی کوئی تذکرہ نہیں کیا۔ سید کمال محمد کا اپنے جدّ امجد کے متعلق ایک ایسے اہم واقعہ کا بیان نہ کرنا جو بادشاہ کی بیٹی کے ساتھ شادی ہونے اور بروایت مندرجہ بالا حضرت شاہ ولایتؒ کی بددعا سے اچانک طور سے وفات پا جانے کی وجہ سے کم از کم مؤلف اسراریہ کے خاندان کے لیے خاص تعلق اور اہمیت رکھتا تھا، اس کا قوی ثبوت ہے کہ یہ روایت ان کے زمانہ تک مشہور نہیں ہوئی تھی علاوہ ازیں سلطان جلال الدین فیروز خلجی کے عہد سے تقریباً ۴۷ برس بعد مشہور سیاح ابن بطوطہ ۱۴۷ھ میں امروہہ آیا تھا، وہ تقریباً ایک مہینہ تک یہاں مقیم رہا امروہہ کے سفر کے حالات اس نے اپنے سفرنامہ میں بالتفصیل لکھے ہیں، سید عبدالعزیز مذکور کے بڑے بھائی قاضی سید امیر علی سے ملاقات اور ضیافت کا تذکرہ خاص طور سے کیا ہے۔ سلطان جلال الدین فیروز خلجی کے حالات بھی تحریر کئے ہیں لیکن اس نے بھی شادی کے واقعہ کا یا بادشاہ کی بیٹی یا نواسہ کے امروہہ میں موجودگی یا قیام کا مطلق کوئی تذکرہ نہیں کیا حالانکہ اس کی آمد کا زمانہ یقیناً ایسا زمانہ تھا کہ شہزادی یا اس کا بیٹا ضرور بقید حیات اور امروہہ میں موجود ہوتے اور ان کے واقعہ کی مفصل کیفیت کسی اور سے نہیں تو قاضی سید امیر علی سے تو اس نے ضرور سنی ہوتی اور واقعہ کی نوعیت بھی ایسی تھی کہ امروہہ کے حالات کے سلسلہ میں وہ اس اہم اور عجیب و غریب واقعہ کا ضرور تذکرہ کرتا۔ ایک اور تالیف جس میں حضرت شاہ ولایتؒ کے خاندانی حالات کا تذکرہ ہے۔ مقاصد العارفین ہے جو ۱۲۳۲ھ کی تالیف ہے اس میں اس واقعہ کا کوئی ذکر نہیں ان وجوہ سے اس روایت کی شہرت کا آغاز ۱۲۳۲ھ یعنی مقاصد العارفین کی تالیف کے بعد سے سمجھنا کچھ بیجا نہ ہوگا۔

روایت پر تنقیدی نظر:

اور اگر یہ فرض کیا جائے کہ شادی کی یہ روایت تو خاندان میں بہت قدیم زمانہ سے مشہور چلی آتی تھی لیکن صاحب ثمرات القدس، صاحب اسراریہ ابن بطوطہ یا صاحب مقاصد العارفین نے کسی وجہ سے اس کو قابل تذکرہ نہیں سمجھا تو اب دیکھنا یہ ہے کہ آیا جو واقعہ بیان کیا جاتا ہے وہ تاریخی حالات و واقعات کے لحاظ سے ممکن الوقوع بھی ہے یا نہیں ؟

دو بادشاہوں کے نام اس سلسلہ میں لیے جاتے ہیں کہ ان میں سے کسی ایک کی دختر سے حضرت شاہ ولایتؒ کے فرزند سید عبدالعزیزؒ کی شادی ہوئی تھی اور بہت سے مواضعات جہیز میں عطا ہوئے تھے۔ صاحب تاریخ اصغری نے سلطان جلال الدین فیروز خلجی کا نام لیا ہے لیکن حسب ذیل وجوہ کی بنا پر اس بادشاہ کی کسی بیٹی سے سید عبدالعزیزؒ مذکور کی شادی ہونی ممکن الوقوع نہیں

اولاً

یہ کہ اس بادشاہ کا زمانہ سلطنت ۶۸۹ھ سے ۶۹۵ھ تک ہوتا ہے۔ تاریخ اصغری و واسطیہ اور دوسرے تذکروں میں حضرت شاہ ولایتؒ کا سنہ ولادت [1] ۵۵۳ھ بتایا گیا ہے اس لحاظ سے حضرت ممدوح کی عمر اس بادشاہ کے عہد سلطنت میں تقریباً ۱۴۰ برس کی ہوتی

---

[1] افسانہ نویسوں نے حضرت شاہ ولایت کا سال ولادت ۵۵۳ھ سال وفات ۶۸۲ھ اور مدت عمر ۱۳۰ قرار دی ہے۔ تاریخی حالات کے لحاظ ولادت وفات دونوں صحیح نہیں۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو حصہ دوئم

ہے۔ باپ کی عمر جب ۱۴۰ برس کی ہو تو بیٹے کی عمر اور ایک ایسے باپ کے بیٹے کی عمر جو ولی کامل ہو اور جس کا عہد شباب کے بعد تعلقات زنا شوئی کی جانب ملتفت ہونا قرین قیاس نہ ہو، کم سے کم نوے (۹۰) یا سو (۱۰۰) برس کی تو ضرور ہوگی پس کسی شخص کا نوعمری کے بجائے سن کہولت میں طالبعلمی کرنے دہلی جانا اور بادشاہ کا اپنی دختر کو کسی پیر صد سالہ کے حبالۂ عقد میں دیدینا محض لغو اور مہمل ہے۔

ثانیاً:

یہ کہ اگر شاہ ولایت کا سنہ ولایت بخلاف ان "مورخین" اور تذکرہ نویسوں کے بیان کے ۶۹۳ھ قرار دیا جائے، جیسا کہ خاکسار مؤلف نے کسی دوسری جگہ ثابت کیا ہے تو اس بادشاہ کے زمانہ میں آپ کی عمر پچیس تیس برس کی شمار ہوتی ہے اس لیے زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ اس زمانہ میں آپ کے چھوٹے فرزند کی ولادت بھی نہیں ہوئی ہوگی اور اگر پیدا بھی ہو چکے ہونگے تو زمانہ شیر خوارگی کا ہوگا پس کسی طفل شیر خوار کا طلب علمی کرنے دہلی جانا اور بادشاہ کا اس سے اپنی بیٹی کی شادی کر دینا اور بھی زیادہ لغو اور مہمل ہے۔

ثالثاً:

یہ کہ سلطان جلال الدین فیروز خلجی کے عہد حکومت کے تفصیلی حالات اور اس کے سوانح حیات معتبر و مستند کتب تاریخ میں مندرج ہیں۔ تاریخ فیروز شاہی کے مؤلف ضیائے برنی نے جو شاہ موصوف کا ہمعصر ہے، بادشاہ کے حالات اسکے بیٹوں دامادوں کے نام اور ان کے کارنامے تفصیل کے ساتھ لکھے ہیں ان میں کہیں بھی سید عبدالعزیز کا نام ان کا ذکر یا شادی کے اس واقعہ کا اشارہ تک بھی نہیں پایا جاتا۔ ضیائے برنی کا باپ بادشاہ کے منجھلے بیٹے ارکلی خان کا نائب تھا جس کی سکونت کا مکان محلات شاہی سے متصل تھا، ان تمام وجوہ سے بادشاہ کے خانگی حالات پر مطلع ہونے کا ضیائے برنی کو خوب موقع حاصل تھا، اگر ایسا کوئی واقعہ پیش آیا ہوتا جس کا ذکر اس روایت میں کیا جاتا ہے تو ضیائے برنی جو معمولی واقعات تک تحریر کرتا ہے اس کا ضرور تذکرہ کرتا۔

رابعاً:

یہ کہ سلطان جلال الدین فیروز خلجی کے چار بیٹے تھے یعنی شاہزادہ محمود خان خاناں [1]، ارکلی خان، قدر خان اور رکن الدین ابراہیم۔ چار ہی بیٹیاں تھیں جن کے شوہروں کے نام ہیں علاء الدین (جو بعد میں سلطان علاء الدین خلجی کے نام سے مشہور ہوا) الغ خان، الماس بیگ، (یہ تینوں بادشاہ کے برادرزادہ تھے) اور چوتھا الغوخان نبیرۂ چنگیز خان ان میں کہیں بھی سید عبدالعزیز کا نام نہیں ملتا۔

خلاصہ یہ کہ مندرجہ بالا وجوہ اور تاریخی شواہد سے ثابت ہے کہ سلطان جلال الدین فیروز خلجی کی دختر سے شادی ہونے کی روایت ہرگز صحیح نہیں۔

دوسرا بادشاہ جسکا نام اس روایت کے سلسلہ میں لیا جاتا ہے سلطان فیروز شاہ تغلق ہے۔ اس بادشاہ کی کسی دختر سے بھی سید عبدالعزیز کی شادی کا ہونا مندرجہ ذیل وجوہ سے ناممکن الوقوع ہے

---

[1] بادشاہ کا یہ بڑا بیٹا اسکے سامنے ہی مر گیا تھا حضرت امیر خسرو نے اسی شاہزادہ کی وفات کے وقت وہ مشہور مرثیہ لکھا تھا جسکے دو شعر یہ ہیں

چہ روز دست ایں کہ من خورشید تاباں را نمی بینم — دگر شب شد چرا ماہ درخشاں را نمی بینم
شہ ایلک بر سر تخت وزرگاں صف زدہ ہر سو — ہمہ مستعد لیکن خان خاناں را نمی بینم

اولاً:

یہ کہ اس بادشاہ کا عہد حکومت ۷۵۲ھ سے ۷۹۰ھ تک رہا پس اگر تذکرہ نویسوں کے بیان کے مطابق حضرت شاہ ولایتؒ کا سنہ ولادت ۵۵۳ھ قرار دیا جائے تو اس بادشاہ کے عہد حکومت کی ابتداء میں حضرت ممدوحؒ کی عمر دو سو برس کی شمار میں آتی ہے۔ بالمحال آپ کے فرزند کی عمر کم سے کم سوا سو یا ڈیڑھ سو برس کی تو ضرور ہوگی لہٰذا ڈیڑھ سو برس کی عمر والے شخص کا بذات خود تو درکنار اسکی اولاد در اولاد کا بھی طالب علمی کرنے دہلی جانا اور بادشاہ کی بیٹی سے شادی کرنا خلاف قیاس اور مہمل ہے۔

ثانیاً:

یہ کہ حضرت شاہ ولایتؒ کی ولادت ۶۶۳ھ میں قرار دی جائے تب بھی آپ کی عمر اس بادشاہ کے عہد حکومت میں تقریباً سو برس کی اور آپ کے فرزند کی تقریباً ساٹھ ستر برس کی تسلیم کرنا پڑے گی لیکن یہ عمر ہرگز ایسی نہیں کہ اس عمر میں وہ طالب علمی کرنے دہلی جاتے اور بادشاہ اپنی بیٹی کی ستر برس کے بوڑھے کے ساتھ شادی کر دیتا۔

ثالثاً:

سلطان فیروز شاہ تغلق ہی قدیم شاہان ہند میں ایک ایسا بادشاہ گذرا ہے جس کے عہد سلطنت کے حالات میں ایک چھوڑ تین تین مبسوط اور مستند کتب تاریخ موجود ہیں یعنی تاریخ فیروز شاہی مولفہ ضیاء الدین برنی و تاریخ فیروز شاہی مولفہ سراج عفیف اور فتوحات فیروز شاہی جو خود بادشاہ نے اپنے قلم سے لکھی ہے اور اپنے خاص خاص حالات و واقعات قلمبند کیے ہیں۔ ان کتب تاریخ میں بادشاہ موصوف کی اولاد اور اس کے دامادوں کے جا بجا تذکرے ملتے ہیں لیکن کہیں بھی سیّد عبدالعزیزؒ کا نام یا ان کی شادی اور ان کی اچانک موت کا واقعہ مذکور نہیں حالانکہ واقعہ کی نوعیت اور اہمیت اس کی متقضی تھی کہ اسکا ذکر ضرور ہوتا۔ دوسرے مورخ اگر نہ لکھتے تو خود بادشاہ جس کی حضرت شاہ ولایتؒ سے عقیدت کا تذکرہ ان تذکرہ نویسوں نے بڑی شدّ و مد کے ساتھ تحریر کیا ہے۔ اس اہم واقعہ کا تذکرہ ضرور کرتا۔

رابعاً:

حضرت شاہ ولایتؒ کی وفات اس بادشاہ کے عہد سلطنت سے تقریباً بارہ برس پہلے واقع ہو چکی تھی، آپ کا سنہ وفات جو عام طور سے ۷۸۲ھ مشہور ہے وہ آپ کا سنہ وفات نہیں ہے بلکہ حقیقتاً آپ کے پوتے سیّد اشرف جہانگیرؒ کا سنہ وفات ہے جو شرف الدین جہانگیر کے نام سے بھی مشہور تھے اور سلسلۂ مشائخ چشتیہ کے بزرگ اور اپنے جدّ امجد کے جانشین ہونے کی بنا پر شاہ ولایتؒ بھی کہلاتے تھے۔ اسپر تفصیلی بحث میں نے دوسرے موقع پر کی ہے لیکن یہاں مختصراً یہ عرض کرتا ہے کہ مشہور سیاح ابن بطوطہ جو مشائخ کا عقیدتمند تھا، اثنائے سفر میں جہاں کہیں کسی ولی کامل کا ذکر سنتا ہے اس کی خدمت میں ضرور پہنچتا ہے اور ملاقات کے حالات لکھتا ہے، وہ ۷۴۲ھ میں امروہہ آتا ہے، یہاں کامل ایک مہینہ تک مقیم رہتا ہے آپ کے ولد اکبر قاضی سیّد امیر علی سے اس کی ملاقات ہے وہ ان کا وران کی ضیافت کا تذکرہ اچھے الفاظ میں کرتا ہے پس اگر اس وقت حضرت شاہ ولایتؒ حیات ہوتے تو یہ مشائخ کا معتقد آپ کی خدمت میں خواہ آپ کسی صحرا میں موجود ہوتے ضرور حاضر ہوتا، آپ کے ذکر خیر سے اپنے سفرنامہ کو زینت دیتا لیکن اس نے کوئی تذکرہ آپ کا نہیں کیا کیونکہ آپ اس کی تشریف آوری سے بارہ برس پہلے یعنی تقریباً ۷۳۰ھ میں جیسا کہ کسی دوسری جگہ ظاہر کیا گیا ہے، واصل بحق ہو چکے تھے۔ دوسری

روایتوں میں بیان کیا گیا ہے کہ شاہ ولایتؒ کے پوتے سید ابدالؒ دودھ دھاری جوان ہی سید عبدالعزیزؒ کے فرزند تھے اپنے دادا کے مرید اور خلیفہ تھے۔ پس اگر انہوں نے خرقۂ خلافت شاہ ولایتؒ کی عمر کے آخری سال میں حاصل کیا تو ۷۴۰ھ میں جو شاہ ولایتؒ کا سنہ وفات ہے ان کی عمر کم از کم پچیس تیس برس کی تو ضرور ہوگی لہٰذا ایک ایسے شخص کے باپ کی عمر جو ۷۴۰ھ میں پچیس تیس برس کا ہو اس سنہ میں پچاس ساٹھ سال کی ہوگی اسلئے اس سے بارہ برس بعد یعنی ۷۵۲ھ میں، جو فیروز شاہ تغلق کی تخت نشینی کا سال ہے، سید عبدالعزیزؒ کی عمر تقریباً غر اسی برس کی تسلیم کرنا پڑیگی جو ہرگز ایسی عمر نہیں کہ وہ طالب علمی کرنے دہلی جاتے اور فیروز شاہ تغلق اپنی بیٹی کی ان سے شادی کر دیتا۔

الغرض مندرجہ بالا وجوہ سے اس روایت کی بھی کوئی اصلیت نہیں معلوم ہوتی کہ سلطان فیروز شاہ تغلق کی دختر سے سید عبدالعزیزؒ کی شادی ہوئی تھی اور اگر ان تمام تاریخی واقعات و حالات سے بھی قطع نظر کر لی جائے جو اوپر مذکور ہوئے اور یہ تسلیم کر لیا جائے کہ نہیں سید عبدالعزیزؒ کی شادی کسی بادشاہ کی لڑکی سے ہوئی اور ضرور ہوئی خواہ وہ بادشاہ خلجی ہو یا تغلق ہو یا اور کوئی ہو تو دیکھنا یہ ہے کہ واقعہ کی جو صورت اس روایت میں مذکور ہے اسطرح اسکے وقوع پذیر ہونے کا امکان بھی ہو سکتا ہے یا نہیں؟

روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ سید عبدالعزیزؒ دہلی میں طالب علمی کرنے گئے تھے، بادشاہ کو جب یہ خبر ہوئی کہ شاہ ولایتؒ کے چھوٹے صاحبزادے یہاں طالب علمی کی غرض سے آئے ہیں اپنے اپنی دختر ان کے حبالۂ عقد میں دیدی۔ اس کی اطلاع جب شاہ ولایتؒ کو ہوئی تو چونکہ حضرت ممدوح نے گوشۂ عزلت و قناعت اختیار کر کے ترک دنیا اپنا شیوہ قرار دیا تھا آپ کو یہ امر ناگوار ہوا کہ فقیر کا بیٹا بادشاہ کی بیٹی سے شادی کر لے آپ نے فرمایا کہ اے گردن شکستہ تجھے ہمارا فقر اچھا نہیں معلوم ہوا آپ کے اس ارشاد کا یہ نتیجہ ہوا کہ سید عبدالعزیزؒ دہلی میں گھوڑے پر سوار چلے جاتے تھے کہ یکایک گر پڑے، گردن ٹوٹ گئی اور فوت ہو گئے بادشاہ کو اسکا صدمہ ہوا دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ ان کی زوجہ حاملہ ہے بادشاہ نے فرمایا کہ جب بچہ پیدا ہو جائے تو شاہ ولایتؒ کی قدم بوسی کے لیے بھیجا جائے چنانچہ بعد ولادت فرزند شہزادی مذکور شاہ ولایتؒ کے پوتے کو لیکر بقول صاحب واسطیہ کسی قدر شاہی فوج کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوگئی۔

مندرجہ بالا روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ سید عبدالعزیزؒ طالب علمی کے لیے دہلی گئے تھے ظاہر ہے کہ طالب علمی کا زمانہ نوعمری کا زمانہ ہوتا ہے آج بھی بالعموم اس عمر میں شادی بیاہ نہیں ہوتا۔ اور آج سے تقریباً چھ صدی پیشتر تو اس نوعمری کے زمانہ میں شادی بیاہ کا قطعۂ دستور نہ تھا اور بالخصوص مشائخ کے بیٹے جب تک کسب کمالات نہ کر لیتے شادی بیاہ کی پابندیوں میں گرفتار نہ ہوتے تھے اسلئے یہ ماننا پڑیگا کہ اس نوعمر طالب علم کی کوئی شادی دہلی جانے سے پیشتر نہیں ہوئی تھی اور سید عبدالعزیزؒ کی پہلی شادی یہی شادی تھی اور شادی ہونے کے چند روز بعد ہی وہ اپنے باپ کی بددعا سے گھوڑے پر سے گر کر فوت ہو گئے بادشاہ کی بیٹی کے سوا اور کسی عورت کو عقد میں لانے کا نہ انکو موقع ملا اور نہ صورت حالات اس کی مقتضی تھی کہ وہ ایسا کرتے یا ایسا ہوا ہوتا۔ پس نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ سوائے اس فرزند کے جوان کے انتقال کے وقت شکم مادر میں تھا ان کے کوئی دوسری اولاد نہیں تھی لیکن یہ حیرت انگیز امر ہے کہ جن ''مورخین'' نے ان کی شادی ان کی اچانک موت اور ان کے فرزند کے تولد کی یہ عجیب و غریب روایت نقل کی ہے ان ہی ''مورخین'' نے ان کے دو اور فرزندوں یعنی سید محمد ابدالؒ دودھ دھاری (جن کو حضرت شاہ ولایتؒ کا خلیفہ بھی بتایا جاتا ہے) اور سید مجدالدینؒ (جد امجد مولف اسراریہ) کے نام بھی تحریر کیے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ آخر ان کے یہ دو اور فرزند کہاں سے آ گئے؟ آپ تسلیم کریں گے کہ اس معاملہ کی صورت دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو سید عبدالعزیزؒ کی شادی کی یہ روایت جس طرح بیان کی گئی ہے اور آب و تاب سے نام نہاد ''مورخین'' نے شائع کی ہے بے اصل و بے بنیاد

ہے یا یہ دونوں فرزند فرضی اور مصنوعی ہیں لیکن ان دو فرزندوں کا فرضی اور مصنوعی ہونا قرین قیاس نہیں، کم از کم ان میں ایک سے سلسلۂ نسل بڑھتی رہا اور اب تک بڑھتی ہے یعنی مؤلف اسرار یہ کا خاندان۔ اسلئے لا محالہ یہ ماننا پڑے گا کہ یہ روایت ہی قطعاً بے بنیاد اور بے اصل ہے۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ طلب علمی کرنے اور دہلی جانے سے پہلے سید عبدالعزیز کی شادی ہو چکی تھی اور نہ صرف شادی ہو چکی تھی بلکہ زوجہ اولیٰ سے کم از کم دو فرزند اور ممکن ہے کہ کوئی دختر بھی متولد ہو چکے تھے لیکن اس حالت پر بھی بادشاہ نے اپنی بیٹی کی شادی ان کے ساتھ کر دی (حالانکہ مندرجہ بالا وجوہ سے یہ ناممکن الوقوع ہے) اور حسب روایت صاحب تاریخ اصغری ''اپنے داماد سید عبدالعزیز کی اولاد کے لیے بہت گاؤں سلطنت سے جدا کر دیئے'' تو آخر عطائے جاگیر و مواضعات کا کوئی ثبوت بھی پیش کیا جا سکتا ہے؟ قدیم کاغذات کے مطالعہ اور تجسس حالات سے یہ حقیقت آشکارا ہوتی ہے کہ عہد مغلیہ سے پہلے مالی حالت کے لحاظ سے امروہہ کے سادات و شرفا کے دوسرے خاندانوں کے مقابلہ میں اس خاندان کو کسی قسم کا تفوق حاصل نہیں تھا بلکہ برخلاف اس کے جیسا کہ کسی دوسرے موقع پر ظاہر کیا گیا ہے سادات نوگیاں کے مورثوں کو مواضعات معافی زیادہ تعداد میں عطا ہوئے تھے۔ خاندان خلجی یا تغلق کی کوئی شہزادی اگر امروہہ میں سکونت پذیر ہوتی اور جیسا کہ مؤلف واسطیہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ کسی قدر فوج شادی کے ساتھ شہزادی امروہہ آئی اور یہاں مقیم رہی تو ظاہر ہے کہ اس کی سکونت کے لیے امروہہ میں کوئی قلعہ یا گڑھی یا بدرجۂ اقل محلات یا عالی شان مکانات تعمیر ہوتے کیا کسی شہزادی کے محل یا سکونت کے مکان کا کوئی پتہ بتایا جا سکتا ہے اسکے آثار یا نشانات ہی دکھائے جا سکتے ہیں فیروز شاہ تغلق کو اگر حضرت شاہ ولایتؒ سے اس قسم کی عقیدت ہوتی جس کا ذکر افسانوں میں کیا جاتا ہے، رشتہ کے تعلقات ہوتے تو یہ بادشاہ جس کو تعمیر عمارت کا بہت شوق تھا لے جو آپ کے زمانہ کے بہت بعد تک زندہ رہا اور اس کے خاندان میں سلطنت بھی اس زمانہ کے بعد عرصۂ دراز تک جاری رہی ضرور تھا کہ آپ کے مزار پر عالی شان مقبرہ تعمیر کرتا خانقاہ بنواتا مصارف کے لیے بڑی جاگیر عطا کرتا حالانکہ آپ کے مرقد منور پر نہ کوئی مقبرہ بنا نہ کوئی عالی شان خانقاہ تعمیر ہوئی اور نہ مصارف خانقاہ عرس کے لیے کوئی جاگیر عطا ہوئی۔ فیروز شاہ نے اپنے سوانح حیات میں ان تمام تعمیرات کی تفصیل درج کی ہے جو مختلف مقامات پر اسنے تعمیر کرائی تھیں۔ فیروز شاہ خود لکھتا ہے کہ۔ ۲

" بعضے از مواہب الہی که این بندۂ بیچاره را عطا کرده بر تشیید و مبانی خیرات توفیق داد تا بسی مساجد و مدارس و خوانق بنا کردیم تا علماء و مشائخ و زہاد و عبادوران مقامہا معبود بحق را عبادت کننده بانی خیر را بد عا مدد نمایند و حضر آبہا و غرس اشجار و وقف اراضی بر نہج شرع متفق و مجمع علیه است نور ملت اسلام علمائے شریعت داد بر وہ اجماع است دورو شکے و شبہے نه اور امعین سہام مصارف معیّن کردند تا ہمیشه حاصل آن به بندگانِ خدا برسد ذکر آن مشرو حادر وقفنامه مذکور است

خدا تعالیٰ کے بعض انعامات میں سے جو اس عاجز بندہ (یعنی فیروز شاہ تغلق) کو عطا ہوئے یہ ہے کہ خیرات کے کاموں کی توفیق دی، بہت سی مسجدیں مدرسے اور خانقاہیں میں نے تعمیر کیں تا کہ علماء و مشائخ زاہد اور عابد لوگ ان مقامات میں معبود حقیقی کی عبادت کریں اور اپنی دعا سے بانی خیر کی مدد فرمائیں۔ پانی کا انتظام کیا گیا درخت نصب کیے گئے اور آراضی اس طریقہ پر ان کے مصارف کے لیے وقف کی گئی جو شرع میں متفق علیہ ہے اور علماء کا اس پر اجماع ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں ہے تا کہ ہمیشہ اس کی آمدنی بندگان خدا کو پہنچتی رہے۔ اسکی تفصیل وقف نامہ مذکور میں کی گئی ہے۔

لے فیروز شاہ بادشاہ نے اپنے عہد حکومت میں جو تعمیرات مختلف مقامات پر کرائیں ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔ ۳۰ مدرسے، ۳۰ خانقاہیں، ۴۰ مسجد جامع، ۵۰ کوئیں، ۱۰۰ کوشک، ۱۰۰ مقبرہ، ۲۰۰ رباط، ۵ دارالشفاء، ۱۰ حمام، ۱۰ مینار و کلاں، ۳۰ شہر، ۱۰۰ حوض، دہلی اس کے باغات وغیرہ۔ ۲ فتوحات فیروز شاہی قلمی

غیروں کے لیے مقبرے اور خانقاہیں تعمیر ہوئیں ان کے لیے اراضی وقف کی گئی لیکن جن سے عقیدت یا رشتہ کا تعلق تھا جہاں اس کی بیٹی اور نواسہ موجود تھے وہاں نہ کوئی خانقاہ تعمیر ہوئی اور نہ مقبرہ یہ بات قرین قیاس نہیں۔

حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء دہلویؒ کے مقبرہ کی درستی کے متعلق دوسرے موقع پر یہ بادشاہ لکھتا ہے کہ ۱؎

"درہائے گنبد و جعفریہائے مقبرہ شیخ الاسلام نظام الحق والدین ہم از صندل ساختہ قندیلہائے زرین بازنجیر ہائے زر در چہار زوایہ گنبد آویختہ و جماعت خانۂ جدید بنا کردہ کہ آنچناں پیش ازیں آنجا نبودہ۔"

مقبرہ شیخ الاسلام نظام الدین (اولیاء دہلویؒ) کے گنبد و جعفریوں کو بھی صندل کی لکڑی سے بنایا گیا اور سونے کی قندیلیں سونے کی زنجیروں سے گنبد کے چاروں کونوں میں آویزاں کی گئیں اور ایک نیا جماعت خانہ جیسا کہ وہاں پہلے نہیں تھا تعمیر کیا گیا۔

"مورخین امروہہ" کی روایتوں کے مطابق جب اس بادشاہ کو حضرت شاہ ولایتؒ سے اس درجہ عقیدت اور نیاز مندی تھی کہ مرید ہونے کی بار بار خواہش ظاہر کی مگر آپ نے قبول نہ فرمایا پھر اسی نیاز مندی و عقیدت کی بنا پر آپ کے فرزند اصغر کے عقد میں اپنی بیٹی بھی دیدی اور انکی اولاد کے لیے "بہت گاؤں بھی سلطنت سے جدا کر دیئے" تو یہ امر حیرت انگیز ہے کہ حضرت سلطان المشائخ کے مقبرہ کو جن سے نہ عقیدت تھی نہ جن کا مرید تھا اور نہ جن سے کوئی رشتہ کا تعلق تھا، تو آراستہ و مزین کرتا ہے سونے کی قندیلیں لٹکاتا ہے سونے کی زنجیریں آویزاں کرتا ہے مگر حضرت شاہ ولایتؒ کی درگاہ میں ایک اینٹ بھی نہیں رکھی جاتی کیا یہ طرز عمل حیرت انگیز نہیں، کیا اس سے یہ نتیجہ برآمد نہیں ہوتا کہ عقیدت و نیاز مندی و رشتہ کی روایت محض ایک افسانہ ہو جسکی کوئی اصلیت نہیں۔

تاریخ سے ثابت ہے کہ سلطان فیروز شاہ طبعاً بڑا مخیر بادشاہ تھا۔ صرف مشائخ و علماء قرآن خوانوں وغیرہ کو جو رقوم سالانہ خزانہ شاہی سے دی جاتی تھیں ان کی تعداد ۳۶ لاکھ ٹنکہ تھی اور شرفاء و غرباء کے انعامات کی تعداد تقریباً ایک کروڑ سالانہ مقرر تھی۔ جا بجا مدارس و شفاخانہ جات قائم کیے تھے۔ ایک دیوان خیرات اس غرض سے قائم کیا تھا کہ تہی دست لوگوں کو جو اپنی بیٹیوں کی شادی نہیں کر سکتے اس سے امداد دی جائے۔ اس زمانہ کا مورخ سراج عفیف لکھتا ہے۔ ۲؎

دیوان خیرات برائے تزویج بنا کردہ اعنی آں مسلمانانِ غمگین و مومنان مساکین کہ دختران دارند و آں دختران بحد بلوغت رسیدہ اند پدرانِ ایشاں اسباب کار خیر ندارند بدیں سبب دائم دلہائے ایشاں پریشاں مانند ...... حضرت جہاندار ...... دریں محل ...... فرمان فرمود بر آں کسے کہ دخترے دارد بالغہ باید کہ آں شخص درِ خیرات دیوان اخبار رساند شراح حوالِ خویش و بیان دلِ ریش پیش عہدہ دارانِ دیوان خیرات باز نماید ...... براندازۂ حال ہر ایک وجہ تعین کنند۔

شادی بیاہ کے لیے ایک دیوان خیرات قائم کیا تھا یعنی ان غمگین اور مسکین مسلمانوں کے لیے جن کی بیٹیاں ہیں اور یہ لڑکیاں بلوغت کی حد کو پہنچ گئی ہیں مگر ان کے باپ ان کی شادی کا سامان فراہم نہیں کر سکے۔ اور اس وجہ سے ان کے دل ہمیشہ پریشان رہتے ہیں بادشاہ ...... نے اس بارہ میں یہ فرمان صادر کیا کہ جو شخص کوئی بالغ لڑکی رکھتا ہو اسے چاہیے کہ دیوان خیرات میں اس کی اطلاع دے اور اپنے حال سے عہدہ داران دیوان خیرات کو مطلع کرے ہر ایک کی حالت کے اندازہ کے مطابق مدد مقرر کی جائے۔

۱؎ فتوحات فیروز شاہی قلمی   ۲؎ تاریخ فیروز شاہی سراج عفیف

مندرجہ بالا بیانات سے یہ اچھی طرح واضح ہوگیا کہ سید عبدالعزیز بن حضرت شاہ ولایتؒ کی کسی بادشاہ کی بیٹی کے ساتھ شادی ہونے کی روایت صحیح نہیں نہ کوئی شہزادی امروہہ میں کبھی سکونت پذیر ہوئی اور نہ اس کے یا اس کی اولاد کے مصارف کے لیے کسی بادشاہ نے کبھی ''بہت گاؤں سلطنت سے جدا کئے''۔ اور نہ اس طرح امروہہ کی معافیات کی ابتدا ہوئی۔

پھر یہ روایت کیوں اور کب سے مشہور ہے؟:

اس سلسلہ میں اب صرف یہ سوال حل طلب باقی رہ جاتا ہے کہ پھر روایت کیوں اور کب سے مشہور ہوئی ۱۲۴۳ھ تک یعنی مقاصد العارفین کی تصنیف کے وقت تک یا پھر بفرض محال ۱۰۶۸ھ تک یعنی اسراریہ کی تالیف کے زمانہ تک تو یہ روایت مشہور نہیں ہوئی تھی یا کم از کم اسکو ایسا درجۂ اعتبار حاصل نہ ہوا تھا کہ مؤلف اسراریہ اسکا ذکر کرتا۔ ۱۰۶۸ھ کا وہ زمانہ ہے جبکہ اس سے تقریباً ایک صدی پہلے سے عبدالعزیز [1] کی نسل میں امارت و ریاست آ گئی تھی۔ سید محمد میر عدل و سید مبارک اور ان کے نامور اخلاف کی لیاقت و قابلیت ان کی شاندار خدمات کو اور کارناموں کی وجہ سے شاہانِ مغلیہ نے ان کو اعلیٰ مناصب اور جاگیریں عطا کی تھیں اور اس خاندان کو تمول و اقتدار کے لحاظ سے اپنے ہم چشموں پر تفوّق حاصل ہو گیا تھا۔ ان کے بعد نسلوں نے آنکھ کھولتے ہی ریاست کے ٹھاٹھ دیکھے ان کے آبائے کرام نے تو اپنی محنت و جانفشانی، تلوار کی جھنکار اور قلم کی سرسراہٹ کی بدولت دولت پیدا کی تھی علم و فضل و فنون سپہ گری کے ذاتی جواہر ان میں موجود تھے، ان کے بعد جو نسلیں پیدا ہوئیں وہ پوتڑوں کے رئیس تھے، خوشامدی مصاحبوں اور حاشیہ نشینوں نے خاندانی تفاخر و اقتدار کے حاشیئے چڑھانے شروع کیے، اس زمانہ میں خاندانِ شاہی سے تقرب فخر و مباہات کا اعلیٰ ترین معیار سمجھا جاتا تھا، کسی نے شادی کی یہ روایت بھی گڑھ ڈالی ابتداءً اس کی صورت کچھ اور ہوگی آنے والوں نے اس میں اور رنگ آمیزیاں کیں، اس زمانہ میں تو کسی نے مانا کسی نے نہ مانا، دو چار پشت کے بعد یہی بات ''مسلمات تاریخ'' میں داخل ہوگئی، اس نسل کے بعض حضرات اظہار تفاخر کے لیے اپنے کو بنبیرہ فیروز شاہ تغلق'' بھی لکھنے لگے نام نہاد ''مورخین امروہہ'' نے بھی اس کو آب و تاب سے شائع کرنا ضروری سمجھا۔ اور جو بات کبھی کسی نے ''زیب داستان'' کے لیے کہی تھی وہ اب ''مسلمات تاریخ'' میں شمار ہونے لگی۔ ورنہ جیسا کہ آپ اوپر پڑھ آئے ہیں، اس کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ کچھ بھی نہیں۔

معافیات کی ابتداء:

ہندوستان میں اسلامی سلطنت کے قائم ہونے کے تھوڑے عرصہ کے بعد ہی سے علماء و مشائخ سادات و شرفاء کے خاندانوں کی پرورش کے لیے وظائف و مدد معاش میں حسب حیثیت املاک و اراضیات معافی عطا ہونے لگی تھیں امروہہ میں حضرت شاہ ولایتؒ قدس سرہٗ کی تشریف آوری کے بہت پہلے سے جو خاندان علماء و مشائخ و سادات و شرفاء کے موجود تھے ان کو املاک و معافیات دی گئی تھیں مثلاً اولاد حضرت نظام گنج رواںؒ قدس سرہٗ، اولاد قاضی نظام الدین قریشی وغیرہ کو املاک معافیات عطا ہوتی تھیں۔ سلطان علاء الدینؒ خلجی کے عہد حکومت میں البتہ بہت سی معافیات ضبط ہو کر خالصہ میں شامل ہوگئی تھیں [2] لیکن فیروز شاہ بادشاہ نے اپنے حکومت کے پہلے ہی سال میں ستر سال پیشتر کے تمام عطیات کی اسناد کی جانچ پڑتال کرا کے مستحقین کو املاک و معافیات بحال کر دیں۔ [3]

---

[1] جو روایت مؤلف واسطیہ نے لکھی ہے جسکا اقتباس اوپر درج کیا گیا ہے وراسکے آخری فقروں کو غور سے پڑھئے۔ بڑے بیٹے سید میر علی کی اولاد میں شجعت اور چھوٹے بیٹے سید عبدالعزیز کے اخلاف میں ریاست کے الفاظ اس روایت کے تصنیف کرنے والوں کی کس قسم کی ذہنیت کا اظہار کر رہے ہیں۔

[2] تاریخ فیروز شاہی۔ [3] تاریخ فیروز شاہی

"امثلهٔ بفتا وساکه که از سلاطین ماضیه درہساب ادارات وانعامات و دیہا وز میہائے سادات و مشائخ و سائر مستحقان صادر شده بودوبمه بخالصه باز آمده براولادو احفاد ایشان بر حکم آں امثله مقرّره و مسلّم شده و تہازگی فرمان ہائے طمز اوامثلۂ دیوانی یافتند وآناں که نداشتند ومحتاج نفقه بودند تجدید فوق الکفایه ایشاں اور ارو انعام دیہه و زمین منفرد و تعیّن شد۔"

سادات و مشائخ و دوسرے کل مستحقین کے مواضعات آراضیات انعامات وادارات جو گذشتہ بادشاہوں نے عطا کیے اور وہ سب پھر خالصہ میں شامل کر لیے گئے تھے اُن کے متعلق سترّ برس پیشتر کے کاغذات و امثلہ کو نکلوایا اور ان احکام کے مطابق ان عطیات کو اُن کی اولاد و وارثوں کو دیا گیا اور از سرِ نو فرمان و امثلہ مرتب کیے گئے اور وہ لوگ جو تہی دست و صاحب احتیاج تھے ان کو اور بھی زیادہ مواضعات و اراضیات و انعامات وغیرہ عطا ہوئے۔

امروہہ کی معافیات کی ابتداء اسی عہد فیروز ؔی سے سمجھنی چاہیئے۔ سادات نوگیاں ؔ کے مورث خواجہ فخر الدّینؔ حضرت المشائخ شیخ نظام الدّین اولیاء دہلوی ؔ کے جانشین خواجہ محمد امام کی اولاد میں تھے ان کو متعدد مواضعات اسی عہد میں امروہہ کے علاقہ میں عطا ہوئے خاندان شیخ زادگان اول دحضرت شیخ فرید الدّین فاروقی گنج شکر کو بھی پرگنہ رجب پورؔ میں مواضعات معافی ملے۔ [1]

و خاندان ہائی شیخ فرید الدّینؔ شیخ بہاء الدّینؔ و شیخ نظام الدّینؔ (اولیاء دہلوی) " چندیں مشائخ قدیم دیگر بدیہا و زمین ہا و باغہا از سر نو عطا شده است ۔

حضرت شیخ فرید الدّین (گنج شکر فاروقی) و شیخ بہاء الدّین (زکریا ملتانی) و شیخ نظام الدّین (اولیاء دہلوی) نیز بہت سے دوسرے مشائخ قدیم کے خاندانوں کو مواضعات و اراضیات و باغات عطا ہوئے۔

یہ عطیات معافی " علی الدوام والاستمرار " کے طریقہ پر عطا ہوئے تھے۔ کوئی قدیم دستاویز اور فرمان تو دستیاب نہیں ہوا لیکن امروہہ کے قاضی اور مشائخ و سادات کے خانوادہ ہونے کی حیثیت سے حضرت شاہ ولایت قدس سرّہٗ کے اخلاف کو عہد خلجی و تغلقیہ میں املاک معافیات عطا ہوئیں۔ قاضی سیّد امیر علی کے انتقال پر ان کے فرزند سیّد محمد المعروف بہ سیّد تاج الدّین بروایت ثمرات القدس ترکہ پدری میں " ملک و باغ " کے متعلق حصول فرمان کے لیے دہلی گئے تھے۔

"(وبرادرسیّد اشرف جہانگیرؔ)گفت مرحوم تا ملک و باغ راکه ازپدر مانده فرمانے بیارم تا کسے راهد اخلت دراں نماند ۔" [2]

اسی طرح صاحب اسرار ؔ بیا اپنے جدّ امجد کے متعلق جو سیّد عبد العزیزؔ کے پر پوتے تھے، لکھتے ہیں کہ

سیّد چاندؔ بن سیّد معروفؔ بن سیّد مجد الدّینؔ بن سیّد عبدالعزیزؔ بن صاحب ولایتؔ در قریهٔ بوج پورؔ از مضافات امروہہؔ سکونتے داشته و به معاملتے

سید چاندؔ بن سید معروفؔ بن سید مجد الدّینؔ بن سید عبد العزیزؔ بن صاحب ولایت امروہہ کے نواح میں بوج پور نام ایک گاؤں میں سکونت رکھتے تھے اور عبادت و ریاضت میں زندگی

---

[1] تاریخ فیروز شاہی۔ [2] تاریخ فیروز شاہی

نیك و استقامتے تمام بسر می بردہ و اہل این کار بودو قتے شیخ عمرشہ سنبھلی رابوی اتفاق ملاقات افتادہ عمرشہ و فتح شہ دو برادر بودند ہردو عالم وفاضل و بزرگ از مشاہیر روزگار صاحب جاہ آخر عمر شہ بہ سیّد چاند گفت سیّدا چرانہ در شہر سنبھل آئی واقامت گیری و من دختری دارم تا نامزد سیّد حامد پسر تو بکنم سیّد چاند این معنی قبول کرد بہ سنبھل آمدہ بی بی خدیجہ دختر شیخ عمرشہ بحبالۂ عقد سیّد حامد در آمد وازاں ممر حویلی و باغ واملاك بنام آن بی بی شد واتفاق توطن افتاد۔ امروز ازاں باغ چند درخت انبہ ماندہ کہ مشہور بہ چندن پلی است و آن حویلی ہمیں سیّد وازہ ست ۱

بسر کرتے تھے اور اس کام کے اہل تھے۔ ایک موقع پر شیخ عمرشہ سنبھل کو ان سے ملاقات کا اتفاق ہوا۔ عمرشہ اور فتح شہ نامی دو بھائی تھے۔ دونوں عالم فاضل مشاہیر وقت اور صاحب جاہ تھے۔ شیخ عمرشہ نے سیّد چاند سے کہا کہ میر صاحب تم سنبھل کیوں نہیں آتے اور وہاں سکونت اختیار کرتے میں اپنی بیٹی کی تمھارے فرزند سیّد حامد کے ساتھ شادی کر دونگا۔ سیّد چاند نے یہ بات قبول کی اور سنبھل آگئے۔ شیخ عمرشہ کی دختر بی بی خدیجہ سیّد حامد کے حبالۂ عقد میں آئیں اور حویلی و باغ واملاک ان بی بی کے جہیز میں ملیں اور اسی طرح سنبھل میں توطن پذیر ہوئے اب اس باغ میں سے آم کے چند درخت باقی ہیں جسے چندن پلی کہتے ہیں اور وہ حویلی یہی سیّد واڑہ ہے۔

سیّد عبدالعزیزؒ کی اولاد کے مصارف کے لیے کسی بادشاہ نے ''بہت گاؤں سلطنت سے جدا کر دئے'' ہوتے تو ظاہر ہے کہ ان سے تیسری ہی پشت میں یہ حالت پیش نہ آتی کہ ان کے اخلاف اس طرح ترک وطن کر کے دوسرے مقام پر سکونت اختیار کرتے۔ سادات و مشائخ وشرفا کے دیگر خاندانوں کی طرح یہ اراضیات املاک اس خاندان کو بھی عطا ہوئیں ان میں سے بعض لوگ ان مواضعات معافی میں سکونت پذیر بھی ہو گئے۔ قاضی سیّد امیر علی کی نسل میں ایک خاندان اگوانپور چلا گیا۔ وہاں کا عہدۂ قضا بھی ان پشت ہا پشت تک جاری رہا اور اس خدمت کے صلہ میں بھی اگو معافیات ملیں۔

حضرت شاہ ولایتؒ کے خاندان کے علاوہ شاہان خلجی و تغلق کے عہد میں خاندان قاضی زادگان، خاندان حضرات ترکمان (دستار کلاں) خاندان ملک بھورن و خاندان سلار ایوب وغیرہ کو اس کے بعد شاہان لودھی کے زمانہ میں خاندان حضرات نخشبی و خاندان بنو عباس کو اور ابتدائے عہد مغلیہ میں سادات وشرفا کے دوسرے خاندانوں یعنی خاندان حضرت شاہ ابن بدر چشتیؒ و خاندان سیّد حسن وہ خاندان مولنا سیّد اشرف و دانشمند نیز دوسرے خاندانوں کو جو وقتاً فوقتاً امروہہ میں متوطن ہوئے حسب حیثیت جائداد و املاک معافی ملتی رہیں اس عہد تک عطائے معافیات کے اعتبار سے امروہہ کے سادات وشرفا کے مختلف خاندان تقریباً مساوی الحیثیت تھے۔ شہنشاہ اکبر کے عہد حکومت کے نصف آخر میں اولاد سیّد منتخب نبیرہ سیّد عبدالعزیز بن حضرت شاہ ولایتؒ کو عطائے مناصب و معافیات کے اعتبار سے درجۂ امتیاز حاصل ہوا۔

امروہہ کی معافیات عہد مغلیہ میں:

عہد مغلیہ میں امروہہ کی معافیات کی دو اقسام تھیں (۱) سیورغال ۲ (۲) جاگیر۔ سیورغال ترکی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی مدد معاش کے ہیں مدد معاش حسب ذیل چار گروہوں کو دی جاتی تھی۔

(۱) علماء (۲) مشائخ (۳) غرباء و بیوگان (۴) سادات وشرفا

---

۱ اسرار قلمی ۲ سیورغال بالسین مہملہ مکسور و یائے مضموم و رائے مہملہ ساکن و غین معجمہ والف و لام ساکن در ترکی بمعنی جاگیر گویند (غیاث اللغات)

مدد معاش بھی دو صورتوں سے دی جاتی تھی یعنی بصورت نقد روزینہ در ماہ اسکو وظیفہ کہتے تھے اور بہ صورت مواضعات و آراضی اسکو ملک کہتے تھے۔

سیورغال علامہ ابوالفضل ''آئین اکبری میں سیورغال'' کے تحت میں لکھتے ہیں

''وچہار گونہ مردم رابہ زمین وروزینہ کامیاب گرداند ... نخستین آگہی جویان آباد انشیدہ کہ دست از ہمہ بر گرفتہ در فراہم آوردن حقیقی علوم شب از روز نشناسند، دوم رنج کشان خویشتن گداز کہ دل بہ پیکار نفس خود آراستہ از جہانیان رو بر این تافتہ سوم درماندگان تہیدست کہ توانائی جست و جو ندارند۔ چہارم بزرگ زادگان آرزم دوست کہ از کم دانشی راہ پیشہ وردی پسپرند۔ نقدرا بزبان وقت وظیفہ گویند و زمین را ملک د مدد معاش وہ بہ این عنوان کردرہا دادہ اند دردز بروز افزدہ گردد۔ [1]

چار قسم کے اشخاص کو زمین اور روزینہ سے مدد دی جاتی ہے۔ اول ذوعلماء جو اور سب مشاغل سے قطع تعلق کر کے شب و روز خدمت علم میں معروف رہتے ہیں۔ دویم مشائخ جو اپنے نفس کو آراستہ کرتے اور دنیا کے لوگوں سے بے تعلق رہتے ہیں۔ سویم غربا (بیوگان) جو کسی کام کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ چہارم سادات و شرفا جو عدم قابلیت کی بنا پر کوئی پیشہ اختیار نہیں کرتے۔ نقدی کی صورت میں جو مدد ملتی اسے وظیفہ کہتے ہیں اور زمین کو ملک مدد معاش اس طریقہ پر کروڑوں کی امداد کی گئی اور روز بروز تعداد ازیادہ ہے۔

جو املاک سیورغال کے طور سے دی جاتی تھیں ان کے متعلق یہ قاعدہ مقرر تھا کہ نصف حصہ ان کا مزروع ہوتا تھا اور نصف غیر مزروع اور اگر سب مزروع ہوتا تھا تو چہارم حصہ کم کر لیا جاتا تھا۔ اس وقت حاصل اراضیات تقریباً ایک روپیہ فی بیگہ تھا۔ یہ اراضیات معافی کہلاتی تھیں کیونکہ ہر قسم کے محصول سے معاف اور مرفوع القلم تھیں۔ اور ان میں اکثر ''علی الدوام والاستمرار'' کے طریقہ پر عطا ہوتی تھیں۔ امروہہ میں ان سیورغالات کی تعداد ۱۰۰۲ھ تک حسب ذیل تھی۔

نام پرگنہ	تعداد بیگہ	کل جمع	سیورغال
امروہہ	۳۲,۶۵۴	۶۳,۴۲,۰۰۰دام	۹,۹۴,۳۵۸دام
		۱,۵۸ ۵۵۰ روپیہ	۲۴,۹۰۳-۱۵,۲ 8/5روپیہ

گویا عہد اکبری میں سادات و شرفاء امروہہ کے مختلف خاندانوں کو جو معافیات بطور سیورغال ملی ہوئی تھیں ان کی سالانہ آمدنی تقریباً ۲۵ ہزار روپیہ تھی۔ ان میں زیادہ تعداد سادات کی تھی [2]۔ ہمایوں و اکبر بادشاہ کے عہد میں امروہہ کے ممتاز علماء و مشائخ کے جو نام معلوم ہو سکے وہ یہ ہیں ان کو مختلف تعداد میں اراضیات سیورغال عطا ہوئی تھیں۔

---

[1] آئین، کبری صفحہ ۱۴۰۔ [2] صاحب آئین اکبری نے ''آئین اغوس دوو دو صوبہ'' کے تحت میں تمام پرگنات کی جمع، تعداد سیورغال، وغیرہ کی تفصیلات درج کی ہیں۔ ان تفصیلات میں جن اقوام کی زمینداروں کی تعداد جس پرگنہ میں زیادہ ہے اس قوم کا نام بھی لکھ دیا ہے چنانچہ پرگنہ امروہہ کی تفصیلات میں ''سادات'' کا لفظ تحریر ہے۔ مؤلف واسطہ سے اس کی ایک مضحکہ انگیز توجیہ یہ کی ہے کہ ''قصبہ مروہہ کی زمینداری'' سادات کو عطا ہوئی تھی۔ کجا پرگنہ امروہہ اور کجا ''قصبہ امروہہ'' پھر اس عجیب توجیہ کے ثبوت میں بعض دستاویزات کی نقول بھی درج کی ہیں مثلاً صفحہ ۲۹-۳۰ پر جن دستاویزوں کی نقل درج ہے ان سے بھی ان کے قول کی تائید نہیں ہوتی ''دستخط بیثال برطور امیر خالصہ شریفہ وجاگیرداروں'' کے الفاظ اپنا مطلب صاف بتا رہے ہیں۔ خالصہ کا حق زمینداری، معافیداری، چودھرایت ومقدمی وغیرہ کے حقوق کو تعداد میں سادات اور حضرت شاہ ولایت کو زیادہ حاصل تھے لیکن جیسہ یہی حقوق سادات و شرفا کے دوسرے خاندانوں کو بھی ملے ہوئے تھے جس کی تصدیق صدہا دستاویزات دیرینہ سے ہوتی ہے۔

عکس پروانہ تصحیح ملک مدد معاش حضرت شاہ امینؒ

عرش آشیانی

[illegible]

حکام حال و استقبال کروریان و جاگیرداران و متصدیان [illegible]

۱ چون معتبر [illegible] عالی شان حضرت [illegible]

موازی [illegible] بیگه زمین [illegible] در وجه مدد معاش [illegible]

مقرر بوده [illegible]

و غیره [illegible] مسلم داشته شد [illegible] فرامین و اسناد [illegible]

[illegible] تصدیق [illegible] قبض [illegible]

آنها [illegible] درگاه [illegible] مبارک [illegible]

[illegible] سلیمان [illegible]

[illegible]

علماء:

مولانا سید علی مولانا سید قطب الدین (مورث سادات محلہ حقانی) کو سات سو بیگہ و یک ہزار یک صد بیگہ، مولانا لال محمد عباسی کو ایک ہزار ایک سو ساٹھ بیگہ، مولانا بن عباسی کو صما (۵۰۰) بیگہ، مولانا عبدالملک بخشی معروف بہ حقانی صما (۵۰۰) بیگہ، مولانا عبدالغفور بخشی مولانا عبدالقدوس بخشی و قاضی الہندیہ (آخرالذکر تین اشخاص کے عطیات معافی کی تعداد معلوم نہ ہو سکی) اس کے بعد مولانا سید اشرف دانشمند مولانا سید اشرف بن سید سعید خان (محلہ لکڑہ) مولانا محمد عباسی اور متعدد دوسرے علماء کو مدد معاش ملتی رہی۔

مشائخ:

اس عہد کے مشائخ کبار میں حضرت شاہ ابن بدر چشتی تھے۔ آپ کے مصارف کے لیے اکبر بادشاہ نے چار سو بیگہ زمین معافی بموجب فرمان مجریہ ۲۳ شہر ذیقعدہ ۹۸۳ھ دی تھی۔ اصل فرمان خاکسار مؤلف کو باوجود امکانی کوشش کے دستیاب نہیں ہو سکا۔ لیکن اس کی تصدیق حسب ذیل پروانہ تصحیح مجریہ عہد عالمگیری سے ہوتی ہے جس کا اس موقع پر نقل کرنا تاریخی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

عرش آشیانی

گماشتہائے جاگیرداران و کروریان حال واستقبال پرگنہ امروہہ سرکار سنبھل بدانند

کہ چوں بموجب فرمان عالی شان حضرت از قرار بتاریخ ۲۳ شہر ذیقعدہ ۹۸۳ھ

موازی چہار صد بیگہ زمین بطناب سن دردوجہ مدد معاش حضرت غفران پناہ میاں شیخ ابن مقرر بود مشار الیہ ودیعت حیات سپرد دصدور سابق اراضی مذکور ابر شیخ نور محمد [2] وغیرہ ورثہ مشار الیہ مسلم داشتند ودریں ولا مشارٌ الیہم بافرمان و اسناد صدور سابق حاضر آمدند متولی پرگنہ مذکور تصدیق حیات و قیام و قبض و استحقاق آنہاادہنا بریں بندہ درگاہ بتصدّقِ فرقِ مبارکِ بندگان خدیوِ زمان و زمین حامئ شرع سیّد المرسلین سکندرؔ قدر سلیمان آئین موئید ملت خاتم النّبین خورشید نظر زمین مسطور بمشارٌ الیہم حسب الضمن مسلّم داشتہ بتصحیحہ رسانید۔ می باید زمین مذکور رابہ آنہا

---

[1] صاحب آئینہ عباسی لکھتے ہیں کہ "مولانا لال کو عدد وہ چکوک دیہات چک امروہہ خاص قصبہ ایک ہزار پختہ اراضی کا ملا اور اکثر دیہات میں املاک معافی ملیں فرمان معیات موجود ہیں اور ان کے بیٹے عبدالحکیم کو بھی قصبہ خاص میں پانسو بیگہ پختہ چک ملا اور ان کے بھائیوں کو املاک و چکوک دیہات میں ملے" خاکسار مؤلف کو یہ فرامین دستیاب نہیں ہوئے البتہ مولانا لال عباسی نے اپنی جائداد جس دستاویز کے ذریعہ اپنی اولاد میں تقسیم کی تھی وہ خاکسار مؤلف کی پاس موجود ہے جس میں تعداد اراضی ایک ہزار ساٹھ بیگہ درج ہے۔

[2] غالباً شاہ نور الدین سے مراد ہے جن کا انتقال ۱۰۲۸ھ میں ہو چکا تھا۔ لیکن ان کے ورثہ کے نام پروانہ تصحیح کی پشت پر تحریر ہوتے تھے۔

واگذارند کہ حاصلات آنرا فصل بہ فصل و سال بہ سال صرف معیشت خود نمودہ بہ دعا گوئی دوام دولت ابد پیوند بشتغال واشتہ باشند دریں باب تاکید تمام دانند تحریر فی التاریخ بست و ہفتم جمادی الاوّل ۳ سنہ جلوس میمنت مانوں ۱۰۷۳ ہجری ۔ (اصل پروانہ صفحہ ۲۵۹ پر ملاحظہ فرمائیں)

حضرت شاہ ابنؒ کے فرزندان باکمال میں سے شاہ قطب الدینؒ وغیرہ کو ۳۳۸ بیگھہ ۴ بسوہ زمین بموجب فرمان ۵ جمادی الاوّل ۹۸۷ھ عطا ہوا اور شاہ نور الدینؒ کو ۱ سنہ جلوس جہانگیری مطابق ۱۰۱۵ھ میں سما ۲۲۵ عسکہ اراضی معافی عطا ہوئی ۔ حضرت شاہ صدر الدین قدس سرہٗ کو دو سو بیگہ ۱۰۲۹ھ میں دی گئی ۔ شاہ صاحب موصوف کی اولاد میں کوئی فرد اب باقی نہیں ۔ اسلیے بطور یادگار ذیل میں عہد محمد شاہ بادشاہ کے پروانہ تصحیح کی نقل درج کرتا ہوں

ظل سبحانی نصرۃ الدین محمد شاہ بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ،

جنت مکانی

خواجہ الحسنے
الدین صدر
میر حنیف
۱۱۵۵

گماشتہائی جاگیرداران وکروریان حال و استقبال پرگنہ امروہہ سرکار سنبھل مضاف صوبہ شاہجہان آباد بدانند کہ بموجب فرمان عالی شان عہد حضرت

مرقوم بتاریخ ۲ ماہ خورداد الہی سنہ ۱۵ موازی دو صد بیگہ زمین بگز الہی از پرگنہ مذکور دروجہ مدد معاش شیخ صدر الدین ولد قدوۃ العارفین حضرت شاہ ابن مقرر بود بعد فوت او صدور سابق آراضی مذکور رابر شیخ فتح اللہ وغیرہ وارثان متوفی مذکور مسلم داشتند ۔ دریں ولا باخبار مخبرین معتبر بوضوح پیوست کہ آنہا حیّ و قائم وبر اراضی مذکور قابض و متصرف اندبنا بران بتصدّق فرق مبارک بندگان خدیو جہان خداوند زمان مظہر اتم پروردگار رحمت اعم آفرید گار حضرت اراضی مسطورہ راحسب الضمن بحال داشتہ بتصحیحہ رسایندمی بایدکہ زمین مذکور رابدستور ماسبق از محلقدیم بشرط قبض و تصرف آنہا واگذارندکہ حاصلات آں را صرف مایحتاج خود با نمودہ بوظائف دعا گوئی دوام دولت ابد مدّت اشتغال نمایند ۔ دریں باب قدغن شنا سند۔ تحریر فی التّاریخ بست و پنجم جمادی الثّانی سنہ ۲۶ (اصل پروانہ صفحہ ۲۶۲ پر ملاحظہ فرمائیں)

تاریخ تحریر از الف سنہ ۲۶ محمد شاہی

[illegible]

حضرت شاہ محمدی فیاض جعفری قدس سرہٗ کے اخلاف میں شاہ روشن محمد مدنی کی مدد معاش کے لیے بعہد محمد شاہ بادشاہ ۱۱۳۲ھ میں پچاس ہزار دام (مساوی ۱۲۵۰ روپئے) کی املاک سرسہ خورد میں عطا ہوئی ۔ اسی طرح امروہہ کے دیگر مشائخ کے خاندانوں کی مدد معاش میں املاک اور روزینہ ملتا رہا۔

ھو

عکس پروانۂ مدد معاش شیخ صدر الدین ولد قدوۃ العارفین حضرت شاہ ابن بدر چشتی

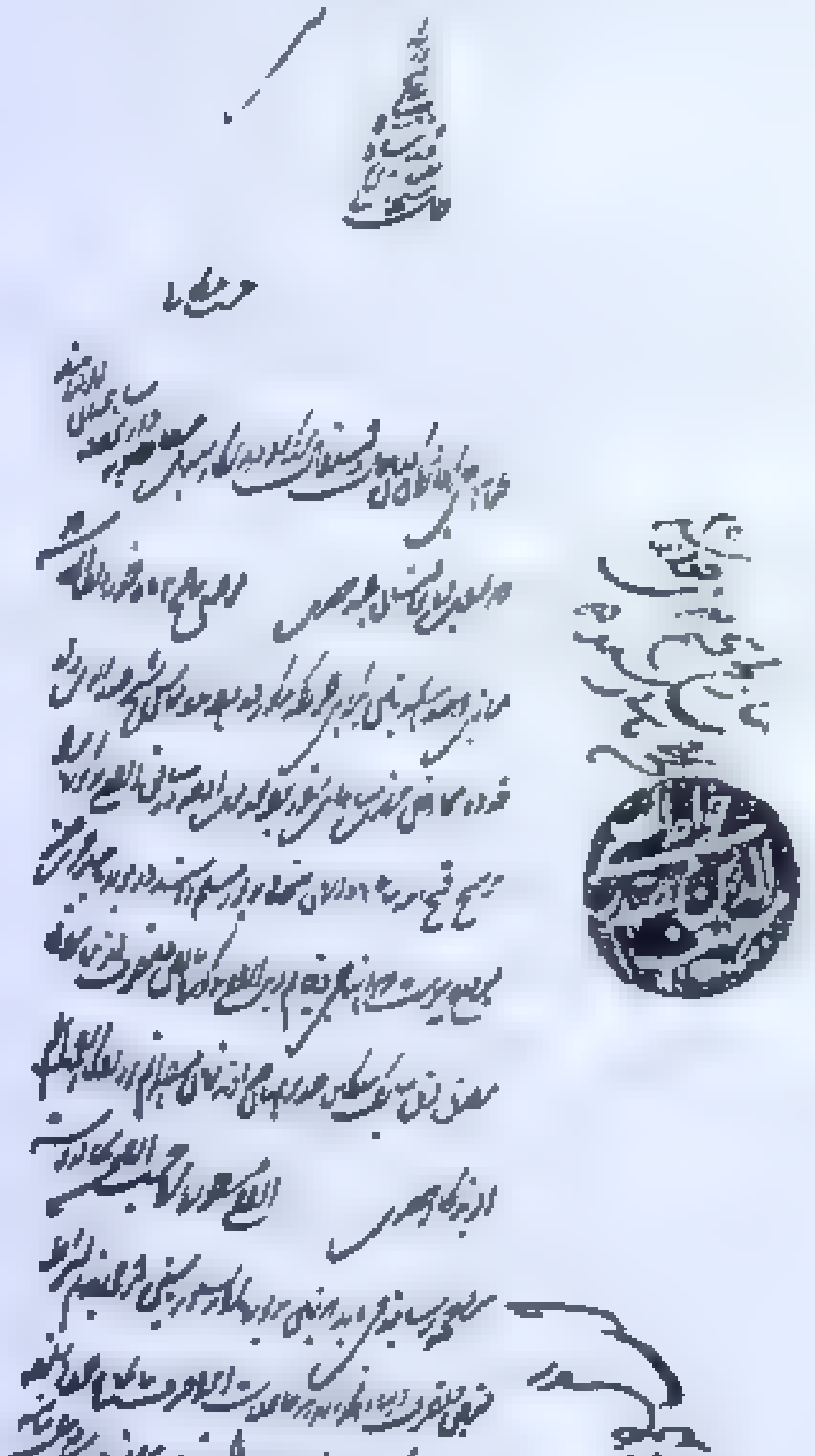

روزینہ:

روزینہ داران کی بعض فہرستیں جو خاکسار مؤلف کی نظر سے گذری ہیں ان میں متعدد علماء مشائخ سادات وشرفا کے نام ملتے ہیں، مثلاً علماء میں شیخ فیض محمد (خاندان شیوخ کلاں) کو بعہد محمد شاہ بادشاہ ۲عا، یومیہ اور مشائخ وسادات وشرفا میں سے ۱۱۸۸ھ میں متعلقان حضرت شاہ عضدالدین جعفری ۲عا، مولوی حکیم جلال الدین ۱۲/ یومیہ۔ سید جعفر شاہ (محلہ بھوکہ) ۸/، سید محمد اسحٰق ۳/، حافظ غریب اللہ ۲/، مولوی عزیز اللہ (پیرزادہ) ۴/، سید صابر علی شاہ پسر شاہ جعفر (محلہ بھوکہ) ۸/، متعلقان شاہ محمد اعظم ۶/، محمد صلاح درویش ۵/، محمد سعید درویش ا/۔

خواتین سادات و شرفا:

امروہہ کے سادات وشرفا کے تقریباً ہر خاندان کی خواتین کو کسی نہ کسی صورت سے مدد معاش ملتی تھی۔ انکے نام کے صدہا فرامین و پروانے خاکسار مؤلف کی نظر سے گذرے۔ مونا سید میر علی کی والدہ، خواہر، عمہ وغیرہ کو یک صد بیگہ زمین موضع یحیٰ پور میں بعہد عالمگیر عطا ہوئی۔ چک نامہ کی نقل تاریخی دلچسپی کے لحاظ سے ذیل میں درج کی جاتی ہے

ھوالفیاض

حضرت بادشاہ عالمگیر

چـــــــــــــــک نـــــــــــــــامـــــــــــــــه

اراضی مدد معاش موازی یك صد بیگه زمین افتاده لایق زراعت خارج جمع بموجب فرمان عالی شان عهد حضرت دروجه معاش مسماة بی بی نورجهان وغیره وارثان سید میر علی در جاگیر اقبال پناه در موضع یحیی پور انند سروپ شقدار و تلسی داس خوطه دار و جریب کشان عالم خان و شیخ جلیل سید هذا برادر سید سلطان محمد متولی به اتفاق چودهریان و قانون گویان در موضع مذکور پیموده چك بسته دادند محدود بچهار حدود مفصله ذیل :

مابیگہ

	مسماة	مسماة	مسماة
مشاورالیہا	بی بی خالق دی والدہ	بی بی کی خواہر سید میر علی	بی بی زینب عمہ سید میر علی
حشو	سید میر علی	حشو	حشو

تحریر فی التاریخ ۲۵ شہر ذی الحجہ ۸ ہجری ۱۰۷۶ھ

اسی طرح امروہہ کی صدہا خواتین کو بالخصوص مسماۃ نجم النساء دختر مولانا بابن عباسی کو بموجب فرمان عہد جہانگیر مجریہ ۱۰۲۱ھ یکصد بیگہ، ومسماۃ شاہ گسائن وغیرہ متعلقہ ''حقائق ومعارف آگاہ میاں شیخ ابو اللیث فرزندان قدوۃ العارفین والمحققین حضرت شاہ ابن کو بموجب فرمان عہد شاہجہاں مطابق تجدید سند بست ویکم شہر جمادی الاول ۲۵ جلوس عالمگیری کو موازی دوصد بیگہ اور موازی ہشتاد بیگہ زمین ''باسم عصمت مآب صالحہ ساجدہ مستات فاطمہ از بنات قطب العارفین حضرت شاہ ابن قدس سرہٗ'' بموجب پروانہ مُہری علی قلی خان عالمگیری مجریہ غرہ رجب المرجب ۳۵ جلوس عالمگیری متعلقین شاہ قیام الدین محمد کو مجموعاً پانسو بیگہ بعہد عالمگیر اراضیات مدد معاش عطا ہوئیں۔

بعض خواتین کو بھی روزینہ ملتا تھا۔ مؤلف تاریخ واسطیہ کے جد امجد سید فتح مراد کی والدہ کو ۴ یومیہ ان کی دو بہنوں کو فی کس ۴ یومیہ بموجب فرمان مرقومہ بست وسویم شہر ذیقعدہ ۱۰۱۶ھ روزینہ ملتا تھا (یہ اصل فرمان خاکسار مؤلف کے پاس موجود ہے)

اسی طرح سادات وشرفاء میں صدہا اشخاص کو ملک مدد معاش اور روزینہ سلطنت اسلامی سے ملا کرتا تھا۔ ملک مدد معاش علیٰ قدر مراتب مقرر ہوتی تھی جس کی مقدار حسب حیثیت وضرورت بیگہ سے دوسو ڈھائی سو بیگہ ہوتی تھی اور روزینہ ا ر یومیہ سے دو تین روپے یومیہ تک ان اشخاص کو جنھیں ملک مدد معاش عطا ہوتی تھی اصطلاحاً ''یمہ دار''[1] کہتے تھے۔ عہد عالمگیری کے ''یمہ داران'' کی ایک تحریر کا عکس تاریخ دلچسپی کے لحاظ سے علیحدہ درج کیا جاتا ہے۔ دستخط کنندگان میں مختلف خاندانوں کے اشخاص شامل ہیں یعنی خاندان حضرت شاہ شرف الدین، خاندان عباسی، خاندان پیرزادگان اولاد حضرت شاہ ابنؒ خاندان بخشی، خاندان حضرات ترکمان (بڑ پکہ) نیز خاندان صدیقی وقریشی وغیرہ۔

جاگیر:

شاہانِ اسلام کے زمانہ میں عمال سلطنت اور منصبداروں کو اعلیٰ قدر مراتب جاگیریں عطا ہوتی تھیں انکی بھی دو اقسام تھیں ایک موقت یعنی وہ جاگیریں جو دورانِ خدمت میں عمال وعہدہ داران حکومت ومنصبداروں کو ان کے عہدہ ومنصب کے مصارف اور تنخواہ کے لیے دیجاتی تھیں۔ ایسے بہت سے اعلیٰ جاگیرداروں کا تذکرہ آپ پہلے پڑھ آئے ہیں جن کی جاگیر میں کل پرگنہ امروہہ وقتاً فوقتاً شامل رہا ہے۔ دوسری وہ جاگیریں تھیں جو بصلۂ خدمات منصبداراور ان کی نسلوں کو بطور مدد معاش بطریق معافی علی الدوام والاستمرار عطا ہوئی تھیں۔ ساکنان امروہہ بالخصوص سادات امروہہ کی جاگیریں اسی شق دوئم کی تھیں جو نسلاً بعد نسلٍ وبطناً بعد بطنٍ معافی میں دی گئی تھیں۔ ان کا جزوی حصہ اب بھی امروہہ کے بعض خاندانوں میں باقی چلا آتا ہے۔

امروہہ کی جاگیروں کی ابتداء شروع عہد مغلیہ سے سمجھنی چاہئے اس عہد سے پہلے اہل امروہہ بالخصوص سادات اولاد حضرت شاہ ولایتؒ کے معتدد افراد شاہی فوج میں بہ سلسلۂ ملازمت منسلک تھے بعض عہدہ قضاۃ امروہہ پر مامور تھے لیکن اس زمانہ میں یہاں کسی کو کوئی بڑا منصب یا جاگیر عطا نہیں ہوئی تھی۔ امروہہ کے پہلے شخص جو اپنی ذاتی قابلیت اور سلطنت کی شاندار خدمات کی بدولت منصب جلیلہ پر پہنچے مولانا سید محمد میر عدل تھے۔ میر عدل کے بعد ۹۸۳ھ میں صوبہ بھکر (سندھ) کی گورنری کے اعلیٰ عہدہ پر مامور ہوئے اسوقت ان کا

---

[1] بعض لوگ ''یمہ دار'' کو ''میہ دار'' لکھتے ہیں لیکن یہ صحیح نہیں یمہ ترکی میں خوراک و روزینہ کو کہتے ہیں۔

منصب ۱؎ ہزاری ذات کا تھا جو آخر عہد مغلیہ کے دو ہزاری منصب کے مساوی بلکہ وقعت میں اس سے بھی زیادہ سمجھنا بیجا نہ ہوگا کیونکہ اسوقت عطائے منصب کے لیے ذاتی لیاقت وقابلیت شرط تھی عہد عالمگیری کے بعد سے تو منصب رعایتی یا موروثی ہوگیا تھا۔

عہد اکبری کے منصبدار:

عہد اکبری میں امروہہ کے منصبداروں کی تقریباً کل تعداد صرف ایک ہی خاندان یعنی مولانا سید محمد میر عدل، ان کے بھائی سید مبارک اور ان کے نامور اخلاف پر مشتمل تھی۔ بعض اور خاندانوں کے منصبدار بھی تھے مگر خال خال، عہد اکبری میں امروہہ کے مندرجہ ذیل اشخاص منصب دار تھے۔

نمبر شمار	نام	تعداد منصب	نام بادشاہ	خاندان
۱	میر سید محمد میر عدل	ہزاری ذات	جلال الدین محمد اکبر	حضرت شاہ ولایت
۲	سید ابو القاسم خلف میر عدل	پانصدی ذات	〃	(اولاد سید عبدالعزیز)
۳	سید مبارک برادر میر عدل	چہارصدوپنجاہی ذات	〃	〃
۴	سید ابو المعالی خلف 〃	سیصدی ذات	〃	〃
۵	سید ابو الحسن خلف 〃	دوصدی ذات	〃	〃
۶	سید عبدالواحد خلف سید مبارک	دوصدی ذات	〃	〃
۷	سید عبدالہادی 〃 〃	یکصدوپنجاہی ذات	〃	〃
۸	سید ابو الفضل خلف میر عدل	صدوبستی ذات	〃	〃
۹	سید عبدالجلیل خلف سید مبارک	صدوبستی ذات	〃	〃
۱۰	سید عبدالغفار 〃 〃	یکصدی ذات	〃	〃
۱۱	سید عبدالحفیظ 〃 〃	〃	〃	〃
۱۲	سید عبدالرشید 〃 〃	〃	〃	〃
۱۳	سید عبدالمجید 〃 〃	چہاربستی ذات	〃	〃
۱۴	سید خضر (مورث سادات لکڑہ)	〃	〃	اولاد قاضی سید امیر علی
۱۵	شیخ معظم صدیقی	دوصدی ذات	〃	شیوخ صدیقی
۱۶	مولانا الہداد عباسی	یکصدوپنجاہی ذات	〃	خاندان عباسی
۱۷	شیخ عبدالمناف صدیقی	چہاربستی ذات	〃	شیوخ صدیقی

۱؎ امروہہ کے مورخین نے ان کا منصب پنجصدی لکھا ہے آئین اکبری میں بھی یہی تعداد درج ہے لیکن تاریخ معصومی میں جو صوبہ سندھ کی تاریخ ہے اور جسکے مؤلف مولانا سید محمد میر عدل کے ہم عصر بلکہ شناسا تھے منصب کی تعداد ہزاری ذات درج ہے اور یہی صحیح ہے۔ ہزاری ذات کو منصبدار کو ۱۰۴ گھوڑے، ۳۱ ہاتھی، ۱۱۰ قطار اونٹ، ۴۰ قطار خچر، اور ۳۲۰ چھکڑا گاڑی رکھنے پڑتے تھے جسکے مصارف و تنخواہ میں آٹھ ہزار دو سو روپیہ ماہانہ ملتا تھا۔

عہدِ اکبریؔ کے بعد سے سادات امروہہ بالخصوص اولاد سید عبدالعزیزؔ حضرت شاہ ولایتؔ کی اس شاخ میں جو خاندان سید منتجب بن سید بڑے سے موسوم ہے منصبداروں کی تعداد بھی زیادہ رہی اور ان میں بعض اشخاص کو اعلیٰ مناصب اور بڑی بڑی جاگیریں ملیں۔ ابتدائے عہدِ مغلیہ سے انتزاع سلطنت اسلامی تک باشندگان امروہہ میں منصبداران شاہی کی مجموعی تعداد تقریباً ۲۰۰ تھی۔ اس میں صرف اولاد حضرت شاہ ولایتؔ میں تقریباً ۱۱۶ اور سادات و شرفاء امروہہ کے دوسرے خاندانوں میں ۸۴ منصبدار ہوئے جیسا کہ حسب ذیل گوشوارہ سے واضح ہوگا۔

خاندان حضرت شاہ ولایتؔ			قاضی زادگان	دانشمندان	بخشیان	جرودیہ سادات	نوگانواں سادات	صدیقیان	پیرزادگان	کبوہ صاحبان	کلال صاحبان	خاندان عباسیہ	مجموعی تعداد
مجموعی تعداد	اولاد فرزند اکبر	اولاد فرزند اصغر											
۱۱۶	۲۰	۹۶	۱۸	۱۶	۱۲	۷	۶	۷	۶	۶	۶	۱	۲۰۰

ذیل میں ہر خاندان کے منصبداروں اور جاگیرداروں کا مختصر تذکرہ کیا جاتا ہے

خاندانِ سیدؔ محمد میر عدلؔ:

عہدِ اکبریؔ کے منصبداروں کی جو فہرست پہلے درج ہو چکی ہے اس سے معلوم ہوگا کہ مولا سید محمد میر عدلؔ کے سب فرزند شاہی منصبدار تھے۔ سید ابوالفضلؔ اپنے عالی منزلت باپ کے ساتھ صوبہ سندھ گئے شاہی فوج کے سپہ سالار رہے متعدد معرکہائے جنگ سر کیے اور بعد وفات پدر بزرگوار کچھ عرصہ تک صوبہ بھکر کے گورنر رہے۔ ان کی اولاد میں دیوان سید ابراہیمؔ ان کے فرزند دیوان سید محمد عاقل اور ان کے فرزند سید غلام علی کا جن کا کٹرہ مشہور ہے نیز آخر الذکر کے فرزند دیوان سید مظہر علی خان یہ سب اپنے اپنے زمانہ میں نامور منصبدار شاہی ہوئے بڑی بڑی جاگیریں نسلاً بعد نسلٍ عطا ہوئیں۔

سید ابوالفضلؔ کے دو اور بھائی سید ابوالقاسمؔ اور سید ابوالمعالیؔ اپنی شجاعت وشہامت اور اپنے جنگی کارناموں کی وجہ سے زندۂ جاوید ہیں۔ یہ دونوں بھائی شہنشاہ اکبر کے نامور فوجی جنرلوں میں سے تھے۔ شجاعت ہاشمی وجلادت حیدری کے جوہر دکھائے، ان کی تلواریں کبھی بنگال میں چمکتی تھیں اور کبھی قندھارؔ میں کبھی راجپوتانہ کے معرکے سر کیے اور کبھی بندیلکھنڈؔ کے۔ ایک ہندی دوہا ان دونوں کی شجاعت وشہامت اور جان بازیوں کا جو راجہ جیسل فتح سنگھ کے مقابلہ میں ان بہادر فوجی افسروں سے ظاہر ہوئیں مشہور ہے۔

دل و بادل گجر وگھبا فوج کا فر نو کائے
عادل محمد کی مہابلی سندر قاسم شاہ ہے

پڑی دھاکے چوٹ تھر تھر کانپے کوٹ
جائے چھپو گھر اوٹ

دہشت پکڑ کے جائے چھپو ہندو ہے دھر لاج
جرس کا بندولا یو چھنا جیسے معالی قاسم باج

نارے ہم چلیں تم چپے چپے خاں سلطان
معالی قاسم جب چلیں جب چھم اٹھے بان

آخری مصرعہ کا مطلب یہ ہے کہ سیدابوالقاسم اور سید ابوالمعالی کا میدان جنگ سے پیٹھ پھیرنا اسی طرح ناممکن ہے جس طرح آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا، کیوں نہ ہو آخر اسی کرار غیر فرار کی نسل سے تھے جس کی شان میں کہا ہے **الافتیٰ الا علی ولاسیف الا ذوالفقار** سید ابوالمعالی لاولد رہے سید ابوالقاسم کے فرزند سید محمد منعم عہد شاہجہانی میں ششصدی (۶۰۰) ذات کے منصب دار تھے، ۱۰۴۵ھ میں انہوں نے لاولد انتقال کیا، ان کے ترکہ کی مالک ان کی بہن یعنی سید سراج الدین قادری مورث سادات حسنی محلّہ چلّہ کی زوجہ بی بی اچھی ہوئیں۔

مولانا سید محمد میر عدل کے خلف اکبر سید شاہ ابوالحسن بذات خود بھی منصب دار تھے اور ان کے فرزند سید عبدالخالق کی اولاد میں دیوان سید عبدالماجد شاہجہانی عہد میں ہزاری ذات چار سو سوار کے منصب پر فائز تھے، بڑی جاگیر انعام پائی انہوں نے اپنی سکونت کے لیے ایک قلعہ بطور گڑھی تعمیر کرایا تھا اسکو ناتمام چھوڑ کر ۱۰۲۹ھ میں انتقال کیا۔ ان کے نامور فرزند دیوان سید محمود نے قلعہ کی تکمیل کی وہ خود بھی بڑے منصب دار اور عہد عالمگیری میں صوبہ سنبھل کے دیوان اور اپنے زمانہ میں امروہہ کے سب سے بڑے جاگیردار تھے۔ دیوان سید محمود کی اولاد میں خاندانی اعزاز اور تفاخر کے بہت کچھ مبالغہ آمیز قصے مشہور ہیں لیکن اس خاندان کو جو اقتدار اور تفوّق واقعتاً حاصل تھا اس کا ذکر نہ کہیں نام نہاد ''مورخین'' امروہہ نے کیا اور نہ اہل خاندان کو اس کا صحیح علم ہے۔ حسن اتفاق سے خاکسار موٴلف کو دیرینہ کاغذات میں عمدۃ الملک نواب اسد خان [1] عالمگیری کی ایک تحریر دستیاب ہوئی جس سے ثابت ہے کہ دیوان سید محمود اور ان کے خاندان کی جاگیر میں خاص قصبہ امروہہ عرصہ تک شامل رہا۔ نواب اسد خان اس تحریر میں اس زمانہ کے حاکم سنبھل کو لکھتے ہیں کہ کل قصبۂ امروہہ چونکہ دیوان سید محمود اور ان کے خاندان کی جاگیر میں شامل ہے اس لیے قصبہ مذکور کے کوتوال [2] کا تقرر تم اپنی جانب سے نہ کرو اور جو تقرر غلطی سے ہوگیا ہے اسے مسترد کردو۔ یہ اصلی تحریر خاکسار موٴلف کے پاس موجود ہے کاغذ افشاں ہے اور خط دیدہ زیب اس پر طلائی نقش و نگار ہیں۔ ذیل میں اسکی نقل اور اسکا عکس جداگانہ شایع کیے جاتے ہیں۔

'' امارت و ایالت پناه اُبهت و حشمت دستگاه اخوت و خلفت انتباه

خان عالی شان بلندمکان — در حفظ و حمایت انردومنّان باشد

برضمیر محبت پذیر مخفی ومستور نماند که درینولا وکیل سیادت پناه سیّد محمود ظاہر نمود که سابقاً ازینجهت قصبه پرگنه امروہه ازتوابع سرکار سنبهل بجاگیر چند کس تعلق داشت ازطرف فوجدار سرکار مذکور کوتوال در قصبه مزبور مقرر بود وثانی الحال که قصبهٔ مرقوم دربست بجاگیر موکل که مهین

---

[1] بادشاہنامہ ملا عبدالحمید لاہوری و عمل صالح۔ [1] محمد ابراہیم نام عمدۃ الملک امیر الامراء اسد خاں خطاب جعفر خاں ذوالفقار خاں منصب دار سہ ہزاری شاہجہانی کے بیٹے تھے۔ انکے اجداد کا وطن ایران تھا۔ سادات علی سید تھے، شاہ عباس صفوی نے شیعہ مذہب اختیار کرنے کے لیے اس خاندان کو اسقدر تنگ کیا کہ بالآخر ترک وطن کر کے ہندوستان آئے۔ جہانگیری دور تک گرمی سول تھی۔ محمد ابراہیم عہد شاہجہانی میں بخشی دوئم تھے جب عالمگیری آفتاب چمکا تو چہار ہزاری منصب دار ہوئے اور ۲۲ رجب ۱۰۸۶ھ کو وزارت عظمیٰ کے منصب جلیلہ پر پہنچے بعد ہر زری منصب اور عمدۃ الملک خطاب ہوا۔ تلوار اور قلم دونوں کے دھنی تھے۔ عالمگیر کو ان کی ہر روش پسند تھی۔ یہ وزیر اور مدار المہامی نہ تھے بلکہ خلوت و جلوت کے رفیق اور مہمات ملکی میں مشیر خاص بھی تھے۔ انکی سیادت و بزرگی پر شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کا سقدر اعتقاد تھا کہ ایک موقع پر جب مہم سر نہ ہوئی تھی تو بادشاہ نے انہیں لکھا کہ ''آن فدوی خود سید کریم النفس است اگر بحضور قلب دعا کنند گنجائش دارد'' ان کا پورا خطاب تھا ''نواب عمدۃ الملک امیر الامراء آصف الدولہ اسد خاں بہادر'' (بہ سلسلہ گذشتہ) فدوی خاص'' عالمگیری عہد کے بعد شاہ عالم بہادر شاہ نے انہیں وکیل مطلق کا منصب عطا کیا جو وزارت عظمیٰ کے درجہ سے بڑھا ہوا تھا۔ ۱۱۲۹ھ میں بعمر نوے سال انتقال کیا۔

[2] عہد مغلیہ میں ہر پرگنہ میں دو حاکم اعلیٰ ہوتے تھے۔ اندرون شہر کے حاکم کو ''کوتوال'' اور بیرون شہر کے حاکم کو چودھری کہتے تھے یعنی موجودہ زمانہ کے سٹی مجسٹریٹ کو کوتوال کہہ سکتا ہے اور سب ڈویژنل افسر فوجدار۔

شریکست تنخواه شد امارت پناه نامدار خان کوتوال خود رااز انجابرطرف ساخت والحال آں امارت پناه کوتوال خودرابر خلاف معمول درآنجا تعین کرده اندامیدواراست که درباب طرف نمودن کوتوال بآں حشمت دستگاه نگارش یا بدلهذا نگاشته می آید که چوں قصبه پرگنة مزبور بجاگیر موکل که مهین شریکست تعلق داردوامارت پناه نامدار خان کوتوال آنجارا برطرف ساخته بودآں امارت دستگاه نیز کوتوال مزبور رابرطرف نمایند زیاده چه نوشته شود عواقب امور بخیروخوبی مقروں باد ١٧ ربیع الاوّل ١٣ قلمی شد۔ (اصل تحریر صفحہ ۲۹ پر ملاحظہ فرمائیں)

اس سے ثابت ہے کہ اس زمانہ میں دیوان سیّد محمودؔ کے خاندان کو خاص قصبۂ امروہہؔ میں حاکمانہ اقتدار حاصل تھا۔ عہد عالمگیری تک کی متعدد قدیم دستاویز خاکسار مؤلف کے پاس موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ باشندوں کے نزعی معاملات عام اس سے کہ وہ سادات وشرفاء کے ہوں یا اہل حرفہ کے، اولاد شاہ ولایتؒ کے ہوں یا دوسرے خاندانوں کے، دیوان سیّد محمودؔ اور ان کے اخلاف کے ''چبوترہ'' یعنی عدالت میں تصفیہ کی غرض سے پیش ہوتے تھے۔ گویا یہ حضرات موجودہ زمانہ کے آنریری واسپیشل مجسٹریٹ کے فرائض بھی انجام دیتے تھے اور شہر کا انتظام بھی ان کے سپرد تھا۔

ذیل میں ایک دستاویز ''صورت حال'' کی نقل درج کی جاتی ہے جس سے معلوم ہوگا کہ ہر قسم کے نزاعی معاملات ابتداء بغرض تصفیہ ان حضرات کے یہاں پیش ہوتے تھے۔ اس دستاویز میں جس معاملہ کا ذکر ہے وہ ابتداءً سیّد عبدالمعالی بن دیوان سیّد محمودؔ کی عدالت میں پیش ہوا تھا۔

میراں سیّد عبدالمعالیؔ

المتنے
ابن سیّد محمود
١٠٧٩
عبدالمعالی

ذکریست دربیاں آنکه چوں سیّد اشرف ولد
مرحومی مهر سیّد عبدالقادر بحضور سیادت ونقابت پناه آمده

ظاهر ساخت که بشتة اس نام کایته زمین سرائے بنده بدست داؤد کلال ساکن مرآد آباد فروخته است سیادت و نقابت پناه میراں مزبور کایته مذکوررا بحضور خود طلبید ند۔ آمده رجوع شدو داؤد کلال و اکثر کلالاں امروہۃ دیگر بمراه اوآمدندچوں سیادت نقابت پناه میراں مسطور استفسار ایں معنی کردند کایته مذکور جواب دادکه در آں زمین خانه پدر بنده ودوسه برادران دیگر موروثی بودند بنده تا ایں مدّت در لشکر بود چوں زمین از آں ماست فروخته ایم سیّد اشرف گفت که آنها همه رعیت مابودند سیادت ونقابت پناه میراں مذکور بکایته مذکور حکم کرند که آں دوسه(۳) برادران دیگر که بستند آنها نیز بیایند هرچه دعوی داشته باشند بکنند۔ کایته جواب داد که آنها مُردندداوماد اوشاں دوکس ، مانده اند درلشکر اندبنا بر آں اقرار افتاد که ایں زمین موافق شریعت غرّادر بع می آید تمسُّک که ناتحقیق و خلاف شرع شده است آنرا پاره باید

عکس تحریر عمدۃ الملک نواب اسد اللہ خان امیر الامرا

درباره جاگیر دیوان سید محمود

امارت و ایالت پناه اخلاص و عقیدت دستگاه اخوت و محبت انتباه

خان [illegible] در حفظ و حمایت الٰهی مشمول باشند

بر ضمیر محبت پذیر مخفی و مستور نماند که درین ولا [illegible] پناه سید محمود ظاهر نمود که سابقا

از جهت قصبه [illegible] که تعلق [illegible] از طرف [illegible]

سرکار [illegible] کوتوال در قصبه [illegible] اخراجات [illegible] قصبه مذکور [illegible] بسبب جاگیر

[illegible] تنخواه شده [illegible] از خان کوتوال خود را [illegible] برطرف ساخت

و حال [illegible] کوتوال خود را بر خلاف معمول در آنجا تعین کرده [illegible]

[illegible] کوتوال [illegible] باید [illegible]

چون قصبه [illegible] جاگیر [illegible] تعلق دارد [illegible] سابقا

کوتوال [illegible] برطرف ساخته [illegible] کوتوال [illegible] برطرف نمایند

زیاده چه نوشته آید [illegible] ربیع الاول [illegible]

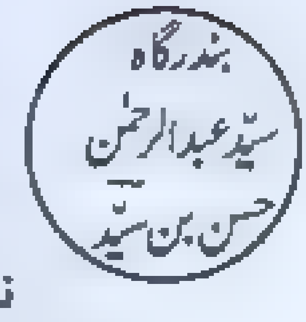

ساخت چوں داؤد کلال حاضر بودازوتمسّک طلب کردند ندادا وگفت که بمرادآباد فرستاده ایم دراینجانیست ہر چند که تاکید کردند ہرگزندادبنا بر ایں چند کلمه صورت مجلس نوشته شد کی تمسّک موافق شریعت غرا نامسطور منسوخ است و سیّد اشرف و بشند اس دآں دوکس دیگر که در لشکر اند جانبین در محکمة عدالت العالیه رجوع شوند شخصے راکه ازروئے شرع شریف حق ثابت شود بموجب سند عدالت العالیه آمده دخل خود نماید تاز ماینکه سند عدالت العالیه کسے نبارد جائے مسطور بدستور سابق بماند خرید و فروخت منظور نیست ہرکراکه ازیں حال آگاہی و اطلاعے باشد درذیل ایں گواہی خود بنویسد یا بنوشتن اجازت فرماید تاعند الله ماجور و عند الناس مشکور گردو تحریر فی التاریخ ۷/رجب المرجب ۱۰۱۰ھ

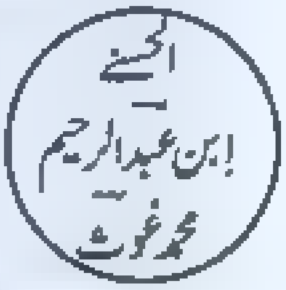

شہنشاہ اکبر کے زمانہ سے مولا سیّد محمد میر عدلؔ اور سید مبارک ان دونوں بھائیوں کی اولاد کو حق زمینداری خالصہ و آبادی شہر کا حاصل تھا۔ شہر کی آبادی کے متعلق یہ تصریح تھی کہ سادات وشرفا کی املاک کے علاوہ بازاروں، سرایوں اور میلوں وغیرہ کا حق زمینداری ان کا سمجھا جائے۔ یہ حقوق اس خاندان کو روہیلوں کے زمانہ حکومت تک بدستور حاصل رہے۔ نواب دوندے خاں کے حسب ذیل پروانہ سے اس بیان کی تصدیق ہوتی ہے۔ [1]

نقــــــــــــــــــــــــــــل

پروانہ بمہر خان صاحب دوندے خاں بہادر　　　　آنکہ

متصدیان مہامات حال واستقبال قصبة امروہۃ سرکار سنبھلؔ مصناف صوبه دار الخلافه شاہجہاںؔ آباد انند چوں ارث زمینداری خالصه و آبادی شہر به نبائران میر سیّد محمدؔ (میر عدلؔ) و میر سیّد مبارکؔ مغفور ومبرور است و ہمیشه به امور متعلقه مداخلت نشد، مغرالیہما قایم ومستحکم مانده، گا ہے غیر دخیل نشده حالایم بدستور قدیم تعلقات زمینداری معزالیہما بحال و مسلّم داشته باہدکه فیمابین بحصه نصفا نصف خوبادرترکه وراثت دخیل بوده ہرچه از محصول وابواب زمینداری حاصل شود موافق حصه مسطور مید باینده باشند احدے درامور بمتعلقه مشار الیہما تعرض بیجانر ساندوسند مجدد نطلبندو دریں

---

[1] مولف تاریخ واسطیہ نے صفحات نمبر ۲۸، ۲۹ پر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ حق زمینداری تمام سادات اولاد شاہ ولایت کو حاصل تھا اور یہ کہ "اور شاہ ولایت نے قوم تگا کو اس شہر (امروہہ) کی حکومت وریاست ودیگر تعلقات وغیرہ سے بشجاعت ودلاوری خارج کردیا اور خود اس کے جملہ تعلقات و زمینداری شہر و مکانات مسکونہ پر حسب الحکم بادشاہ وقت قابض و متصرف ہوئے۔ سلطان وقت نے زمینداری شہر و جملہ تعلقات انکا سادات موصوف کو عطا و مرحمت فرمایا اور قوم تگا کو مقام امروہہ سے مطلقاً نکال دینے کا حکم جاری فرمایا۔" یہ بیان محض لغو و مہمل ہے۔ حضرت شاہ ولایت کی امروہہ میں تشریف آوری بلکہ آپ کی ولادت سے بھی تقریباً نصف صدی پیشتر سے اس شہر پر مسلمانوں کا پورا تسلط و قبضہ تھا اور مسلمانوں کے مختلف خاندان یہاں آباد تھے۔ البتہ عہد اکبری اور اس کے بعد سے پرگنہ امروہہ کی اراضیات خالصہ وغیرہ کی طرامیر حسبی کا تعذات حساب کے دستخط کرنے کا حق جملہ زمینداران کو جن میں زیادہ تعداد اس خاندان کی تھی حسب ضابطہ حاصل رہا ہے۔ اس سے شہر امروہہ کی حق زمینداری سے کوئی واسطہ و تعلق نہیں۔

باب تاکید دانسته حسب المسطور بعمل آرند، تحریر فی التاریخ یازدہم شعبان سنہ ۲ جلوس عالمگیر ثانی

دیوان سیّد محمود کے سب بھائی اور ان کے سب فرزند جاگیردار منصب دار تھے ان کی نسل میں متعدد اشخاص نے عہدِ مغلیہ میں مناصب جلیلہ پائے اور بڑی بڑی جاگیریں حاصل کیں۔ بالخصوص سیّد یوسف علی خاں بن سیّد عبدالعزیز بن دیوان سیّد محمود مذکور محمد شاہی عہد میں ہزاری ذات چار سو سوار کے منصب دار اور خطاب خانی سے سرفراز تھے ان کے فرزند سیّد عاشق علی خاں ۲ بھی عہد عالمگیر ثانی میں ہفت صدی ذات پچاس سوار کے منصب دار اور ''خاں'' کے خطاب سے ممتاز تھے۔ سیّد عاشق علی خاں کے فرزند سیّد عزت علی خاں بھی پانصدی ذات کے منصب دار ہوئے۔ اسی طرح اس خاندان کے دیگر اشخاص یعنی سیّد حسن علی خاں بن یوسف علی خاں مذکور اور سیّد رحم علی خاں بن سیّد عبدالعزیز خاں مذکور اور سیّد غلام شرف الدین بن سیّد عبدالباری بن دیوان سیّد محمود نامور منصب دار تھے بڑی بڑی جاگیریں اس خاندان کو ملیں۔

سیّد شاہ ابوالحسن بن سیّد محمد میر عدل کی اولاد میں بھی متعدد اشخاص جاگیردار و منصب دار ہوئے ان کے فرزند سیّد عبدالواسع خود بھی ذی اقتدار اور شاہی منصب دار تھے ان کے اخلاف میں بھی بعض اشخاص مثلاً سیّد کرم علی خاں جاگیردار و منصب دار تھے۔ سیّد عبدالواسع کے دوسرے بھائی سیّد عبدالہادی باوجود امارت فقیر منش تھے ان کی اولاد میں سیّد عبدالرزاق جن کے نام سے بازار رزاق موسوم ہے، جاگیردار ذی اقتدار تھے۔

خاندان سیّد مبارک:۔

سیّد مبارک کے آٹھ فرزند تھے اور آٹھوں شاہی منصب دار ہوئے ان بھائیوں میں سیّد عبدالغفار، سیّد عبدالجلیل و سیّد عبدالواجد اور سیّد عبدالہادی زیادہ نامور ہوئے۔ سیّد عبدالواجد اور سیّد عبدالہادی بعہد اکبری اپنے برادران عم زاد سیّد ابوالقاسم و سیّد ابوالمعالی کے ساتھ مہم بنگالہ پر متعین ہوئے تھے۔ سیّد عبدالہادی نے عنفوان شباب میں کارہائے نمایاں کیے، شجاعت حیدری کے جوہر دکھائے جس کے صلہ میں منصب بڑھا اور دربار شاہی سے کلمات تحسین و آفریں سے سرفراز کیے گئے۔ فرمان مجریہ ۱۶ ربیع الثانی ۹۸۳ھ کا ایک فقرہ یہاں نقل کرنا بے محل نہ ہوگا۔۳

چوں سلالہ سلسلہ نقویہ زبدۂ دودۂ جعفریہ، فرد الحاضر و الہادی سیّد عبدالہادی ۴ ولد سیّد مبارک بجلال اکبر تعالی و تبارک باوجود نو خاستگی کہ ہنوز بطفلی تعبیر میتوان کرد دادِ جلالت و مردانگی دادہ، جزائی شورہ بختی درکنارش نہادہ ذاتش کہ پنجاہی بود صد و سوار دیگر افزودہ و امید کہ بمنصب اعلیٰ سرفراز گردد۔

---

۱ واسطیہ میں ان کا منصب دو صدی ذات تحریر ہے غالباً مولف واسطیہ کو ان کے فرامین، کاغذات دیکھنے کا نہیں ملے خاکسار مولف کے پاس ان کے اصلی فرامین منصب موجود ہیں جن سے منصب کی صحیح تعداد معلوم ہوتی ہیں۔ ۲ ان کا منصب واسطیہ نے پانصدی ذات لکھا لیکن یہ صحیح نہیں مولف مذکور نے ان کے فرزند سیّد عزت علی خاں کا کوئی تذکرہ ہی نہیں کیا۔ ان حضرت کے اصلی فرامین منصب خاکسار مولف کے پاس موجود ہیں۔ ۳ تاریخ اصغری میں بیان کیا گیا ہے کہ قوم ڈگا کے راجا ساس چاندن کو جو امروہہ کا آخری راجہ تھا۔ سیّد عبدالہادی نے کسی قصور پر بحکم اکبر بادشاہ گرفتار کرنا چاہا وہ مقابلہ پر آیا اور آمادہ جنگ ہوا اور ان کے ہاتھ سے مارا گیا یہ بیان محض بے اصل و بے بنیاد ہے۔ امروہہ میں عہد اکبری سے چار سو برس پہلے سے مسلمانوں کی حکومت تھی اور برابر قائم رہی یہاں اس عہد میں کسی ہندو راجہ کی موجودگی ہرگز قرین قیاس نہیں۔

۴ سیّد عبدالہادی ''کالے پہاڑ'' کے نام سے مشہور تھے۔ کسی غیر کفو کی خاتون غالباً حبشن کے بطن سے تھے۔ بہت دراز قد و قوی الجثہ ہونے کی وجہ سے ''کالا پہاڑ'' مشہور ہو گئے تھے۔ بعض خاندانی تحریرات میں جو ان کے زمانے سے بہت بعد کی ہیں ان کے نام کے ساتھ ''نواب'' کا لقب بھی لکھا گیا ہے۔ لیکن اس خطاب کا کوئی ثبوت مجھے نہیں ملا۔

سیّد عبدالہادیؒ نے عمر کم پائی ان کے فرزند سیّد راجےؒ جو جانی بیگم دخترِ عیوض بیگ کے بطن سے تھے عہد جہانگیری میں پانصدی ذات کے منصبدار اور بڑے جاگیردار تھے۔ ان سے نسل نہیں چلی۔ سیّد عبدالواجد جو خود بھی نامور منصبدار تھے ان کے فرزند سیّد عبدالوارث بعہد جہانگیر بڑے مرتبہ پر پہنچے۔ ابتداً سنبھل کے فوجدار رہے۔ پھر قنوج اور اودھ کے حاکم ہوئے۔ انھوں نے بھی عالم جوانی میں انتقال کیا۔ ان کے چھوٹے بھائی سیّد عبدالباقیؒ ان کے قائم مقام ہوئے۔ بڑی کثیر جاگیر عطا ہوئی ان کی نسل سے امروہہ میں کوئی فرد نہیں ہے۔

سیّد عبدالغفار کے فرزند دیوان سیّد محمد مختار ۱۰۱۰ھ میں دوہزار بذات کے منصبدار اور خطاب بہادر سے سرفراز تھے۔ کثیر جاگیر انعام میں پائی۔ ان کے چار فرزندوں میں سے سیّد لطیف علی و سیّد غضنفر علی بھی منصبدار و جاگیردار تھے اوّل الذکر سے عقب نہیں۔ سیّد غضنفر علی کے ایک فرزند سیّد وارث علی اور ان کے خلف الصدق سیّد عبدالواحد دونوں باپ بیٹے ہزاری ذات کے منصبدار و جاگیردار ہوئے۔ سیّد غضنفر علی کے دوسرے فرزند سیّد ہزبر علی تھے ان کے ایک بیٹے سیّد علی مرتضی خاں بعہد محمد شاہ بادشاہ ہزاری ذات وخطاب خانی سے سرفراز ہوئے۔ بڑی جاگیر انعام میں پائی ان کے نامور فرزند سیّد علی اعظم خان بعہد شاہ عالم عالی گہر بادشاہ ۳ ہزاری ذات ۱ وسات سوار کے منصب دار اور خطابات ''بہادر'' اور ''خان'' سے سرفراز ہوئے۔ پندرہ مواضعات جاگیر میں پائے۔ اور ان کے دونوں بیٹوں سیّد امان علی خاں و سیّد بنیاد علی خاں کو بھی جاگیریں ملیں۔

سیّد علی مرتضی خاں کے برادرزادہ سیّد محمد اسد اللہ خاں عرف میر کلّو بھی اپنے زمانہ میں نامور منصبدار اور امیر کبیر ہوئے۔ شاہ عالم بادشاہ کے عہد میں ان کا منصب پنجہزاری ذات کا تھا۔ کثیر جاگیر انعام میں ملی۔ ان کے آٹھ فرزند تھے جن میں سے تین بھائی یعنی سیّد بدرالدین عرف میر بساون جن کے نام سے بساون گنج منسوب ہے۔ سیّد ظہور اللہ اور سیّد نعیم اللہ بھی شاہی منصبدار ہوئے۔ انکے اور بھائی بھی جاگیردار تھے۔ اس خاندان میں اور اشخاص مثلاً سیّد شجاعت علی بن سیّد ہزبر علی کی اولاد میں مولوی سیّد منوّر علی اور سیّد فضل علی عرف ممّو بھی منصبدار و جاگیردار تھے۔ سیّد اعظم علی خان اور سیّد محمد اسد اللہ خاں عرف میر کلّو اپنے زمانہ میں امروہہ کہ مشہور اور ممتاز امرا اور بڑے جاگیرداروں میں سے تھے۔ ان کی نسل کے بعض افراد کے پاس اب بھی جزوی جاگیر باقی ہے۔

خاندان قاضی سیّد امیر علی:

حضرت شاہ ولایتؒ کے ولد اکبر قاضی سیّد میر امیر علی کی نسل میں ابتداء زمانے سے زیادہ تر مشائخ اور علماء وفضلاء ہوتے رہے جنھیں طبعاً نہ ملازمت شاہی کی خواہش ہوتی ہے اور نہ مناصب و جاگیروں کے حصول کی آرزو، عہد اکبری میں البتہ سیّد خضر منصبدار ہوئے۔ صوبۂ مالوہ اور سرکار سنبھل میں جاگیر ملی۔ اس خاندان کی دوسری شاخ دیوان سیّد مجھو اور ان کے اخلاف میں دیوان سیّد سعید خاں یہ سب حضرات شاہی منصبدار و جاگیردار تھے۔ ان کی نسل میں سیّد محمد منوّر اور ان کے فرزند سیّد محمد شاکر سیّد ابدال محمد اور سیّد عظمت اللہ جاگیردار و منصبدار تھے۔ اوّل الذکر دونوں حضرات باوجود امارت کے فقر کی جانب مائل تھے۔ سیّد ابدال محمد کو نواب دوندے خاں اپنا پیر کہتے تھے۔ ان کے فرزند سیّد فیض احمد و سیّد عطا احمد وغیرہ اور ان کے برادرزادگان یہی موروثی منصبدار و جاگیردار رہے۔

خاندان قاضی زادگان:

شاہان تغلقیہ کے زمانہ سے اس خاندان کے متعدد اشخاص امروہہ کے قاضی کی حیثیت سے جو اس زمانہ میں ایک معزز جوڈیشل عہدہ تھا نسلاً بعد نسلٍ صاحب منصب و جاگیردار ہوتے رہے۔ اس خاندان کی دوسری شاخوں میں قاضیوں کے علاوہ اور بھی چند اشخاص

---

۱ صاحب تحفۃ التواریخ نے ان کا منصب نو ہزاری ذات اور صاحب اصغری نے دو ہزاری ذات لکھا ہے جو صحیح نہیں ان کا منصب حقیقتاً سہ ہزاری ذات تھا۔

شاہی منصب دار و جاگیردار ہوئے لیکن نہ کوئی بڑا منصب دار ہوا اور نہ کوئی جاگیر ملی۔

سید رحیم بخش مولف واسطیہ نے جو اس خاندان قاضی زادگان کی ایک شاخ سے اپنا سلسلہ نسب متصل کرتے ہیں، اپنے خاندانی حالات کا تذکرہ بڑے شدومد اور بہت تفصیل کے ساتھ کیا ہے لیکن افسوس ہے کہ جا بجا شدید غلط بیانیاں کی ہیں۔ یہ غلط بیانیاں اگر غلطیوں ہی کی حد تک محدود ہوتیں تو نظر انداز ہونے کے قابل تھیں۔ لیکن جس شخص نے شہر اور اہل شہر کے تاریخی حالات قلمبند کئے ہوں وہ اگر قصد اور عمداً غلط بیانی کا مرتکب ہو تو حقیقت ہے صاف و صداقت یہ ہے کہ اس کی غلط بیانیوں نے دروغ بافیوں کے بیت عنکبوت کا تار و پود بکھیر دیا جائے۔

پہلی غلط بیانی۔ مولف واسطیہ نے اپنی تالیف کے تقریباً ۳۶ صفحات خاص اپنے خاندانی حالات میں رنگے ہیں۔ ان میں انہوں نے اپنے خاندان کے عروج اور امارت و ریاست کی جو حکایتیں درج کی ہیں ان سے مجھے مطلق سروکار نہیں۔ مثلاً وہ صفحہ ۳۲۵ پر رقم فرماتے ہیں کہ "اس محلہ (صابوں گران) و میراں سید یعقوب (نے) کہ جو تیرہ ماہ سلطان ابراہیم اور میرزا ظہیرالدین بابر بادشاہ میں بڑے عالی منزلت اور مرتبت منصب دار ہو گذرے ہیں" بڑی عالی محلات بنگلے بنائے جو دربار کے نام سے مشہور ہوئے یا مثلاً "دیوان خانہ عالی شان" کی "کو ٹھریوں کا مجمجہ سنگ سرخ کا تھا" "پیش آن چبوترہ کرسی دار" تھا۔ اور "زیر چبوترہ یک باغچہ درختان بہار پھلوار و اشجار میوہ دار" نقشہ دار" سے "مزین و تعمیر کرایا" مجھے اس سے ہرگز انکار نہیں کہ صاحب تاریخ واسطیہ کے بزرگوں نے جو محلات یا عالی شان دیوان خانے تعمیر کرائے "ان کی کوٹھریوں کا مجمجہ سنگ سرخ کا تھا" "زیر چبوترہ کوئی باغچہ" "درختان بہار پھلوار و اشجار میوہ دار نقشہ دار" سے "مزین و تعمیر" کرایا تھا یا سے بزرگوں میں کوئی صاحب سید سعادت اللہ نام "میراں" یا "دیوان" کے لقب سے ملقب نہ تھے۔ اگرچہ اس لقب کا کوئی دستاویزی ثبوت بھی انہوں نے پیش نہیں کیا۔ تاہم مجھے اس میں سے کسی بات سے انکار نہیں البتہ صفحہ ۳۳۰ پر جو وہ ایک شخص سید سعادت اللہ کے منصب و جاگیر کا ذکر کرتے ہیں جنہیں وہ اپنے اجداد میں بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سید سعادت اللہ مذکور عالمگیری عہد میں کسی لڑائی میں مارے گئے۔ تو ان کا "منصب و جاگیر بنام ورثا میں دیگر تبدیل و تغییر ہوگیا۔ مگر تنخواہ ایک ۱۳۱ روپیہ سہ پاؤ یومیہ سید سعادت اللہ موصوف کی وارثان بنام سید لطف اللہ وغیرہ پنج سالہ و شش سالہ پسران عنایت اللہ موصوف (؟) و بی بی رحمت جہان و بی بی سامی دختران سعادت اللہ و بی بی پیاری زوجہ" کو بموجب "فرمان والا شان مذکورہ بالا، سوسرہ ۹ جلوس مقدس" "ملتی رہی۔ پھر اسی سلسلہ میں صفحات ۳۳۶ و ۳۳۷ پر جو فرمان معید عالمگیر اورنگ زیب بادشاہ کی جو نقل شائع کی ہے اور اس فرمان میں بھی یومیہ مذکور کی تعداد ایک روپیہ سہ پاؤ تحریر ہے اس کے تسلیم کرنے سے انکار اور قطعی انکار ہے کیونکہ یومیہ مذکور کی تعداد کے اظہار میں انہوں نے قصداً غلط بیانی کا ارتکاب کیا ہے یہ تعداد ۱۳۱/۱۲ ہرگز نہ تھی بلکہ صرف ۲ ۔۔ یومیہ تھی۔ لفظی کا اضافہ صاحب واسطیہ نے قلم صداقت رقم کا ایک ادنیٰ کرشمہ ہے۔ آپ یہ بھی فرما سکتے ہیں کہ شاید یہ کتابت کی غلطی ہو کیونکہ اول تو کتابت کے آخر میں جو اغلاط کا صحت نامہ شامل کیا گیا ہے اس میں کہیں اس کی تصحیح نہیں کی گئی حالانکہ صفحہ ۳۳۷ پر جہاں متن فرمان کی نقل درج ہے وہاں کتابت کی ایک اور غلطی کی تو تصحیح کر دی گئی ہے لیکن لفظ ۳۰ جس کا دوجگہ مع رقم ہندسہ کے اضافہ کیا گیا ہے بدستور رہنے دیا گیا ہے اس سے صاف طور سے ظاہر ہے کہ یہ کتابت کی غلطی نہیں بلکہ یہ کارروائی عمداً کی گئی ہے۔ واقعہ صرف اتنا تھا کہ امروہہ کے ایک شخص سید سعادت اللہ نام جنہیں صاحب واسطیہ اپنا جد اعلیٰ بتاتے ہیں عالمگیری عہد میں فوج شاہی میں ملازم تھے ان کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ معمولی سپاہیوں کے زمرہ میں منسلک تھے۔ کسی لڑائی جو شاہی فوج اور افغانوں کے مابین ایک پہاڑی (یعنی کتل) پر جو "کتل خیر مدین" یعنی خیر مدین کی پہاڑی کہلاتی تھی۔ واقع ہوئی تھی مارے گئے۔ مقتول نے ایک زوجہ دو بیٹے جن کی عمریں چھ اور پانچ سال کی تھیں اور دو بیٹیاں وارث چھوڑے۔ جیسا کہ اس زمانہ میں عام قاعدہ تھا مقتول کے ورثا کا روزینہ مقرر ہوا۔ یعنی آنہ آنہ کے یومیہ ان دو خورد سال بچوں کے نام اور چار چار آنہ فی کس زوجہ و دونوں بیٹیوں کے نام یعنی کل ۲ یومیہ۔ جس فرمان کے ذریعہ یہ روزینہ مقرر ہوا تھا اور جس کی نقل صاحب واسطیہ نے بڑے طمطراق کے ساتھ صفحات ۳۳۶ و ۳۳۷ پر درج کی ہے وہ اصل فرمان خاکسار مولف کو دستیاب ہو گیا ہے اور یہ یقیناً وہی فرمان ہے جو صاحب واسطیہ کے تصرف میں رہا ہے کیونکہ اس میں جہاں جہاں ۲ کی رقم درج تھی اس کو چاقو سے چھیل دیا گیا ہے لیکن چھیلنے والے نے ہوشیاری سے کام نہیں لیا کیونکہ فرمان مذکور کی عبارت کے تحت میں ۲ یومیہ کی جو تفصیل درج ہے اس کو مٹایا نہیں گیا جس سے یومیہ مذکور کی تعداد صاف طور سے معلوم ہو جاتی ہے اور شاید اسی بنا پر صاحب واسطیہ نے بھی اس تفصیل کو اپنی کتاب میں درج کرنا پسند نہیں کیا اور صرف یہ کہہ کر اکتفا کیا کہ "در پشت اس کے تقسیم سہام ورثا اور پشت پر دو مہریں تصدیق بالکاران مع عبارت تصدیق ثبت ہیں" جی ہاں دو مہریں تو پشت فرمان پر ضرور ثبت ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ آپ نے فرمان مذکور کی نقل تو اپنی کتاب میں درج کرنا ضروری سمجھی، اس کی کل عبارت بھی نقل کرادی اور "یک روپیہ سہ پاؤ" کی تعداد بھی لکھدی، اور تقسیم سہام سے بھی ناظرین کتاب کو مطلع فرمانا ضروری سمجھا تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ پھر تفصیل کیوں نہ درج فرمائی یا جس طرح لفظی کا اضافہ آپ نے اپنی عالی ہمتی سے کر دیا تھا "تقسیم سہام" نہیں کر سکتے تھے، معلوم ہوتا ہے کہ صاحب واسطیہ کو "فن تاریخ" کے سوائے فن ریاضی میں کسی کوئی مہارت حاصل نہیں تھی بہرحال تاریخ واسطیہ کے ناظرین کی اطلاع کی غرض سے مولف واسطیہ کی فروگذاشت کو خاکسار مولف پورا کرتا ہے تحت فرمان حسب ذیل تفصیل درج تھی۔

۲ ۔۔ یومیہ بلا قصور

مشار الیہ	مسماۃ
وغیرہ پسران	پیاری منکوحہ
نفران ۔۔	اسامی ۔۔
موسی الیہ	پسر مشار الیہ
۶ سالہ ۔۔	۵ سالہ ۔۔
مسماۃ	مشار الیہ مسماۃ
رحمت جہاں وغیرہ دختران دو اسامی	۔۔ سامی ۔۔

اور اگر اس تعداد سے یہ اصل فرمان خاکسار مولف کو دستیاب نہ ہوتا تب بھی مولف واسطیہ کی یہ کارستانی اہل نظر سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھی۔ ۱۳۱/۱۲ یومیہ کے حساب سے (جاری صفحہ ۲۷۴ پر)

(جاری صفحہ ۲۷۳ سے) روزینہ کی ماہوار مقدار ۹۵۲ روپے سالانہ رقم ۱۱۴۳۰ ہوتی ہے۔ سالانہ رقم کی یہ تعداد ایسی ہے کہ اس عہد میں امرا وہ کے کسی بڑے سے بڑے جاگیردار کی سالانہ آمدنی بھی نہ تھی۔ عالمگیری عہد سے تقریباً ایک صدی بعد سید علی اعظم خاں کو جس مدد معاش میں جو جاگیر عطا ہوئی تھی جس میں پندرہ مواضعات شامل تھے انکی مجموعی آمدنی صرف ۲۲۷۰ تھی گویا پچوں اور ایک خاتون کے روزینہ کی مجموعی سالانہ رقم کے ایک ثلث سے بھی کم۔ علاوہ ازیں دیگر سید علی اعظم خاں، سید محمد اسد اللہ خاں عرف میر کلو وغیرہ جیسے ایک اور امیر کبیر کی جاگیروں کی مجموعی آمدنی جناب مولف واسطیہ کے اجداد میں سے چھ سات پانچ سالہ بچوں اور ان کی ماں کی مدد معاش میں محض اس لئے مقرر کر دی گئی تھی کہ اس خاندان کا روزی کمانے والا جو معمولی سپاہی تھا کسی لڑائی میں مارا گیا تھا!!

"یہ ہے مولف واسطیہ کی صداقت بیانی اور تاریخ نویسی کی حقیقت"
اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا

دوسری غلط بیانی۔ مولف واسطیہ نے اپنے خاندانی شجرۂ نسب میں سید سعادت اللہ مذکور کے سید عنایت اللہ ایک فرزند قائم کر کے ان کے دو بیٹے سید لطف اللہ اور سید فتح مراد ظاہر کئے ہیں حالانکہ محولہ بالا فرمان سے بخوبی ثابت ہے کہ سید لطف اللہ مذکور سید سعادت اللہ مذکور کے پوتے نہیں بلکہ بیٹے تھے۔ (ملاحظہ ہو حصہ سوم) بہر حال وہ سید لطف اللہ کے بھائی سید فتح مراد کو اپنا جد امجد بتاتے ہیں۔ ان کے متعلق صفحہ ۳۳۲ پر یہ ارقام فرماتے ہیں کہ "ممدوح عہد بادشاہ عالمگیر اورنگ زیب میں بڑے عالی مقدرت والا منزلت منصبدار تھے" اس کا ثبوت وہ اسی صفحہ پر ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں کہ "موصوف بحیثیت مقدرت و منصب میں احکامات بنام اہلکاران شاہی جاری کرتے تھے۔" اس کے ثبوت میں وہ فرماتے ہیں کہ "چند پروانے ان کے حکمی مولف (یعنی سید رحیم بخش مولف واسطیہ) کی نظر سے گزرے ہیں" چنانچہ اس سلسلہ میں صفحہ ۳۳۵ پر "نقل پروانہ بحکم سید فتح مراد بخش بہ عنایت اللہ" کے عنوان سے ایک تحریر کی نقل بھی درج کی ہے جو ۲۵ بیگھ زمین کی واگذاشت کے متعلق ہے جو ان کی جاگیر کے ایک موضع میں شامل تھی اور جو اس زمانہ کے دستور کے مطابق انہوں نے اپنے کارندوں کے نام لکھی تھی۔ اس زمانہ میں یہ عام دستور تھا کہ جو مواضعات کسی جاگیردار کی جاگیر میں شامل ہوتے تھے ان میں اگر دوسرے اشخاص کی اراضیات ملک مدد معاش یا وظائف عطیہ شاہی بھی پہلے سے شامل ہوتی تھیں یا بعد میں دی جاتی تھیں اور ان کے متعلق کوئی مزاحم ہوتا یا جاگیردار کے کارندے ان پر قبضہ کر لیتے تو یہ جاگیرداروں کے ادارے محاصل یا واگذاشت کے متعلق تحریر ہوتا جس کی عبارت حسب دستور مقرر تھی۔ سید فتح مراد کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کوئی بڑے جاگیردار تھے اور نہ بقول مولف واسطیہ "عہد عالمگیر کے بڑے عالی مقدرت والا منزلت منصبدار" تھے بلکہ بروایت اس کے شاہ عالم بہادر شاہ کے عہد کے معمولی جاگیردار تھے۔ ان کی جاگیر کے موضع کالی بیت میں "حقائق و معارف" آگاہ شاہ قیام الدین محمد درویش" کے خاندان کی کسی خاتون کی ۲۵ بیگھ زمین عطیہ شاہی بھی شامل تھی۔ اس اراضی کے متعلق سید فتح مراد کو اس تحریر میں جسے صاحب واسطیہ نے بڑے جلی الفاظ میں "نقل پروانہ بحکم سید فتح مراد" تحریر کیا ہے اپنے کارندوں کو لکھتے ہیں کہ

"مشیخت پناہ شیخ علی محمد و شیخ فقیر عالم کو معلوم ہو کہ موازی ۲۵ بیگھ زمین جو حقایق و معارف آگاہ شاہ قیام الدین محمد درویش کے گھرانے کی بعض مسماۃ کے نام بموجب پروانہ صدور حکام سابق موضع کالی لیٹ میں مقرر تھی ۔ کچھ مدت سے موضع مذکور اینجانب کی جاگیر میں شامل ہے ابتداء دو تین فصلوں تک یہ زمین بے کاشت پڑی رہی اور پھر چند فصلوں سے اس زمین کی آمدنی بسبب داروغہ مربورہ کو نہیں پہنچی اس میں خلل واقع ہوا اس لئے تمہیں لکھا جاتا ہے کہ اینجانب کی اس تحریر کے مطابق امتیاص کو ان کے حق میں واگذار کرو"

بلفظہ یہ لفظ ترجمہ ہے اس پروانہ کا جسے صاحب واسطیہ نے بڑے طمطراق سے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے مگر اس میں انہوں نے اپنی صداقت کا یہ عبرتناک ثبوت پیش کیا ہے کہ "حکام سابق" کے بجائے قصداً اور عمداً "حکم سابق" کے الفاظ تحریر کر دیئے ہیں۔ یہ بھی حسن اتفاق سمجھئے کہ سید فتح مراد مذکور کی یہ اصل تحریر اور بعینہٖ وہی تحریر جو صاحب واسطیہ کے زیر تصرف رہی ہے خاکسار مولف کو دستیاب ہوئی۔ اس تحریر میں جہاں "بموجب پروانہ صدور حکام سابق" کے الفاظ تحریر ہیں وہاں یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ یہ تحریر صاحب واسطیہ کے جد امجد کا پروانہ اور حکم ہے لفظ حکام کے آخری حصہ یعنی "ام" کی جگہ کاغذ میں سوراخ کر دیا گیا ہے مگر یہ کارروائی بھی ایسے بھونڈے طریقہ سے کی گئی ہے کہ پڑھنے والا "حکم" کے بجائے اصلی لفظ "حکام" ہی کو پڑھے گا اور اگر یہ لفظ بالکل ہی مٹا دیا جاتا تب بھی اس تحریر کی عبارت ایسی نہیں ہے کہ کوئی پڑھا لکھا شخص "حکام" کے بجائے "حکم" پڑھ سکے مولف واسطیہ نے شاید اپنی طرح اپنے ناظرین کتاب اور اہل شہر کو بھی فارسی زبان سے ناآشنا سمجھ لیا تھا کہ "بموجب پروانہ صدور حکام سابق" کے بجائے "حکم سابق" پڑھیں الفاظ کو کوئی۔ یہیں تک یہ ارادہ "مربورہ" کے الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ یہ زمین عطیہ شاہی تھی۔ صاحب واسطیہ کا مبلغ علم شاید اتنا نہ تھا کہ ترکی زبان کے لفظ یہ داروغہ کے معنی سمجھ سکتے۔

ایک اور جگہ یعنی صفحہ ۳۳۳ پر شاہ قیام الدین محمد درویش کے خاندان کا تذکرہ کرتے ہوئے صاحب واسطیہ نے پھر اسی "پروانہ" کا ذکر کیا ہے اور یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے کہ سید فتح مراد جن کو وہ اپنے اجداد میں بیان کرتے ہیں اتنے بڑے جاگیردار تھے کہ دوسروں کی مدد معاش میں اراضیات عطا کرتے تھے اور ان کے احکامات "بنام چودھریان و مقدمان و قانون گویان حال و استقبال" جاری ہوتے تھے۔ حالانکہ یہ بیان ان کا محض لغو اور بے اصل و بے بنیاد ہے۔ لیکن اس سلسلہ میں مولف واسطیہ نے حضرت شاہ قیام الدین محمد رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان کا تذکرہ جس طریقہ پر کیا ہے وہ نسلی تعصبات کا نتیجہ ہے۔ شاہ صاحب ممدوح کا خاندان قوم کے اول میں شامل تھا۔ وہ بذات خود اپنے زمانہ کے اکابر میں سے تھے۔ عہد عالمگیری میں مراد آباد کے عہدہ محتسب پر فائز تھے طبیعت کا رجحان فقر کی جانب تھا یہ معزز عہدہ ترک کر کے درویشی اختیار کر لی تھی۔ آپ کا مفصل تذکرہ حصہ دوم میں ملاحظہ ہو۔ اس خاندان کے دیرینہ کاغذات سے معلوم ہوتا ہے کہ تمول اور تعزز کے اعتبار سے مولف واسطیہ کے خاندان کے مقابلہ میں یہ خاندان کسی لحاظ سے کم نہ تھا لیکن مولف واسطیہ نے جس پیرایہ میں اس خاندان کا تذکرہ کیا ہے وہ افسوسناک ہے مثلاً صفحہ ۳۳۳ پر وہ لکھتے ہیں کہ شاہ قیام الدین محمد کو "کچھ روزینہ برائے مدد خرچ ملتا تھا" روزینہ کی تعداد نہیں لکھتے۔ پھر فرماتے ہیں "ایک ملک تعدادی ۲۵ بیگھ اراضی واقع موضع کالی لیٹ حسب پروانہ بمہر سید فتح مراد مقرر تھی یہاں تعداد اراضی ظاہر کرتے ہیں لیکن چند سطروں کے بعد "ایک ملک واقع موضع بھوپور" کا ذکر کرتے ہیں تو اراضی کی تعداد کا مطلق حوالہ نہیں دیتے کیوں؟ محض اس لئے کہ یہ اراضی ۲۵ بیگھ نہیں بلکہ ۵۰۰ بیگھ۔ روزینہ کی تعداد اس لئے نہیں بتاتے کہ ان کے اجداد کے روزینہ کی اصلی تعداد ۱۲ روپیہ سے اس خاندان کے روپیہ کی تعداد زیادہ تھی۔ وہاں پانچ اشخاص کو ۱۲ روپیہ ملتا تھا۔ جسے صاحب واسطیہ نے ۳۱۲ روپیہ کر دکھایا تھا اور یہاں تنہا ایک شخص کو ۱۱ روپیہ یومیہ ملتا تھا۔ اس حرکت سے مولف واسطیہ کا مطلب دوسرے خاندانوں کی تنقیص اور ان کی کم مائیگی کا اظہار ہے۔ (جاری صفحہ ۲۷۵ پر)

خاندان نوگیاں :

اس خاندان میں صرف چھ اشخاص منصبدار ہوئے جن میں سید عبدالرسول عرف میراں خاں پنجہزاری ذات کے منصبدار اور بڑے جاگیردار تھے۔ ان کے برادرزادہ سید غلام محی الدین بھی دوہزاری ذات کے منصبدار ہوئے۔ اور اشخاص کو بھی جاگیریں ملیں۔

خاندان سادات جزودبہ :

ان میں بھی تقریباً چھ منصبدار تھے۔ سید رفیع الزماں خاں ولد سید عمر بعہد شاہ عالم عالی گہر بادشاہ یک ہزاری ذات کے منصبدار اور خطاب سے سرفراز ہوئے معقول جاگیر معافی میں ملی۔

خاندان نخشبی :

اس خاندان میں تقریباً ۱۲ اشخاص منصبدار ہوئے جن میں خواجہ احمد خاں وخواجہ خیر اللہ خاں زیادہ نامور تھے۔ انہیں بھی معقول جاگیریں ملیں۔

خاندان دانشمند :

اس خاندان میں تقریباً ۱۶ اشخاص منصبدار جاگیردار ہوئے جن میں سید تاج محمود خاں وسید محمد فیاض مناصب جلیلہ پر ممتاز تھے۔ بڑی بڑی جاگیریں حاصل کیں۔

خاندان پیرزادگان :

خاندان پیرزادگان اول حضرت شاہ ابن بدر چشتی قدس سرہٗ میں کم از کم چھ اشخاص منصبدار و جاگیردار تھے آپ کے فرزند بکمال شاہ نورالدین کچھ عرصہ سرکار سنبھل کے عہدہ صدارت پر ممتاز رہے ان کے پوتے شیخ محمد عاشق بھی جزو صدر تھے۔ آپ کے دوسرے فرزند شاہ احمد کی اولاد میں کئی اشخاص صاحب منصب و جاگیر ہوئے یعنی شیخ محمد شاکر بن شیخ ولی محمد بن شاہ احمد مذکور اور ان کے فرزند شیخ رحمت اللہ عرف شیخ بدھا بن شیخ محمد شاکر مذکور ان حضرات کے فرامین واسناد جن سے منصب کی صحیح تعداد معلوم ہوتی، باوجود امکانی کوشش کے خاکسار مؤلف کو نہیں دکھائے گئے میر ابن علی صاحب نے جو شیخ رحمت اللہ مذکور سے چھٹی پشت میں ہوئے ہیں خاندان کے اور اشخاص سے تو کاغذات دکھانے کا وعدہ کیا تھا جسے وہ پورا نہ کر سکے لیکن خاکسار مؤلف جب ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو کاغذات کے تلف ہوجانے کا عذر فرمایا۔ بہرحال شیخ رحمت اللہ مذکور کی بعض تحریرات خاکسار مؤلف کے پاس موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اور ان کے پدر بزرگوار اور ان کے بھائی شاہی منصبدار و جاگیردار تھے۔ یہاں دو تحریروں کی نقول اور ایک کا عکس شائع کیا جاتا ہے۔

(جاری صفحہ ۲۷۴ سے) اور اپنے خاندان کا رسمی ومصنوعی بلکہ جعلی اعزاز و کرم کر کے مشہور ہے کہ دروغ کو فروغ نہیں۔ مؤلف وسطیہ نے مکڑی کے جالے کے مصداق اپنے چند رسمی دروغ بافی کا ایک "بیت عنکبوت" تیار کیا تھا" اوهن البيت لبيت العنكبوت "مکڑی کی طرح انہوں نے کچھ کچے کیسے تانے دیئے، دوسرے اور جعلی بوٹے بنائے تھے جنہیں صداقت کی ایک ہی پھونک نے ہباءً منثوراً کر دیا۔ الحق يعلو ولا يعلى۔

مجھے افسوس ہے کہ اس موقع پر یہ بحث چھیڑنی اور ناظرین کو بے مزہ داستان سنی پڑی لیکن ان واقعات کا اظہار اس لئے ضروری تھا کہ جو شخص اپنے خاندانی حالات کے اظہار میں قصداً و عمداً تلبیس کا ارتکاب کرتا ہے لوگوں کو سہو واقعات باور کراتا ہے کاغذات کے جعل کرنے میں جعلی کارروائیوں تک سے پرہیز نہیں کرتا کی تالیف، جو شہر و اہل شہر کے تاریخی حالات میں ہو کہاں تک قابل اعتبار و استناد ہو سکتی ہے۔

نقل اقرارنامہ اقراری شیخ رحمت اللہ وغیرہ نبیرگان حضرت شاہ ابن بدر چشتی قدس سرہٗ

سیّد علی
۱۱۲۵
مرتضیٰ خاں احد

ولی محمد
ابن شیخ محمد
شاکر احد

رحمت اللہ ۱۱۲۵

لطف اللہ

اقرار معتبر شرعی کرد مخبر باسم و نسب خود مسمی شیخ رحمت الله و شیخ لطیف الله ابنائے شیخ محمد شاکر بن شیخ ولی محمد (بن شاہ احمد بن حضرت شاہ ابن بدر چشتی قدس سرہٗ) ساکن قصبه امروہہ تابع سرکار سنبھل فی حال یصح اقراره بریں وجه که شیخ پیروشیخ عبدالرحمن و مامقران بر چهار برادران عینی باخود با مشترک بود بعقد عنان وبعد فوت مشارٌ الیها مامقران باخود باہماں عقد شرکت عنان مقررداشتیم که بریک ازما است و خرج خوراک و پوشاک و شادی و غمی بمه مشترک است و انچه از جنس اسلحه ودواب وظروف و فروش و زمین وسکنائی و باغات وغیره از جنس عروض و عقارات از مبلغ آمدنی تحصیل مواضع جاگیر اینجانب بموجب تمسکات باسم بریکے ازمایان ویاباسم ولینعمی جیو (یعنی ان کے والد شیخ شاکر) که والی وکیل مطلق انداز طرف مایان زر خرید و گردی باشد. بمه مشترک علی السویه باشد مامقران بمه زر خرید و گروی راہا خود با قسمت بالمناصفه کرده بگریم و مادامی که وامهائے جاگیر بنام کسے ازمایان بحال و مسلم باشد ۔بمه شرکت عنان باقی است بنا بران ایں چند کلمه بطریق اقرار نامه شرکت عنان نوبسا نهده تا ثانی الحال عندالحاجت سند گردد۔ تحریر فی التاریخ چهارم شهر ربیع الثانی ۱۱۲۵ھ

اس تحریر سے ثابت ہے کہ شیخ محمد شاکر اور ان کے بیٹے جاگیردار تھے۔ دو سال کے بعد جب شیخ لطف اللہ کا انتقال ہوگیا اور صغرسن فرزند عزیز اللہ عقب چھوڑا تو شیخ رحمت اللہ نے حسب ذیل تحریر بطور مچلکہ لکھی اس تحریر میں انہوں نے صاف طور سے اپنے کو مصدار ''سرکار روا را'' لکھا ہے۔

نقل اقرار نامہ اقراری شیخ رحمت اللہ منصبداری شاہی

سیّد علی
۱۱۲۵
مرتضیٰ خاں احد

ولی محمد
ابن شیخ محمد
شاکر احد

[illegible] ۱۱۲۵

منکه شیخ رحمت الله منصبدار سرکار والا ام چون مبلغ نوہزاردام از پرگنه امروہه وغیره سرکار سنبهل که از انتقال شیخ لطف الله برادر حقیقی بنده که در مابیاقی در آمده بسبب صغر سن عزیز الله پسر متوفی بجاگیر بنده درگاه تنخواه شده لهذا نوشته میدہم واقراری نمایم که ہرگاه عزیز الله مذکور جوان و قابل نوکری سرکار والا باشد دامہائے مذکوره برائے تنخواه مومی الیه بلا حجت وحیله گذاشت نمایم و مادامے که دامہائے مذکوره بجاگیر بنده تنخواه است انچه که از تحصیل مبلغ جاگیر از عروض وعقارات خرید نمایم نصفی از آں من باشدو نصفی ازآں عزیز الله مذکور قسمت کرده بدہم وچنانکه شیخ لطف الله مذکور شریک عنان من مقر بود ہمچناں عزیز الله مذکور قایم مقام پدر خود شریک عنان من مقر باشد و خبر خوراک وپوشاک وشادی و غمی ذمه بنده است بنابراں این چند کلمه بطریق مچلکه نوپسا نیده داده شد تاسند باشد تحریر فی التاریخ ہشتم شہر رجب المرجب سنه ۲ جلوس والا مطابق ۱۱۲۶ھ (اصل اقرار نامہ ۵۵ پر محفوظ ہیں)

شیخ رحمت اللہ کے انتقال کے بعد ان کے فرزند شیخ محمد حسین بھی جو میر لہاوتی کے عم بزرگوار تھے جیسا کہ حسب ذیل اقرار نامہ نوشتہ شیخ عزیز اللہ بن شیخ لطف اللہ سے ثابت ہے جاگیردار تھے۔ اس اقرار نامہ پر سیّد مصطفیٰ علی وسیّد شجاعت علی (ساکنان محلہ گذری) وسیّد عنایت غوث کی مہریں بطور شاہد ثبت ہیں۔

نقل اقرارنامہ شیخ عزیز اللہ بن شیخ لطف اللہ

منکه شیخ عزیز الله ولد شیخ لطف الله ساکن قصبه امروہہ ام چوں بدعوی محال پدر خود که بجاگیر شیخ رحمت الله واز محال شیخ رحمت الله بجاگیر شیخ محمد حسین پسرش تنخواه شده باشیخ محمد حسین مذکور مناقشه داشتم درینولا بحسب صلاح سادات عظام ومردم مصلحین بتراضی طرفین صلح کردم از دعویٰ مذکوره برفصلانه مبلغ چهل دہشت و نیم روپیه که نصف آں بست و چهارم وپاؤ روپیه از محصول موضع یعقوب پور عمله پرگنه امروہہ محال جاگیر مشارٌالیه من ابتدائے فصل ربیع پارس ئیل ۱۱۵۳ فصلی پس بعد ازیں تاریخ ہیچ حقّے ودعوے نبده بوجہے من الوجوه بابت جاگیر برذمه شیخ محمد حسین مذکورنیست ونمانده اگراحیاناً درصورت وصول فصلانه مذکوردعویٰ نمایم باطل گردد انچه ازوجه فصلانه من ابتدائے فصل مذکوربگیرم وانچه بابت درمابه لغایت حال ازمشار الیه گرفته ام واپس وہم وبشرط وصول فصلانه مذکور ازدعوی مذکور ابراء کرده ام درصورت عدم وصول فصلانه ابراء نا معتبردعوی بنده باقی باشد ودرصورت وصول فصلانه ابراء بنده صحیح است و دعوی باقی نیست بنابراں ایں چند کلمه بطریق سند نویسا نبده دادم تا ثانی الحال حجت گردد تحریر فی التاریخ غره شهر ربیع الثانی سنہ ۲۹ بیست و نہم از جلوس میمنت مانوس مطابق ۱۱۵۹ھ

غرضیکہ حضرت شاہ احمد بن حضرت شاہ ابن بدر چشتی کی اولاد میں یہ سب اشخاص منصبدار و جاگیردار تھے۔

حضرت شاہ ابنؒ کے تیسرے فرزند شاہ قطب الدین کی اولاد میں شیخ عبدالباری بن شیخ عبدالوالی حسب فرمان مجریہ یکشنبہ شہر ربیع الاوّل سنہ ۳ جلوس مطابق ۱۱۲۶ھ یکصدی ذات کے منصب و جاگیر پر سرفراز ہوئے اس فرمان میں، جو خاکسار مؤلف کے پاس موجود ہے، انکے نام کے ساتھ یہ الفاظ تحریر ہیں "شیخ عبدالباری ولد شیخ عبدالوالی عموزادہ شیخ رحمت اللہ ولد شیخ محمد شاکر از بندہائے چوکی خاص بمنصب یکصدی ذات سرفراز باشد" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ رحمت اللہ مذکور عرصہ دراز سے منصبدار اور غالباً کسی اعلیٰ منصب پر سرفراز تھے اس زمانہ میں یہ بھی دستور تھا کہ جس شخص کو جدید منصب ملتا تھا اس کے عطائے منصب و جاگیر کے فرمان پر کسی دوسرے منصبدار کی ضمانت بھی درج ہوتی تھی۔ سید شیر زماں ولد سید محمد خواہرزادہ سید علی مرتضیٰ خاں (مورث خاندان گھڑیا والے) کے منصب کی سند پر "بضامنی شیخ رحمت اللہ بن محمد شاکر" تحریر ہے۔ یہ بھی ایک اور ثبوت اس امر کا ہے کہ شیخ رحمت اللہ کسی اچھے منصب پر ممتاز تھے۔ ان کے

برادر حقیقی شیخ پیر بن شیخ محمد شاکر بھی بڑے جاگیردار تھے اپنے خاندان کی ایک خاتون کو انہوں نے ۹ جمادی الاول ۳۸ جلوس عالمگیری میں اپنی جاگیر میں سے ۴۰ بیگہ زمین مدد معاش میں دی تھی۔

خاندان صدیقیاں الملقب بہ میرزا:

اس خاندان میں چار پانچ اشخاص منصبدار و جاگیردار ہوئے۔ شیخ محمد فاضل عہد عالمگیر میں یکصد و پنجاہی دار کے منصبدار تھے۔ ان کی نسل میں شیخ غلام قلندر کو میر ابوالفضل کا خطاب ملا، شیخ جلال الدین ابن شیخ کمال الدین پانصدی ذات پنجاہ سوار کے منصبدار و جاگیردار ہوئے۔ان کے علاوہ شیخ معظم بعہد شہنشاہ اکبر صدیقیوں کی دوسری شاخ میں منصبدار و جاگیردار تھے۔

خاندان عباسی:

اس خاندان میں سوائے مولانا الہداد عباسی کے جو عہد اکبری کے نامور منصبدار تھے اور کوئی شخص صاحب منصب و جاگیر نہیں ہوا۔ مسٹر نول مؤلف ڈسٹرکٹ گزیٹر ۱۹۰۹ء رخان عباسی کے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ

> "حافظ عبداللہ کے فرزند ابوالمکارم (شہنشاہ) اورنگ زیب کی فوج میں بھرتی ہوئے۔ یہ مشہور و معروف لشکری جو "جاں نثار خاں" کے خطاب سے زیادہ مشہور ہیں ۱۶۷۵ء میں شہزادہ معظم کی فوج میں منسلک رہے دس سال بعد راجپوتانہ کی ایک مہم میں کار نمایاں کیے اور باغی شہزادہ مسمی شہزادہ اکبر کی فوج کو جو تعداد میں بھی زیادہ تھی شکست دی تب وہ (یعنی ابوالمکارم) جلوے شاہی میں داخل ہوئے۔ اور اس کے بعد ۱۷۰۹ء میں قلعہ گوالیار کے قلعہ دار ہوئے اور پھر ۱۷۰۹ء میں خاندیش (یعنی برار) کے گورنری کے عہدہ پر سرفراز ہوئے۔ چونکہ وہ (مذہباً) سُنّی تھے اسلئے سادات بارہہ سے ان کا انزاع ہوا جس کی بنا پر انہیں ۱۷۱۲ء میں اپنے عہدہ سے دستکش ہو کر خانہ نشین ہونا پڑا۔ ان کے فرزند علی اکبر یا کامیاب خاں اور رمضان علی یا داراب خاں حملہ نادر شاہ کے بعد امروہہ میں سکونت رکھتے تھے۔ موخر الذکر البتہ ملک بنگال کی ایک لڑائی میں مارے گئے۔"

خاکسار مؤلف کو تاریخ نویسی میں اگر صداقت بیانی مطلوب نہ ہو اور جو عبرت آموز مثال مؤلف واسطیہ نے قائم کی ہے صرف اسی کی تقلید کی چاہیے تو اپنے خاندانی حالات کے تذکرہ میں کم از کم سرزمین امروہہ پر ہی بغداد کا افسانہ کہن تو ضرور دوہرا دینا چاہئے تھا۔ لیکن میں نے بتوفیق ایزدی راست بیانی کو اپنا مسلک قرار دیا ہے۔ مسٹر نول کی مندرجہ بالا عبارت نقل کر دینے کے بعد

خاموش رہنا ہی راست بیانی وصدق مقالی کے مذہب میں گناہ سمجھتا ہوں۔ مندرجہ بالا اقتباس میں ابوالمکارم عباسی کے جو حالات اور کارنامے بیان کئے گئے وہ قطعاً غلط اور بے بنیاد ہیں۔ معلوم ہوتا ہے مسٹر نیول کو کسی نے غلط معلومات بہم پہنچائیں۔ جن خواجہ ابوالمکارم المخاطب بہ جاں نثال خاں [۱] کا تذکرہ مستند کتب تاریخ میں ملتا ہے جن کے فرزندوں کے نام داراب خاں وکامیاب خاں ہیں وہ بالکل جدا شخص دہلی کے باشندے تھے اور وہ ابوالمکارم عباسی جن کے فرزند علی اکبر و رمضان علی تھے قطعاً دوسرے شخص امروہہ کے باشندے اور غالباً معمولی اہلکار شاہی تھے۔ اس ثبوت میں متعدد دیرینہ کاغذات خاکسار مؤلف کے پاس موجود ہیں۔

اس میں کلام نہیں کہ امروہہ کے خاندان عباسیہ کے مورث اپنے عہد کے ممتاز علماء میں سے تھے علماء کے طبقہ کو طبعاً نہ حصول مناصب کا شوق ہوتا ہے اور نہ ذوق علمی دوسرے مشاغل اختیار کرنے کا محرک۔ ابوالمکارم عباسی کے اجداد میں مولانا اکبر ان کے فرزند مولانا احمد اور مولانا احمد کے فرزند ملا صدر الدین عباسی یقیناً اپنے زمانے کے عالم فاضل تھے لیکن ہر عالم وفاضل کے لیے یہ ضروری نہ تھا کہ وہ بادشاہ یا شاہزادگان کا استاد و اتالیق بھی ہو۔ جہاں تک تاریخی حالات کے تجسس اور دیرینہ کاغذات سے معلوم ہوسکا ان سب حضرات کا قیام امروہہ میں رہا۔ ممکن ہے کہ مولانا احمد اور ان کے فرزند ملا صدر الدین عباسی بقول ڈسٹرکٹ گزیٹر عہد جہانگیر و شاہجہاں میں شاہزادگان بنی تیموریہ کے اتالیق ہوں لیکن دیرینہ کاغذات سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملا۔ البتہ صاحب آئینہ عباسی وصاحب تاریخ اصغری کے بیان کے مطابق مولانا بابن عباسی شاہزادگان تیموریہ کے اتالیق [۲] تھے۔ ان کے اخلاف میں مولانا احمد، مولانا عبدالصمد و مولانا فتح محمد بھی دربار شاہی سے منسلک رہے۔ لیکن عہد شاہجہانی کے بعد سے اس خاندان کے علماء کا افادہ درس زیادہ تر امروہہ میں جاری رہا اس زمانہ میں یہی حضرات مسلمانان امروہہ کے دینی مقتدا و پیشوا اور مرجع انام تھے۔ سلطنت اسلامی ان کے اخراجات کی کفیل تھی۔ جس کے ثبوت میں متعدد فرامین اور پروانے خاکسار مؤلف کے پاس موجود ہیں خاکسار مؤلف کے اجداد میں مولانا عنایت اللہ اور ان کے فرزند مولانا عبدالرحیم پرگنہ بھوگپور عرف جوالا پور میں بعہد فرخ سیری و محمد شاہی معزز عہدوں پر مامور رہے ان کو ان کے ورثا اور ان کے خاندان کی بعض خواتین کو املاک اور جاگیر پرگنہ مذکور میں ملی۔ اس خاندان کی دوسری شاخوں میں بعض اشخاص معلمی کا پیشہ بھی کرتے تھے جو دور انحطاط وتنزل میں مکتب کے "میاں جی" کے درجہ تک پہنچ گیا تھا اور آج ان کی اکثر نسلوں میں وہ حالت بھی باقی نہیں۔

دادا کو دیکھا عالم و فاضل تھے مستند
پوتے سے پوچھتے ہیں تو حرف آشنا نہیں

صاحب تاریخ اصغری لکھتے ہیں کہ [۳]

"اکثر لوگ اس خاندان کے صاحب عالم اور لائق ہوتے رہے اور بیشتر سادات امروہہ نے ان سے پڑھا لکھا ہے۔"

دیوان سید محمود اور ان کے سب فرزند مولانا عبدالرشید اور ان کے خاندان کے شاگرد تھے۔ دیوان سید محمود کے اخلاف کی متعدد تحریرات خاکسار مؤلف کی نظر سے گذری ہیں۔ جن میں ان حضرات کو جابجا "پیر و مرشد" "قبلہ دو جہاں" وغیرہ القاب سے مخاطب کیا گیا

---

۱ ماثر الامرا ۲ [آئینہ عباسی ۲۱ ۔ تاریخ اصغری ۱۷۹] ۳ [تاریخ اصغری ۱۷۹۔]

ہے۔ ذرا اس زمانہ کے استاد و شاگرد کے تعلقات کا اندازہ حسب ذیل تحریر سے کیجئے جو سید [1] علی بن دیوان سید محمود نے اپنے استاد مولانا عبدالرفیق عباسی کے مشاہرہ کے متعلق اپنے کارندوں محمد شریف و گنج بہاری کے نام تحریر کی ہے آج بیسوی صدی کے مہذب زمانہ میں اسکول و کالج کے لیکچرر و پروفیسروں کے ساتھ ان کے شاگردوں کے عقیدت و خلوص کی ایسی کتنی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں؟

"مشیخت مآب محمد شریف و خیر اندیش گنج بہاری بعنایت والتفات امیدوار گشتہ بدانند کہ چوں برات مولانای محمد رفیق مخدوم زادہ از برات مخدومی مولوی اخوندجیو علیحدہ نمودہ بلا توقف و اہمال مہر سانیدہ باشند کہ شہو والخیر ایشان ورضا مندی اینجانب دریں معنی است البتہ بلک بزار البتہ برات ایشان بلا اہمال رسانند کہ تمام رضامندی اینجانب دریں است و تعجب تمام دست داد کہ در وصول برات ایشان تغافل نمایندمی باید کہ از ہمہ پیشتر ایشان رادادہ تا دیگرے راہد بندوعجب است پیر ومرشد واستاد ماہان رانمی فہمند دریں صورت زیادہ از زیادہ قلمی میگردد کہ سعادت دارین خود انگاشتہ خدمت ایشان رااصلاح دولت خود دانستہ بلا توقف رسانندرضامندی ایشان عین رضامندی اینجانب دانندوپٹی موضع نورامنّ پور کہ در تنخواہ حضرت قبلہ اخوند جیو مطابق طلب مقرر ساختہ برات مولانای محمد رفیق مخدوم زادہ علیحدہ مہر سانیدہ باشنددریں باب تاکید تمام دانستہ وانحراف نورزندہ تحریر فی التاریخ غرہ شعبان المعظم ۱۰۸۹ھ

خاندان شرفائے کمبوہ:

خاندان ساکن محلہ صدّو کے بزرگوں میں نامور طبیب اور منصبدار و جاگیردار ہوئے۔ حکیم قوام الدین خاں منصبدار پانصدی ذات عہد محمد شاہ اور ان کے دونوں فرزند حکیم رضی الدین خاں و حکیم امام الدین خاں بھی جاگیردار و منصبدار تھے۔ حکیم امام الدین کا منصب یک ہزار و پانصدی ذات اور حکیم الملک خطاب تھا ان کی اولاد میں بھی بعض اشخاص منصبدار و جاگیردار ہوئے۔

دوسرا خاندان ساکنان محلہ شاہی چبوترہ ہے۔ ان میں بھی کئی خاندان ہیں جن کے بزرگ وقتاً فوقتاً امروہہ میں توطن پذیر ہوئے ایک خاندان دائم خاں برادر عینی دیوان محمد عاقل خاں عالمگیری کا تھا ان میں حکیم منصور علی خاں و محمد مسعود تھے ان کے اخلاف کو معقول جاگیریں ملیں۔ دوسرا خاندان فاخر علی خاں بن دیوان محمد عاقل خاں عالمگیری کا ان میں بھی منصبدار و جاگیردار ہوئے۔ ان کے علاوہ خاندان محمد محتشم خاں وغیرہ میں بھی بعض اشخاص صاحب جاگیر ہوئے۔

شرفائے کلاں:

ان میں درویش علی خاں منصبدار ہنجہزاری عہد فرخ سیری کا خاندان ہے۔ ان کو بہت بڑی جاگیر پرگنہ امروہہ و سنبھل وغیرہ میں عطا ہوئی تھی۔ ان کے اخلاف میں بھی دو دو ہزاری و ہزاری ذات کے متعدد منصبدار و جاگیردار ہوئے۔ غدر ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں اس خاندان کی جاگیریں ضبط ہوگئیں۔

---

[1] ان کا نام تاریخ واسطیہ سے عدم مساوات کی بنا پر ترک کر دیا سید محمود کے جن فرزند کا نام سید معالی درج کیا ہے ان کا صحیح نام سید عبد معالی تھا۔

معافیات کی نوعیت:

سادات وشرفائے امروہہ کو جو اراضیات سیورغال ومواضعات جاگیر شاہان مغلیہ کی جانب سے عطا ہوئے ان کا بیشتر حصہ علی الدوام والاستمرار کے طریقہ پر دیا گیا تھا۔ جن فرامین واسناد کے ذریعہ یہ عطیات شاہی دے گئے ان کی عبارت خود اس امر کی بین دلیل ہے کہ یہ معافیت جن خاندانوں کو عطا ہوئیں تھیں ان کی اور ان کی نسلوں کی دائمی پرورش ومدد معاش ان سے مطلوب تھی فرامین میں اس کی صراحت کی گئی تھی کہ یہ عطیات صرف اس شخص اور اسکی اخلاف کی مدد معاش کے لئے ہیں اور ہر طرح کے تغیر وتبدل سے "مصئون و محروس" اور ہر قسم کے محصولات سے "معاف ومرفوع القلم" ہیں۔ مثلاً یہاں کے فرامین کے ایک فقرہ کا نقل کرنا بے محل نہ ہوگا۔

" باید که فرزندان نامدار کامگار والا تبار دو زرائے عالی مقدار وحکام کرام و عمال کفایت فرجام ومتصدیان مہمات دیوانی و متکفلان معاملات سلطانی و جاگیرداران و کروریان حال واستقبال ابداً و موبداً در استقرار و استمرار ازیں حکم مقدس و معلیٰ کوشیدہ دامہائے مواضعات مرقومہ را نسلاً بعد نسلٍ بطناًبعد بطنٍ خالداً و مخلداً بتصرف آنہا وگذارند واز صوادم تغیر و تبدل مصئون و محروس داشتہ بعلت پیشکش صوبہ داری و فوجداری و مال و جہات و سائر اخراجات مثل تنلفہ و محصلانہ و داروغانہ وضابطانہ وشکار وبیکار ودہ نیمی و مقدمی و صددوئی وقان گوئی مزاحم و معترض نشوند و ازکل تکالیف دیوانی ومطالبات خاقانی معاف و مرفوع القلم شمارند ".

اسناد خمسہ:

سلطنت مغلیہ کے بعد جو حکومتیں اس علاقہ پر قائم ہوئیں ان سب سے ان معافیت کو بدستور برقرار بحال رکھا۔ یعنی روہیلہ حکومت، سلطنت اودھ وحکومت برطانیہ۔ معافیات کی بحالی کے متعلق مختلف حکومتوں نے جو اسناد وقتاً فوقتاً دیں وہ یہ ہیں (۱) پروانہ بجانب نواب علی محمد خاں (۲) پروانہ منجانب نواب دوندے خاں وفرزندان (۳) سند منجانب شجاع الدولہ بہادر (۴) سند منجانب نواب آصف الدولہ بہادر (۵) سند منجانب نواب وزیر الممالک بمہر مسٹر بلفور مرقومہ ۱۹۴۳ھ ان پانچ اسناد کو "اسناد خمسہ" کہا جاتا ہے۔

روہیلوں کی حکومت نے ابتداءً امروہہ کی جاگیروں پر ملازمان ومتصدیان حکومت کی تنخواہوں کا بار ڈالدیا تھا لیکن دوندے خاں کے حسب ذیل پروانہ کے بموجب سادات وشرفائے امروہہ کی جاگیریں واگذار کی گئیں۔

نـــــــــــــــــــــــقـــــــــــــــــــــــل

پراونہ بمہر خان عالی شان دوندے خاں بہادر   آنکہ

معتمد الخدمت محمد دیندار در پناہ الٰہی باشند

دریں ولاکہ دیہات امروہہ واجب بود جاگیر سادات وغیرہ سکنہ امروہہ و باریہ

که بعلت اجاره و تنخواه ساہوکاران و متصدیان وغیره بآن معتمد الخدمت تفویض یافته بود چوں پاس خاطر سادات بهمه وجوه منظور است جمیع دیہات جاگیرات وآیمه (یمه) آنہارا واگذاشت نموده شد ودر مقدمه اجاره وغیره سادات معزالیہارا مختار گردانیده در آنچه بهبود خود ہا بدانند بعمل آرندان سرکار بوجہے من الوجوه تعرض و مزاحمت آں مقدمات نیست لہذاقلمی میگردو که بمجر وصول پروانه آن معتمد الخدمت از دیہات جمیع سادات وغیره بابت پرگنات مذبوره بعلت مرقومات مزاحمت نه نموده در تصرف جاگیرداران واگذارندواگر احیاناً به کسے عنوان غدر درمیان خواہد آورد در حق خود بہتر ندانند، رضا نامه سادات نویسا نیده بحضور ابلاغ دارنددریں باب تاکید دانند زیاده۔

نواب وزیرالممالک کی جانب سے بھی ۱۲۰۲ھ میں جو آخری پروانہ واگذاشت جاگیرات واملاک معافی کے صادر ہوا اس کی نقل ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

رفعت ودوالی پناہ مہدی علی خاں محفوظ باشند

جاگیرات ویمه سادات و شرفائے امروہہ که از عہد نواب صاحب غفراں مآب نیاز مقرّر و معاف و مرفوع القلم است بدستور سابق معاف دانسته نائبان مال وسائر امروہہ تقید نمایند که خلاف معمول از جاگیرات ویمه مذکور تعرض نه نمایند۔ موافق معمول گذشته وپیوسته بعمل آورده از پروانجات علیحده علیحده اسم باسم تکرار و حجت نیارندواز دستکاب و اخذ بهنیٹ و فرمائشات دیہات راخراب و ویران مسنازندو اظہار مخالفان و غرض گویان نبوع نباید نمود دریں باب تقید مزید دانسته حسب المسطور عمل آرند۔دویم ربیع الاول ۱۲۰۲ھ

ایسٹ انڈیا کمپنی اور معافیات کی تحقیقات:

۱۸۰۱ء میں جب روہیلکھنڈ ایسٹ انڈیا کمپنی کے زیر حکومت آ گیا تو دوسرے ہی سال یعنی ۱۸۰۲ء میں مسٹر لیسسٹر M.Leycester نے تمام علاقہ میں بذات خود دورہ کر کے مالیات کا جائزہ لیا اس کو بندوبست اوّل کہنا مناسب ہوگا۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ کے بعد (نواب) امیر خاں کے حملہ کی وجہ سے وہ سب انتظام درہم و برہم ہوگیا تو ۱۸۰۵ء میں بندوبست دوئم شروع ہوا جو ۱۸۰۷ء میں ختم ہوا۔ پھر تیسرا بندوبست مسٹر لائڈ M.Loyd نے ۱۸۰۸-۹ء میں شروع کیا جو ۱۸۱۲-۱۸۱۱ء تک جاری رہا۔ اس زمانہ میں معافیات علی حالہ قایم و برقرار رہیں۔ ۱۸۱۷ء میں مسٹر ایڈروز جن کو اس زمانہ کے محاورہ میں "قاضی صاحبان انگریز" سے تعبیر کیا گیا تھا بتقریب دورہ" مع صاحبزادے کی فتر صاحب" امروہہ آئے اور سید امان علی خاں (گھڑیال والے) کے مکان پر مقیم ہوئے۔ اس

وقت معافیات کی تحقیقات شروع ہوئی اور ''اسنادخسہ'' ملاحظہ کی گئیں۔

اس سلسلہ میں صاحب موصوف کے نائب کا مندرجہ ذیل پروانہ موسومہ سید امانت علی خاں (گھڑیال والے) جن کو اس زمانہ کی تحریرات میں ''نواب'' کے خطاب سے مخاطب کیا جاتا تھا۔ دلچسپی سے پڑھا جائیگا۔

''نواب صاحب مشفق مہربان سلامت''

وقت کوچ دائرہ دولت حضور کہ آں مہرباں فرستادن مختار کار مع اسناد مقرری اقرار بالمشافہہ حضور نمودہ بودند۔ ہنوز کدام کس را روانہ حضور نسا ختنددریں صورت کمال استعجاب است در حالیکہ آں مہرباں ایں طور خلاف وعدہ نمایند پس دیگر اشخاص چرا زیادہ تر مرتکب لیت دلعل نگردند۔ لہذا نظریہ ہرج کار سرکار قلمی میگرددکہ آں مہرباں برفورد رود پروانہ کدام شخص مختار کا خود را مع اصل اسناد مقرری برائے ملاحظہ روانہ حضور سازندکہ بوادید روانگی مختار کار آں مہرباں اشخاص دیگر ہم اسناد مقرری خود با بحضور بگذارندو ہرج کار سرکار روند ہد۔ برائے اطلاع قلمی آمد و مرقوم بست و پنجم مارچ ۱۸۱۷ء

دستخط آر۔ ایس۔ الیکزنڈر

غرضکہ بموجب قانون دوئم ۱۸۱۹ء معافیت کی تحقیقات شروع ہوئی۔ امروہہ کے معافی داروں کا وفد بمقام پانی پت نواب گورنر جنرل کی خدمت میں باریاب ہوا۔ پھراؤں وغیرہ کے معافیدار شریک حال تھے۔ اکثر اشخاص دہلی تک ساتھ رہے۔ چنانچہ بہت سے دیہات برائے دوام واگذاشت ہوئے لیکن افسوس اس زمانہ میں معافیداروں نے عاقبت اندیشی سے کام نہ لیا اگر اسی زمانہ میں انکی کوشش کی جاتی کہ یہ معافیات جس غرض ومنشاء سے شاہان اسلام نے عطا کی تھیں اس کا ہمیشہ کے لیے تحفظ وانتظام ہوجاتا اور کوئی ایسا قانون نافذ ہوجاتا کہ معافیت بیع وشرا اور انتقال درانتقال کے انقلابات سے مستثنےٰ کردی جاتیں اور جس طرح تعقداران اودھ کے متعلق خاص قانون ہے یا پنجاب میں ایکٹ اراضیات نافذ ہے اسی طرح امروہہ کی معافیات کو جو ''نسلاً بعد نسلٍ وبطناً بعد بطنٍ'' کی تصریح کے ساتھ دی گئی تھیں جن کے دائمی حیثیت ''خالداً و مخلداً'' کے الفاظ میں بیان کی گئی تھی جن کو ''صوادم تغیر وتبدل'' سے مستثنےٰ ''ومصؤن محروس'' رکھنے کی تاکید تھی۔ جو ہر قسم کے محصولات سے ''معاف ومرفوع القلم'' تھیں اور جن کے عطا کرنے کی غرض وغایت یہی تھی کہ جن اشخاص نے اپنی جانبازیوں وجانفروشیوں یا کمالات اور کارناموں سے سلطنت کی خدمات لائقہ انجام دی تھیں وہ اور انکی نسلیں ان سے دائمی طور پر متمتع ہوں۔ ان کا بالآخر یہ حشر نہ ہوتا کہ قرضہ وسود در سود کی بلا میں گرفتار ہوکر ان خاندانوں سے نکل کر جن کی نسلوں کی پرورش ان سے مطلوب تھی غیروں کے قبضہ میں چلی جائیں۔

۱۱۹۵ھ میں امروہہ کے جاگیرداروں نے ایک تحریر کے ذریعہ جس کی نقل ذیل میں درج کی جاتی ہے۔ باہم یہ معاہدہ کیا تھا کہ جاگیر کے فروخت کرنے کی اگر نوبت پیش آئیگی تو اپنے عزیزوں، رشتہ داروں اور خاندان کے افراد کے یا بدرجہ اقل اپنے ہم قوموں اور ہم وطنوں کے ہاتھ فروخت کرینگے کسی غیر اور اجنبی شخص کے ہاتھ جائیداد فروخت نہ کی جائیگی۔ اس معاہدہ پر سادات وشرفائے امروہہ

میں سے اکثر جاگیرداروں کے دستخط ثبت ہیں مثلاً سید قمر علی خاں (دربار کلاں) سید اعظم خاں (محلہ گذری) سید دوست علی (کٹکوئی) سید فیض احمد (لکڑہ) وغیرہ کے نیز لالہ محکم چند قانون گوئی کے اس پر دستخط ہیں۔

عرش آرام گاہ

نـــــــــــــــــــــــقـــــــــــــــــــــــــل

بمہر خادم شرع قاضی سید الٰہ بخش وحکومت پناہ نجھے خاں ودیگر جمیع سادات وشرفا   تک

ماہانکہ جمیع سادات و شرفائے منصبداران و جاگیرداراں سکنہ امروہہ تابع سرکار سنبھل مضاف صوبہ دارالخلافہ شاہجہاں آباد ایم چوں سر رشتہ حضور معلی بعد عہد حضرت مرزا احمد درست نماندہ دروئے بقضائے الٰہی وفات بریک خواہدشد لہذا بنا بر رفع تکرار و مناقشہ یک دگر فی مابین قرار یافتہ کہ جاگیر کسانیکہ از عہد مزبور تا حال در تصرف او مانده مالک است اسناد تغیری کسے سوائے گذاشت از وقت حضرت معتبر نیست ، بعد متوفی وارث اوبموجب دستخط حضرت قرار بالاتفاق یکد گراولاد پسرونبیرہ واگرایشاں نباشند پدر والاخویش و برادر واگر اینہا نباشند نواسہ واگرایں ہم نباشد برادر زادہ است واگراینہا نیز نباشدہرکہ ذی حق و قریب ترباشد قابض و متصرف باشد و اگر بر تقدیر کسے جاگیر دار و زمیندار بحسب ضرورت جاگیر و زمینداری تعلقہ خود گذاشت وبیع و شراکردن خواہد بدست احق و قریب خود نماید واگر احق و قریب را مقدور نباشدبدست سادات و شرفائے ہم وطن غرضیکہ بدست غیرواجنبی گذاشت وبیع نسازدوشخصے کہ دراسناد تنخواہی عہد سابق شریک توجیہ بودہ دخل وتصرف نیافتہ اگر ثانی الحال بدعوی شراکت توجیہ پیش آید باطل ناممسوع باشد بموجبیکہ در عمل افغاناں الی آں قبضہ و تصرف شدہ آمدہ آں را تغیر و تبدل نہ بند۔ دریں باب حجت و تقریر کسے پذیرا نباشد۔ تحریر بتاریخ یازدہم شہر ربیع الاول ۱۱۹۵ھ ہجری۔

سلطنت مغلیہ کے بعد جو اور حکومتیں وقتاً فوقتاً قائم ہوئیں انہوں نے بھی ان معافیات کو بدستور بحال و برقرار رکھا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے یہ علاقہ ازروئے معاہدہ حاصل کیا تھا اس لیے وہ اپنی پیش رو حکومت کے ان احکامات کی پابند تھی جو ''حکام کرام وعمال کفایت فرجام وکروریان حال واستقبال'' کے نام جاری ہوئے تھے اور جن کی پابندی کے لیے ''ابداً وموبداً'' کے الفاظ فرامین میں درج کیے گئے تھے اور اس پر اس کی ذمہ داری عائد ہوتی تھی کہ اس کے ''استقرار واستمرار'' کا خاطر رکھتی۔ لیکن افسوس ایسی کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔ ایسا کوئی قانون نافذ نہ ہوا اور اس کا نتیجہ وہی ہوا جو ان حالات کے اندر ہر جگہ ہوا ہے یعنی آیندہ نسلوں کی غفلت وعیش پرستی اور نا اہلی کی وجہ سے بڑی بڑی جاگیریں تباہ و برباد ہوگئیں۔ بڑے بڑے گھرانے حرف غلط کی طرح مٹ گئے۔ پشتینی رئیس فقیر بے نوا ہو گئے۔ بہت سے اب نان شبینہ کو محتاج ہیں۔

جن کی عمارتیں بہ فلک سرکشیدہ تھیں
نسلوں میں ان کی رہنے کا اب جھونپڑا نہیں
جن کے گھروں میں مخمل رومی کے فرش تھے
اب ان کے پاس بیٹھنے کو بوریا نہیں
تنور گرم رہتے تھے جن کے شبانہ روز
نوبت یہ ہے کہ چولھے پہ ان کے توا نہیں

معافیداروں اور جاگیرداروں کی تباہی:

انتزاع سلطنت اسلامی کے بعد تک امروہہ کے سادات وشرفا کے قبضہ وملکیت میں تقریباً سات سو مواضعات جاگیر ومعافی میں تھے جو زیادہ تر پرگنہ امروہہ، سنبھل، رجب پور، پاپٹہ، اعظم پور، بچھراؤں، اسلام پور بہیرہ، مرادآباد، ٹھاکردوارہ اور بجنور میں تھے۔ تقریباً ایک صدی کے اندر اندر ان سات سو مواضعات میں سے چھ سو سے زیادہ مواضعات تو ان کے پاس سے قطعاً نکل گئے۔ بقیہ تقریباً سو مواضعات میں سے باستثنائے معدودے چند مسلّم مواضعات کے جزوی حصص باقی ہیں۔ ان میں بھی اکثر پر قرضہ کا بار ہے۔

معافیداران امروہہ کی جائدادوں کی تباہی کا مرقع مؤلف ڈسٹرکٹ گزیٹر نے ان الفاظ میں کھینچا ہے۔[1]

"امروہہ کے معافیدار زیادہ تر سادات ہیں ان کی جائدادیں اکثر معافیداریاں ہیں لیکن من حیث الجماعت سادات مفلوک الحال ہیں اور یہ نتیجہ ہے اس امر کا کہ نسلاً بعد نسلٍ ان کی جائیدادیں متوتر تقسیم ہوتی چلی آتی ہیں۔ یہ لوگ تقریباً سب کے سب بہت زیادہ مقروض ہیں اور حالانکہ بہت سے سیّدوں کے پاس رشتہ حیات قائم رکھنے کو بھی کافی آمدنی نہیں مگر یہ لوگ "رئیس" کہلانے کے بہت زیادہ دیوانے ہیں"

روسائے سادات امروہہ کی تباہی کی داستان نہایت دردانگیز اور عبرت آموز ہے۔ مال ودولت کی بہتات نے پچھلی نسلوں میں سے اکثر کو اپنے نفس میں قابلیت پیدا کرنے سے باز رکھا۔ جائداد کا کاروبار زیادہ تر چالاک حریص اور خودغرض کارندوں کے ہاتھ میں رہا۔ جن اشخاص نے جاہل اناؤں کی گودوں میں پرورش پائی ہو۔ جو آغاز جوانی تک ان کے گھونٹے سے لگے رہے ہوں وہ جب ترکہ پدری کے مالک ہوئے تو جو تباہی نہ آئی تھی وہ آئی اور جو نہ ہونا تھا وہ ہوا۔ کارندوں اور ملازمین نے خوب لوٹا کھسوٹا۔ بعض روسا کے ادنیٰ ادنیٰ ملازم حمال اور تولئے تک اپنے آقاؤں کی بدانتظامی اور بے وقوفی کی بدولت دولتمند بن گئے۔ ادنیٰ نوکروں اور خدمتگاروں کی اولاد آج رئیس، زمیندار ومعافیدار ہے، اور آقاؤں کی اولاد نان شبینہ کو محتاج فاعتبروا یااولی الابصار!!

امروہہ کے مسلمانوں کی جاگیروں اور جائدادوں کا کثیر حصہ ان کی غفلت، بدانتظامی فضول خرچی کی بدولت ساہوکاروں اور جیوں کے قرضہ اور سوددرسود کی بلا میں پھنس کر ضائع ہوا کسی دل جلے نے نصف صدی پیشتر کی حالت کا خاکہ ایک نظم میں کھینچا ہے جس کا پہلا مصرعہ ہے "قابض ہوئے جو ترکہ موروث پہ اک جناب" اس میں ایک نوجوان رئیس کی حالت کا اظہار کیا گیا ہے کہ عیاشی اور عیش پرستی کی فضول خرچیوں میں جب جائداد کی آمدنی کافی نہ ہوئی تو قرضہ کی فکر ہوئی۔ فن شعر کے اعتبار سے نہیں بلکہ عبرت کے لحاظ سے پڑھنے کے

[1] ڈسٹرکٹ گزیٹر ۹۷

کس طرح آنکھیں بند کر کے ساہو کاروں سے قرضہ لیا جاتا تھا۔

چاروں طرف سے قرض کی ہونے لگی جو مار — تب فکر یہ ہوئی کہ کہیں سے لو اب اُدھار
بنیے بھی ان کی فکر میں رہتے تھے تین چار — جنتر وہ اس طرح کہ سو دے کے لیں ہزار
تھے گھات میں جھلوں پہ وہ اپنے پڑے ہوئے
خوش ہو کے قرض دینے کو پھر اٹھ کھڑے ہوئے
بنیے بھی وہ کہ جن کا نہ چاڑہ رہا درخت — کوڑی نہ چھوڑیں سود کی، لینے کے ایسے سخت
صدہا بنے گھروں کو بگاڑا تھا ایک لخت — قرضہ وہ ان سے لیتا تھا اُلٹے تھا جس کا بخت
ممکن نہیں تھا ان کا جو پاجائے کوئی پھیر
بچتا نہیں تھا قرضہ میں جسکو وہ لائے گھیر
جیوں کی سمت جاتا تھا کوئی جوان کا یار — بھلا کے اس کو پوچھتے تھے ان کا تار بہار
اس طرح سے لگاتے تھے سب انکی وہ ہتار — جب گھر کو وہ چلا تو دیا تیل کا اچار
کہتے تھے سکھی کبھی تم پھر بھی آئیو
کچھ کرج لیں میاں جی تو ہم سے دلائیو
کچھ خرچ کی طرف سے ہوئے جبکہ پھر ملول — جیسے گئے بلانے کو وہ شیخ جی جھول
لالہ بھی بیٹھے آن کے دھوتی کی جھاڑ دھول — یہ بولے قرض دوگے؟ وہ بولے کہ ہے کبول (قبول)
من مانا جو لوگے تمہیں کرج دیں گے ہم
وکت (وقت) کی بات کچھ نہیں جو دوگے لیں گے ہم
گہہ آتے سیل چند، کبھی لالہ خانچند — لے بیٹھے اپنے مال سے پھر قرض یہ دو چند
القصہ ان کے مال کو پھر ہوگیا گزند — اور قرض خواہوں میں ہوئے مشہور نادہند
جیوں کی ڈگریاں ہوئیں ہر اینٹ اینٹ پہ
سوی کا پھر تو لگ گیا پیوند پیٹ پہ

سادات و شرفاء امروہہ:

غرضیکہ امروہہ کے اکثر مسلمان جاگیرداروں کی املاک و جاگیر و جائیداد کا جزو کثیر زیادہ تر بدانتظامی غفلت مدہوشی و عیاشی کی بدولت قرضہ اور سود در سود کی بلا میں گرفتار ہو کر ان کے پاس سے نکلتا اور رفتہ رفتہ دوسری قوم کے قبضہ میں جاتا رہا۔ گذشتہ ستر اسی برس میں انتقال جائداد کی رفتار نہایت تیز رہی اور اسی نسبت سے ان میں افلاس و ناداری بڑھتی گئی۔ سادات و شرفا کے بعض چوٹی کے گھرانے ہمیشہ کے لیے تباہ برباد ہو گئے۔ یہ سچ ہے کہ دولت ہمیشہ کسی قوم میں نہیں رہتی یہ چلتی پھرتی چھاؤں ہے۔ آج کہیں اور کل کہیں لیکن رونا یہ

ہے کہ مال و دولت کے ساتھ ساتھ وہ اوصاف بھی رخصت ہو گئے جو کسی قوم و ملت کی قومی زندگی میں بمنزلہ روح کے ہوتے ہیں۔

عرق غیرت تھی دلیل اپنی شرافت کی نہ مال — چھپتی ہے جس سے دولت و شرافت ہم میں تھی
ننگ تھا ہم کو مشقت سے نہ مزدوری سے عار — جو بزرگی تھی مشقت کی بدولت ہم میں تھی

یہ اور اس قسم کے دیگر اوصاف حسنہ ایک ایک کر کے معدوم ہو گئے۔ سیرتیں بدل گئیں، صورتیں مسخ ہو گئیں۔ اب نہ چھوٹوں میں وہ آداب باقی ہیں نہ بزرگوں میں شفقت، عزیزوں میں الفت ہے نہ بھائیوں میں محبت شریفوں میں غیرت نہ حمیت۔ اسلامی اخوۃ اور قومی مودۃ کا صرف نام باقی ہے، وہ مسلمان ایسے کم ملیں گے جن میں بے غرضانہ خلوص و محبت ہو اور قومی بھلائی کا ملکر کام کر سکیں اگر میل ملاپ ہے بھی تو "غرض کی تواضع غرض کی مدارا" یا یہ حالت تھی کہ ہم میں نقد و نیک کردار تو درکنار بداطوار اوباش تک محبت و یگانگت کے تعلقات کو نباہتے تھے۔ مولانا حالی نے اس کا صحیح خاکہ کھینچا ہے۔

جس سے کرتے تھے محبت بے ریا کرتے تھے ہم — جس سے ہوتی تھی شکایت برملا کرتے تھے ہم
شکوہ ہوتا تھا تو اکثر منہ پہ کہہ دیتے تھے ہم — شکر کرتے تھے تو غیبت میں سوا کرتے تھے ہم
دوست بن جاتے تھے جس کے اس سے کرتے تھے نباہ — عہد کرتے تھے تو عہدوں کو وفا کرتے تھے ہم
جن کے ہو جاتے تھے ساتھی انکا ہم دیتے تھے ساتھ — رنج و راحت میں شریک انکے رہا کرتے تھے ہم
کرتے تھے عسرت میں انکے واسطے فکر معاش — ان کی بیماری میں تدبیر اور دوا کرتے تھے ہم
کام میں یاروں کے اپنے کام سب دیتے تھے چھوڑ — انکیں روزے اور نمازیں تک قضا کرتے تھے ہم
یار کوئی مر کے اپنے سے بچھڑ جاتا تھا جب — یار کی اولاد پر جانیں فدا کرتے تھے ہم
سنتے تھے اپنے بڑوں کا جن سے پیار اور اتحاد — ان کی نسلوں سے وہی رسمیں ادا کرتے تھے ہم
دشمنوں کی زد میں دیتے تھے نہ آنے ہمکو دوست — ٹوک دیتے تھے ہمیں جب کچھ خطا کرتے تھے ہم
آج وہ کام آئے اپنے کل ہم ان کے کام آئے — بارہا باہم سلوک ایسا کیا کرتے تھے ہم

برعکس اس کے اب نسلی تعصبات اور مذہبی اختلافات کا یہ عالم ہے کہ ایک دوسرے کا دشمن بنا ہوا ہے۔ بدعتی اور وہابی کے لغو اور مہمل جھگڑے اس شدت سے شاید کہیں بھی نہ ہونگے جس شدت کے ساتھ کچھ عرصہ سے امروہہ میں شروع ہوئے ہیں۔ منبع فساد زیادہ تر وہ لوگ ہیں جنہیں علم و عمل سے خود کوئی واسطہ اور تعلق نہیں اگر کسی نے خیر سے دو ایک کتابیں اُردو فارسی کی الٹی سیدھی پڑھ لی ہیں تو وہ سمجھتا ہے کہ مجھے اجتہاد کا درجہ حاصل ہو گیا، علم غیب و امکان کذب اور اسی طرح کے بیکار و بے نتیجہ مباحث پر کج بحثی کرتے اور سیدھے سادھے مسلمانوں میں اختلاف پیدا کر کے جنت و دوزخ کے ٹھیکیدار بن گئے ہیں۔ کسی کو کافر و مردود کہہ کے دوزخ میں بھیجے اور کسی کو جنت کا سارٹیفکیٹ عطا کرتے ہیں۔ جس طرح پہلوانوں کے اکھاڑے اور دنگل ایکدوسرے کے مدمقابل ہوتے ہیں یا جس طرح لکھنؤ میں انیسیئے اور دبیرئے دو مخالف ٹولیاں شاعروں کی بن گئی تھیں جو ایک دوسرے کی تنقیص و تفضیح میں شاعری کا کمال دکھاتے تھے بعینہ اسی

طرح یہاں بھی مذہبی دیوانوں کی ٹولیاں ہیں۔ باہر سے کرائے کے واعظ بلوائے جاتے ہیں انہیں تو اپنے حلوے مانڈے سے کام ہوتا ہے۔ اسلامی اخوۃ کا مردہ دوزخ میں جائے یا بہشت میں وہ تو تعصبات لایعنی کے خوفناک شعلے بھڑکا کے اور لطیف و مرغن غذائیں کھا کے واپس چلے جاتے ہیں لیکن امروہہ کے مذہبی دیوانے آپس کی تو تو میں میں برابر مصروف رہتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ ہمارے مولوی صاحب نے کیسی معرکۃ الآرا تقریر کی، دوسرا اکڑ کے جواب دیتا ہے کہ واہ ہمارے حضرت نے کیا نکتہ کی بات بیان کی لیکن ان احمقوں کو کیا معلوم کہ یہ لڑانے والے واعظ خود حقیقت سے ناآشنا ہیں؟ چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند ایسے ہی علماء کے متعلق ایک صاحب نے سچ کہا ہے۔

چار عالم جس جگہ بیٹھیں کھڑے ہوں سو فساد
جب یہ صاحب جاگتے ہوں فتنہ سو سکتا نہیں

دل سے استفسار پر پایا یہ سنجیدہ جواب
ریلیں اور عالم نہ ٹکرائیں یہ ہو سکتا نہیں

الغرض وہ سادات عظام کا گروہ ہو یا شرفائے کرام کا۔ ذرا ذرا سے فروعی معاملات پر دانتا کل کل ہوتی رہتی ہے۔ ان ہی میں ایسے بھی ہیں کہ طبیعت میں شرافت کا جوہر اور نہ نفس میں قابلیت "آبائے کرام کارنامے اور پدرم سلطان بود کی داستانیں الاپتے پھرتے ہیں اور خود ہیچ ہیں۔ بعض شریف خاندانوں کے افراد کا مذاق طبیعت دیکھئے انگریزوں کا بیرا (Bearer) بننے اور خانساماں گری کو معراج کمال سمجھتے ہیں ان کا اترن پہن کر اکڑتے پھرتے ہیں۔ میں کسی پیشہ کو بشرطیکہ اکل حلال ہو ذلیل نہیں سمجھتا۔ اگر کسی شریف زادے نے انگریزوں کی خانگی خدمت کا پیشہ کسی مجبوری سے کر لیا تو خیر کیا مضائقہ لیکن بدمذاقی دیکھئے اپنی اولاد کو بھی اس دھرے پہ ڈالتے ہیں یہ لوگ انگریزوں کے بیرا اور خانساماں جو کماتے ہیں اس کا جزوی حصہ بھی اپنی اولاد کی تعلیم پر صرف کریں۔ انہیں کوئی صنعت سکھا دیں تو اپنی برادری اور سوسائٹی کا اچھا عنصر بنیں اور ''نام نیک رفتگاں'' کو بھی ضائع نہ ہونے دیں۔ بعض ایسے ہیں جنہیں اسلاف پرستی کا مرض لاحق ہو گیا ہے اور مثل زن بیوہ آبائے کرام کے نام پر ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھ رہے ہیں۔ ان کے علاوہ کچھ ایسے بھی ہیں کہ اپنے آباؤ اجداد سے منکر ہو کر کسی دوسرے مشہور خاندان سے سلسلۂ نسب ملانے میں انہیں تامل نہیں ان ہی میں وہ بھی ہیں کہ چند پیسوں پر جھوٹی گواہی دینے میں انہیں باک نہیں، یتیموں کا مال یہ کھاتے، وقف کی آمدنی یہ ہضم کر جاتے ہیں۔ غرضیکہ آوے کا آوا بگڑا ہوا ہے۔ مٹ گئے، تباہ برباد ہو گئے، مگر مزاجوں میں اب تک سی تعصبات، نسبی فخر مباہات کی رعونت باقی ہے۔ سیادت و شیخیت، شرافت اور بزرگی کے دعویدار ہیں اور اپنے سامنے دوسروں کی کچھ حقیقت نہیں سمجھتے، سادات امروہہ میں بالخصوص کبر و نخوت کے عجیب و غریب نمونے ملتے ہیں۔

ہوگئی ہیں رسیاں جل جل کے سب خاک سیاہ
لیک نکلے ہوں کسی کے بل جلے پر کیا مجال

نازش بیجا بڑوں پر اور خود نا اہل ہیں
راگنی بے وقت کی، بے تک نہ ائیں سُر نہ تال

اینٹھنے لگتے ہیں احمق ماش کے آٹے کی طرح
گر کہیں سے اتفاقاً مل گئی کھانے کو دال

اُٹھ گیا امروہہ سے اب اتفاق و اتحاد
اور اسی نااتفاقی کے ہیں یہ سارے وبال

اب یہ حالت ہے کہ گویا ایک کا دشمن ہے ایک
بس چلے اور دسترس پائے تو کر ڈالے حلال

ایسے سفاکوں سے کس کی آبرو محفوظ ہے
شیرِ مادر ہے جو پا جائیں کسی کا مفت کا مال

جنگ ہوتی دیکھ، مذہب آن کودا بیچ میں ۔ تا نہ رہنے پائے کوئی آشتی کا احتمال
یہ وہ حضرت ہیں لگے رہتے ہیں ہردم تاک میں ۔ مکر وتلبیس و فریب و زور کا پھیلائے جال
کیا ہوا ہم میں اگر آسودہ ہوں بھی بعض بعض ۔ کیا ہوا ہم میں اگر خوشحال ہوں بھی خال خال
باقیں آدھے سے زائد مبتلائے مخمصہ ۔ جن کو جو کچھ وقت پر مل جائے کھینا حلال
دن کو کھالیتے ہیں موٹا جھوٹا آدھے پاؤ پیٹ ۔ رات کو فاقے سے سو رہتے ہیں سب اہل و عیال
یا گھروں سے ہو کے مضطر عورتیں پردہ نشین ۔ بھیک کی خاطر نکل پڑتی ہیں برقع سر پہ ڈال
اس قدر دبلے کہ تن پر نام کو بوٹی نہیں ۔ حلقے آنکھوں میں پڑے، پچکے ہوئے اندر کو گال
ہڈیوں کے ڈھانچ باقی رہ گئے ہیں سوکھ کر ۔ پیٹ دیکھو کھول کر جیسے کوئی خالی پکھال
ہو چکے دورے وہ عبداللہ واحمد بخش کے ۔ اب ہیں ماتا دین، تلسی داس و بابو شام لال

میں اس سے منکر نہیں کہ امروہہ کے سادات وشرفا میں ایسے گھرانے بھی ہیں جن میں علم وفضل بھی ہے اور دولت وتمول بھی، ذی علم، نیک کردار، غیور وباحمیت، سنجیدہ وبااخلاق افراد بھی موجود ہیں لیکن خال خال، مستثنیات سے بحث نہیں، سوال عمومیت کا ہے اقلیت کا تذکرہ نہیں، اکثریت کا ذکر ہے، اور اس لحاظ سے حالت اندوہناک ہے۔ میں یہ دعویٰ بھی نہیں کرتا کہ گذشتہ زمانے کے لوگوں میں کوئی عیب نہ تھا اور ہمارا ہی زمانہ بدیوں سے بھرا ہوا ہے، کوئی وقت اور کوئی زمانہ عیب سے خالی نہیں ہوتا، فرق صرف اتنا ہے کہ اُس زمانہ کے نیک کردار آج کے نیک کرداروں سے اُس زمانہ کے بدکردار آج کے بدکرداروں سے اچھے تھے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اُس زمانہ کے دشمن آج کے دوستوں سے بہتر تھے، قول کے پابند اور بات کے پکے تھے۔

جیسے رہزن اور لٹیرے تھے ہمارے راستباز ۔ رہنماؤں میں نہیں پاتے ہم آج اُن کی نظیر

سادات وشرفائے امروہہ کے اسلاف کرام کے عام حالات زندگی اور ان کے علمی وعملی کارناموں کے مقابلہ میں ان کے موجودہ اخلاف کی پستی اور بدحالی پر جب نظر کی جاتی ہے تو ایک حساس دل غم واندوہ سے بھر جاتا ہے۔ ان ہی سادات، ان ہی شیوخ اور ان ہی شرفائے امروہہ کے بزرگوں کے گذشتہ علم وفضل، ان کے گذشتہ فضل وکمال، ان کے گذشتہ جاہ وجلال، ان کی گذشتہ عظمت وابہت، ان کی گذشتہ شجاعت وشہامت، ان کی گذشتہ شوکت وصولت، ان کی گذشتہ مکنت ورفعت، غرضیکہ ان کے گذشتہ عادات واطوار، اخلاق وشمائل، صفات وخصائل، کے دھندلے نشان بھی اب ڈھونڈھے نہیں ملتے۔ لیکن ان کے حالات زندگی آج بھی چشم تصور کے سامنے ان کی جیتی جاگتی تصویریں پیش کر دیتے ہیں جن کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں نہ حد سے بڑھا ہوا تعصب تھا، نہ مقدار سے زیادہ تشخص، نہ افراط تھی نہ تفریط، نہ بے سبب نفرت تھی نہ بے وجہ عداوت، نہ نسلی تعصبات تھے نہ اسی طرح کے مذہبی اختلافات، نہ خود پسندی تھی نہ خود بینی، نہ کہیں بڑھی ہوئی حاجتمندی تھی نہ کہیں گھٹی ہوئی حوصلہ مندی، نہ جھوٹا فخر تھا نہ بیجا تعلی، نہ نسب پر ناز تھا نہ کمال پر مباہات نہ اعتدال سے زائد فروتنی تھی نہ اندازے سے افزوں سرکشی، وہ مسلمانوں کا یا یوں کہیے کہ انسانوں کا اچھا نمونہ تھے۔ ہندوستان میں اسلامی سلطنت اور مسلمانوں کے سیاسی اقتدار کا خاتمہ کیا ہوا رفتہ رفتہ ان کے تہذیب وتمدن اور اس اسلامی ماحول کا بھی خاتمہ ہو گیا جو "مشرقی تہذیب"

سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ امروہہ کے مسلمانوں بالخصوص سادات و شرفا کے خاندانوں پر، جن کے اسلاف اپنے علمی و عملی کارناموں اور گوناگوں اوصاف کی بدولت شانِ امتیاز رکھتے تھے۔ آج تنزل وادبار کی گھنگھور گھٹا چھائی ہوئی ہے نہیں اگر اپنی اس حالت زار کا صحیح احساس ہو تو اب بھی آیندہ نسلوں کی حالت بہتر بنانے کی صورتیں نکل سکتی ہیں۔ اسی جذبہ سے متاثر ہو کر میں نے یہ داستان غم چھیڑی ہے اور قصداً ان کی برائیوں کا دکھڑا بیان کیا ہے یہ ضرور ہے ''عین الرضا'' (خوشنودی کی آنکھ) ہر فرد بشر کو پسندیدہ ہے اور ''عین السخط'' کی نقادیوں سے سب گھبراتے ہیں۔

وعين الرضا عن كل عيب كليلة	**ولكن عين السخط تبدي المساويا**
خوشنودی کی آنکھ عیب کے دیکھنے سے قاصر ہوتی ہے	وہ تو غصہ ہی کی آنکھ ہے جس کو برائی نظر آتی ہے

کاش میرا یہ نالۂ غم انگیز عزیزوں کو چونکانے کا باعث ہو، میں نہایت دلسوزی سے عرض کرتا ہوں کہ اے سادات و شرفائے امروہہ! کیا تمہارے بزرگوں کی روحیں تمہاری اس حالت زار پر بے چین و بے قرار نہیں ہوں گی؟ جس تہذیب و تمدن پر، جن باکمال بزرگوں پر جن واجب الاحترام اسلاف پر تمہیں ناز ہے جن کے تم نام لیوا ہو، خدارا اٹھو اور ان کے نقوش قدام پر جو انقلاب زمانہ سے مٹتے جاتے ہیں، چلکر اپنی گرتی حالت کو سنبھالو!

تا چند رہو گے مست و سرشار؟	اٹھو! کہ سحر ہوئی نمودار
سوچو تو ذرا! کہ حال کیا ہے؟	کس خواب میں ہو، خیال کیا ہے؟
غفلت میں جو شب بسر ہوئی ہے	لو اب تو اٹھو! سحر ہوئی ہے
کچھ تم کو خبر ہے، یا نہیں ہے؟	کچھ دل پر اثر ہے، یا نہیں ہے؟
اغیار کے طنز کو بھی سن کر	تنتے نہیں کیا جگر پہ نشتر
دیکھو تو ذرا یہ حالتِ زار	کیوں قید بلا میں ہو گرفتار؟
ہو گرد رہ صف پسیں کیوں؟	اس بزم میں خوار ہو تمہیں کیوں؟
کیوں تیر ستم کے ہو نشانہ؟	بگڑا ہے تمہیں سے کیوں زمانہ؟
کس نے تمہیں اوج سے اتارا؟	اقبال نے کیوں کیا کنارا؟
کیوں بار ہو تم دلِ زمیں پر؟	کیوں برق بلا گری تمہیں پر؟
کس پیچ میں رہ گئے ہو پھنسکر؟	کیا ہے کہ اُجڑ گئے ہو بسکر؟
شکوے ہیں جو بے زری کے تمکو	لالے ہیں جو نوکری کے تم کو
حرفت کو جو کر چلے ہو غارت	برباد جو ہو چکی تجارت

ہر علم و ہنر سے بے خبر ہو
صنعت میں جو تم شکستہ پر ہو

مدخل جو نہیں کمال میں کچھ
وسعت جو نہیں خیال میں کچھ

رونا ہے تمہیں اب آج جن کا
خود کردہ ہیں کیا علاج ان کا

غفلت میں جو خوب سو چکے ہو
ہونا جو نہ تھا، وہ ہو چکے ہو

دنیا کے نہ کام کے، نہ دیں کے
افسوس! رہے نہ تم کہیں کے

نکبت کی گھٹا ہے سر پہ چھائی
افلاس کی ہر طرف دہائی

اب عیش نصیب ہے، نہ آرام
گھر گھر میں مچا ہوا ہے کہرام

برباد پڑے ہیں کارخانے
نکبت نے مٹا دیے گھرانے

رونق کا اثر، نہ عیش کی بو
اک خاک سی اڑ رہی ہے ہر سو

اُمید کے دن کی ہو چکی شام
خورشید اب آگیا لبِ بام

اب وقت اخیر ہے خبر لو
جو کچھ کرنا ہے اب بھی کرلو

دعوے ہیں تو کچھ ہنر دکھاؤ
ہمت کے قدم ذرا بڑھاؤ

انداز عرب اگر ہے خو میں
باقی ہے وہ جوش اگر لہو میں

کردو جو گذشتہ کی تلافی
ثابت ہو زمانے پر کہ اب بھی

گو دورِ فلک ہوا دگرگوں
پھر بھی تو رگوں میں ہے وہی خوں

اسلاف کے وہ اثر، ہیں اب بھی
اس راکھ میں کچھ شرر ہیں اب بھی

اس حال میں بھی روش وہی ہے
دن ڈھل بھی گیا تپش وہی ہے

اس جام میں ہے شراب باقی
اب تک ہے گہر میں آب باقی

گو خوار ہیں، طرز و خو وہی ہے
مرجھا گئے پھول، بو وہی ہے

اسلامی اوقاف

اسلامی شریعت میں وقف جس خیر و برکت کا اصول ہے وہ محتاج تشریح نہیں انتزاع سلطنت اسلامی کے بعد سے اسلامی اوقاف کی نگرانی کا عرصہ دراز تک منجانب حکومت کوئی انتظام نہ ہو سکا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان کے طول و عرض میں ہزاروں اوقاف متولیوں کی بد انتظامی یا بدنیتی کی بدولت نیست و نابود ہو گئے۔ امروہہ کے متعدد اوقاف کا بھی یہی حال ہوا۔ ان کی تباہی کا تذکرہ اوہناک ہے۔ دیرینہ کاغذات سے جن وقف کا پتہ چلتا ہے۔ ان میں سے بعض کا آج وجود بھی باقی نہیں۔ مشائخ کی درگاہوں، خانقاہوں، مساجد و مدارس کے متعدد اوقاف میں سے جو اسلامی عہد میں قائم ہوئے آج صرف دو تین وقف باقی ہیں۔ انکی انتظامی حالت بھی درست نہیں لیکن بہت سے متوسط درجہ کے اوقاف متولیوں یا ان کے جانشینوں کے تغلب و تصرف کا شکار ہوئے۔ جو اوقاف دست برد زمانہ سے باقی بچے ہیں ان کی تنظیم کا کام کسی صحیح اصول کے ماتحت کیا جائے تو واقفین کے منشاء کے مطابق مسلمانوں کے بہت سے قومی کاموں کی فلاح و بہتری کا ذریعہ پیدا ہو سکتا ہے۔ امروہہ میں سُنّی و شیعہ اوقاف کی مجموعی تعداد ۶۲ ہے جن کی سالانہ آمدنی جو محض مصارف خیر سے متعلق ہے تقریباً ساٹھ ہزار روپیہ ہے۔ ذیل میں سُنّی و شیعہ اوقاف کی فہرستیں درج کی جاتی ہیں۔ مجھے اس کا دعویٰ نہیں کہ یہ فہرستیں مکمل ہیں، بہت ممکن ہے کہ بعض اوقاف کا اندراج عدم معلومات کی بنا پر نہ ہو سکا ہو ناظرین سے التماس ہے کہ وہ اپنی معلومات سے خاکسار مؤلف کو مستفید فرمائیں۔

سنیوں کے اوقاف:

مندرجہ ذیل فہرست کے مطابق ان کی تعداد ۳۶ ہے اور سالانہ آمدنی جو محض مصارف خیر سے متعلق ہے تقریباً ۴۷۰۰۰ ہے۔ ان میں چھ اوقاف ایسے شامل ہیں جن کا ثبوت تو مستند دیرینہ کاغذات میں ملتا ہے لیکن ان کا وجود اب باقی نہیں۔ ان میں سے بعض پر کچھ اشخاص مالکانہ حیثیت سے قابض ہو گئے۔ ابتدائی بندوبستوں کے کاغذات میں ان کا اندراج وقف کی حیثیت سے کیا گیا تھا لیکن بعد میں جن لوگوں کے نام کسی غلطی کی بنا پر مالکانہ حیثیت سے درج ہو گئے انہوں نے یا ان کے ورثا نے یا تو انہیں خورد برد کر کے ختم کر دیا یا اب تک لوگ مالکانہ حیثیت سے قابض ہیں۔ یہ کام وقف کمیٹی کا ہے کہ وہ ان اوقاف کو ناجائز قبضہ سے نکالے تاکہ واقف کے منشاء اور اغراض وقف کے مطابق ان کی آمدنی صرف ہو۔

اس سلسلہ میں وقف کمیٹی کو ۱۵۰/ اراضی متعلقہ روضہ حضرت شاہ ابن عام ۲۵۰/ اراضی درگاہ حضرت شاہ عبدالمجید علویؒ، ۱۲۸ اراضی متعلقہ عرس حضرت شاہ ولایتؒ اس طرح بعض مساجد کی متعلقہ اراضیات مثلاً ضکہ اراضی مسجد عباسیاں کی جانب خاص طور سے متوجہ ہونا چاہیئے۔

اس موقع پر ایک اور وقف کا تذکرہ شاید بے محل نہ ہوگا۔ حضرت شاہ عبدالہادیؒ صدیقی قدس سرہ کے فرزند شیخ ظہور اللہ عرف شیخ کنذ ہونے کیم ربیع الاول ۱۱۹۳ھ کو بعض اراضیات جن کی مجموعی تعداد دیرینہ کاغذات سے ماصہ (۱۰۵) بیگہ خام معلوم ہوتی ہے اپنے پدر

بزرگوار حضرت شاہ عبدالہادیؒ کے "مصارف عرس واذوقہ آیند وروند مجمع فقرا" کے لیے نیز ایک دوسری دستاویز مرقومہ ۱۹ محرم الحرام ۱۱۹۱ھ کے ذریعہ ایک قطعہ باغ برائے "مصارف محرومہ مقبرہ ومصارف صادر وواردوزائرین" وقف کی تھی۔ وقف نامہ کی نقل ذیل میں درج کرتا ہوں۔

نقل وقف نامہ شیخ ظہور اللہ صدیقی

غرض این نوشته آنکه اقرار می نماید واعتراف میکند شیخ ظهورؔ الله عرف شیخ کلؔو سکنه قصبه امروہہ من اعمال سرکار سنبھلؔ بریں وجه که منمقر زمین مزروعه معلومة الحدود مملوکه خود بیروں احاطه خندق پیراموں روضه مقدس والد خود [1] که بحیّز رابطه فرزندی واسطه رسوخ عبودیت و غلامی دارو محض بنا بر مصارف اخراجات روشنی وغیره لوازم عرس و آذوقه آیند دروند مجمع فقراء که ہر سال بطور عرس فراہم می آیند خیر بده درحین حیات خود مقرّر داشته است من بعد منمقر ابنائی منمقر چه از اناث وچه از ذکور که ہریکه مسمی شیخ عبدالباریؒ ، شیخ دوست محمدؒ ومحمد عظیم و نجیبؒ الله وحفیظؒ الله و حمد اللہؒ اند محصول زرعی سوائے اشمار و قواکه اشجار زمین مذکوررا مخصوص برائے ہمیں وجوه دانسته دست تصرف خود ہارا بر ماحصل آراضی مذکوره دراز نسازند و بجزایں وجوه مذکوره ما سبق که آرزوئے کلی منمقر آن است بوجہے ازما یحتاج خود بانگذار ندواگر مصارف بر مداخل فوق باشداز نزد خود ہا ہریکے درافزایند و اگرنتوانند بر آں اکتفا نمایند و دربیع وقسمت آراضی مذکوره باہم قصد نکنند الاہمحا فظت و اہتمام وہر کسے از اشخاص اسماء مذکوره بالا باوارثان اینہا نظر بر ثواب متابعتِ حکم والد خود نما یه بموجب کلام الٰہی " وقضیٰ ربّكَ آن لا تعبدو والا ایّاهُ و باالولدَینِ احسَاناً " که درد نیا موجب دولت است در عقبی سبب نجات و سعادت مشوّب و برخلاف آں بعذاب دنیا که فلاکت است و عقاب عقبی که نارضا مندی خالق است معذّب گرددنعوذبالله منها و من سوء انفاس الطامع بنابراں ایں چند کلمه بر سبیل ہدایت ایشان براه رشاد بقلم آید او سبحانه توفیق متابعت و تخویف معاقبت بخشاد بفظله وکرمه بتاریخ غره ربیع الاوّل ۱۱۹۲ھ مرقوم گردد

[1] یعنی روضہ حضرت شاہ عبدالہادیؒ

العبد   العبد   العبد   العبد

شیخ ظہور اللہ مذکور   شیخ عبدالباری مذکور   شیخ محمد عظیم مذکور   شیخ نجیب اللہ مذکور

العبد   العبد   العبد[1]

شیخ دوست محمد مذکور   شیخ حفیظ اللہ مذکور   علامت دستخط حمد اللہ مذکور

وقف نامہ کی عبارت سے آپ نے اندازہ کیا ہوگا کہ واقف نے اپنے اخلاف کو کن الفاظ میں تاکید کی تھی کہ اراضیات موقوفہ پر ''دست تصرف دراز نہ کریں'' اسی غرض سے انہوں نے اپنے سب بیٹوں کے دستخط بھی وقف نامہ پر ثبت کرائے تھے وقف نامہ کی عبارت کے آخری فقرے واقف کی دلی کیفیت کا اظہار صاف طور سے کر رہے ہیں کہ ''من سوء انفس الطامع'' سے محفوظ رکھنے کا انہیں کس درجہ خیال تھا لیکن افسوس کہ سوائے درگاہ کی زمین کے دیگر اراضیات زرعی کی جو موقوفہ تھیں یہ حیثیت اب باقی نہیں غالباً ۱۸۶۲ء سے ان پر بعض اہل خاندان، مالکانہ تصرف رکھتے ہیں ان حضرات کو اس وقف کا اگر علم نہیں اور کسی غلطی کی بنا پر ان کے ناموں کا اندراج مالکانہ حیثیت سے سرکاری کاغذات میں ہوگیا ہے تو کیا وہ اس علم کے بعد اپنے واجب الاحترام مورث کے منشاء وقف کو پورا کرنے کا اہتمام کرینگے؟

اس کے علاوہ ایک اور وقف جوامروہہ کا سب سے بڑا وقف ہے، سید بنیاد علی خاں (گھڑیال والوں) کے خاندان کا ہے اس کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ سید علی اعظم خاں گھڑیال والے کے دو فرزند تھے، ایک سید بنیاد علی خاں اور دوسرے سید امن علی خاں، ان دونوں بھائیوں کی املاک ورجاگیریں تقریباً مساوی تھیں۔ سید بنیاد علی خاں کے کوئی اولاد نہ تھی سید امن علی خاں کے دو فرزند سید علی احسن خاں اور سید علی مظفر خاں ہوئے۔ اوّل الذکر سے بھی نسل نہیں چلی سید علی مظفر خاں کی نسل میں موجودہ خاندان ہے۔ سید بنیاد علی خاں مذکور اصل واقف طبعاً صوفی منش علم دوست اور علوم دینیات سے خود بھی بہرہ وافر رکھتے تھے، بعض مسائل شرعیہ کے متعلق علمائے اہل سنّت و الجماعت کے فتاوی پر، جو خاکسار مؤلف کے پاس موجود ہیں ان کی مہریں ثبت ہیں۔ ۱۲۶۱ھ میں انہوں نے اپنی کل جائداد صحرائی وسکنائی کو ان اغراض کیلئے وقف کیا جن کی تصریح تولیت نامہ میں کی گئی ہے اور اپنے برادر زادگان سید علی احسن خان اور سید علی مظفر خاں کو نسلاً بعد نسل و بطناً و بطن متولی اور منتظم بنایا۔ ذیل میں تولیت نامہ کی نقل جس سے وقف کی نوعیت اور اغراض کا صحیح اندازہ ہوسکتا ہے درج کرتا ہوں۔

نقل وقف نامہ سیّد محمد بنیاد علی خاں گھڑیال والے

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

وافوض امری الی اللہ ان اللہ بصیر بالعباد و حسبی اللہ نعم الوکیل نعم المولی و نعم النصیر انت ولی فی الدنیا والاخرۃ الٰہی انت حی القیوم ابداً وموبداً

اقرار معتبر شرعی صحیح کرد مخبر باسم ونسب خود سیّد محمد بنیاد علی خاں بن سیّد محمد علی اعظم خاں بن سیّد محمد علی مرتضی خاں ازوارثان نواب سیّد عبدالہادی خاں [2] بہادر مرحوم و مغفور ساکن قصبہ

---

[1] ان کے علاوہ دیگر متعدد اشخاص کے دستخط بطور شاہد ثبت ہیں۔ [2] حامدین و مصنفان کے نام کے ساتھ "نواب" لکھتے ہیں لیکن دیرینہ کاغذات سے اس خطاب کا کوئی ثبوت نہیں ملا۔

امروہۃ تابع سرکار سنبھل مصناف صوبہ دار الخلافہ شاہجہاں آباد فی حال تصیح اقرارہ شرعاً بدیں وجہ کہ چوں منمقر ہمگیں و تمامی دیہات معافی و زمینداری و اراضیات و املاك واقع پرگنہ امروہۃ و سہنس پور سیوپارۃ وغیرہ متعلقہ ضلع مراد آباد و بجنور حویلیات و اراضیات سکنائی و حصص سرایات و بازار واقع آبادی قصبہ امروہۃ مذکور و قطعات اراضیات مزروعہ وباغات سر درختی واقع سواد قصبہ مذکورو زمینداری قصبہ خاص و دیہات خالصہ معلوم الحدود مفصلہ ذیل و جملہ اثاث البیت از قسم ظروف و فروش و اسلحہ و کتب وغیرہ مندرجہ فرد علیحدہ مملوکات و مقبوضات خودرا وقف فی سبیل اللہ و ثواب آں بنام جملہ دوستاں خدائے تعالیٰ نمودہ بطور تولیت و منتظمی بر آں قبض و دخل خودازواج و حرمہا اولاد خود کہ پیدا شودداشتہ حاصلات آنرا در مصارف دین دنیوی یعنی ریاست بلوازمات داریں می آرم فی الحال من مقردر حالت صحت ذات و ثبات عقل وہوش و خواس خود طالعاً و راغباً بلا اکراہ و اجبار سید محمد علی احسن خاں و سید علی مظفر خاں برادر زادگان خودراکہ بہر کیف استحقاق دارند متولی و منتظم آں نسلاً بعد نسلٍ وبطناً بعد بطنٍ دائماً ابداً غیر منقطع ولامنفصل علی سبیل الاستمرار والاستقلال گرداہندم واگرچہ بالفعل تولیت وانتظام کل اشیاء موقوفہ بدست خودوازواج خود مقرر داشتہ بودم لیکن حسب صلاح و تفویض من مقروازواج من مقر متولیان مذکوران جملہ کاروانتظام ریاست و اخراجات اشیاء موقوفہ و سبیل ایصال زر باقیات محال وغیرہ بطریق نیابت و قائم مقامی بلا دعوی حق کہ از طرف من مقرو ازواج وحرمہائے من مقر باشد بموجب اقرار نامہ مرقومہ و مقبولہ خودہا محررہ بست و دویم شہر ذیقعد ۱۲٦۱ھ مدام می نمودہ باشند وباید کہ خرچ ذات من مقر مع ازواج وحرمہا کہ حال موجوداند و آیندہ راخواہند بوداز آمدنی بسوات موضع گمانی وبامختار پور نواردہ می نمودہ باشند وازمابقی جالداد و خرچ سادات علماء و فقراء وحکماء و اقرباء اعزا باعزاز واکرام و صرف مساکین و محتاجین و مسافرین متعلقین ملازمین و متوسلین قدیم و جدید و شرفاء مہاجرین و انصار وغیرہ و مصارف ریاست و دربار داری و تیاری اسباب بلوازمات دراین و اخراجات آیند وروند واخراجات عدالتہا از اضلاع تابصد ور نسبت اشیاء موقوفہ و خرچ دربار

سلاطین و امرا خرچ لنگر فی سبیل اللّٰہ و دیگر اخراجات ضروری بقدر آمدنی محال موقوفہ می نمودہ باشند وحساب و کتاب بر مقدمہ متعلقہ اشیاء موقوفہ مذکورہ بمکان من مقر نمایند وزر رہن بعض اشیاء موقوفہ از جائداد مرہونہ ادا نمودہ جائداد مرہونہ رانیز انفکاک نمایند وز ر قرضہ وغیرہ ذمہ ہر کسے کہ گرفتنی اینجانب از روئے واجبیت و حقیت ثابت و محقق شودسہل ترین نمط وصول سا زندو بہر کسے را کہ جائداد نوکری معین است و تاحیات خواہم کرد آنرا بحال داشتہ راضی دارند ورنہ صاحب جائداد بشرط خیر خواہی و حاضر باشی از آمدنی جائداد مذکورہ تاحیات خود بہ تصرف خود خواہد آورد و حق نہابت خود ہا بموجب آمدنی اشیاء موقوفہ بعد خرچ مناسب بلوازمات داریہن درہر فصل وسال بشرط ادائے اقرار ہائے مرقومہ خود ہا باجازت من مقرمی گرفتہ باشند ودرہر فصل و سال رسید وراضی نامہ دادہ باشند و جملہ کار اشیاء موقوفہ از ملازمین من مقرکہ از سادات و شرفاء اہل سنت و جماعت و دوستان این خاندان ان بہروجہ وبمہ جاگر فتہ باشند و مفسدان و بدکاران دخل ندہند واعمال حسنہ بظاہر وباطن واسلام واعتقاد درست و اطاعت و بندگی خدائے تعالیٰ بموجب آیہ کریمہ اطیعواللہ واطیعوالرسول واولی الامر منکم بہروجہ و بمہ جاعلی الدوام می کردہ باشند ومن مقردازواج من مقر و حرمہارا راضی دارند و آیندہ رابجمیع الوجوہ بر تمامی اشیاء موقوفہ مذکورہ قائم مقامی بجائے من مقر قابض ودخیل بودہ مدام حاصلات آنرا بالاستقلال بمصارف مذکورہ می آوردہ باشند ثانی الحال اگر احدے بہچگونہ دعوے و استحقاقے حیلتہً خواہ صریحتہً نسبت کل اشیاء موقوفہ مذکورہ از متولیان مذکوران ومن یقوم مقامہا نزاعے و خصومتے و مواخذہ و مطالبہ بمیان آرد علی الدوام عنداللہ وعندالناس وعند شرع شریف و عدالت عالیہ و پنچایت کاذب و دروغی باشد غرضکہ متولیان مذکوران قائم مقام من مقروازواج من مقر قابض و منتظم اشیاء موقوفہ مذکورہ مدام بر امور خواہند ماند و دیگر کدام کس رابوجہ من الوجوہ و سببے من الاسباب واسطہ و سروکارے نیست و نخواہد بود۔ فقط

بنابراں ایں چند کلمہ بطریق تولیت نامہ نوشتہ دادہ شد کہ ثانی الحال سند شود و عند الحاجت بکار آید

دیہات معافی پرگنہ امروہہ وغیرہ

۱
الہ داد پور کلاں
۲ بسوہ ۱۶ بسوانسی

۲
شاہ محمد پور نواد مع زمینداری
۵ بسوہ

۳
علی نگر پٹی بجھولہ پرگنہ امروہہ حال متعلق پرگنہ لوڑ پور تحصیل چاند پور
۱۰ بسوہ

۴
حسین پور مع زمینداری
۲۰ بسوہ

۵
باری پور معہ ملک
معافی ۵ بسوہ ۳ بسوانی
زمینداری ۲۰ بسوہ

۶
مختار پور معہ زمینداری
۱۰ بسوہ

۷
نو دہ معہ زمینداری
۱۰ بسوہ

۸
مجبوبہ معہ پٹی علی نگر
۹۰ بسوہ

۹
سرسہ کوجر معہ حق زمینداری
۱۷ بسوہ ۱۲ بسوانسی

۱۰
سرسہ مجبیار معہ زمینداری
۲۰ بسوہ

۱۱
مجبول
۸ بسوہ

۱۲
پٹی علی نگر مذکورہ بالا
۱۰ بسوہ

۱۳
کسائی معافی
۱۰ بسوہ

۱۴
رائے پور کلاں معافی معہ زمینداری
۱۶ بسوہ ۴ بسوانسی

۱۵
بجہیلہ
۳ بسوہ

۱۶
نگلی سعد اللہ
معافی ۱۰ بسوہ
زمینداری ۵ بسوہ

۱۷
پٹی علیحدہ موضع اتری موسومہ امان نگر معافی و زمینداری
۵ بسوہ

۱۸
آکسی معافی معہ سورت
۱۶ بسوہ

۱۹
بلنالہ
۴ بسوہ ۱۳ بسوانسی

۲۰
نبھانبہ مع حق زمینداری
۱۷ بسوہ

۲۱
بادشاہ پور معافی
۱۹ بسوہ ۱۳ بسوانسی

۲۲
سعد اللہ پور معہ حصہ زمینداری
۱۰ بسوہ

۲۳
رائے پور معہ حصہ زمینداری
۶ بسوہ ۶ بسوانسی

۲۴
صالح پور عرف مولہ پرگنہ سیوہارہ معافی
۱۰ بسوہ

دیہات واملاک

زمینداری موضع کندو پال
حصہ

زمینداری موضع کورلہ معہ ملک

زمینداری موضع حاکم پور
حصہ

زمینداری جلال آباد
حصہ

زمینداری موضع زبل پور
حصہ

زمینداری قصبہ امروہہ خاص
۵ بسوہ

زمینداری موضع زاہد پور
حصہ

زمینداری موضع حال پور
حصہ

زمینداری موضع جوگی پور
حصہ

زمینداری موضع رسول پور
حصہ

ملک قاضی سرائے
حصہ

حویلیات ومکانات واقع آبادی قصبہ امروہہ خاص

دیوانخانہ وغلسرائے مسکونہ من مقر موسومہ
نصف

حویلی قدیم واقعہ محلہ کذری معہ دیوانخانہ
نصف

حصہ حویلی متروکہ سید میر علی مرحوم خریدہ شدہ مقر واقع محلہ کذری

اراضی مکان متصل درود زدہ دیوانخانہ میر کلو
نصف

سرائے واقع بازار زرخرید از وارثان سید غلام علی
نصف

حصہ بازار کذری

اراضی واقع محلہ نوبت خانہ قدیم زرخرید
از سید حسین علی

حصہ اراضی دربار سید عبدالباقی زرخرید سید بہادر علی از بارولہ

متصل حویلی سید بہادر علی خریدار از وارثان سید عبدالباقی

حصہ کارواں سرائے اراضی کنزہ و سید غلام علی والہ زرخرید

اراضی راجو سرائے

اراضی متصل حویلی سید مراد علی متولی

اراضی سرائے باسدیو معہ چاہ پختہ

اراضی کوٹلہ (کوٹ)

اراضی پشت غلسرائے متصل خانہ سکونت کاذران

حصہ بازار و سرائے ودکاکین از متروکہ سید منیر علی مذکور رسیدہ

اراضی واقع محلہ چکلی رزکہ سید منیر علی مذکور رسیدہ

باغات قصبہ مذکور حصہ نصف منمقر

تکی والہ — لال باغ — رانی والہ — باغ دوطرفہ — تخت والہ — درخت والہ — خیل باغ — بانس والہ — باغ تودہ شاملات

اراضیات واقع سواد قصبہ

حکم سرائے — قطعات حاکم والہ — خاتونی والہ — سرائے شاہ محمدی معہ دیوار پختہ حاطہ — باغ متصلہ ولہ اراضی بیرون احاطہ مذکور — حصہ توتہ — نصف پاکس والہ

تحریر بتاریخ ۲۲ شہر ذیقعدہ ۱۲۹

مندرجہ بالا فہرست جائداد موقوفہ سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ اگر یہ سب جائداد صحیح سالم رہتی، کوئی حصہ اس کا ضائع نہ ہوتا اور خوش انتظامی کے ساتھ متولی اس کا اہتمام کرتے تو موجودہ زمانہ میں اس کی آمدنی پچیس ہزار سالانہ سے کم نہ ہوتی لیکن افسوس ہے کہ موقوفہ اشیاء میں سے ''اثاث البیت از قسم ظروف وفروش واسلحہ وکتب وغیرہ، تو تقریباً کل اور جائداد وصحرائی وسکنائی میں سے بھی معقول حصہ متولیوں کی غفلت اور بدانتظامی کی بدولت ضائع ہوگیا تاہم اب بھی تقریباً تیس ہزار روپیہ سالانہ آمدنی اس وقف کی ہے۔

۱۸۵۱ء تک اس وقف کے متولی ومنتظم اس وقف کو مصارف خیر کے لیے سمجھتے تھے جیسا کہ مندرجہ ذیل فقرہ سے ظاہر ہے جو سید محمد علی مظفر خاں وغیرہ مدعا علیہم کے جواب دعوی بمقدمہ مسماۃ عجائب النساء مدعیہ میں تحریر ہے۔

''یہ کہ محمد بنیاد علی خاں نے بحیات اپنی جملہ جائداد کو وقف فی سبیل اللہ کرکے مدعا علیہم کو بہ نظر جاری رکھنے مصارف خیر کے متولی قرار دیا۔ اور بست و دویم ذیقعدہ ۱۲۱۶ھ کو وثیقہ تولیت نامہ بمواہیر مردم برادری وروساء شہر کے لکھدیا ہے کہ مدعا علیہم بذریعہ تولیت نامہ کے قابض ہیں نہ بوجہ وراثت کے'' [1]

اب کچھ مدت سے اس کو وقف علی الاولاد کہا جاتا ہے لیکن مندرجہ بالا تولیت نامہ کی عبارت سے اس خیال کی تائید ہرگز نہیں ہوتی۔

سید بنیاد علی خاں اصل واقف کے حالات زندگی، رجحان طبیعت، علمی ذوق، نیز اس زمانہ میں جب یہ وقف کیا گیا تھا، واقف کے برادرزادگان کی مالی حالت کو بھی پیش نظر رکھا جائے، جنہیں متولی اور منتظم بنایا گیا تھا اور جو تقریباً اسی قدر جائداد کے، مالک وقابض تھے جو وقف کی گئی تھی تو سوائے اس کے کوئی دوسرا نتیجہ نکالنا قرین انصاف نہیں کہ واقف کا اپنی جملہ جائداد کے وقف کرنے سے یہ مقصد و منشاء ہرگز نہ تھا اور نہ ان حالات میں ہوسکتا تھا کہ آیندہ زمانہ میں متولیوں کے ورثاء، اپنے کو اس وقف پر مالکانہ حیثیت سے قابض ومتصرف سمجھنے لگیں اور وقف کی آمدنی کلیتاً یا اس کا جزو کثیر ان کے ذاتی اخراجات اور معاش میں صرف ہو اور جو مصارف خیر یعنی ''خرچ سادات و علماء وفقراء وحکماء واقربا باعزاز واکرام'' یا ''صرف مساکین ومحتاجین مسافرین'' یا ''تیاری اسباب بلوازمات دارین'' یا ''خرچ لنگر فی سبیل اللہ'' وغیرہ تصریحاً تولیت نامہ میں مندرج ہیں اُن پر مطلق خرچ نہ ہو اور، اگر ہو بھی تو برائے نام!

خاکسار مولف کو موجودہ افراد خاندان میں سے اکثر کی خدمت میں نیازمندی کا تعلق حاصل ہے ان حضرات نے دوران گفتگو میں بار بار ہائیکورٹ کی تجویز کا حوالہ دیا ہے مجھے اس معاملہ میں دنیاوی حکومت کے قانون یا کسی عدالت کے فیصلہ کی صحت وعدم صحت پر رائے زنی کرنا ہرگز مقصود نہیں تاریخی حالات کے تجسس وتلاش میں اس وقف کے حالات بھی معلوم کرنے کا موقع ملا، تولیت نامہ کی نقل بھی بدقت تمام حاصل کی گئی، دیگر تحریرات بھی نظر سے گذریں جن کے مطالعہ نیز واقف کی خصوصیات اور عام خاندانی حالات کو پیش نظر رکھکر یہ نتیجہ اخذ کرتا ہوں کہ یہ وقف بھی عام اوقاف کی طرح وقف فی سبیل اللہ اور مصارف خیر سے متعلق ہے اس کو وقف علی الاولاد سے تعبیر کرنا ہرگز صحیح نہیں، تولیت نامہ کی رو سے سید علی مظفر خاں کے اخلاف اس کے نسلاً بعد نسلٍ متولی ومنتظم ضرور ہیں۔ متولیوں کو ان تمام مدات میں جن کی تصریح تولیت نامہ مذکورہ میں کی گئی ہے۔ نیز ان شرائط اور پابندیوں کے ساتھ وقف کی آمدنی کو خرچ کرنا لازم ہے جو اقرار نامہ'' منقول ومقبول'' سید علی احسن خاں وسید علی مظفر خاں میں درج ہیں جس کا تذکرہ تولیت نامہ میں متعدد جگہ کیا گیا ہے۔ افسوس کہ اس اقرار

---

[1] فیصلہ صدر دیوانی عدالت آگرہ نمبر ۴۹ ۱۸۵۱ء بمقدمہ محمد علی مظفر خاں وغیرہ مدعا علیہم اپیلانٹ بنام مسماۃ عجائب النساء مدعیہ رسپانڈنٹ منفصلہ ۲۱ جولائی ۱۸۵۱ء

نامہ کی نقل جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ کسی زمانہ میں تلف ہوگیا۔ خاکسار مؤلف کو حاصل نہیں ہوئی۔ اس اقرار نامہ کی اصل یا نقل اگر دستیاب ہو جائے تو اب بھی وقف کی نوعیت اور اصل حالت پر کافی روشنی پڑ سکتی ہے اور یہ بھی معلوم ہو سکتا ہے کہ واقف نے متولیوں کو کن شرائط کا پابند کیا تھا، ان کے ''حق نیابت'' کے لیے یا رقم مقرر تھی نیز دیگر مدات میں وقف کی آمدنی کا کتنا حصہ متعین کیا گیا تھا۔ بعض اشخاص تولیت نامہ مذکورہ کے آخری فقرہ کا یہ مطلب اخذ کرتے ہیں کہ متولی ومنتظم پر وقف کے باضابطہ حساب رکھنے کی کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔ وہ ہر طرح مجاز ومختار ہیں کہ وقف کی آمدنی جس طرح چاہیں خرچ کریں۔ لیکن خود تولیت نامہ کی عبارت سے اس خیال کی تائید نہیں ہوتی۔ یہ فقرہ حقیقتاً ان اشخاص کے دعوے سے متعلق ہے جو اشیاء موقوفہ پر بطور حق وراثت کسی وقت میں کوئی مطالبہ پیش کریں یا متولی ومنتظم سے حساب فہمی چاہیں یا اس بارے میں کوئی مواخذہ کریں، لیکن متولی ومنتظم ہرگز اس کے مجاز نہیں اور نہ ہو سکتے ہیں کہ واقف کے منشا کے خلاف اشیاء موقوفہ کو آپس میں تقسیم کرلیں اور مالکانہ حیثیت سے اس پر قابض ومتصرف ہوں۔ وقف ہونے کے بعد جائداد موقوفہ پر حسب شریعت اسلامی کسی خاندان کے یا کسی انسان کے تمام حقوق مالکانہ ختم ہو جاتے ہیں اور مالکانہ حق تو صرف خالق اکبر ہی کو حاصل رہتا ہے۔ اس لئے دنیاوی ہائیکورٹوں کے فیصلوں اور تجویزوں کے مقابلہ میں صرف اسی ہائیکوٹ کی نظیر قابل تسلیم وتعمیل ہونی چاہیے جو حقیقی معنی میں ہائی کورٹ ہے اور وہ یہ کہ واقف نے جن اغراض کے لئے یہ وقف کیا تھا جن کی تصریح تولیت نامہ میں کی گئی ہے، متولی ومنتظم نے اقرار نامہ مذکورہ میں جن شرائط اور پابندیوں کا اپنے کو پابند کیا تھا ان ہی اغراض اور ان ہی شرائط کے مطابق وقف کی آمدنی صرف کی جائے، جائداد موقوفہ کی بہتری وافزائش کی پوری کوشش ہو، حساب باقاعدہ رکھا جائے اور متولی ومنتظم اپنی حیثیت متولیانہ ومنتظمانہ سمجھیں نہ کہ مالکانہ!

مندرجہ بالا اوقاف کے علاوہ چند اوقاف البتہ وقف علی الاولاد ہیں ان میں جو مدات مصارف خیر سے متعلق ہیں ان کی تصریح فہرست میں کردی گئی ہے۔

سنیوں کے اوقاف

نمبر شمار	نام واقف	کب وقف کیا	تفصیل جائداد موقوفہ	سالانہ آمدنی	نام متولی	اغراض وقف
۱	سلطنت مغلیہ	عہد اکبری	اراضی مالکہ ۱۵۰ پختہ متصل روضہ حضرت شاہ ابنؒ	تخمیناً ۶۰۰ روپے	اولاد امجاد حضرت شاہ ابنؒ	برائے مصارف عرس و خانقاہ حضرت شاہ ابن بدر چشتیؒ
۲	〃	〃	اراضی ۸ میوہ ۲۰ عکمہ پختہ موضع پیرک سرائے	۱۰۰ روپے	اولاد شیخ عمر حسین بن شیخ پیرکؒ	خدمت مسجد معمرہ شیخ عمر حسین (واقع محلہ گنگوئی)

۳	״	عہد شاہجہانی	ما ۲۵۰ سکہ پختہ یعنی ۱۰۰ ما بیگہ موضع سیملاو میراں پور ۱۵۰ ما سکہ موضع مدہواو موضع مدہوئی	الـ ۱۰۰۰/	اولاد شیخ فیض اللہ برادر وجانشین حضرت شاہ عبدالمجید علویؒ	برائے اخراجات خانقاہ وعرس شاہ عبدالمجید علویؒ وآیندوروندو فقرا
۴	״	عہد عالمگیری	اراضی ۵۰ سکہ پختہ سوادقصبہ امروہہ	عام/۲۰۰	اولاد مولانا عبدالرشید عباسی	خدمت مسجد معمرہ مولانا محمد عباسی (واقع محلہ مولانا)
۵	سید ابدال محمد سید محمد شاکر پسران سید محمد منوروسید سیف علی وغیرہ پسران سید رحمت اللہ	۱۱۵۰ء	سترہ ہزار دام موضع پاپڑی پرگنہ رجب پور	۳۲۵ للعرص/	سید مظہر علی پیرزادہ از فرزندان سید جمال	برائے خرچ خانقاہ حضرت شاہ عبدالمجید علویؒ
۶	سید ابدال محمد		۸۶۷ بیگہ زمین موضع جلال پورو کینج ومحمود پورونصیر نگہ ودیرہ وجیدہ و ۲۲۵ بیگہ خام موضع جلال پور مذکور	۲۰۰۰ ع ״	کچھ عرصہ سے شیعہ حضرات قابض ہیں اور سید نفیس الحسن متنوی ہیں	دروجہ کفاف موذن و امام وجاروب کش و سکان مسجد و مسافرین وآب وآیندوروند
۷	مولوی سید منور علی وغیرہ پسران سید شجاعت علی		زمینداری موضع مجاہد پور پرگنہ امروہہ	۲۵۰ عام /	اہل خاندان	مصارف خیروخدمت مسجد محلہ گذری قدیم

۸	سید امان اللہ نبیرہ سید غلام مرتضی بن دیوان سید محمود	تقریباً ۱۱۷۵ھ	اراضی موضع گوہادر جیت پرگنہ بوڑ پور تحصیل دہام پور	۲۰۰ عام ر	سید قدیر اللہ الحسینی	اخراجات مسجد سرائے سید امان اللہ مذکور (یعنی سرائے کہنہ)
۹	سید اسد اللہ خاں عرف میر کلو	۷ر شعبان ۱۱۸۳ء	موضع جبرت	۶۰۰۰	سید سبط رسول	درجہ کفاف موذن و امام و مدرس وطلباء وحفاظ و تدریس علوم دینی اوشغال حدیث
۱۰	شیخ ظہور اللہ صدیقی بن حضرت شاہ عبدالہادی	۱۹ر محرم ۱۱۷۵ھ و یکم ربیع الاول ۱۱۹۲ھ	اراضیات مزروعہ وہ باغ متصل روضہ حضرت شاہ عبدالہادیؒ ماصہ ۱۰۵ بیگہ خام	۲۰۰ عام	اولاد شیخ ظہور اللہ مذکور	مصارف عرس و خوادم مقبرہ حضرت شاہ عبدالہادی و آذوقہ صادر وارد زائرین
۱۱	حکومت نواب وزیر الممالک اودھ	۱۵ر جمادی الثانی ۱۲۱۵ء	ص ۳۵ سکہ پختہ ازسواد موضع داؤد سرائے علاقہ چبوترہ خالصہ شریفہ	تخمیناً ۵۰ ص ر	خدام درگاہ شاہ ولایت	۲۸ ع برائے مصارف عرس درگاہ حضرت شاہ ولایتؒ برائے عبدالقادر خادم درگاہ
۱۲	شاہ دوست محمد صدیقی	۱۲۲۰ھ	۱۸ بسوہ ، ۱۸۴ سکہ پختہ اراضی موضع براہی پرگنہ سنبھل	۶۰۰ سہ ر	شاہ سلیمان احمد صدیقی	برائے عرس عبدالہادی وشاہ دوست محمدؒ وخوراک ایندو روندو داخلین سلسلہ ومصارف خانقاہ ومسجد
۱۳	سید محمد بنیاد علیخاں	۲۲ ذلقعیدہ ۱۲۶۱ھ	۲۱ مواضعات مسلم و غیر مسلم (مختلف پرگنہ جات) و اراضیات و باغات وسریات ودکاکین بازار وحویلیات و مکانات قصبہ امروہہ	۳۰۰۰۰ س رر	اولاد سید امان علی خاں	موضع کسائی یا مختار پور نوادہ برائے خرچ ذاتی وباقی برائے خرچ سادات وعلماء وفقراء وحکماء وافرادواعزا باعزاز واکرام وصرف مساکین ومحتاجین و مسافرین ومتعلقین وملازمین و متوسلین قدیم وجدید ازشرفا ۴

۴ مہاجر وانصار وغیرہ مصارف ریاست ودر مارداری وتیاری اسباب لوازمات دارین وخرج لنگری سبیل اللہ وغیرہ +

۱۴	مسماۃ ربیو بنت سید رمضان علی نبیرہ سید مصطفے علی بن سید بزرے علے		حقیقت موضع باگڑپور پرگنہ مرادآباد	تخمیناً ۵۰۰سما ر	شرف احمد خاں	برائے مصارف مسجد معمرہ مسماۃ مذکور (واقع محلہ گذری)
۱۵	منجانب حکومت بمعاوضہ یومیہ مقررہ سلطنت اسلامی		ص ۲۵ سکہ اراضی موضع نورامن پور	ص ۱۵ ع	قدرت اللہ خاں	مصارف مسجد معمرہ شیخ عمر حسین (بہلول خاں والی)
۱۶	خاندان شیخ عبدالمناف صدیقی		آمدنی دوکانات متعلق مسجد	تخمیناً ۲۰۰للعہ ر	حاجی خورشید علی صدیقی	مصارف مسجد معمرہ شیخ عبدالمناف صدیقی (واقع محلہ گھیر مناف)
۱۷	صوفی خدابخش عباسی و دیگر اشخاص	باوقات مختلف	اراضیات قصبہ و موضع کوڑیا وغیرہ	تخمیناً ۲۰۰عام ر	مولانا حافظ عبدالرحمن	مصارف مسجد جامع (واقع محلہ مولانا)
۱۸	شیخ حسین بخش	۱۳۰۰ھ	۲بسوہ موضع قائم پور و اراضی موضع اتراسی	۲۵۰ عام	سید قدیر اللہ الحسینی	مصارف مسجد بصری بیگم
۱۹	مسماۃ سراج النساء زوجہ پیر محمد علیجاں		حقیت موضع مراہٹ	۳۵۰ سا ص ر	پیر رئیس الدین احمد (علی جان منزل)	مصارف خیر امداد غربا و مساکین
۲۰	ساوات محلہ شاہ علی سرائے		اراضیات قصبہ وغیرہ	۱۰۰ عام ر	اہل خاندان	مصارف مسجد شاہ علی سرائے
۲۱	مسماۃ وجیہ النسا زوجہ عبالغفار خاں	۱۹۱۰ء	اراضیات موضع اختیار پور بہوڑ پرگنہ حسن پور وغیرہ	۷۵ ص ر	شیخ گلزار احمد (محلہ کنکوئی)	خدمت مسجد شاہ ضیف اللہ واخراجات فاتحہ واقف وغیرہ
۲۲	حافظ عباس علیخاںؒ		اراضیات قصبہ	تخمیناً ۳۰ س ر	مولوی احمد حسین خاں	مصارف مسجد حافظ عباس علی خاںؒ

۲۳	نواب وقار الملک مرحوم	۲؍جون ۱۹۱۵ء	ملک پہاڑ سود هت ڈھائی، شیخوپورہ، کورال، ہادی پور و ناظر پور وغیرہ و باغات وغیرہ	۳۰۰۰ للعمر؍؍	نواب زادہ مشتاق احمد بیرسٹرایٹ لا	عام ۲۱۶ ع سالانہ مصارف خیر امداد مدارس ومساجد و بقیہ وقف علی الاولاد
۲۴	پیر محمد احسن خاں	جولائی ۱۹۱۵ء	موضع پاکٹی محل زنکاری	تخمیناً ۳۰۰۰ ؍؍	پیر حمید احمد	نصف آمدنی برائے مصارف خیر امداد مدارس و طلباء و غرباء و نصف وقف علی الاولاد
۲۵	پیر محمد محسن الدین	اکتوبر ۱۹۱۵ء		تخمیناً ۲۰۰۰ ع ؍؍	پیر محمد محسن الدین	تقریباً ۳۰۰ سالانہ برائے مصارف خیر و بقیہ وقف علے الاولاد
۲۶	مولوی بشیر احمد فاروقی وغیرہ		اراضیات و دوکانات	تخمیناً ۸۰ ؍	آل محمد سلمہ	مصارف مسجد معروہ شیخ احمد الدین فاروقی واقع محلہ شہزادگان (محلہ جھنڈا شہید)
۲۷	رحیم بخش ولد حسین بخش	۲۶؍جون ۱۹۲۰ء	اراضیات موضع نورابن پور، محمد پور، اکبر پور رائے و چک عثمان پور وغیرہ مکانات	تخمیناً ۲۰۰۰ للعمر ؍	غلام مصطفیٰ	مالہ ۱۳۱ اس؍ سالانہ مصارف خیر امداد و مساجد اور باقی وقف علی الاولاد
۲۸	والدہ زبیر خاں		اراضیات موضع رہروی پرگنہ امروہہ	ص ع ؍	نورشاہ خاں	خدمت مسجد معروف شیخ عمر حسین (بہلول خاں والی)

٢٩	شیخ عبدالحق بن شیخ فیروز علی		اراضیات موضع چھاوڑی وغیرہ	تخمیناً ۵۰۰ صہار	شیخ اعجاز الحق (محلہ گھیر مناف)	برائے مصارف فاتحہ حضور سرورِ کائناتؐ واعراس سلسلہ حضرت غوث الاعظمؒ، حضرت معین الدین اجمیریؒ، حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ، بابا فرید شکر گنجؒ، و حضرت شاہ ولایتؒ وغیرہ
٣٠	زوجہ سید بشیر اللہ		اراضیات موضع چانگی پور	تخمیناً ۵۰ ص ر	سید قمر النبی	مصارف مسجد نئی متصل بازار کلاں
٣١	یسین علی		قطعہ باغ تر شدہ	تخمیناً ۵۰ ص ر	حکیم خلیل احمد (محلہ کنکوئی)	مصارف مسجد معروہ شیخ عمر حسین واقع محلہ کنکوئی
٣٢	حاجی علی بخش	۲۲ نومبر ۱۹۰۲ء	اراضیات قصبہ ۴ لعہ بسوہ بیگہ	تخمیناً ص ۲۵ عہ ر	وزیر احمد تو گڑہ	مصارف درگاہ شاہ قیام الدینؒ
٣٣	مولوی احمد حسین خاں		آمدنی باغات	۵۰۰ صہار	مولوی احمد حسین خاں	مصارف مسجد وروضہ حافظ عباس علیخاںؒ
٣٤	منشی محمد حسنین وغیرہ		اراضیات واقع امروہہ وہاپوڑ	تخمیناً	منشی محمد حسنین وغیرہ	صرف مسجد شاہ الو بنا فاضلؒ
٣٥	مستری ہدایت اللہ	۱۹۲۸ء	آمدنی دو دکانات	ماص ۱۲۵ عہ ر		صرف مسجد محلہ نئی
٣٦	حاجی کلیم اللہ عباسی		اراضی قصبہ	تخمیناً ۱۰ عہ ر	منشی سردار احمد عباسی	صرف مسجد مولوی عبدالحی
٣٧	یسین خاں	۱۳۳۶ھ	اراضیات قصبہ وغیرہ	تخمیناً ما/۱۰۰	عبدالقیوم خاں	صرف مسجد محلہ کنکوئی

شیعوں کے اوقاف:

مندرجہ ذیل فہرست کے مطابق ان کی تعداد ۲۷ ہے اور مجموعی سالانہ آمدنی تقریباً پچیس ہزار روپیہ ہے۔ ان میں بیشتر اوقاف امام باڑوں کے ہیں، تقریباً آٹھ ہزار روپیہ سالانہ کے اوقاف مدارس دینیہ امام المدارس اور شیعہ کالج لکھنؤ کے متعلق ہیں، باقی مساجد اور

دیگر معارف خیر کے لئے سید ابدال محمد کے وقف کو کچھ عرصہ سے شیعہ وقف بتایا جاتا ہے لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ نہ واقف مذہباً شیعہ تھے اور نہ یہ وقف شیعہ مذہب کے مقاصد واغراض کے لئے کیا گیا تھا، اس پر تفصیلی بحث مسجد سید ابدال محمد کے سلسلہ میں کی گئی ہے لیکن اس موقع پر ایک اور وقف کا جو شیعوں کا وقف ہے اور امام باڑہ ''شیش محل'' سے متعلق ہے تذکرہ بے محل نہ ہوگا۔ مسماۃ علیم النساء عرف مینڈھی بنت شیخ سعادت علی زوجہ شیخ غلام علی انصاری بن خلیفہ عبداللہ انصاری نے یکم اگست ۱۸۷۳ء کو حسب ذیل وقف نامہ کے ذریعہ اپنی کل جائداد وصحرائی وسکنائی وقف کی۔

نقل وقف نامہ مسماۃ علیم النساء عرف مینڈھی

اقرار معتبر شرعی کرتی ہوں میں مسماۃ علیم النساء عرف مینڈھی بنت شیخ سعادت علی زوجہ شیخ غلام علی انصاری مرحوم قوم شیخ سکنہ امروہہ ضلع مرادآباد متعلقہ صدر الہ اباد جو کہ ایک منزل مکان امام باڑہ مشتمل بر عمارت دو درد الان شمال رویہ جانب غرب ویک کوٹھری باروئے آں مع حصہ تہ خانہ واراضی زیر عملہ و صحن و دروازہ کہ قدیم الایام روبروئے شوہر مجھ مقرہ سے مکان مذکور میں تعزیہ داری و مجالس ماتم داری جناب امام حسینؑ علیہ السلام کی ہوتی ہے اور وہ موقوفہ ہے اور ایک منزل حویلی اندرونی شمال رویہ مسکونہ من مقرہ مشتمل بریک دالان شمال رویہ و دو کوٹھری جانبین ویک مطبخ (باورچی خانہ) غرب رویہ مع اراضی تحت عمارت وصحن و راستہ و پاخانہ و دروازہ پختہ جملہ مکانات معمرہ پختہ مسقف بچوب و کڑی و چھان وچھاوں و چوکھٹ و کواڑ مع اراضی زیر عملہ و صحن و دروازہ آمدورفت و جملہ حق حقوق متعلقہ و اضافیہ و داخلی وخارجی آنہا واقع محلہ چاہ غوری من محلات امروہہ مواری چوراسی (۸۴) بیگہ دو بسوہ خام اراضی حصہ نصفی حقیت خود مقبوضہ مرہونہ بموجب دستاویز رہن نامہ اقراری من مقرہ بمختاری شبیرؔ علی مختار عام موسومہ مسماۃ نظام النساء بنت بشارت علی، زوجہ الٰہی بخش ورحیم بخش ولد وزیر علی مرتہنان تعدادی ۲۰۰ روپیہ مورخہ ۲۰ اگست ۱۸۷۰ء از جملہ ایک سو ارسٹھ (۱۶۸) بیگہ چار بسوہ خام اراضی زرعی موسومہ ملک اپنا والیؔ واقع موضع بادی پور کلاں پرگنہ امروہہ مملوکہ ومقبوضہ من مقرہ محدودات بحدود مفصلہ ذیل مالیتی مبلغ دو ہزار روپیہ تخمیناً جو ترکہ شوہر سے قبض ودخل میں مجھ مقرہ کے ہے اب میں نے جائداد مذکورہ کو قربتاً الی اللّٰہ ہمیشہ کو واسطہ تعزیہ داری و صرف اخراجات مجالس ماتم داری حضرت امام حسینؑ علیہ السلام کے وقف موبد کرکے

واسطے انتظام وانصرام جانداد مذکورہ موقوفہ کے مسمیان سیّد زاہدؔ حسین ولد سیّد ارشادؔ علی و سیّد جعفرؔ حسن ولد سیّد مسیحؔ قوم سیّد پیشہ معافی و شیخ سبحانؔ بخش بن کریمؔ بخش قوم شیخ پیشہ نوکری ساکنان امروہہؔ کو متولی مقرر کرکے قائم مقام ذات اپنی کا کیا، چاہئیے کہ متولیان مذکوران امام باڑہ مذکور میں حسب دستور قدیم تعزیہ داری اور مجالس عزا اور ماتم داری جناب امام حسینؑ علیہ السلام کی اور حویلی اندرونی مذکورہ میں قبض و دخل اپنا رکھکر مہمانداری مستورات کی جو واسطے سماعت مرثیہ کے آتی ہیں اور آمدنی ملک مذکورہ سے صرف مجالس مذکورہ کا کرتے رہیں اور حس قدر آمدنی ملک خرچ مجالس سے بچے اس کو فراہم کرکے زر رہن اراضی ملک مرہونہ کا ادا کردیں اور بعد ادائے زر رہن مذکورہ کے کل آمدنی ملک مذکورہ مستخلصہ و مقبوضہ کی تعزیہ داری و روضہ و مجالس اسی امام باڑہ مذکور میں صرف کیا کریں اور جو کہ روضۂ اربعین قدیم سے اس امام باڑہ ممدوحہ میں اٹھتا ہے آیندہ کو بھی بدستور قدیم ہمیشہ روضہ ہائے اربعین کو اٹھایا کریں اور حتی الامکان ترقی مراسم تعزیہ داری و مجالس امام عالی مقام ممدوح میں سعی و کوشش رکھیں اور خوردونوش اور صرف میت مجھ مقرہ کا اور بھی حرچ عدالت جو ضروریہ بابت اس جانداد کے کسی طرح کا واقع ہو آمدنی ملک مذکورہ سے کریں اور متولیان مذکوران اپنی طرف سے ملک مذکور کا جس کے نام چاہیں ٹھیکہ یا نقشی یا جو بندوبست چاہیں کریں اور یہ بھی متولیان کو احتیار ہوگا کہ جس کو واسطے اہتمام و انتظام و انصرام امور مذکورہ بالا کے لائق سمجھیں اپنی حیات میں متولی جانداد مذکورہ کا کریں مگر شرط یہ ہے کہ متولی و مہتمم جانداد مذکورہ کا مذہب شیعہ اثنا عشری رکھتا ہو اور کسی وقت میں کسی متولی کو اختیار بیع یا رہن یا ہبہ یا کفالت یا انتقال کسی نوع جانداد مذکورہ کا حاصل نہ ہوگا۔ اگر کوئی متولی کسی طرح کا انتقال عارضی یا دوامی بعز تبدیلی تولیت کے کرےگا وہ باطل و ناجائز ہوگا۔ اگر بر تقدیر کوئی متولی کسی زمانہ میں من جملہ اس جانداد کے جزویا کل کسی حیلہ سے بیع یا رہن یا ہبہ کرے یا متولی سوائے مذہب اثنا عشریہ کے کرے تو جملہ اشخاص مذہب اثنا عشریہ کو احتیار کلیہ حاصل ہے کہ اس کو منسوخ کرادیں اور متولیان خلیفہ محمد سلیمان اور ان کی اولاد کو مداخلت اہتمام مجالس و روضہ وارہ آمدورفت سے جو راستہ ان کے مکان مسکونہ کا قدیمی ہے اس میں متولیان یا وارثان مقرہ میں سے کسی وقت میں مزاحمت و امتناع نہ کرینگے اور ہمشیرہ اور اولاد ہمشیرہ مقرہ سے اہتمام

مہمانداری اندرونی و بیرونی اگر بخوشی خاطر اپنی کریں لیتے رہیں اور بعد تحریر اس وثیقہ کے مجھ مقرہ کو یا کسی قائم مقام میرے کو اختیار تنسیخ وثیقہ ہذا کا اختیار واپسی یا معرولی متولیاں مذکوران کا یا تحریر وقف نامہ و تولیت نامہ دیگر بنام دیگر اشخاص کے اور استحقاق تملیک حاصل نہ ہوگا، کوئی وارث یا قائم مقام میرا مورات مذکورہ مصدودہ میں کسی طرح کا مانع ومزاحم نہ ہوے لہذا یہ تولیت نامہ بابت جانداد موقوفہ مذکورہ کے لکھدیا کہ سند ہوا اور ہر وقت کام آوے. فقط تحریر بتاریخ یکم ماہ اگست ۱۸۷۳ء

۳/اگست ۱۸۷۳ء کو وقف نامہ مندرجہ بالا کی رجسٹری ہوئی۔ حسب ذیل عبارت تصدیق رجسٹری پشت دستاویز وقف نامہ پر درج ہے۔

" یہ دستاویز اقراری مسماۃ علیم النساءؔ عرف مینڈھی کی دفتر رجسٹر پرگنہ امروہۃ ضلع مراد آباد میں بروز دو شنبہ بتاریخ ۳/اگست ۱۸۷۳ء مابین ۱۰. ۱۱ گھنٹہ بجے دن کے واسطے رجسٹری کے مسمی سبحانؔ بخش ولد کریمؔ بخش قوم شیخ پیشہ روزگار ساکن محلہ سرائےؔ کہنہ من محلات امروہۃ مذکور نے جس کے حق میں یہ دستاویز تحریر ہے، پیش کرکے بیان کیا کہ تصدیق اس دستاویر کی حود مقرہ مذکور سے اس کے مسکن پر فرمانی حاوے "

العبد

شیخ سبحان بخش بقلم خود

دستخط ایسری پرشاد سب رجسٹرار

" آج بتاریخ و رور مذکورہ بالا مابین ۵-۲ گھنٹہ بجے دن کے ہم خود بمحلہ چاہ غوریؔ میں محلات امروہۃ مسکن پر مسماۃ علیم النساءؔ عرف مینڈھی مقرہ مذکورہ کے واسطے تصدیق کرنے اس دستاویز کے اور واسطے حصول اطمینان کے آئے تو مسماۃ علیم النساءؔ عرف مینڈھی مذکورہ نے اندرون دروازہ مسقف شرق رویہ حویلی مسکونہ اپنی کے پس کواڑ ہا کھڑے ہوکر حرف بحرف جملہ مضمون اس دستاویز کو سنکر بآواز بلند تکمیل و تحریر اس دستاویز سے اقبال کیا اور کہا کہ میں نے یہ دستاویز اپنی خوشی سے لکھوانی ہے اور سب عبارت و مضمون مندرجہ دستاویز کو لفظ بلفظ تصدیق کیا اور کہا کہ بعد تکمیل رجسٹری کے یہ دستاویز حکیم نیار علیؔ خاں کو دیدی جانے ". فقط

دستخط مقرہ کے ذیل میں ثبت ہیں۔ فقط ایسری پرشاد سب رجسٹرار

العبد

مسماۃ علیم النساء عرف مینڈھی بقلم نیاز علی خان

بعدہ حکیم نیاز علی خاں [1] ولد حکیم نثار علی خاں قوم شیخ پیشہ معافی ساکن محلّہ سدو محلات امروہہ و پیر تہور علی [2] ولد پیر گنج بخش قوم پیرزادہ پیشہ معافی محلّہ سدو مذکور نے شناخت مسماۃ علیم النساء عرف مینڈھی مقرہ مذکور کی اندر دروازہ مذکور کے جاکر کری اور بیان کیا کہ مظہرہ وہی مسماۃ مقرہ مذکور ہے اور کوئی نہیں اور ہم حکیم نیاز علی خاں مذکور سے واقف ہیں اور پیر تہور علی مذکور کی شناخت سید باقر نذر ولد سید احمد نذر قوم سیّد پیشہ روزگار محرر رجسٹری امروہہ محلّہ سبّی محلات امروہہ مذکور نے جس کو ہم پہچانتے ہیں کری۔ (دستخط) ایسری پرشاد سب رجسٹرار"

غالباً اس وقف کا حسب ضابطے عملدار آمد نہیں ہوسکا۔ منشی شبیر علی [3] بن شیخ امانت علی جو مسماۃ علیم النساء عرف مینڈھی کے حقیقی بھانجے ہیں مختار عام کی حیثیت سے اسکا اہتمام کرتے رہے۔

شیعوں کے اوقاف

نمبر شمار	نام واقف	کب وقف کیا	تفصیل جائداد	سالانہ آمدنی	نام متولی	اغراض وقف
۱	سید تحسین علی (دربار کلاں)	۲۰ اکتوبر ۱۸۶۵ء	اراضی موضع لودی پور پرگنہ چاند پور	۲۰۰ عام	سید اعزاز علی (دربار کلاں)	مصارف امام باڑہ و دوست علے و امام باڑہ مسماۃ بدلی
۲	مسماۃ صغیر النساء	۴ مارچ ۱۸۶۸ء	اراضی موضع سرسخار	الما	سید انیس حسن (محلّہ گذری)	برائے مصارف مسماۃ صغیرن
۳	مسماۃ ملک النساء زوجہ شیخ امانت علی و حکیم امجد علی خاں و مسماۃ ریاست النساء	۱۹ مارچ ۱۸۷۷ء یکم مارچ ۱۸۷۷ء ۲ جنوری ۱۹۰۷ء	اراضی تہوہ چک تہوہ، نکیا و چک نکیہ، پرگنہ امروہہ و بادن پور پرگنہ حسن پور	۱۰۰۰ الـلہرر	حکیم راحت علی خاں (محلّہ دصدور)	برائے مصارف امام باڑہ چھی

---

[1] یعنی پدر بزرگوار حکیم راحت علی خاں صاحب [2] یعنی جد امجد پیر تہور علی صاحب جنرل سب رجسٹرار

[3] مسماۃ علیم النساء عرف مینڈھی اور مسماۃ کوزی دو حقیقی بہنیں تھیں۔ اول الذکر شیخ امام علی بن خلیفہ عبد اللہ انصاری کی زوجہ تھیں ان کے کوئی اولاد نہ تھی خلیفہ عبد اللہ انصاری کے جو شیوخ انصاری کے اسی خاندان سے تھے جس میں مولوی مظہر علی انصاری کا خاندان ہے شرفائے کمبوہ شیعی مذہب ساکنان محلّہ صدو سے تعلقات ہو گئے تھے۔ وہاں وہ دس بھی رہتے تھے ان حضرت کی صحبت میں انہوں نے بھی شیعہ مذہب اختیار کر لیا تھا۔ اور اپنے مکان مسکونہ میں تعزیہ داری شروع کی بعد میں اسے ترمیم کر کے جو "شیش محل" کے نام سے مشہور ہوا۔ مسماۃ مینڈھی بیوی خلیفہ عبد اللہ انصاری کی بہو تھیں۔ مسماۃ مینڈھی کی حقیقی بہن مسماۃ کوزی تھیں جو شیخ امانت علی بن شیخ ولایت علی ساکن محلّہ مورنا کے عقد میں آئیں۔ منشی شبیر علی ان ہی مسماۃ کوزی کے فرزند ہیں۔ یہ محلّہ مورنا کی سکونت ترک کر کے اپنی خالہ کے یہاں چلے آئے منشی شبیر علی کے بنی اعمام میں منشی محمود حسن بن شیخ کرامت علی بن شیخ ولایت علی مذکور کا خاندان ہے یہ حضرت شیوخ صدیقی کہورن مشہور ہیں لیکن اب بعض اشخاص اپنا نسب فاروقی بھی بتاتے ہیں۔ "شیش محل" کے احاطہ میں ایک مکان میاں مینجھ انصاری کا تھا وہ غدر ۱۸۵۷ء کی داروگیر میں ماخوذ ہوئے اور مکان ضبط کیا گیا جو شیخ محمد حسین ساکن محلّہ گھیر مناف نے خرید لیا تھا بعد میں ان سے شیخ ولی انصاری وکیل نے خرید کیا۔ اب اس میں مولوی محمد اسمٰعیل انصاری رہتے ہیں دوسرا مکان خلیفہ سلیمان کا تھا جسکے فرزند شیخ محمد اصغر ہیں انہوں نے یہ مکان منشی عبد الرب خطیب بن منشی شبیر علی مذکور کے لائق فرزند شیخ حبیب الرب بی اے (علیگ) ڈپٹی منڈنٹ محکمہ صنعت و حرفت کے ہاتھ فروخت کر دیا تھا انہوں نے بعد ترمیم از سر نو تعمیر کرایا ہے۔

۴	مسماۃ علیم النساء عرف مینڈھی زوجہ شیخ غلام علی بن خلیفہ عبد اللہ انصاری	یکم اگست ۱۸۷۲ء	للعہ ۸۴ سکہ اراضی ملک موضع باڑی پورہ و مکانات	۱۰۰ مار	سید زاہد حسین و سید جعفر حسین و شیخ سبحان بخش	برائے تعزیہ داری و اخراجات مجالس امام باڑہ شیش محل
۵	سید غلام حسنین خاں و صادق حسین خاں (دانشمند)	۱۳ر ستمبر ۱۸۷۸ء ۲۵ر مارچ ۱۸۷۳ء	اراضی رجب پورہ اراضی سکنائی محلہ دانشمنداں و باغیچہ بنگلہ واقع پرگنہ امروہہ و مجبولی و رسول پور پرگنہ مذکور	۱۶۰۰ الـہ سا رر	سید اختر حسنین خاں (محلہ دانشمنداں)	مصارف امام باڑہ زنانہ سید اختر حسین خاں
۶	سید محمد حسن خاں و سید علی حسن خاں و سید حامد حسن خاں	۱۱ر مئی ۱۸۷۶ء	رجب پور و کالی باغ امروہہ	۶۰۰ سا	سید فیاض حسن خاں وغیرہ	برائے مصارف حکام رسی و دربار داری و فاتحہ بزرگان
۷	سید نور الحسن و مسماۃ کنیز رقیہ زوجہ سید ولایت حسین	۲۴ر نومبر ۱۸۸۲ء	جلیل پور بقال و حسن پور کنہ و مجبولی رسول پور پرگنہ امروہہ	۴۰۰۰ للعہ رر	محمد مہدی رضا و محمد طاہر حسن (متنازعہ)	اخراجات مجالس امام باڑہ مسماۃ وزیر النساء (محلہ دانشمنداں)
۸	سید داد علی	وقف نامہ موجود نہیں	زمینداری یک ثلث موضع سلطان پور	۴۵ ص ملعہ ر	سید نورین احمد	مسجد سید داد علی واقع امروہہ محلہ بنگلہ
۹	سید محمد باقر و سید مقبول احمد وغیرہ	۲۲ر مارچ ۱۸۸۵ء	اراضی موسومہ بازار سید داد علی واقع امروہہ محلہ بنگلہ	۱۵۰۰ الـہ صا رر	سید نورین احمد (محلہ بنگلہ)	اخراجات امام باڑہ و مسجد متصل امام باڑہ
۱۰	سید قربان حسین (محلہ دانشمنداں)	۱۷ر نومبر ۱۸۸۵ء	رسول پور مرزعہ مجبولی و پرگنہ امروہہ	۳۵۰ سا ص ر	مولانا حاجی سید مرتضیٰ حسین (دانشمنداں)	مصارف امام باڑہ خاتون دولت و اعانت مسافرین

۱۱	مساۃ بتول دولت عرف جیونی محلہ دانشنداں	۷؍فروری ۱۸۸۹ء	اراضی ملک کوکر جھنڈی پرگنہ مرادآباد	۲۰۰ عام	سید مجتبیٰ حسن (محلہ دانشنداں)	مصارف امام باڑہ مساۃ جیونی (محلہ دانشنداں)
۱۲	سید علی احمد محلہ دانشنداں	۲۹ ستمبر ۱۸۹۰ء	بحری پرگنہ حسن پور و چودہری پور و جہادلی فیاض نگر و سیدولی و چک جہادلی پرگنہ امروہہ	۱۰۰۰ السہ ،،	سید حکیم رضا محلہ دانشنداں	مصارف امام باڑہ مساۃ فہیم النساء مشہور رانڈوں والا (محلہ دانشنداں)
۱۳	سید مقبول احمد سید محمد باقر وغیرہ (محلہ بگلہ)	۴؍جولائی ۱۹۰۱ء ۵؍جولائی ۱۹۰۱ء ۵؍اکتوبر ۱۹۱۵ء ۲۱؍مارچ ۱۹۱۵ء	قاسم پور پرگنہ امروہہ جھنڈیرہ پرگنہ حسن پور و گوگریا پرگنہ ٹھاکردوارہ	۱۰۰۰ السہ ،،	مولوی سید محمد مجتبیٰ عرف مولوی سید چاند محلہ بگلہ	مدرسہ امام المدارس
۱۴	مساۃ شبیہ زہرا (محلہ کٹکوئی)	۲۰؍جون ۱۹۰۲ء	پچکی تگا پرگنہ حسن پور و گھنسور پور پرگنہ امروہہ	۲۰۰ عام	سید سجاد حسین (محلہ کٹکوئی)	امام باڑہ مسجد امام باڑہ سید دولت علی (محلہ کٹکوئی)
۱۵	مساۃ ہاجرہ خاتون (محلہ گذری)	۹؍جون ۱۹۰۳ء	اراضی موضع جبار پور و چودہر پور پرگنہ امروہہ لطیف پور و گنادلی پرگنہ ٹھاکردوارہ	۷۰۰ معمار ؍	سید احمد حسنین (محلہ گذری)	برائے مصارف علوم دینیہ مذہب امامیہ
۱۶	سید نورالحسن (محلہ دانشنداں)	۲۸؍دسمبر ۱۹۰۳ء	اراضی موضع کبھیرہ و ماندن کبھیرہ و مجبوئی جلیل پور بقال وکالی لیث ورام سرائے پرگنہ امروہہ وغیرہ	۳۰۰۰ ہمہ ،،	محمد مہدی رضا و محمد طاہر حسن (متنازعہ)	مدرسہ نورالمدارس
۱۷	مساۃ ریاست النسا زوجہ نورالحسن مذکور	۲۹؍دسمبر ۱۹۰۳ء	جلال پور و جلیل پور بقال و اراضی قصبہ امروہہ	ہمہ ،،	،،	،،

۱۸	مسماۃ بشارت لنسا (محلہ بھوکہ)	۱۷ر جولائی ۱۹۰۵ء	کنپورہ واکبرپور پرگنہ امروہہ	۲۰۰ عامہ ر	سید انیس الحسن (محلہ بھوکہ)	مصارف امام باڑہ محلہ بھوکہ و امداد حاجیان وزواران مذہب امامیہ
۱۹	سید محمد جواد (محلہ گذری)	یکم مئی ۱۹۰۵ء	موضع ناچتی پرگنہ سنبھل	۲۰۰ سما ر	سکریٹری شیعہ کالج لکھنؤ	شیعہ کالج لکھنؤ
۲۰	سید شاکر حسین (محلہ بھوکہ)	۱۳ر اکتوبر ۱۹۱۱ء	کنپورہ پرگنہ امروہہ	۱۰۰ ما ر	سید ابرار حسین (محلہ بھوکہ)	امام باڑہ زنانہ مسماۃ قمر النساء
۲۱	سید مددعلی (محلہ کٹکوئی)	۲ر شوال ۱۳۳۸ھ	اراضی موضع مہوہ پرگنہ امروہہ	۳۰۰ سما ر	سید نہال محمد (محلہ کٹکوئی)	امام باڑہ و مسجد امام باڑہ (محلہ کٹکوئی)
۲۲	سید نذر حسین (محلہ گذری)	۲۰ر جون ۱۹۱۳ء	دھنوری و رسولپور و مجھولی پرگنہ امروہہ	۶۰۰ سا ر	سید احمد حسین (محلہ گذری)	مصارف علوم دینیہ مذہب امامیہ
۲۳	مسماۃ حاجرہ خاتون (محلہ دربارکلاں)	۲۳ر جون ۱۹۲۷ء	موضع پاکتی پرگنہ امروہہ	الما	مولوی سید محمد صاحب (محلہ شفاعت پوتہ	امام باڑہ مسماۃ راحو بی بی و امام باڑہ دربارکلاں
۲۴	مسماۃ سعیدہ خاتون (محلہ لکڑہ)	۱۷ر مارچ ۱۹۲۲ء	موضع علیپور و کھیچ پرگنہ امروہہ	۲۰۰ سا ر	〃	امام باڑہ کلاں محلہ لکڑہ و امداد فقراء و مساکین و مشاہد مقدسہ
۲۵	سید محمد فصیح و مسماۃ خوب دولت و مسماۃ ہدایت النسا	۱۲ر جنوری ۱۹۲۸ء	امیٹرہ و کوڑی و محمد پور بنگر پرگنہ امروہہ	۶۰۰ الس سا 〃	سید نبی ہادی محمد کرم علیخاں	امام باڑہ و مسجد (محلہ سہتی)
۲۶	حاجی محمد اشرف		جبار پور و جوئی مکن پور پرگنہ امروہہ	۴۵۰ عام مہ	مولوی سید محمد عبادت	مصارف اشرف المساجد (جامع مسجد شیعان)
۲۷	حاجی محمد اشرف (عظیم آبادی)		ملک دھنوپورہ پرگنہ مرادآباد و مجھولی پرگنہ امروہہ	۱۵۰ ما مں ر	سید زوار حسین	〃
			میزان کل	۲۳۰۳۰ للعہ عسہ للعہ		

فقراء کے زاویوں اور تکیوں کے اوقاف:

مشائخ کی خانقاہوں کے علاوہ امروہہ میں فقرا کی مختلف جماعتوں کے زاویے اور تکیے بھی تھے ان فقرا میں سب سے قدیم جماعتیں حیدری اور جلالی فقیروں کی تھیں۔ مشہور سیاح ابن بطوطہ کی آمد کے زمانہ (یعنی ۱۳۴۱ء) میں یہاں حیدری فقیروں کی جماعت موجود تھی انکے متعلق ابن بطوطہ کا بیان ہے۔

> "اس شہر (یعنی امروہہ) میں میرے پاس حیدری فقیروں کی ایک جماعت آئی انہوں نے پہلے تو سماع سنا اور پھر آگ جلوائی اور آگ میں گھس گئے اور ان کو آگ سے کچھ نقصان نہ پہنچا۔" [1]

جلالی فقیروں کی یادگار کے طور سے محلہ مجدرہ کا ایک حصہ "نیب جلالیان" کے نام سے مشہور ہے اور اب بھی کچھ افراد جلالی فقیر کہلاتے ہیں جواب زیادہ تر باجہ بجانے کا پیشہ کرتے ہیں۔ حیدری فقیروں کی جماعت شیخ قطب الدین حیدری یا شیخ حیدر خراسانی سے منسوب ہے اور جلالیہ فقیر سید جلال الدین بخاری سے۔ [2]

کڑک علی شاہ کا تکیہ جو درگاہ شاہ ولایت کے متصل ہے اور کچھ عرصہ پیشتر تک آباد تھا حیدری فقیروں کا تکیہ تھا ۱۱۷۶ھ میں شاہ روح القدس درویش نے اس تکیہ کو خوب رونق دی تھی۔ سید لطف علی بن سید طفیل محمد اور سید میر علی بن سید غلام علی (ساکنان محلہ حقانی (نیز بزرگان سادات محلہ لکڑہ نے کچھ اراضی شاہ موصوف کو "برائے احداث و بنائے جائے واماکن آرام گاہ فقراء و مساکین صادر و وارد" کیلئے ہبہ کی تھی، اس تکیہ کے متعلق اور بھی متعدد اراضیات زرعی وقف تھیں جو بعد میں بددیانت متولیوں نے فروخت کر دیں۔ کڑک علی شاہ متبنائے پیر شوق علی شاہ متبنائے پیر قطب علی شاہ کے زمانہ ۱۲۹۰ھ تک یہ تکیہ خود آباد تھا۔ اب ویران پڑا ہے شہر کے اور تکیوں کا بھی یہ حال ہے۔

امروہہ کے میلے اور تیوہار

ہندوؤں کے میلے اور تیوہار:

سلونو:

ساون کے مہینہ کی آخری تاریخ ہوتا ہے، برہمنوں کا خاص تیوہار ہے، راکھی اور پوجا کی رسمیں گھروں پر ادا کی جاتی ہیں، تالاب بانسدیو پر میلہ بھی لگتا ہے۔

---

[1] سفر نامہ ابن بطوطہ میں حیدری و جلالی و مداری و رفاعی فقرا کے یہ کل کرتے جاہل اور بے مذہب ہیں اور جن مشائخ کی جانب منسوب ہیں اعمال اور عقیدے کے لحاظ سے ان کو کوئی مناسبت نہیں حیدریوں میں بھنگ کا استعمال عام ہے یہ عرف عام میں ملنگ کہلاتے ہیں اس زمانہ میں ان کی تعداد بہت کم ہوگئی ہے لیکن سابق میں انکی جماعت تھی ان کا اندازہ صاحب دبستان کی تحریر سے ہوتا ہے وہ لکھتے ہیں کہ۔

"جلالیاں سب شیخین (مانند روافض) کنند و نماز نہ گزارند و روزہ ندارند و ریاختی و شعلی کہ صوفیہ راست ندانند بنگ بسیار خورند و مشق مار و کژدم خوردن رسانند و چون کاملان ایشان مار ابہند سرا پائی لو ایجابند فرد برند گویند ماہی مرتضی علی است و کژدم خورند و گویند جھینگہ علی مست و مانند مداریان برہنہ باشند و چون مداریان در سرمایلی سخت چون نہ پوشند وپیش اتش نشیند ، جلالیان زولیدہ مونہا شند ولکثر چار ضرب زسوگرد جہان گردند الخ"

رام ڈول:

یہ تیوہار کنہیا جی کے جنم کی خوشی کا تیوہار ہے،، اس کا دوسرا نام جنم اشٹمی ہے، بھادوں بدی اشٹمی کو ہوتا ہے دوسرے دن تمام مندروں میں جلوس جاتا ہے۔

دسہرہ:

یہ تیوہار اس سفر کی یادگار کے طور سے منایا جاتا ہے جو رام چندر جی نے راون کے مارنے کے لئے رامیشور سے لنکا کا کیا تھا۔ کنوار بدی دسویں کو ہوتا ہے، درگا پوجا بھی اس تیوہار کو کہتے ہیں۔ تقریباً ایک ہفتہ کو چھتریاں میں (ڈرامہ) ہوتی ہے پھر آٹھ روز تک رام لیلا کا میلہ ہوتا ہے جس میں بڑا ہجوم ہوتا ہے گھروں پر پوجا ہوتی ہے۔ اس تیوہار میں کسان اور دیہاتی زمینداروں کو قسط کا روپیہ ادا کرتے ہیں۔

دیوالی:

آدھے کارتک[1] کی آخری تاریخ میں ہوتا ہے۔ اس میں دولت کی دیوی لکشمی کا پوجن ہوتا ہے اس دن امروہہ کے ہندو دوکاندار اپنی دوکانیں آراستہ کرتے کوزہ گر اور حلوائی مٹی اور مٹھائی کی مورتیں بناتے ہیں، رات کو بازاروں اور مکانوں میں چراغاں ہوتا ہے۔

ہولی:

یہ تیوہار ہندوؤں کا نوروز ہے۔ سال کے ختم ہونے کے آخری دن یعنی پھاگن کے آخری دن شروع ہوتا ہے۔ موسم بہار کے آنے سے پہلے نئے اناج کا ہون ہوتا ہے اس کو یگ کہتے ہیں۔ لوگ گنوں کو جن میں گیہوں اور دوسرے غلہ کے پودوں کی بالیں بندھی ہوتی ہیں آگ کے ڈھیر کے گرد گھوم کر گرم کرتے ہیں۔ مختلف مقامات پر ایندھن کا انبار لگا کر رات کو اس میں آگ دیجاتی ہے اس کو ہولی جلنا کہتے ہیں۔ دن میں ہندو آپس میں ہولی کھیلتے ہیں رنگ کی پچکاریاں بھر بھر کر ایک دوسرے پر چھڑکتے ہیں اور گلال ملتے ہیں۔ دیہات کے ہندو ٹولیں بنا بنا کر ناچتے گاتے خوشی مناتے ہیں یہ ہندوؤں کے نوروز کا دن ہوتا ہے، مختلف مقامات پر سوانگ بھی بنتے ہیں جسے قدیم زمانہ کا ڈرامہ سمجھئے۔

ظاہر دیوان کی چھڑیں:

چھڑیوں کے میلے بھی اسی مہینہ میں لگتے ہیں جس میں تیجوں اور سلونو کے تیوہار ہوتے ہیں۔ پہلے دن محلہ احمد نگر میں دوسرے دن کنکوئی پر تحصیل کے دروازے آگے تیسرے دن بساون گنج میں اور چوتھے دن یعنی میلہ کی آخری تاریخ میں بائیں کے کنویں پر اس دن دیہاتیوں اور عوام کا بڑا ہجوم ہوتا ہے اور صبح سے شام تک میلہ رہتا ہے۔

ظاہر دیوان کی چھڑیوں کے میلہ کے وجہ تسمیہ تاریخی دلچسپی سے خالی نہیں اسلئے یہاں اسکا مختصراً بیان نامناسب نہ ہوگا۔ ''ظاہر دیوان'' کو مختلف مقامات پر مختلف ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ نواح دہلی اور علاقہ شمالی دوآبہ میں ''گوگا پیر'' اور جنوب میں ''ظاہر پیر'' کہتے

---

[1] اصل لفظ "کارتک" ہے لوگ غلطی سے "کاتک" کہتے ہیں۔

گیا۔ "بارہ ماسہ" میں اسکے کارنامہ بیان کئے گئے ہیں۔ صاحب "قانون اسلام" اور مشہور فرانسیسی مستشرق گارسن دی تاسی اس کی قبر ملک دوآبہ میں بتاتے ہیں لیکن اصل یہ ہے کہ اس کی قبر ضلع حصار کے جنوب مغرب میں "دوریرہ" مقام پر ہے۔ اس کے متعلق یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ یہ شخص واچا نامی ایک چوہان راجپوت کا بیٹا تھا، بعض لوگ اسکے باپ کا نام جیبوار اور ماں کا نام "بچل" بتاتے ہیں بہرحال باپ کا نام جو کچھ بھی ہو کہا جاتا ہے کہ "گوگا پیر" کے دو بھائی اور تھے اور یہ خود ان کی پیدائش کے بہت عرصہ بعد "گورکھ ناتھ" کی دعا سے پیدا ہوا تھا، اپنی قوم کا حکمراں تھا اور اسکا علاقہ ہانسی سے گزرہ تک تھا پرتھی راج کا ہمعصر بھی اسے بتایا جاتا ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں سے اس نے بڑی گھمسان لڑائیاں لڑی ہیں مگر معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس زمانہ سے بہت پہلے ہوا ہے کیونکہ اسکے کارناموں کے منظوم قصوں میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ معہ اپنے ۴۵ بیٹوں اور ۶۰ بھتیجوں کے سلطان محمود غزنوی کے مقابلہ میں گاراندی کے کنارے پر مارا گیا۔ اسی کے ساتھ یہ روایت بھی بیان کیجاتی ہے کہ علاقہ کی تقسیم میں اسنے اپنے بھائیوں سے جھگڑا کر کے انھیں قتل کر دیا پھر ماں کی بد دعا سے بچنے کے لئے کسی جنگل میں چلا گیا اور وہاں پہنچکر چاہتا تھا کہ کسی طرح معہ اپنے گھوڑے کے زمین میں دھنس [1] جائے کہ یہ آواز کان میں آئی کہ "اگر تو کلمہ پڑھ کے مسلمان ہو جائے تو تیری خواہش پوری ہو سکتی ہے" چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ غرضکہ اس عجیب و غریب ہستی کے متعلق مختلف روایتیں مشہور ہیں۔ ہندوؤں کے مختلف طبقوں کے لوگ اس کو مانتے ہیں۔ بھادوں کے مہینہ میں چمار و بھنگی بھی اس کے نام کے جھنڈے اٹھاتے ہیں۔ ہندوؤں کی دوسری قوم والے بالخصوص بعض اگروال بنئے بھی اس کے معتقد ہیں اوجین میں "گوگا شہید" کا مندر بھی ہے۔ بھادوں کے مہینہ میں ان ایام کی نویں تاریخ جس میں چاند نہیں نکلتا اس کی یادگار منائی جاتی ہے۔ اس کے معتقد بالعموم سیاہ جھنڈے نکالتے ہیں۔

مسلمانوں کے میلے اور تیوہار

۱۔ گیارہویں:

یعنی عرس حضرت غوث اعظم محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی۔ گیارہویں ربیع الثانی کو محلہ چلہ میں دھوم دھام سے ہوتا ہے۔ امروہہ میں اس عرس کو ابتداءً شیخ جان محمد [2] نے تقریباً ۱۰۴۰ھ میں شروع کیا تھا صاحب اسراریہ کا بیان ہے کہ

> "شیخ جان محمد ۔۔۔ از مریدان شیخ عبداللہ ہند ۔۔۔ چند سال است کہ عرس غوث اعظمؒ می کند، اجتماع فقرا خوشتر می شود و سرود خوشتر"

بعد میں اس عرس کو حضرت شاہ گدا قادریؒ کی اولاد نے اور رونق دی، بالخصوص سید سراج الدین ثانی بن سید نور اللہ کے زمانہ میں یہ عرس بڑے پیمانہ پر ہوتا تھا، ان کے اخلاف میں سید نوازش علی عرف شاہ بدھا متوفی ۱۲۵۳ھ نے جن کے کوئی اولاد نہ تھی اور جو بذات خود صوفی مشرب تھے اپنی کل جائداد صحرائی و سکنائی مصارف عرس کے لئے وقف کر دی تھی اب اس جائداد موقوفہ میں سوائے ایک مکان کے

---

[1] اظاہر دیوان کے گھوڑے کا نام "جوادیا" مشہور ہے۔ قصوں میں بیان کیا جاتا ہے کہ ظاہر دیوان کے اولاد نہ تھی۔ اس کے دیوتا نے جو کی دو بالیں دیں جن میں سے ایک اس نے اپنی رانی کو دی اور دوسری اپنی گھوڑی کو اس سے یہ "جوادیا" نامی گھوڑا پیدا ہوا۔ [2] بعض قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ موصوف حضرت شاہ ...ن بدر چشتی کی نسل سے تھے مطبوعہ شجرہ میں آپکا نام درج نہیں ہے تاہم قدیم دستاویزات سے آپکا سلسلہ نسب اس طرح ثابت ہوتا ہے شیخ جان محمد بن شیخ سلطان محمد بن شیخ کبیر بن شاہ احمد بن شاہ ...ن

جس میں زنانہ میلہ لگتا ہے اور کچھ باقی نہیں۔ ۹ ربیع الثانی سے ۱۱ مذکور تک عرس ہوتا ہے شہر کے عوام کا ہجوم ہوتا ہے۔

۲۔ غازی میاں کے نیزے:

ابتداً یہ میلہ میر بساون ۱ کے کوٹلہ کے متصل لگتا تھا، کوٹلہ مذکور کے انہدام کے بعد سے چبوترہ پر موضع پورن پور کے میلہ کے دوسرے روز اس بدھ کو لگتا ہے جو ہولی جلنے کے بعد آتا ہے۔

غازی میاں کے نیزے شمالی ہند کے اکثر مقامات پر جیٹھ کے مہینہ میں اٹھتے ہیں، حقیقتاً یہ بھی ہندی عوام الناس کے میلہ ہیں اور باوجودیکہ سالار مسعود غازی جن کی یادگار میں باغلط صحیح جن کی شادی کی یادگار میں یہ میلہ لگتا ہے نوعمری کے زمانہ میں شوق جہاد میں ہندوستان آئے اور ہندوؤں سے لڑ کر شہید ہوئے بایں ہمہ ہندوؤں کی بعض نیچ اقوام بھی ان کو اپنا پیر مانتی ہیں۔ ۲

سب سے بڑا میلہ بہرائچ میں جہاں سالار موصوف کا مزار ہے ہر سال دھوم دھام سے لگتا ہے۔ ''آرائش محفل'' کی روایت کے مطابق قصبہ رُدولی ضلع بارہ بنکی کے ایک تیلی نے ابتداً غازی موصوف کے شادی بیاہ اور برات کی رسم کی ابتدا کی تھی۔ اس میلہ میں چونکہ ہندوانہ اور مشرکانہ رسوم زیادہ ہونے لگی تھیں اسلئے سلطان سکندر لودھی نے جو دیندار بادشاہ تھا اور خود بھی علم سے بہرہ وافر رکھتا تھا اس کے سدِّ باب کی تدابیر اختیار کیں مگر کامیابی نہ ہوئی۔

امروہہ کے میلے میں اب زیادہ اژدہام نہیں ہوتا۔ زیادہ تر عوام الناس شریک ہوتے ہیں۔

۳۔ شاہ مدار کی بیرق:

یہ میلہ جمادی الاوّل کی چوتھی تاریخ حضرت شاہ ابن کے روضہ کے متصل لگتا ہے۔ اس روز وہاں پر مرغ ذبح ہوتے ہیں۔ شاہ بدیع الدین مدار جن کی یادگار میں یہ میلہ شمالی ہند کے اکثر مقامات پر لگتا ہے۔ اصلاً حلب کے باشندے اور نسباً یہودی تھے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد مشائخ کبار میں سے ہوئے۔ سلطان ابراہیم شرقی کے زمانہ میں ہندوستان آئے اور ۸۳۸ھ میں واصل بحق ہوئے۔ ''ساکن بہشت'' تاریخ وصال ہے، مزار پُر انوار مکن پور میں ہے۔ عوام کے خیال میں وہ اب تک زندہ ہے اسلئے ''زندہ شاہ مدار'' کہلاتے ہیں۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ وہ حبس دم پر عامل تھے سلئے نہایت طویل عمر پائی۔ مدار یہ فقیروں کا طبقہ ان ہی سے موسوم ہے۔

۴۔ عرس حضرت شاہ ولایتؒ:

سابق میں یہ عرس دھوم دھام اور بہت کچھ اہتمام سے ہوتا تھا مصارف عرس کے لئے کچھ اراضیات سلطنت اسلامی کی عطیہ تھیں لیکن جب سے اہل خاندان کی اکثریت نے اختلاف مذہبی کی بنا پر عرس کے اہتمام سے دلچسپی لینا ترک کردی، موقوفہ اراضیات بھی باقی نہ رہیں تو عرس کی سابقہ حیثیت بھی باقی نہ رہی۔ اس کے بعد سے درگاہ کے مجاور، بڑھ تلے والے کا مستھ اور شہر کے قسائی اور تیلی وغیرہ جن کو اس درگاہ سے موروثی عقیدت ہے، عرس کا اہتمام کرتے ہیں۔ انیسویں سے اکیسویں رجب تک تین دن عرس ہوتا ہے، میلہ بھی لگتا ہے اور عوام الناس کا مجمع بھی خاصہ ہو جاتا ہے، کچھ اہل خاندان اور شرفائے شہر بھی شریک ہوتے ہیں۔

---

۱ یعنی سید بدر الدین عرف میر بساون بن سید محمد اسد اللہ خاں عرف میر کلو۔ ۲ [مجموعہ نثر سر جنری ایلیٹ صفحہ ۲۵۱]

۵۔عرس حضرت شاہ عبدالہادیؒ:

ماہ شوال میں ۶ سے ۸ تاریخ تک عرس ہوتا ہے میلہ بھی لگتا ہے جیسا کہ کسی دوسری جگہ بیان کیا گیا ہے آپ کے صاحبزادے شیخ ظہور اللہ عرف شیخ کڈھو نے ۱۰۵ آراضی مصارف عرس کے لئے وقف کی تھی۔ عرس کا اہتمام اہل خاندان کرتے ہیں۔ مجمع بھی کافی ہو جاتا ہے۔

۶۔عرس حضرت شاہ ابن:

ماہ ذی الحجہ میں گیارہویں سے پندرہویں تاریخ تک پانچ روز عرس ہوتا ہے۔ گیارہویں و بارہویں صدی ہجری میں یہ عرس بڑے پیمانہ پر ہوتا تھا، بیرونجات سے مرید و معتقد بکثرت آتے تھے۔ صاحب اسراریہ تقریباً ہر سال عرس میں شریک ہوتے وہ شاہ مخدوم عالم کے تذکرہ میں اس عرس کی کیفیت ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

امروز مریدان خانوادہ ایشان کہ درہنگامہ عرس شیخ ابن جمع می شوند ہزاران اند بل از شمار زیادہ این معاملہ روز افزون است

آجکل اس خاندان بزرگ کے مریدوں کی تعداد جو حضرت شیخ ابن کے عرس کے موقع پر جمع ہوتے ہیں ہزاروں کی ہے بلکہ شمار سے بھی زیادہ ہے اور روز بروز بڑھتی جاتی ہے

قدیم تحریرات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں زائرین و داخلین سلسلہ ہندوستان کے دور دراز مقامات سے عرس کی شرکت کے لیے آتے تھے جن کے قیام کے لئے متصل روضہ کثرت مکانات موجود تھے۔ حضرت خواجہ باقی باللہ المعروف بہ خواجہ بیرنگ کے فرزند باکمال خواجہ عبداللہ جو سیدکل محمد مؤلف اسراریہ کے شیخ اور پیر طریقت تھے۔ نیز اسی مرتبہ کے چند اور بزرگ عرس کے موقع پر امروہہ تشریف لاتے اور حال وقال کی مجالس میں شریک ہوتے، صاحب اسراریہ نے بعض ایسے حضرات کا بھی ذکر کیا ہے جو جون پور جیسے دور دراز مقامات سے شرکت عرس کے لئے امروہہ آیا کرتے تھے مثلاً سید ضیاء الدین جونپوری کے تذکرہ میں جو اپنے زمانہ کے عالم فاضل اور عارف باللہ تھے وہ لکھتے ہیں۔ [۱]

"من آں سید ضیاء الدین را در امروہہ دیدہ ام ہنگامہ عرس شیخ ابن سروپا برہنہ

میں نے ان سید ضیاء الدین کو دا امروہہ میں حضرت شیخ ابن کے عرس کے موقع پر دیکھا تھا سر و پا برہنہ تھے۔

مصارف عرس و خانقاہ کے لیے اراضیات اسلامی سلطنت کی عطیہ تھیں عرس کا انتظام اہل خاندان کرتے رہے ہیں بزرگان سادات دربار کلاں وکٹرہ غلام علی بھی بربنائے عقیدت اہتمام میں شرکت کرتے تھے۔ امروہہ کے دوسرے مشائخ کے عرسوں کی طرح بعض اقوام اہل حرفہ کو اس خانوادہ مشائخ سے عقیدت وارادت چلی آتی ہے اسی بنا پر دھنی جولاہے اب تک عرس ایک شب کا اہتمام کرتے ہیں۔ پچھلی صدی سے عرس میں بے رونقی ہوگئی تھی اب چند سال سے اہل خاندان کی کمیٹی نے ازدیاد رونق کا انتظام کیا ہے اجتماع بھی کافی ہوتا ہے اور میلہ بھی لگتا ہے۔ بیرونجات سے بھی کچھ لوگ شرکت کی غرض سے آتے ہیں۔ ان ہی ایام میں خانقاہ میں تبرکات کی زیارت بھی ہوتی ہے جس میں زیادہ تر حضرت بابا فرید شکر گنجؒ کے تبرکات ہیں اور کچھ حضرت شاہ ابن بدر چشتیؒ کے۔

۱۔ اسراریہ قلمی

۷۔شب برات:

تقریباً ستر اسّی برس پہلے امروہہ میں یہ تیوہار بڑے اہتمام سے منایا جاتا تھا ہر خاندان اور ہر محلّہ میں ہفتوں پہلے سے آتشبازی کے سامان تیار ہوتے تھے، مختلف ٹولیاں آتشبازی کی پیچ کھیلتیں اور ایک دوسرے پر سبقت لیجانے کی کوشش کرتیں لیکن یہ سب دولت کے کھیل تھے۔ جب مرفہ حالی کا وہ سابقہ حال باقی نہ رہا تو آتشبازی بھی سرد پڑ گئی۔

۸۔عیدالفطر:

تقریباً سوا صدی پیشتر تک امروہہ کے سب مسلمان اس یوم سعید میں ایک ہی مقام پر نماز عید کے لئے مجتمع ہوتے۔ شہر کے قاضی مختصر سے جلوس کے ساتھ نماز پڑھانے عیدگاہ آتے، شروع شروع میں جو حضرات شیعہ مسلک کے متبع تھے وہ بھی عام مسلمانوں کے ساتھ عید کی نماز میں شرکت کرتے لیکن بعد میں جب عقائد کی کشمکش نے باہمی مخالفتوں کی شکل اختیار کرلی تو عیدین کے ادائے فرائض میں بھی جدائی ہوئی حتی کہ بعد میں شیعہ حضرات کا عیدگاہ جانا حکومت کے حکم سے ممنوع ہوگیا اور وہ اپنی جامع مسجد (اشرف المساجد محلہ شفاعت پوتہ) میں عیدین کی نماز پڑھنے لگے۔ عیدگاہ میں شہر اور مضافات کے مسلمانوں کا اجتماع کثیر ہوتا ہے۔ پندرہ بیس ہزار کا مجمع بالعموم ہو جاتا ہے جس کے لیے عیدگاہ کا وسیع صحن، فراخ سیڑھیاں قطعاً ناکافی ہوتی ہیں، نیچے فرش خاک پر لوگوں کو نماز پڑھنی پڑتی ہے عیدگاہ کے بانی شیخ غلام محمد کی طرح اب اگر کوئی صاحب ہمت امروہہ میں نہیں تو کیا صوفی خدا بخش عباسی کی طرح بھی جنھوں نے بعد میں اس کی مرمت کرائی تھی چند اشخاص نہیں جو عیدگاہ کے صحن کو وسیع نہ کرا سکیں تو کم از کم سامنے کی زمین ہی کو ہموار کر کے پختہ کردی جائے تاکہ نمازیوں کو ناہموار اور ریتلی زمین پر بیٹھنے کی اذیت نہ رہے۔ عید کے دن محلہ شیخ زادگان (محلہ جھنڈا شہید) میں حضرت بابا فرید الدین شکر گنج کی اولادان کے پیر طریقت حضرت قطب الدین بختیار کاکی کے تبرکات کی زیارت کی تقریب میں مردانہ وزنانہ مجلسیں منعقد کرتی ہے۔

۹۔عیدالضحیٰ:

عیدین کی نماز سنی عیدگاہ میں اور شیعہ اشرف المساجد (شفاعت پوتہ) میں ادا کرتے ہیں۔ قربانی زیادہ تر گائے کی ہوتی ہے۔ کچھ لوگ مینڈھے اور بکرے کی بھی قربانی کرتے ہیں۔

۱۰۔عشرہ محرم:

امروہہ کی عزاداری دور دور مشہور ہے امام باڑے بڑے اہتمام سے آراستہ کئے جاتے ہیں۔ عورت، مرد، بچے، بوڑھے اور جوان سب غم امام میں سر و پا برہنہ ماتم کرتے، نالہ و بکا کی آوازیں دور دور تک جاتی ہیں۔

۳ محرم سے ۸ محرم تک حسب ذیل امام باڑوں سے علم و تعزیہ نکلتے ہیں۔ امام باڑہ وئیں (محلہ بچدرہ)، امام باڑہ حرمت شاہ (محلہ مچھر ہٹہ)، سقّوں کا امام باڑہ (محلہ صدو)، امام باڑہ نورن، امام باڑہ کنز و غلام علی، امام باڑہ چاند سورج (قاضی زادہ) نویں محرم کو امام باڑہ دربار کلاں سے نشان اٹھکر امام باڑہ دوست علی واقع محلہ کنکوئی میں جاتے ہیں اور دسویں محرم کو محلہ شفاعت پوتہ سے تربت وتخت و مسند تکیہ مع روشن چوکی وغیرہ نکلتے ہیں اور امام باڑہ میراسیاں کے سامنے ہوکر قسائی خانہ سے محلہ کو واپس جاتے ہیں، محلہ قاضی زادہ

میں تسبیح کی زیارت ہوتی ہے اور امام بارہ سنّھی محلہ دانشمندان سے بھی ترتیبیں نکلتی ہیں۔ علاوہ ازیں مختلف محلوں سے روضے (تعزیے) نکلتے ہیں۔ ان سب تاریخوں کے علموں، تعزیوں وغیرہ کی تعداد و تفصیل حسب روبکار مسٹر ہارڈی کلکٹر و مجسٹریٹ ضلع مرادآباد مجریہ ۲۲ رجنوری ۱۸۹۵ء معین و مقرر ہے۔ اور ان کے متعلق حکم ہے کہ بعد گشت قبل غروب آفتاب اپنی جگہ پر واپس پہنچ جائیں۔

۱۱۔ چہلم:

دسویں ماہ صفر سے انیسویں تک اربعین کی مجلسیں ہوتی ہیں۔ سابق میں لکھنؤ وغیرہ سے ذاکر آتے تھے اب بھی بعض حضرات بیرونجات سے آکر مجلسیں پڑھتے ہیں مجالس کے بعد بیسویں صفر کو تعزیے اٹھتے ہیں یعنی روضہ محلہ دانشمندان بلا آرائش اور اسی طرح کا روضہ محلہ چاہ غوری (شیش محل[۱]) سے اٹھتا ہے اور معینہ راستوں سے کربلا میں پہنچ کر دفن ہوتے ہیں۔

---

[۱] جیسا کہ کسی دوسری جگہ بیان کیا گیا ہے خلیفہ عبداللہ انصاری نے تقریباً ۱۲۴۰ھ میں مذہب امامیہ اثنا عشریہ اختیار کیا تھا اور اپنے مردانہ مکان میں عزاداری شروع کی تھی جسے انہوں نے آراستہ کر کے "شیش محل" نام رکھا تھا۔ خلیفہ غلام علی انصاری اسکے فرزند، لاولد فوت ہو گئے۔ انکی زوجہ مسماۃ مینڈی نے کچھ جائداد اس امام بارہ کیلئے وقف کی جسکا باضابطہ عملدرآمد نہ ہوا۔ مسماۃ مینڈی کے خواہر زادہ منشی شبیر علی بن شیخ امانت علی اسکا انتظام کرتے ہیں۔

قطعہ تاریخ

طبعزاد سید سالم حسین صاحب سالم امروہوی

(از اولادِ دیوان سید محمود نبیرہ سید محمد میرِ عدل)

لو دیکھو یہ ہے بوستانِ حقیقت
لگایا نیا گلستانِ حقیقت

درایت کے سب حق ادا کر دیے ہیں
بدل معترف ہے لسانِ حقیقت

سیر کا تواریخ کا ہے خلاصہ
ذرا دیکھ لیں واقفانِ حقیقت

فصاحت، سلاست کے دریا بہائے
میں کہتا ہوں اس کو زبانِ حقیقت

نسب میں بھٹکتے تھے امروہہ والے
چلو مل گیا اب نشانِ حقیقت

صداقت سے مملو یہ تاریخ لکھی
اسے کہتے ہیں دیکھو شانِ حقیقت

بڑی جانچ کی تم نے محمود احمد
بلاشبہ ہو ہمہ دانِ حقیقت

حقیقت میں تم نے وہ تاریخ لکھی
کہ حیرت میں ہے آسمانِ حقیقت

بڑی مشکلیں اور بڑے مرحلے تھے
یہ تاریخ ہے ہفتخوانِ حقیقت

کیا کام وہ تم نے محمود احمد
کہ ہے مرحبا برزبانِ حقیقت

حقیقت میں تم نے وہ تاریخ لکھی
کہ چھانا ہے تم نے جہانِ حقیقت

وہ تاریخ لکھی نہیں جس کا ثانی
یہ ہتلا رہا ہے گمانِ حقیقت

یہ ہے واقعی قابلِ دید نسخہ
حقیقت میں ہے داستانِ حقیقت

یہ سطریں ہیں یا لعل و گوہر کی لڑیاں
کہ کوزہ میں ہے بند جانِ حقیقت

بجا ہے کہوں گر اسے بزمِ اعلیٰ
کہ ہیں جلوہ گر کاملانِ حقیقت

کیے تم نے باطل جہالت کے قصے
بتایا ہے اس کو بیانِ حقیقت

جو کی فکر سالم نے ہاتف پکارا
یہ ہے بے بہا ارمغانِ حقیقت

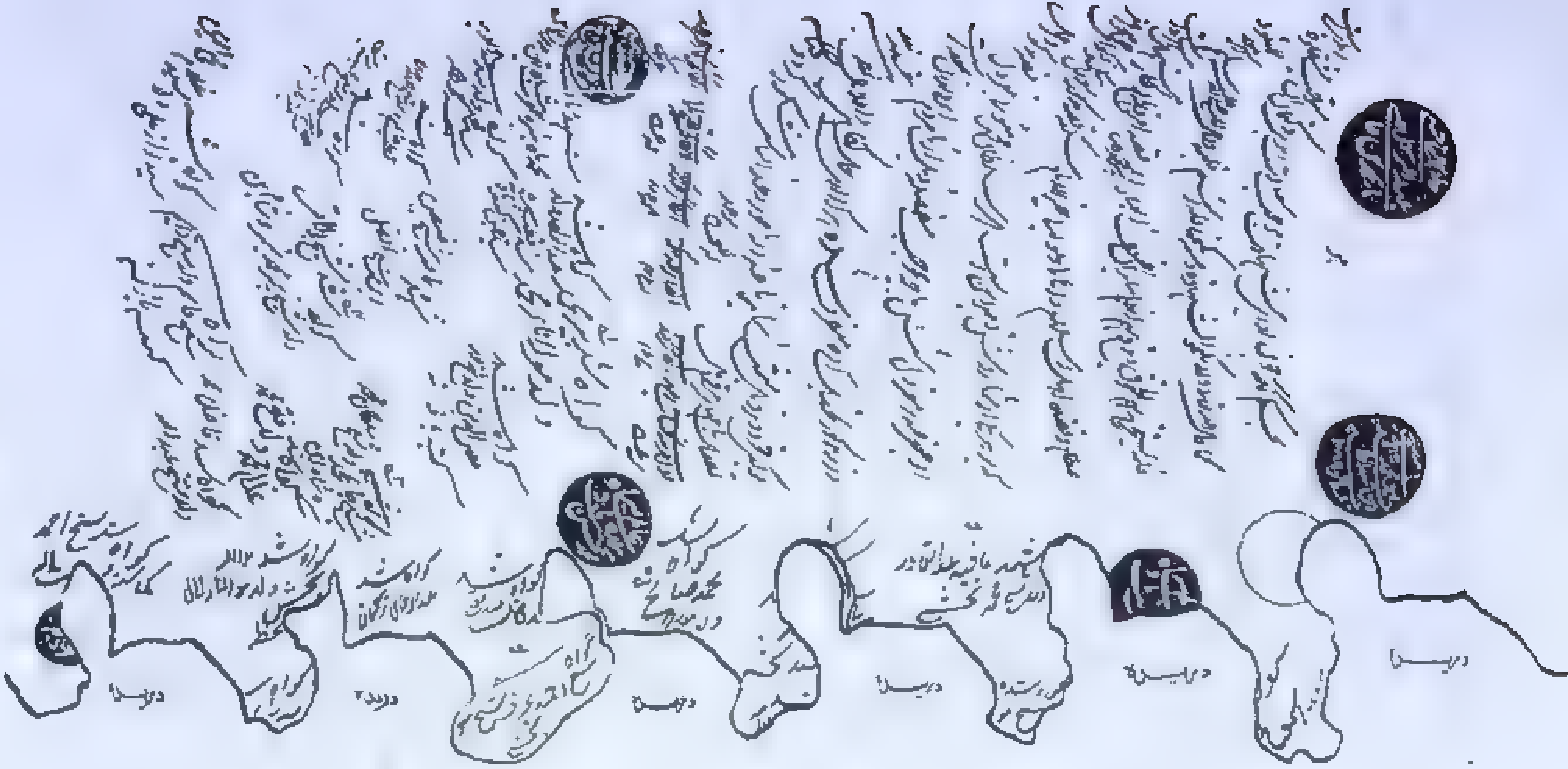

۱ یعنی مولانا پیر محمد بن مولانا محمد بن مولانا بابن بن عباسی جدّ القبلہ خاکسار مولف۔

۲ یعنی شیخ محمد ماہ بن شیخ شاہ محمد بن شیخ کبیر محمد بن شاہ احمد بن حضرت شاہ بنؒ۔

۳ شیخ بان محمد بن شیخ سلطان محمد بن شیخ کبیر مذکور۔

۴ شیخ بلاقی بن شیخ پیر محمد بن شیخ فرید بن شاہ احمد مذکور۔

۵ یعنی برادر حقیقی مولانا پیر محمد عباسی وجدّ اعلیٰ خاکسار مولف۔

۶ و ۷ دستخط بزرگان خاندان نخشبیان۔

فہرست اسماء خادمانِ شروع شریف (قاضیان امروہہ)

نمبر شمار	نام	ولدیت	بادشاہ وقت	سند تقرر	کیفیت
۱	قاضی نظام الدین قریشی	قاضی محمد قریشی	سلطان غیاث الدین بلبن		
۲	قاضی سید امیر علی	حضرت شاہ ولایت	سلطان محمد تغلق		
۳	قاضی سید بن		سلطان فیروز شاہ تغلق		قاضی سید بن نسباً حسینی تھے، جو لوگ انہیں حضرت شاہ ولایتؒ کی نسل میں کہتے ہیں یہ محض غلط ہے۔ مؤلف تاریخ واسطیہ نے اس خاندان کا شجرۂ نسب جو قاضی سید قاضی کبیر اور اس خاندان کی دوسری شاخوں کا درج کیا ہے وہ ہرگز صحیح نہیں۔ ملاحظہ ہو حصہ دوم و سوم۔
۴	قاضی سید منیر	قاضی سید بن	سلطان فیروز شاہ تغلق کے زمانہ سے شروع عہد مغلیہ تک		
۵	قاضی سید اشرف	قاضی سید منیر	//		
۶	قاضی سید ظہیر	قاضی سید اشرف	//		
۷	قاضی سید حسین	قاضی سید ظہیر	//		
۸	قاضی سید اسحٰق	قاضی سید ظہیر	//		
۹	قاضی سید سالار	قاضی سید حسین	//		
۱۰	قاضی سید الہدیہ	قاضی خدادیہ عرف قاضی میاں	//	۹۷۳ھ	
۱۱	قاضی سید کبیر	قاضی سید سالار	شہنشاہ اکبر	۹۸۳ھ	
۱۲	قاضی سید طاہر	//	//	۹۹۷ھ	
۱۳	قاضی سید یوسف	//	شہنشاہ جہانگیر	۱۰۳۰ھ	
۱۴	قاضی سید عبدالرسول	قاضی سید کبیر	شاہجہان	۱۰۳۹ھ	

نمبر شمار	نام	ولدیت	بادشاہ وقت	سند تقرر	کیفیت
۱۵	قاضی سیّد راجے	قاضی سیّد طاہر	شہنشاہ عالمگیر	۱۰۷۴ھ	شریک حاصلات عہدۂ قضاء امروہہ۔
۱۶	قاضی سیّد ولی محمد	قاضی سیّد عبدالرسول	//	۱۰۸۶ھ	برطرف شدہ غرہ ربیع الثانی ۲۲ جلوس عالمگیری
۱۷	قاضی سیّد یار محمد	//	//	۱۰۹۰ھ	
۱۸	قاضی سیّد تاج الدین	قاضی سیّد راجے	//	۱۰۹۸ھ	شریک حاصلات عہدۂ قضاء امروہہ
۱۹	قاضی سیّد مراد	قاضی سیّد یار محمد	محمد شاہ بادشاہ	۱۱۳۸ھ	
۲۰	قاضی سیّد محمد طفیل	//	//	۱۱۵۴ھ	
۲۱	قاضی سیّد عنایت غوث	قاضی سیّد محمد مراد	احمد شاہ بادشاہ	۱۱۸۱ھ	
۲۲	قاضی سیّد عنایت اللہ	سیّد محمد شاکر بن قاضی سیّد ولی محمد	نواب آصف الدولہ	۱۱۸۶ھ	
۲۳	قاضی سیّد اللہ بخش	قاضی سیّد محمد طفیل	//	۱۱۹۴ھ	
۲۴	قاضی سیّد رحمان بخش	قاضی سیّد اللہ بخش	//	۱۲۰۶ھ	
۲۵	قاضی سیّد سبحان بخش	//	ایسٹ انڈیا کمپنی	۱۲۳۴ھ ۲ رجون ۱۸۱۹ء	قاضی وامین پرگنہ امروہہ۔
۲۶	قاضی سیّد ولایت بخش	قاضی سیّد سبحان بخش	//	۱۴ محرم ۱۲۵۳ھ ۲ راپریل ۱۸۳۷ء	//
۲۷	قاضی سیّد ایزد بخش	قاضی سیّد ولایت بخش	//	۲۲ ذیقعدہ ۱۲۸۴ھ ۱۸ مارچ ۱۸۶۸ء	
۲۸	قاضی احمد علی عباسی	مولوی سعداللہ عباسی		۱۲۹۰ھ	نائب قاضی دحکاک //
۲۹	قاضی نبی بخش عباسی	خویش قاضی احمد علی عباسی			قاضی نکاح خوان اہل تسنّن
۳۰	قاضی ابن عباس	قاضی نبی بخش عباسی			//

ماخذ تالیف

نمبر شمار	نام کتاب	نام علم و فن	نام زبان	مطبوعہ یا قلمی	نام مصنف
۱	المعارف	انساب	عربی	مطبوعہ	ابو محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ دینوری متوفی ۲۷۶ھ
۲	فتوح البلدان	تاریخ وجغرافیہ	//	//	امام ابو العباس احمد بن یحییٰ بن جابر بغدادی بلاذری متوفی ۲۷۹ھ
۳	تقویم البلدان	//	//	//	ابو الفدا حموی
۴	عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب	انساب	//	//	سید جمال الدین احمد داؤدی الحسنی متوفی ۸۲۸ھ
۵	صناجۃ الطرب فی تقدمۃ العرب	تاریخ //	//	//	نوفل آفندی طرابلسی
۶	تحفۃ النظار فی غرائب الامصار مشہور بہ رحلہ ابن بطوطہ	سفرنامہ	//	//	ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ الملقب بہ شمس الدین ابن بطوطہ طنجی متوفی ۷۷۹ھ
۷	رسالہ زینبیہ	تاریخ	//	//	علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ
۸	ینابیع المودۃ جامع صغیر	//	//	//	// //
۹	اسعاف الراغبین	//	//	//	مطبوعہ مصر
۱۰	کنز العمال	//	//	//	//
۱۱	لسان العرب	لغات	//	//	//
۱۲	تاریخ فیروز شاہی	تاریخ	فارسی	//	ضیاء الدین برنی متوفی ۷۶۱ھ
۱۳	// //	//	//	//	سراج عفیف
۱۴	فتوحات فیروز شاہی	//	//	//	سلطان فیروز شاہ تغلق
۱۵	تاریخ مبارک شاہی	//	//	//	یحییٰ بن احمد بن عبداللہ سرہندی
۱۶	تاریخ فرشتہ	//	//	//	محمد قاسم فرشتہ
۱۷	تاریخ وصاف	//	//	//	عبداللہ بن فضل اللہ شیرازی

نمبرشمار	نام کتاب	نام علم وفن	زبان	مطبوعہ	نام مصنف
۱۸	منتخب التواریخ	//	//	//	ملا عبدالقادر بدایونی
۱۹	آئین اکبری	//	//	//	علامہ ابوالفضل بن شیخ مبارک
۲۰	شاہجہاں نامہ	//	//	//	ملا عبدالحمید لاہوری
۲۱	عمل صالح	//	//	//	محمد صالح کنبوہ منصبدار عہد شاہجہانی
۲۲	تزک جہانگیری	//	//	//	شہنشاہ جہانگیر
۲۳	مرآت آفتاب نما	//	//	//	سید عبدالرحمن الخاطب بہ شاہنواز خان ہاشمی
۲۴	مثنوی دولرانی	مثنوی	//	//	حضرت امیر خسرو علیہ
۲۵	ماثر الامراء	تاریخ وسیر	//	//	شاہنواز خان
۲۶	ثمرات القدس من شجرات الانس	//	//	قلمی	لال بیگ بخشی شاہزادہ مراد
۲۷	اسراریہ	//	//	//	سید کمال محمد بن سید لال از اولاد شاہ ولایت امروہہ
۲۸	تاریخ سندھ	تاریخ	//	//	سید معصوم المتخلص بہ نامی بن سید صفائی الحسینی الترمذی
۲۹	مقاصد العارفین	تذکرہ مشائخ	//	//	حضرت شاہ عضد الدین جعفری
۳۰	ماثر عالمگیری	تاریخ	//	//	مستعد خان
۳۱	ماثر الکرام	سیر	//	مطبوعہ	علامہ میر غلام علی آزاد بلگرامی
۳۲	عماد السعادت	تاریخ	//	//	سید غلام علی خان
۳۳	جام جہان نما	//	//	قلمی	محمد قدرت اللہ صدیقی
۳۴	جواہر فریدی	تذکرہ	//	//	
۳۵	طبقات ناصری	تاریخ	//	مطبوعہ	قاضی صدر جہاں منہاج الدین سراج جورجانی
۳۶	آثار الصنادید	//	اردو	//	سرسید احمد خان علیہ
۳۷	سیرۃ النبی	سیر	//	//	علامہ شبلی نعمانی مرحوم
۳۸	گل رعنا	تذکرہ	//	//	مولوی حکیم سید عبدالحی مرحوم
۳۹	تمدن عرب	تاریخ	//	//	جرجی زیدان
۴۰	تزک بابری	//	//	//	ترجمہ
۴۱	سفرنامہ مولوی مسیح اللہ خان	سفرنامہ	//	//	

نام مصنف	مطبوعہ	زبان	نام علم وفن	نام کتاب	نمبر شمار
مولوی رضی الدین بسمل	//	//	تاریخ	کنز التاریخ	۴۲
مولوی محب علی خان عباسی	//	//	//	آئینہ عباسی	۴۳
مولوی آل حسن تخشی	//	فارسی	//	تحفۃ التواریخ	۴۴
سید اصغر حسین امروہوی	//	اردو	//	تاریخ اصغری	۴۵
مولوی سید احمد دہلوی	//	//	لغات	فرہنگ آصفیہ	۴۶
	//	فارسی	//	فرہنگ تخشی	۴۷
میر علی شیر سندھی	//	//	تاریخ	تحفۃ الکرام	۴۸
سید مصطفےٰ ایرانی	//	//	//	حملہ حیدری	۴۹
مولوی حکیم فرید احمد عباسی	//	اردو	//	سیرۃ العباس	۵۰
ترجمہ کتاب العبر فی دیوان المبتدا والخبر فی ایام العرب والبربر	//	//	//	مقدمۂ تاریخ ابن خلدون	۵۱

نام کتاب معہ نام مصنف	نمبر شمار
Imperial Gazetteer of India Vol. II	۵۲
District Gazetter of Moradabad	۵۳
Journal of the U.P. Provinces Historical society	۵۴
Historical Memoirs of Bullandshehr by E. S. Growse	۵۵
History of India by Sir Henry M. Elliot and Dawson	۵۶
Memoirs of the History, Folk-lore and Distribution of the races of the N. W. Provinces by Sir H. M. Elliot, K.C.B.	۵۷
The preaching of Islam by T.W. Arnold	۵۸
District Gazetteer, Shahjehanpur (1883)	۵۹
The Civilization of Ancient India (R. C. Dutt)	۶۰
Geneologische Tebellen (Wastenfeld)	۶۱
Francis Johnson's Dictionary	۶۲

تاریخ امروہہ

ختم شد

۲۰۰۵

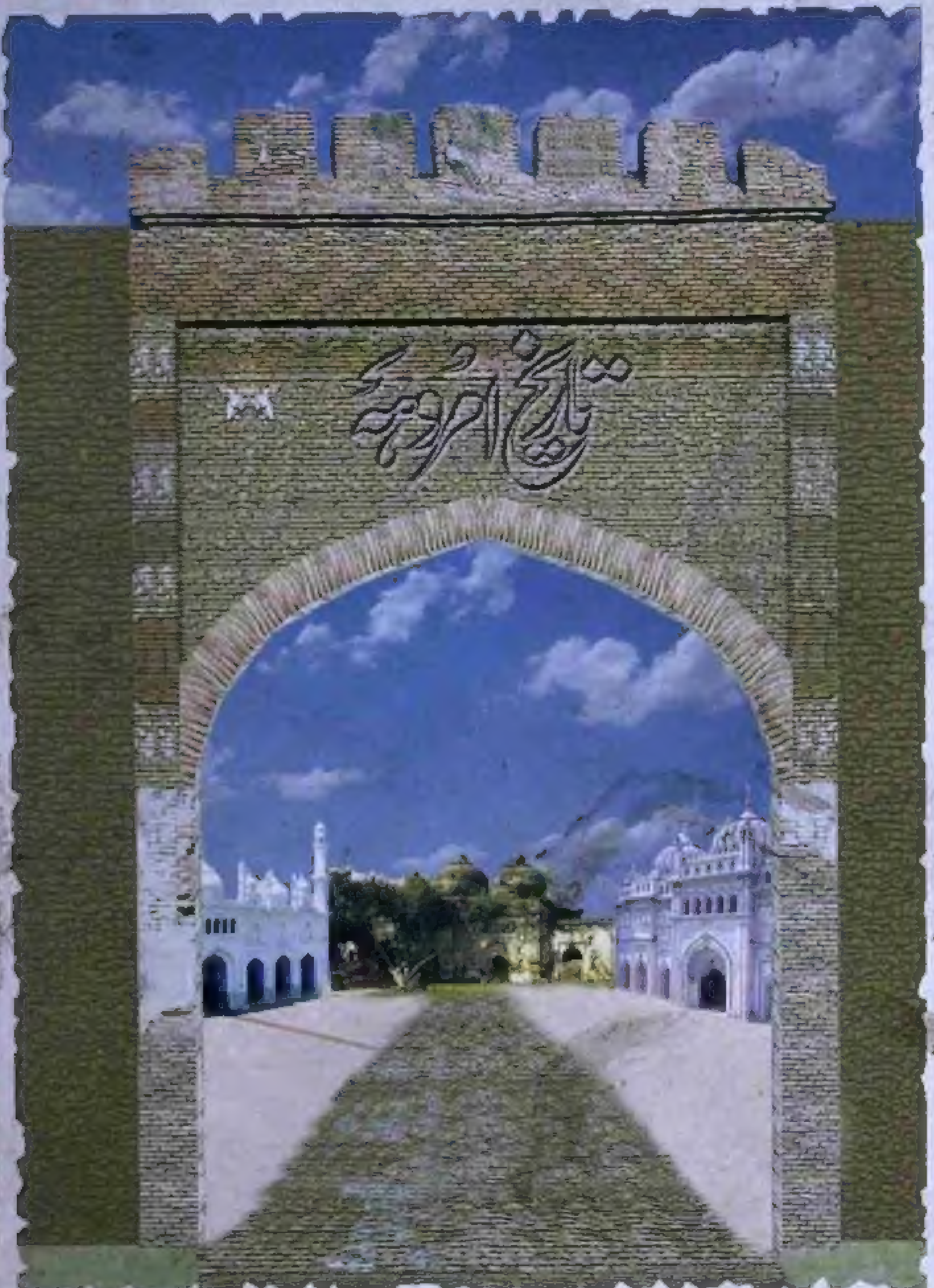
تاریخ امروہہ